گورا

رابندر ناتھ ٹیگور

گورا

رابندر ناتھ ٹیگور

مُترجم
سجّاد ظہیر

ساہتیہ اکادمی

Gora : Urdu translation by Sajjad Zaheer of Rabindranath Tagore's Bengali novel. Sahitya Akademi, New Delhi. (Second edition : 1981). Price Rs. 40/-

ساہتیہ اکادمی

نئی دہلی

پہلا ایڈیشن ۱۹۶۲ء

دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۱ء

وشوا بھارتی پرکاشن کے اشتراک سے یہ ایڈیشن شائع ہوا

قیمت: چالیس روپے

جے۔ کے آفسٹ پرنٹرز، دہلی

پہلا باب

کلکتہ میں برسات کا موسم تھا۔ مگر آج صبح ہی صبح۔ بادل پھٹ گئے تھے اور آسمان پر صاف ستھری دھوپ پھیل گئی تھی۔ بنوئے بھوشن اپنے مکان کے اوپر والے برآمدے میں اکیلا خاموش کھڑا نیچے سڑک پر آنے جانے والوں کی ریل پیل دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی تعلیم ابھی حال ہی میں ختم کر چکا تھا لیکن ابھی تک باقاعدگی سے کسی کام پر نہیں لگا تھا ویسے وہ اخبارات کے لئے مضامین لکھتا رہا تھا میٹنگیں وغیرہ کرتا رہا تھا۔ لیکن اتنے سے اس کا دل مطمئن نہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کسی خاص کام کے نہ ہونے سے ہی اس کو آج صبح سے ایک عجیب سی بے چینی کا احساس ہو رہا تھا۔ سامنے والی دوکان کے آگے ایک بنجارہ کھڑا تھا جو گیروں کا سا لبادہ پہنے اور گا رہا تھا جیسے بنجارے

ایک انجانا پنچھی ——— جانے کہاں کا بھولا بھٹکا
میرے پنجرے میں گھس آیا۔
بن نہ پڑا پیروں میں اس کے
ایک زنجیر پہناؤں ....
چنکھ پسار سُدھار ابھی وہ
پر کس اَور ہے اس کا رستہ
میں پہچان نہ پاؤں
ایک انجانا پنچھی ——— جانے کہاں کا بھولا بھٹکا۔

بنوئے کا جی چاہا کہ وہ اس جوگی کو آواز دے کر اوپر بلائے اور انجانے پنچھی کا یہ گیت اس سے سن کر لکھ لے۔ لیکن جیسے آدھی رات کو سردی یکایک بڑھ جائے مگر پھر بھی انسان سوچے کہ اب

کر ان ایک کمبل اوڑھے۔ اسی طرح نبوتے پر بھی ایسی بے کیفی سی طاری تھی کہ وہ جوگی پیچھے ہی رہا۔ انجانے پنچھی کا گیت لکھا ہی نہیں گیا ——— صرف بس گیت کی دردناک لے نبوتے کے ذہن پر بار بار گونج کر چوٹ لگاتی رہی۔

اور اسی وقت حادثہ ہوا۔ بالکل اس کے گھر کے سامنے ایک چھوٹا سا تانگہ ایک زبردست جوڑی سے ٹکرا گیا۔ بگھی اور دونوں گھوڑے تانگہ اُلٹ کر ایسی تیزی سے نکل گئے اور اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ نبوتے دوڑتا ہوا گلی میں پہنچا۔ ایک نوجوان لڑکی تانگے سے اتر پڑی تھی۔ اور ایک بوڑھے جنٹلمین اُترنے کی کوشش کر رہے تھے۔ نبوتے دوڑ کر اُن کو سہارا دینے لگا تو اُس نے دیکھا کہ ان کا رنگ بالکل اُڑ گیا ہے۔ اور چہرہ زرد ہو گیا ہے۔

"آپ کو چوٹ تو نہیں آئی" اُس نے پوچھا۔

"نہیں نہیں۔ کوئی بات نہیں ہے" انھوں نے بات کو ہنسی میں ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ حالانکہ ان کی صورت کوئی بھی دیکھتا تو فوراً سمجھ جاتا کہ اب وہ بیہوش ہونے ہی والے ہیں!

نبوتے نے اُن کا بازو تھاما۔ اور گھبرائی ہوئی لڑکی سے بولا "یہ سامنے میرا ہی گھر ہے۔ آپ لوگ ابھی یہیں چلی چلئے۔ آئیے"

لڑکی نے اپنے والد صاحب کو پلنگ پر لٹا کر ادھر اُدھر دیکھا۔ کہ کہیں پانی ہے۔ پھر گھڑے سے اُنڈیل کر اُن کے منہ پر چھینٹے دیے۔ پنکھا جھلتے ہوئے پریشان آواز میں نبوتے سے کہنے لگی "آپ کسی ڈاکٹر کو بلوا سکتے ہیں؟"

قریب ہی میں ایک ڈاکٹر صاحب تھے۔ نبوتے کا نوکر اُن کو بلانے کے لئے دوڑایا گیا۔

نبوتے لڑکی کے پیچھے کھڑا تھا۔ یکایک اُس کی نظر سامنے لگے ہوتے آئینے میں لڑکی کے عکس پر پڑ گئی۔ بچپن سے وہ کلکتہ میں رہتا تھا۔ تنہا اور اکیلا۔ اس کی کتابیں اور اس کی تعلیم یہی اس کی دولت اور ساتھی تھیں۔ دنیا کے متعلق جو کچھ سیکھا تھا ان ہی سے۔ جو کچھ جانا تھا۔ ان ہی سے۔ اپنے خاندان سے باہر کبھی کسی عورت سے ملاقات۔ بات نہیں ہوئی تھی۔ اُس وقت آئینہ میں نظر آتی ہوئی یہ تصویر اُس کو

یکایک بھاگئی! عورتوں کے ناک نقشے یا حسن و جمال کی تفصیلوں سے وہ ناآشنا تھا۔ پر اس شگفتہ چہرے میں نبوے کو ایک نئی ہی دنیا دکھائی دی۔ گھبراہٹ میں بھی ایک عجیب دلکشی تھی۔ اس صورت میں وہ اپنے بزرگ پر جھکی ہوئی پریشان نگاہوں سے انھیں دیکھ رہی تھی۔ اور نبوے کو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس کی زندگی میں رنگ و بو کا ایک نیا باب کھل گیا۔

کچھ دیر بعد ان بزرگ نے آنکھیں کھولیں اور ایک ٹھنڈی سانس لی! لڑکی ان پر اور جھک گئی اور پریشان آواز میں پوچھا "پتا جی ——— آپ کو چوٹ آئی؟

"پر میں ہوں کہاں؟" انھوں نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا

نبوے جلدی سے ان کے پاس پہنچ گیا۔ "دیکھئے آپ مہربانی کر کے نہ اٹھئے ——— ڈاکٹر بس آیا ہی چاہتا ہے۔" اس نے اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ ڈاکٹر صاحب کے قدموں کی آہٹ آئی اور وہ دروازے سے داخل ہوئے۔ انھوں نے اچھی طرح دیکھنے بھالنے کے بعد یہ رائے قائم کی کہ کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اور یہ کہ گرم دودھ میں ذرا سی برانڈی ملا کر دے دی جائے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد لڑکی کے والد صاحب ذرا پریشان نظر آئے۔ لڑکی ان کی پریشانی کا سبب تاڑ گئی اور ان کو یقین دلایا کہ گھر جا کر ڈاکٹر کی فیس اور دوا کے دام بھیج دئے جائیں گے۔ پھر وہ نبوے کی طرف مڑی ——— اوہ کس غضب کی آنکھیں تھیں۔ حالانکہ اس وقت اگر کوئی نبوے بابو سے پوچھتا تو وہ یہ کبھی نہ بتا سکتے کہ وہ آنکھیں بڑی تھیں یا چھوٹی۔ سیاہ تھیں یا بھوری۔ پہلی ہی بار دیکھو تو بس خلوص ہی خلوص ان میں نظر آیا۔ نہ بے جا شرم نہ ہچکچاہٹ، بلکہ ایک عجیب سی سنجیدہ قوت اور رعنائی۔

نبوے نے رک رک کر کچھ کہنے کی کوشش کی "ارے وہ ڈاکٹر کی فیس کا کیا ہے...... وہ تو کوئی بات نہیں۔ میں تو...... میں ———"

لیکن لڑکی کی نگاہوں نے اسے کچھ نہ کہنے دیا۔ البتہ یہ یقین ہو گیا کہ ڈاکٹر کی فیس اس کو لینی ہی پڑے گی۔

اُن صاحب نے برانڈی منگوانے کے خلاف احتجاج کیا تو لڑکی نے اصرار کیا "لیکن پتاجی —— ڈاکٹر نے جو کہا ہے کہ آپ کو برانڈی ملنی چاہیے۔"

وہ بولے "ڈاکٹروں کی عادت ہوتی ہے کہ ذرا سا بہانہ ملا اور برانڈی تجویز کر دی۔ ذرا سی کمزوری تھی تو ہے۔ سو اس کے لئے ایک گلاس دودھ کافی ہے۔"

دودھ پی کر وہ نبوتے سے مخاطب ہوئے "اب ہم لوگوں کو چلنا چاہیے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کو خواہ مخواہ ہی اتنی پریشانی اٹھانی پڑی۔"

لڑکی نے دوسرا تانگہ منگوانے کو کہا، پر وہ اصرار کرتے رہے کہ "اب اُن کو اور پریشان کرنے اور دوڑانے سے کیا فائدہ۔ اتنی قریب تو ہمارا گھر ہے پیدل ہی چلے چلتے ہیں۔" پر وہ نہ مانی اور نبوتے سواری لینے گیا۔

روانہ ہونے سے پہلے ان صاحب نے اپنے میزبان کا نام پوچھا۔ اور اپنا نام پارش چندر بنرجی بتاتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اُن کا گھر اسی گلی میں ہے اور مکان نمبر ۵ ہے۔ پھر بولے "اگر تمہیں کبھی فرصت ہو تو آنا ہم لوگ تمہارے آنے سے بہت خوش ہوں گے۔"

لڑکی کی نگاہوں نے بھی خاموشی کے ساتھ اس بلاوے کی تائید کی۔ نبوتے کا جی تو یہ چاہ رہا تھا کہ وہ اسی وقت اُن کو پہنچانے ساتھ چلا چلے لیکن اس کو خیال ہوا کہ کہیں بدتمیزی نہ ہو جائے کہ ساتھ لگے چلے آ رہے ہیں۔ اس لئے وہ ہچکچاتا رہا۔ اور کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ جب گاڑی روانہ ہونے لگی تو لڑکی نے سر جھکا کر گویا اس سے اجازت لی اور وہ اس قدر بوکھلایا کہ جواب بھی نہ دے سکا۔

کمرے میں واپس آ کر نبوتے اپنی بیوقوفی پر پچھتانے لگا۔ اگر وہ بھی جواب میں سر جھکا دیتا تو بہت اچھا رہتا۔

اُن لوگوں کے آنے سے لے کر روانگی کے وقت تک اُس نے جو کچھ کیا تھا۔ وہ جس طرح پیش آیا تھا۔ اس کا سب جائزہ لینے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اُس کا رویہ عجیب تھا۔ بار بار

وہ سوچے جارہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہیے تھا اور اس نے کیا کہا۔ کیا کرنا چاہیے تھا اور کیا گیا۔ اور الجھن تھی کہ بڑھتی ہی جارہی تھی۔ یکایک اس کی نظر پلنگ کی پٹی پر گئی۔ تو وہاں اس لڑکی کا رومال پڑا دکھائی دیا۔ لپک کر اس نے رومال اٹھالیا۔ اور اٹھاتے ہی اس کے کان میں جوگی کی آواز گونجنے لگی

ایک انجانا پنچھی جانے کہاں کا بھولا بھٹکا

ایک انجانا پنچھی ــــــ

گھڑیاں گزرتی گئیں۔ دھوپ میں تیزی بڑھتی گئی۔ نیچے سڑک پر دفتروں کو جانے والی گاڑیوں کی قطاریں لمبی ہوتی گئیں۔ پر نبو نے اس دن کسی کام میں دھیان نہ لگا سکا۔ اسے اپنا تنگ مکان اور وہ گندی گلی جس میں وہ مکان تھا، اب ایک خیالی دنیا سی لگ رہی تھیں، دھوپ کی تپش اس کے دماغ کو جھلسا دیتی تھی جیسے رگ رگ میں سرایت کر گئی ہو۔ جیسے روشنی کی تیزی سے زندگی کی اصلیت دماغ کے پردوں سے اوجھل ہو گئی ہو۔

یکایک اس نے دیکھا کہ سات آٹھ سال کا ایک لڑکا سڑک پر کھڑا مکانوں کے نمبروں کو غور سے پڑھ رہا ہے۔ نہ جانے کیوں اُسے خیال آیا کہ وہ اس کا ہی مکان تلاش کر رہا ہے۔ چنانچہ اس نے اندر ہی سے آواز دی۔ ہاں۔ ہاں۔ یہی مکان ہے۔ اور پھر اُچھل کر گلی سے اس لڑکے کو تقریباً گھسیٹ کر اندر لے آیا۔ لڑکے کی صورت کو اُوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے اس نے اس کے آگے بڑھے ہوئے ہاتھ سے خط لے لیا۔ جس پر پتہ کسی عورت کے ہاتھ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

لڑکا بولا "میری بہن نے یہ بھیجا ہے" ــــ لفافے کے اندر خط کوئی نہیں تھا۔ البتہ کچھ روپے تھے۔

پھر لڑکا جانے کے لئے مُڑا لیکن نبو نے پکار کر کے اُسے اپنے کمرے میں اُوپر لے گیا اس کا رنگ اپنی بہن سے دبتا ہوا تھا مگر پھر بھی شباہت بہت تھی۔ نبو نے دل ہی دل میں

پھولا نہیں سما رہا تھا۔ لڑکا اُسے بہت ہی پیارا لگ رہا تھا۔

اپنی جگہ وہ لڑکا بھی کافی سمجھدار نکلا۔ کمرے میں داخل ہوا تو دیوار پر لٹکی ہوئی تصویر کی طرف اشارہ کر کے سنجیدگی سے پوچھا "یہ کس کی تصویر ہے؟"

"دوست کی تصویر؟" ——— کون ہیں وہ"

"تم انھیں نہیں جانتے۔ ان کا اصلی نام گورموہن بابو ہے۔ پر میں اُن کو گورا کہتا ہوں۔ ہم لوگ بچپن سے ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اسکول میں بھی ساتھ تھے۔"

"آپ اَب بھی اسکول جاتے ہیں؟"

"نہیں۔ میں تو اپنی تعلیم ختم کر چکا۔"

"سچ سچ آپ ختم کر چکے؟ ختم کر چکے آپ؟"

اس ننھے اجنبی کے دل میں اپنی جگہ کرنے کی خواہش کو بنوئے دبا نہ سکا ذرا فخر سے بولا "ہاں میں تو سب کچھ ختم کر چکا۔"

پھر لڑکے نے اپنا نام بتایا "ستیش چندر مکرجی۔"

"مکرجی" بنوئے آہستہ سے بولا۔ جیسے کھو گیا ہو۔

باتوں باتوں میں پتہ چل گیا کہ پاریش بابو اِن بچّوں کے باپ نہیں تھے لیکن بچپن سے یہ دونوں بھائی بہن اُن کے یہاں ہی پلے تھے۔ بہن کا نام پہلے رادھا رانی تھا لیکن پاریش بابو کی بیوی نے اس کا نام ذرا زیادہ ترقی پسند کرنے کے لئے سچاریتا رکھ دیا تھا۔

ستیش چلنے لگا تو بنوئے نے پوچھا "اکیلے چلے جاؤ گے؟"

ستیش کو بُرا لگ گیا۔ یہ تو اس کی ہتک ہو گئی۔ ذرا تن کے بولا "ہاں ہاں برابر جاتا آتا رہتا ہوں۔"

"میں پہنچا دوں؟"

وہ اور بگڑ گیا۔ یہ تو اُس کی مردانگی پر چوٹ ہوئی۔ "کیوں؟ آپ کیوں پہنچائیں گے۔ میں

اکیلا ہی جا سکتا ہوں۔" اور پھر وہ بتانے لگا کہ کس طرح وہ بیسیوں بار اکیلا جگہ جگہ آیا گیا ہے:

بنوے پھر بھی لڑکے کو گھر تک پہنچانے پر کیوں اصرار کرتا رہا، یہ لڑکے کی سمجھ کے باہر بات تھی۔ اور وہ اور بھی حیران ہوا جب بنوے نے اس کو دروازے تک پہنچایا لیکن اندر جانے سے انکار کر دیا۔ یہی کہے گیا "نہیں نہیں۔ ابھی نہیں۔ پھر کسی دن آؤں گا۔"

گھر واپس آکر بنوے نے وہ لفافہ نکالا جس میں لڑکی نے روپے بھیجے تھے اور بار بار اتنے غور سے اوپر لکھا ہوا پتہ پڑھا کہ خط کی ایک ایک نوک پلک اس کو زبانی یاد ہو گئی، اس کے دل پر نقش ہو گئی۔ پھر اس نے خط کو روپوں سمیت بڑی احتیاط سے بکس میں بند کر دیا جیسے یہ روپے کبھی خرچ نہ ہوں گے۔ حد سے زیادہ ضرورت، شدید ضرورت بھی ہو گی تو یہ خزانہ علیحدہ نہ کیا جائے گا۔

دُوسرا باب

برسات کا موسم تھا، شام کے تاریک ہوتے ہوئے جھٹپٹے میں ایسا لگتا تھا کہ آسمان نمی کے بوجھ سے جھک گیا ہے۔ بادلوں کی اس خاموش اور بھیگی پرچھائیں تلے کلکتہ شہر ایک بھاری بھرکم آوارہ گرد کتے کی طرح معلوم ہوتا تھا جو تھک کر کنڈلی مارے، دُم پر منھ دبائے، چپ چاپ لیٹا ہو۔ پچھلی رات سے برابر پھوار گر رہی تھی جس سے مٹی کیچڑ ہو گئی تھی مگر اتنا پانی نہ تھا جو کیچڑ کو بھی بہا لے جاتا۔ شام کو چار بجے کے بعد سے بوندیں تو رک گئی تھیں لیکن بادل اب بھی دھمکی کے انداز میں ڈٹے ہوئے تھے۔ موسم کچھ ایسا تھا کہ باہر جاؤ تو خطرہ تھا اندر بیٹھو تو گھبراہٹ ہوتی تھی۔ ایسے میں، ایک تین منزلہ مکان کی بھیگی ہوئی چھت پر، دو نوجوان بید کی کرسیاں بچھائے بیٹھے تھے۔

بچپن میں بھی دونوں، اسکول کے لوٹنے کے بعد، اسی چھت پر ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ یہی جگہ امتحانوں سے پہلے دونوں ساتھ بیٹھ کر سبق رٹا کرتے تھے۔ کالج سے واپس آ کر، گرمیوں کے زمانے میں یہیں رات کا کھانا کھایا کرتے تھے۔ دو دو بجے رات تک بحثیں چلتی رہتیں۔ صبح کو بوکھلا کر اُٹھتے تو پتہ چلتا کہ بحثتے بحثتے یہیں چٹائی پر دونوں کو نیند آ گئی تھی۔ جب کالج کے امتحان ختم ہو چکے تو اسی چھت پر مہینے میں ایک بار "ہند محبانِ وطن سوسائٹی" کی نشستیں ہونے لگیں جن میں ایک دوست صدر ہوتا تھا تو دوسرا اسکریٹری۔

صدر کا نام گوموہن تھا۔ رشتہ دار اور دوست اُسے پیار سے گورے کہتے تھے۔ وہ اتنا لمبا چوڑا تھا کہ ہر طرف سے بڑھا ہوا لگتا تھا۔ کالج کے ایک پروفیسر صاحب تو اُس کو برف کا پہاڑ کہتے تھے کیونکہ وہ بے تحاشا گورا چٹا تھا، ایک ذرہ جو کہیں سے سانولا ہو۔ چھ فٹ کا قد، چوڑی

چوڑی ہڈیاں، شیر کے سے پنجے، آواز اتنی بھاری کہ دُور سے اگر للکار دے "کون ہے" تو انسان
کی گھگھی بندھ جائے۔ چہرہ ایسا معلوم ہوتا کہ خواہ مخواہ میں کچھ چکلا ہو گیا ہے۔ جبڑے کی ہڈیاں
جیسے کسی قلعہ کی وزنی ستون! بھویں تقریباً تھی ہی نہیں، اور ماتھا چوڑا ان میں دھنس کر کنپٹیوں
سے مل گیا تھا۔ ہونٹ پتلے اور بھینچے ہوئے، اُن پر رکھی ہوئی ناک جیسے تلوار۔ آنکھیں چھوٹی
چھوٹی مگر تیز، تیر کی سی، وہ کسی چیز پر نشانہ باندھ کر دیکھتی ہوئی، لیکن یکایک پلٹ کر
پاس ہی کسی چیز پر جھپٹ پڑنے والی، ــــ گور موہن کو خوبصورت تو نہیں کہا جا سکتا تھا، ہاں
یہ ضرور تھا کہ اُسے نظر انداز کرنا ناممکن تھا کیونکہ وہ جس محفل میں بھی بیٹھتا سب سے الگ
کوئی چیز معلوم ہوتا۔

دونوں دوستوں میں بڑے زور کی گفتگو ہو رہی تھی

"میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں" گور کہہ رہا تھا "کہ اُس دن رتناش جو برہمو سماج والوں
کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا تو اُس سے تو صرف یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس لڑکے میں کافی اخلاقی
ہمت ہے، پر تم آخر کیوں اُس پر اتنا خفا ہونے لگے؟"

"ارے کیا فضول بات کرتے ہو" بنوئے نے جواب دیا "اُس لڑکے کے خیالات
کے متعلق بھی کیا دو رائیں ہو سکتی ہیں؟ یقین نہیں"

"اگر تم ایسا سمجھتے ہو تو تمھارے ہی خیالات میں کچھ خرابی ہے۔ تم کیا اُمید کرتے ہو کہ
چند سر پھرے سوسائٹی کو اُلٹا سیدھا کرتے رہیں اپنی مرضی کے مطابق اور سوسائٹی خاموشی
سے دیکھا کرے، مسکرا کے طرح دیتی رہے؟ وہ چاہے جتنا خلوص اُن لوگوں کے دل
میں ہو، پر سوسائٹی تو فطری طور پر ایسے لوگوں کو غلط سمجھے گی ہی۔ اگر وہ ایسے لوگوں کی نیکی
کو بدی سمجھے بغیر نہیں رہ سکتی تو یہ تو ایک طرح کی بھگتان ہے جو اُن لوگوں کو بھگتنی ہی پڑے گی۔"

"وہ فطری ہو مگر میں یہ نہیں مان سکتا کہ ہر فطری بات صحیح بات بھی ہوتی ہے"

"اونہہ ــــ صحیح کو چھوڑ دو۔ دُنیا چند آدمیوں کو صحیح سمجھتی ہے تو سمجھے۔ باقی سب لوگ تو

وہی کریں گے جو فطری ہوگا۔ ورنہ دُنیا کے سارے کام رُک جائیں، زندگی رہنے کے قابل نہ رہ جائے جو لوگ بر ہمو بن کر بڑے اصلاح کرنے والے بنتے ہیں اُن کو یہ سب تو برداشت ہی کرنا پڑے گا کہ جو برہمو نہیں ہیں وہ اُن کو نہیں سمجھ سکتے۔ یہ تھوڑا ہی ہو سکتا ہے کہ مُور کی طرح اِترا اِترا کے ناچو بھی اور دوسرے تمھاری تعریف کریں، ـــــ ایسا ہو تو دنیا بڑی گھٹیا جگہ ہو جائے۔"

"مجھے کسی پارٹی یا کسی طبقہ پہ کوئی اعتراض کرنے پر تھوڑا ہی بُرا لگتا ہے" بنوئے سمجھانے والے انداز میں بولا "مگر یہ ذاتیات پر اُتر آنا ٹھیک نہیں ہے، یہ انفرادی ......" "طبقہ پر اعتراض سے کیا فائدہ، کسی فرقے کو بُرا کہنے کا کیا نتیجہ؟ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ آپ اُن کے خیالات کو بُرا کہہ رہے ہیں، میں تو یہی چاہتا ہوں کہ افراد کی قلعی کھول جائے۔ اور آپ جو بڑے مہاتما بنتے ہیں تو آپ نے کبھی ذاتی طور پر کسی کو کچھ نہیں کہا ہے کیا؟"

"یقیناً کہا ہے میں نے" بنوئے نے تسلیم کیا "اکثر کہا ہے، اور مجھے اس بات کی سخت شرمندگی اور دلی افسوس بھی ہے۔"

گورا ایک دم جوش میں آگیا "نہیں بنوئے یہ سب نہیں چل سکتا۔ کبھی نہیں"

بنوئے چُپ رہا ـــــ پھر ذرا دیر بعد بولا "کیوں کیا بات ہے؟ تم کو کس بات کا ڈر ہے؟"

"مجھے یہ صاف نظر آرہا ہے کہ تم کمزور پڑ رہے ہو"

"کیسی کمزوری" بنوئے چڑ گیا "تم کو معلوم ہے کہ میں چاہتا تو میں اسی وقت اُن لوگوں کے گھر جا سکتا تھا۔ اُن لوگوں نے مجھے آنے کو کہا بھی تھا۔ پر میں نہیں گیا"

"ہاں وہ تو میں جانتا ہوں لیکن یہ بات بھی تو ہر وقت تمھارے دماغ پہ سوار رہتی ہے کہ تم وہاں نہیں جا رہے ہو۔ رات دن یہی راگ الاپے جاتے ہو۔ میں نہیں جاتا ہوں، میں نہیں جاتا ہوں اس سے تو اچھا یہ ہے کہ ایک بار ہو آؤ ـــــ چھٹی ہوتی۔"

"تو پھر تم سنجیدگی سے مجھے رائے دیتے ہو کہ ہو آؤں؟ ہیں؟ ہو ہی آؤں؟"

گَرما نے تِلملا کے گھٹنے پر ہاتھ مارا "نہیں نہیں۔ میں تمھیں نہیں رائے دے رہا کہ ہو آؤ۔ میں تمھیں لکھ کے دے سکتا ہوں کہ جس دن تم اُن کے گھر گئے تو بس پھر وہیں کے ہو گئے۔ ایک دن جاؤ گے، دوسرے دن وہاں کھانا کھاؤ گے اور پھر تمھارا نام بھی برہمو سماج کے زبردست منادی کرنے والوں کی فہرست میں شامل ہو جائے گا۔"

"مزید ـــــ اور اس کے بعد کیا ہو گا یہ بھی ذرا بتائیے مہربان"

"اس کے بعد کیا ہونا ہے ـــــ اپنی دنیا کے لئے مر جاؤ گے تو پھر 'بعد' کیا؟ ـــ تم برہمن کے بیٹے، تمام پاکیزگی اور ضبط نظم کو چھوڑ بیٹھو گے۔ گھٹے پھٹے نظر آؤ گے مرے جانور کی طرح ـــــ جیسے ملاح کا قطب نما ٹوٹ جائے تو اس کے ہیر اکھڑ جاتے ہیں اور پھر وہ مَانَن اور انداز پر جہاز چلا کر اسے ساحل تک پہنچانے کی ناکام کوشش کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح تم بھی زندگی میں اِدھر اُدھر بھٹکنا۔ لیکن چونکہ مجھ میں اتنی تاب نہیں جو الفاظ گڑھ گڑھ کر تمھارا رُخ موڑتا رہوں، اس لئے میں کہتا ہوں کہ جانا ہی ہے تو جاؤ۔ ختم کرو قصہ۔ لیکن جہنم کے دہانے پر کھڑے ہو کر یہ گو مگو مت طاری کرو۔ خواہ مخواہ تم لوگوں کے اعصاب پر زور پڑتا ہے۔"

بنوئے ہنسنے لگا: "یہ تھوڑا ہی ضروری ہے کہ ڈاکٹر جس دلیل کو جواب دیدے وہ مر ہی جائے مجھے تو اپنے افسوسناک انجام کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔"

"تمھیں نہیں نظر آتے؟"

"بالکل نہیں"

"نبضیں نہیں بیٹھ رہی ہیں"

"قطعی نہیں۔ ابھی تو میری نبضوں میں بہت قوت ہے"

"تمھیں اس بات کا خیال نہیں ہے کہ اگر کوئی دستِ نازک کوئی دستِ سیمیں تمھیں کھانا کھلائے تو وہ کھانا دیوتاؤں کے کھانے لائق ہے"

"بس کرو گورا" ننوے جھینپ گیا "چپ رہو"

"کیوں چپ رہوں ــــ میں کوئی معنی بری نہیں کہہ رہا ہوں۔ آخر وہ حسین خاتون کوئی سلت پردوں میں تو چھپی نہیں بیٹھی ہیں کہ سورج بھی ان پر نظر نہیں ڈال سکتا۔ اور اگر ان کے دست نازک کے نما سے ذکر پر تم اس قدر چراغ پا ہوتے ہو تو پھر تو تم گئے کام سے۔"

"دیکھو گورا۔ میں عورت کی عزت کرتا ہوں، ہمارے شاستروں میں بھی لکھا ہے کہ......"

"جو خیالات تمہارے دماغ میں ہیں ان کی تائید کے لئے شاستروں کا حوالہ مت دو۔ یہ عورتوں کی عزت کرنا نہیں، یہ کچھ اور ہی کہلاتا ہے۔ جیسے ابھی کہہ دوں تو اور اچھلنے لگو گے۔"

ننوے نے کندھے اچکائے "یار تم لکیر کے فقیر ہو"

"جانتے ہو شاستر یہ کہتے ہیں کہ عورت گھر کا اجالا ہے پوجے جانے کے لائق ہے۔ لیکن یہ انگریزوں نے جو عورتوں کا تصور دیا ہے یہ وہ عورتیں نہیں جو گھر کا اجالا ہیں، وہ تو مردوں کے دل میں آگ لگانے کا شعلہ ہیں ــــ ان کے پوجنے کا کیا سوال ہے"

"ارے اب کبھی کبھار خرابی پیدا ہو جانے سے کسی عظیم تصور کو ناقص تھوڑا ہی کہا جا سکتا ہے"

گورا نے بے صبری سے پیر پٹکا "بینو، چونکہ اب تم اپنی قوتِ فیصلہ بالکل ہی کھو چکے ہو لہٰذا تم کو میری صلاح قبول کرنی چاہئے۔ میں پھر یہی کہتا ہوں کہ انگریزی کتابوں میں جو یہ عورتوں کے متعلق بڑھا چڑھا کر لکھا رہتا ہے، اس کی تہہ میں ہوسناکی کے سوا کچھ نہیں، عورت کی اصلی پوجا جہاں ہوتی ہے وہ تو اس کی مادرانہ عظمت ہے، پاکیزہ خیال، عظمت مآب گھر والی کی حیثیت ہے۔ جو لوگ عورت کو اس جگہ سے ہٹا کر اس کی تعریفیں کرتے ہیں وہ اس کی ہتک کرتے ہیں تمہارا دماغ جو پریش بابو کے مکان کے چکر کاٹ رہا ہے تو اس کو سیدھے سیدھے عشق کہتے ہیں مگر خدا کے لئے انگریزی تہذیب کی ہندو نقل میں کہیں اس عشق کو باقی تمام باتوں سے افضل نہ سمجھ بیٹھنا، کبھی اس کو ہی انسان کی سجدے کی محراب سمجھ لو ــــ"

ننوے تلملا پڑا۔ جیسے اڑ گڑے میں ڈالے ہوئے نو سیکھے گھوڑے کو کوئی چابک مارے

"بس۔ بس" وہ چیخا، "گویا تم حد سے آگے بڑھے جا رہے ہو۔"

"حد سے آگے ـــــ ابھی تو میں حد تک بھی نہیں پہونچا۔ اصل بات تو یہ ہے کہ ہم مرد اور عورت کے درمیان جو ہوس کا رشتہ ہے اس کو دھندلانا چاہتے ہیں، اس لئے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ شاعری سے اس موضوع کو گول مول کردیں۔"

"لیکن اگر ہماری ـــــ عورت اور مرد کے رشتے کو داغ دار بناتی ہے تو پھر ان باہر والوں پر اعتراض کیوں؟ اس جذبہ کی وجہ سے تو ہمارے اخلاق سکھانے والے بھی بڑے جوش کے ساتھ کہتے ہیں کہ عورت ایک بلا ہے جس سے دور بھاگنا چاہیے۔ یہ ایک ہی قسم کے رویہ کی دو متضاد مثالیں ہیں۔ اگر ایک کو برا کہو تو دوسرے کو کیوں معاف کرو؟"

گورا مسکرانے لگا "میں نے تمھیں غلط سمجھا تھا۔ تمھاری حالت اتنی بری نہیں جتنی میں سمجھتا تھا جب تک فلسفہ تمھارے دماغ میں جگہ پا سکتا ہے اُس وقت تک کوئی خطرہ نہیں۔ دھڑلے سے عشق کرو۔ پر تمھارے خیر خواہوں کی تو یہی دعا ہے کہ ذرا دامن بچا رہے۔ ورنہ چڑیاں کھیت چگ جائیں گی تو پچھتائے کچھ نہ ہوگا۔"

بنوئے عاجز ہو کر بولا "بھئی تم تو بالکل سڑی ہو گئے ہو۔ مجھے عشق سے کیا تعلق، البتہ تمھاری تسکین کے لئے اتنا کہہ سکتا ہوں کہ پاریش بابو سے مل کر اور اُن کے متعلق بہت کچھ سُن کر جو اثر مجھ پر ہوا ہے تو اس سے میرے دل میں اُن کی عزت ہے اور ہو سکتا ہے کہ اسی وجہ سے مجھے یہ کشش ہو کہ اُن کی گھریلو زندگی کو بھی دیکھتا کیسی ہے۔"

"اچھا اگر یوں کہنا چاہتے ہو تو یوں ہی، مانا یہی کشش ہے پر اس کشش سے ذرا ہوشیار رہنا ـــ لیکن فرض کیجیے آپ کی یہ نباتاتی تحقیقات نامکمل ہی رہ جائے تو کیا مضائقہ ہے ـــ یہ لوگ ایک قسم کی خود رو جھاڑیاں ہیں یہ تو معلوم ہی ہے، اور تحقیقات کرتے کرتے اگر آپ زیادہ اندر گھسے تو پھر تو اس طرح کھینچے جاؤ گے کہ دُم بھی نظر نہیں آئے گی۔"

بنوئے شکایتی لہجے میں بولا "بھئی گورا۔ تم میں ایک بہت بڑی خرابی ہے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ

دُنیا کی جتنی قوتِ ارادی ہے اور ضبطِ نفس ہے وہ سب خدا نے بس صرف تمھیں کو بخشا ہے۔ باقی ہم سب مخلوق کمزور ہیں، اپنے اوپر قابو نہیں رکھتے وغیرہ"

اس بات نے گویا ایک نیا جوش گورا میں بھڑکا دیا۔ اس نے زور سے ننوے کی پیٹھ پر ایک دھپّہ دیا "ٹھیک، بالکل ٹھیک ــــــ یہ تو ہے میری خرابی"

"ارے غضا" ننوے نے ہائے کر کے کہا "ایک اور خرابی بھی ہے تم میں، اس سے بھی بڑی تم میں یہ اندازہ لگانے کی ذرہ برابر بھی صلاحیت نہیں ہے کہ معمولی ریڑھ کی ہڈّی کتنی شدّت برداشت کر سکتی ہے۔"

اُسی دم گورا کے بڑے بھائی سوہم بابو آواز دیتے ہانپتے، سیڑھیوں سے چڑھتے ہوئے اوپر آئے اور گورا کو پکارا "گورا"

گورا ایک دم کھڑا ہو گیا اور تعظیم کے لیے جھک کر بولا "جی"

سوہم بابو نے اُسے اُوپر سے نیچے تک دیکھا "میں یہ دیکھنے آیا تھا کہ بادلوں کی گرج اور کڑک نے کہیں چھت تو نہیں پھاڑ دی۔ یہ آج کس بات کا جوش ہے؟ میں سمجھتا ہوں اب تک تو آپ لوگوں نے اپنے حسابوں انگریزوں کو بحرِ ہند پر آدھے رستے تو بھگا ہی دیا ہوگا۔ مگر میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انگریزوں کا ذرّہ برابر بھی نقصان نہیں ہوا ہے۔ البتہ تمھاری بھابی نیچے کمرے میں لیٹی ہیں سر کا درد لئے ــــــ اور یہ تمھاری گرج اور کڑک ان کی برداشت سے ذرا باہر رہی ہے"

اتنا کہہ کر وہ نیچے اُتر گئے ــــــ

تیسرا باب

گور اور بنو سے بھی نیچے اُترنے ہی والے تھے کہ گورا کی ماں اُوپر آ گئیں۔ بنو سے نے تعظیماً جھک کر اُن کے پاؤں چھوئے۔

انندموئی کو دیکھنے سے یہ کبھی گمان نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ گورا کی ماں ہیں۔ اُن کا جسم دُبلا پتلا مگر سڈول تھا، بالوں میں کہیں کہیں چاندی کی لکیریں آ گئی تھیں مگر دکھائی نہیں دیتی تھیں۔ پہلی نظر میں دیکھا جاتا تو اُن کی عمر چالیس سے کم معلوم ہوتی تھی، چہرے کے خدوخال نرم اور ترشے ہوئے جیسے کسی باکمال صانع نے بے حد احتیاط سے بنائے ہوں، جسم کی ساخت بھی کہیں سے ناموزوں نہیں اور صورت پر ایک پاکیزہ اور حساس ذہانت، اُن کا رنگ سانولا تھا، جو ظاہر ہے کہ گورا سے قطعی نہیں ملتا تھا۔ ایک چیز جو اُن کی شخصیت کے ساتھ یکایک محسوس ہوتی تھی وہ یہ تھی کہ وہ ساری کے ساتھ باڈس بھی پہنتی تھیں۔ ہم جس زمانے کی بات کر رہے ہیں اُس وقت میں کچھ نوجوان عورتوں اور لڑکیوں نے ساری کے ساتھ باڈس پہننا شروع کر دی تھی لیکن پُرانے زمانے کی بزرگ بیبیاں اب بھی باڈس کو بُری نظر سے دیکھتی تھیں کیونکہ اُن کے نزدیک یہ عیسائیت کا نشان تھا۔

انندموئی کے شوہر کرشن دیال بابو کمسریٹ ڈیپارٹمنٹ میں کسی اچھے عہدے پر تھے، اور انندموئی نے اپنی ساری زندگی لڑکپن سے لے کر بڑی عمر تک بنگلے سے باہر گزاری تھی کیونکہ کرشن دیال بابو کی بدلیاں ہوا کرتیں اور انندموئی ہمیشہ شوہر کے ساتھ رہتی۔ اسلئے اُن کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ جسم کو خوبصورتی کے ساتھ ملبوس کرنا کوئی بُری بات یا کوئی شرم کی بات ہے۔ وہ گرہستی کے کام بڑے شوق سے کرتی تھیں، لیکن حساب کتاب کرنے سے لیکر

فرش پونچھنے تک سب کچھ کرنے کے بعد بھی ایسا معلوم ہوتا کہ اُن کو کافی فرصت رہتی ہے۔ حالانکہ گھر کے ایک ایک فرد کے آرام پر اُن کی نظر رہتی، پڑوسیوں کے بھی دُکھ سُکھ کی خبر رکھتیں، پھر بھی کافی وقت بچا لیتیں۔

اُنھوں نے ننوئے کی تعظیم کا جواب دیتے ہوئے کہا "جہاں گوما کی آواز چھت کے نیچے جانی شروع ہوئی کہ ہم لوگ سمجھ جاتے ہیں ضرور بینو آیا ہے۔ اِس گھر میں اِدھر چند روز سے اتنا سناٹا تھا کہ میں تو فکر میں پڑ گئی تھی کہ تمھیں کیا ہُوا بیٹا۔ اِتنے دن سے آتے کیوں نہیں۔ کچھ بیمار تھے کیا؟"

"نہیں ماں، ـــــ ننوئے نے رُک رُک کے جواب دیا "طبیعت تو ٹھیک تھی پر ذرا بارش تو دیکھیے کیسی ہو رہی ہے۔"

"ہاں ہاں بارش!" گورا بیچ میں بول پڑا "جب بارش ختم ہو جائے تو ننوئے کہے گا دھوپ تھی باہر، باتوں پر جا ہے جتنا الزام دھرو، اصل وجہ تو تمھارے اندر جو دل ہے نہ، وہ جانتا ہے۔"

"ارے کیا بیکار بکواس کرتے ہو گورا" ننوئے نے فریادی انداز میں کہا۔

"ہاں بیٹا، ٹھیک ہے، گورا کو ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ انسان کی طبیعت ہی تو ہے کبھی ملنے کو جی چاہتا کبھی نہیں بھی چاہتا خواہ لوگوں پر زبردستی تھوڑا ہی کی جا سکتی ہے اس معاملے میں۔ آؤ ـــــ ننوئے میرے کمرے میں آؤ، کچھ کھاؤ پیو، ـــــ میں نے وہ مٹھائی منگوائی ہے جو تم کو بہت بھاتی ہے ـــــ آؤ" گورا نے زور سے سر ہلایا "نہیں اماں ـــــ نہیں ـــــ بھئی یہ سب مت کیجیے، میں کبھی ننوئے کو آپ کے کمرے میں نہیں کھانے دوں گا۔"

"احمق نہ بنو گورا ـــــ میں تم سے تو نہیں کہہ رہی ہوں کہ کھاؤ ـــــ اور تمھارے پتا جی کا جہاں تک سوال ہے سو وہ تو ایسے کٹر ہو گئے ہیں کہ اپنے ہاتھ کے سوا کسی کے ہاتھ کا بنا ہوا نہیں کھاتے۔ لیکن بینو تو میرا اچھا بیٹا، تم لوگوں کی طرح جاتا نہیں ہے، اور وہ جو بات ٹھیک سمجھے گا،

رہے گا، تم اُس کو کیسے روک سکتے ہو؟"

"میں ضرور روک سکتا ہوں۔ میں اس بات پر ضرور اصرار کروں گا جب تک آپ اُس عیسائن عورت کو نوکر رکھے رہیں گی، کوئی آپ کے کمرے میں کیسے آئے گا۔"

آنند موئی بہت آزردہ ہو کر کہنے لگیں "گورا بیٹا، ایسی باتیں تو کس طرح کر لیتا ہے تو نے کیا اُس کے ہاتھ کا نہیں کھایا۔ آخر اُسی نے تو تجھے بچپن میں پالا پوسا، کھلایا، بڑا کیا۔ ابھی کل کی بات ہے کہ اُس کے ہاتھ کی بنی چٹنی کھانے پر نہیں ہوتی تھی تو تجھے کھانا اچھا نہیں لگتا تھا۔ اور میں کیسے بھول سکتی ہوں کہ جب تجھے ماتا نکلی تھی تو اس ہی کی دیکھ بھال تھی جس کی بدولت تیری جان بچی۔"

"تو پھر اس کو پنشن دے دیجئے" گورا تنک کر بولا "کچھ زمین خرید کر اُس پر اُس کے لئے مکان بنوا دیجئے ـــــ رہے۔ پر اس طرح گھر میں اس کو گھسانا ٹھیک نہیں ہے ماں"

"گورا ـــــ کیا تم سمجھتے ہو کہ ہر احسان روپے سے اُتارا جا سکتا۔ اُس کو روپیہ اور مکان نہیں چاہئے، اس کو تو یہ چاہئے کہ تم اس کی نظر کے سامنے رہو"

"تو پھر رکھیئے" گورا نے جیسے ہار مانتے ہوئے کہا۔ "لیکن نہ ہوئے آپ کے کمرے میں نہیں کھائے گا، شاستروں کے حکم تو ماننے ہی پڑیں گے ـــــ مجھے تو یہ حیرت ہے ماں کہ تم اتنے بڑے پنڈت کی بیٹی ہو اور تمہیں اپنے ریت رسموں کی کچھ پرواہ ہی نہیں۔ یہ تو زیادتی ہے ـــــ"

"ارے گورا ـــــ بیوقوف لڑکے" آنند موئی ہنسنے لگیں "ایک زمانہ تھا کہ یہی تیری ماں ان سب ریتوں کی بہت پابند تھی، اور بہت کچھ دُکھ بھی اُن کے لئے اُٹھائے۔ تم بھلا اُس وقت کہاں تھے۔ روزانہ شیو کی مورتی اپنے ہاتھ سے بناتی، اور اس کو پوجتی تھی اور پھر تمہارے باپ آکر غصے سے اس کو اُٹھاتے اور پھینک دیتے ـــــ

اُس زمانے میں تو ہر ایک برہمن کے ہاتھ کے پکائے ہوئے چاول تک میں نہیں کھاتی تھی ـــــ ریل اُس زمانے میں تھی نہیں، بیل گاڑیوں، اونٹوں یا پالکیوں پر سفر کرتے ہوئے کتنے

کتنے دن میں بہت رکھنے رکھتے پتا دیا کرتی تھی۔ کیونکہ تمھارے باپ کو شوق تھا کہ ہر جگہ مجھ کو ساتھ لے جائیں ان کے انگریز مالک بھی یہی کرتے تھے، اس بات پر تمھارے باپ کو ترقی ملی اور پھر وہ یہاں ہیڈ کوارٹر میں رہنے لگے۔ جگہ جگہ کی بدلیاں ختم ہو گئیں پھر بھی کیا تم سمجھتے ہو کہ میری مدتوں کی عادتوں کا ٹوٹ جانا کوئی آسان بات تھی ـــــ اور اب اس بڑھاپے میں جب کہ وہ کافی دولت اکٹھی کر چکے تو ایک دم سے اُن کو مذہب کی سوجھی اور اب وہ کسی کو برداشت نہیں کرتے پر میں تو اس طرح ہر بار اُن کے ساتھ قلابازی نہیں کھا سکتی۔ میرے سات پشتوں کی جو روایتیں انھوں نے ایک ایک کر کے اکھیڑ ڈالیں ـــــ تو اب تم کیا سمجھتے ہو کہ وہ ایک دن میں پھر جڑ پکڑ جائیں گی ؟"

"اچھا اچھا" گورا نے جواب دیا "چھوڑئیے اپنی سات پیڑھی کو ـــــ وہ لوگ تو کوئی اعتراض بھی نہیں کر رہے ہیں مگر ہم لوگوں کا خیال کر کے آپ کو کچھ باتیں تو یقیناً بدلنی چاہئیں ـــــ شاستروں کو نہیں مانتیں تو محبت کا تو کچھ حق سمجھئے"

"تمھیں محبت کے حق پر اصرار کرنے کی کیا ضرورت ہے بیٹا" آنند موئی نے ہنستے ہوئے لہجے میں کہا "محبت کے متعلق مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔ میرے لئے یہ کون خوشی کی بات ہے کہ قدم قدم پر شوہر اور بیٹے سے جھگڑا ہو۔ پر تم نہیں جانتے کہ میں نے اصل میں ان تعصبات کو اُسی لمحہ تو چھوڑا تھا جب تم میری گود میں آئے تھے۔ جب انسان کسی ننھے بچے کو کلیجے سے لگاتا ہے تو اُسے یہ یقین ہوتا ہے کہ دُنیا میں کسی بچے کی کوئی ذات نہیں ہوتی۔ اُسی دن سے میں نے یہ جانا کہ اگر میں کسی کو نیچ ذات سمجھوں گی یا عیسائی ہونے کی وجہ سے حقارت کی نظر سے دیکھوں گی تو بھگوان تم کو مجھ سے چھین لے گا۔ میں بس یہی دُعا مانگتی تھی کہ تم میرے گھر کی روشنی میرے پاس رہو ـــــ پھر میں کسی کے ہاتھ کا بھی پانی پی سکتی تھی"

آنند موئی کی یہ الفاظ سُن کر بنوئے کے ذہن پر پہلی بار تعجب کی ایک پرچھائیں لہرائی اور

غائب ہو گئی۔ اُس کی نگاہیں یکایک آنندمو ئی کی صورت پر سے لپک کر گوراکی شکل پر ٹھہر گئیں۔ لیکن پل بھر بعد ہی اُس کے اپنے ذہن سے شک کے بادل چھٹ گئے۔ گورا بھی کچھ گھبرا گیا۔

"ماں تمھاری یہ پہیلیں میری سمجھ میں نہیں آئیں، جو لوگ شاستروں کے کہے پر چلتے ہیں اُن کے گھر میں بھی آخر بچے پلتے ہی ہیں اور اُن کو کوئی مشکل نہیں معلوم ہوتی ——— پھر یہ آپ کو کس نے سمجھایا کہ آپ کے معاملے میں بھگوان کسی اور طرح سوچے گا"

"وہی بھگوان جس نے تم کو مجھے دیا اُسی نے مجھے یہ سمجھایا، میں کرتی بھی کیا، میرا اس معاملے میں کیا اختیار تھا! ——— ارے میرے دیوانے پوت، سمجھ میں نہیں آتا تیری سوتونیوں پر روؤں یا ہنسوں ——— خیر ہو گا۔ جانے دو۔ تو پھر بنو یہ میرے گھر میں نہیں کھائے گا؟ آخر میں یہی طے ہوا نہ"———

"جس کو موقع ملے تب تو یہ تیر کی طرح اُڑ کر وہاں پہونچ جائے اور بھوک بھی لگی ہو گی اُسے، لیکن ماں میں اسے ایسا نہیں کرنے دوں گا ——— آخر برہمن کی اولاد ہے۔ تھوڑی سی مٹھائی کے لئے اپنے فرض کو بھول جائے ایسا تو نہ ہونا چاہیئے ——— اسے جی مارنا ہی پڑے گا، اپنے اوپر قابو رکھنا ہی پڑے گا تب تو اپنے حسب و نسب کے شایانِ شان بن سکے گا ——— لیکن ماں تم مجھ سے خفا نہ ہونا۔ میں تمھارے پیر پڑتا ہوں"

"ارے یہ کیا بات ہوئی بھلا، میں کیوں خفا ہونے لگی۔ بس اتنا ہی کہنا چاہتی ہوں کہ تم جو کچھ کر رہے ہو نادانی میں کر رہے ہو۔ یہ رنج تو میرے لئے سدا ہی رہے گا کہ میں نے تم کو پالا پوسا، اور پھر بھی میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ جس چیز کو تم مذہب کہتے ہو اُسے میں تسلیم کروں۔ اگر میرے گھر میں نہیں کھاتے ہو تو کیا ہوا، تم رات دن میرے ساتھ ہو یہ کیا کم ہے۔ بنوئے بیٹا، تم اتنے غمگین نہ ہو۔ تم ہر بات کو اتنا شدت سے محسوس کرتے ہو۔ میں سچ کہتی ہوں میں نے بُرا نہیں مانا۔ تم خواہ مخواہ کی فکر مت کرو، کسی اور دن تمھاری دعوت کروں گی اور کسی برہمن سے باقاعدہ کھانا پکواؤں گی۔

جہاں تک میرا سوال ہے، میں کہے دیتی ہوں کہ میں تو کبھی کے ہاتھ کا کھانا کھاتی رہوں گی ۔۔۔ اور یہ کہہ کر وہ نیچے چلی گئیں۔

نبو نے ساکت کھڑا رہا۔ پھر مڑ کر آہستہ سے گورا سے مخاطب ہوا "بھئی یہ تو ذرا زیادتی ہی ہے"

"کون زیادتی کر رہا ہے؟"

"تم"

"بال برابر بھی نہیں۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی حد میں رہے اور بس ۔۔۔ اگر انسان سوئی برابر بھی جگہ چھوڑ دے تو پھر کہاں تک بات جائے یہ کوئی نہیں کہہ سکتا"

"لیکن وہ تمھاری ماں ہیں"

"مجھے معلوم ہے ماں کیا ہوتی ہے، تم مجھے نہ سکھاؤ۔ دنیا میں کتنے انسانوں کو میری ایسی ماں نصیب ہو سکتی ہے، ہر ایک بار میں روایتوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا شروع کر دوں تو پھر ممکن ہے کسی دن میں اپنی ماں کا احترام بھی چھوڑ بیٹھوں۔ دیکھو نبو نے دل سے کئے ہوئے فیصلے اچھے ہوتے ہیں مگر سب کچھ دل کے فیصلوں سے نہیں کیا جاتا"

نبو نے چپ چاپ سنتا رہا ۔۔۔ پھر رک رک کے بولا "سنو گورا۔ آج تمھاری ماں کی باتوں سے مجھے ایک عجیب سی بے چینی ہوئی، ایک عجیب سا اضطراب، مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمھاری ماں کے دل میں کوئی ایسا راز چھپا ہے جو وہ ہم لوگوں کو نہیں بتا سکتیں اور جو برابر ان کو غمگین کئے رہتا ہے"

"اونہہ ۔۔۔ خواہ مخواہ تخیل کے گھوڑے نہ دوڑاؤ۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں سوائے اس کے کہ تمھارا وقت ضائع ہو" گورا عاجز ہو کے بولا

"تمھارے چاروں طرف جو کچھ ہو ۔۔۔ ہے اس کا تمھیں کچھ دھیان نہیں رہتا گورا، لیکن

میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ تمھاری ماں کے دل پر کوئی بوجھ ہے، کوئی ایسی بات ہے جو اُن کے ماحول میں کھپ نہیں سکتی اور یہ بات اُن کی گھریلو زندگی کو پریشان کیے رہتی ہے۔ گورا، تمھیں چاہیے کہ اُن کی بات زیادہ توجہ اور خیال کے ساتھ سُنا کرو۔"

"جہاں تک سُننے کا تعلق ہے، میں کافی ہوشیاری برتتا ہوں۔ اور کسی بات میں خواہ مخواہ معنی پہنانے کے جو میں خلاف ہوں تو وہ اس لیے کہ مجھے بلاوجہ کوئی دھوکا نہ ہو جائے۔"

چوتھا باب

خیالات اور اصول ذہنی طور پر ماننے کے لئے اچھی چیزیں ہیں لیکن جب انسانوں پر اُن کو لگا کر دیکھو تو اُن میں وہ یقین کامل باقی نہیں رہ جاتا ——— کم از کم بنوئے اسی چکر میں گرفتار تھا کیونکہ اس کے زیادہ فیصلے دل کے کہے پر ہوتے تھے۔ چنانچہ وہ کسی اصول کو صحیح ثابت کرنے کے لئے زبان سے چاہے جتنی بھی دلیلیں دے لیتا لیکن انسانوں سے سابقہ کا سوال آپڑتا تو انسانی قدریں ہی اس کے دل دماغ پر چھا جاتیں یہاں تک کہ اس کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا کہ گورا جن اصولوں کو بحیثیت اصول کے اس سے منوا لیتا تھا اُن کو وہ اصول کی حیثیت سے تسلیم کر لیتا تھا یا گورا کی دوستی کی وجہ سے!

اس وقت وہ گورا کے گھر سے واپس ہو رہا تھا۔ کیچڑ بھری سڑکوں پر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے دماغ میں ایک کشمکش جاری تھی ——— اصولوں اور اپنے ذاتی احساسات کے درمیان ایک جنگ ہو رہی تھی! جب گورا نے یہ کہا تھا کہ آج اپنی سوسائٹی کو طرح طرح پوشیدہ اور ظاہر حملوں سے بچانے کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ ذات پات کا خیال کیا جائے اور کھانے پینے کی احتیاط برتی جائے، تو اس وقت بنوئے نے اس بات کو فوراً تسلیم کر لیا تھا ——— صرف یہی نہیں بلکہ بعض ایسے لوگوں سے دھواں دھار بحث بھی کی تھی جو اس نقطۂ نظر کے خلاف تھے۔ اس نے یہ دلیلیں پیش کی تھیں کہ جب دشمن قلعہ پر حملہ کرتا ہے تو اس کے سمجھدار محافظ ایک ایک سڑک، گلی، دروازے، کھڑکیوں بلکہ دراڑوں اور رخنوں تک کی حفاظت کرتے ہیں ——— نہ جانے کدھر سے دشمن گھس آئے!

لیکن آج گورا نے جو اسے اپنی ماں کے کمرے میں جا کر کھانے سے روکا تو یہ چوٹ

ایسی تھی جسے آسانی سے نہیں برداشت کیا جا سکتا تھا۔

نبوئے کے باپ نہیں تھا، ماں بھی اُسے چھوٹی عمر میں چھوڑ گئی تھی، دیہات میں ایک پھوپھا" لیکن بچپن سے اُس نے پڑھائی کے لئے کلکتہ میں ہی عمر گذاری تھی —— ایک "تنہا" اکیلی زندگی اور جس دن سے گورا نے اُسے پہلی بار اپنی ماں آنند موئی سے ملایا تھا، اُس دن سے وہ اُن کو ماں کہتا تھا۔

اکثر وہ اُن کے کمرے میں جاتا اور اُن کو خوب پریشان کرتا یہاں تک وہ اُٹھتیں، اور اُسکے پسندیدہ پکوان پکا کر اُس کو کھلاتیں، کبھی گورا اُسے جلنے کا ڈھونگ رچاتا، کہتا آپ کھانا پر مجھے وقت برابر حصہ نہیں دیتیں۔ نبوئے جانتا تھا کہ اگر وہ دو تین دن بھی اُن کے یہاں نہ جاتے تو وہ پریشان ہو جاتی تھیں کیونکہ پھر اُن کے لذیذ کھانوں کی داد کون دیتا کس بُردباری سے وہ انتظار کرتی رہتیں کہ کب ان لڑکوں کی ڈیبٹیں ختم ہوں، اور وہ گھر لوٹیں اور کھانا کھائیں —— اور آج سوسائٹی کے نام پر نبوئے کو اُن کے ساتھ کھانے سے روک دیا گیا! وہ کس طرح اس زیادتی کو برداشت کریں گی اور خود نبوئے کیونکر یہ دیکھ سکے گا

اپنے گھر کے نزدیک پہونچتے پہونچتے تک نبوئے یہی سوچتا رہا کہ کہنے کو تو انھوں نے مسکرا کر کہہ دیا تھا کہ اب تمھاری دعوت کروں گی اور باقاعدہ کسی برہمن کو بلا کر کھانا پکواؤں گی لیکن اُنکے دل پر کیا نشتر لگا ہوگا یہ تو وہی جانتی ہوں گی۔

نبوئے کا چھوٹا سا خالی کمرہ اندھیرا اور گرد سے اَٹا پڑا تھا، چاروں طرف کتابیں اور کاغذ بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے ماچس جلائی اور لیمپ روشن کر دیا جس پر نوکر کے انگلیوں کے چکنے چکنے نشان تھے۔ لکھنے کی میز پر جو سفید میز پوش پڑا ہوا تھا، اُس پر بھی چکنائی اور روشنائی کے داغ تھے۔ اس کمرے میں اُسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا —— کسی ساتھی اور کسی محبت کرنے والے کی کمی کے احساس سے اُس کا دل ڈوبنے لگا، دیس کی نجات اور سوسائٹی کی اصلاح کے تمام فرائض کھوکھلے لگنے لگے۔ جولائی کی اس حسین صبح کو جو نجانے کہاں سے اُڑتا ہوا

اُس کے اِس قفس میں آ گیا تھا اور پھر اُڑ گیا تھا وہ ایک اہم حقیقت محسوس ہونے لگا ــــــ لیکن نبوتے نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اُس اجنبی پنچھی کو اپنے خیالات پر چھانے نہیں دے گا۔ اس پسند بیٹھ کر آنند موئی کے اُس کمرے کا تصور کرنے لگا جس کے دروازے گورا تے اُس پر بند کر دیئے تھے ــــــ رگڑے ہوئے سمنٹ کا چمکتا ہوا وہ فرش ــــــ ایک طرف کو نرم بستر اُس پر سفید برف سی چادر جیسے ہنس نے اپنے پنکھ پھیلا رکھے ہوں' اور اُس کے پاس ایک اسٹول پر رکھا ہوا لیمپ' آنند موئی جھکی ــــــ ٹکڑوں کو جوڑ کر بنائے ہوئے پلنگ پوش پر ٹانکے لگا رہی ہوں گی اور اُن کے پاؤں کے پاس بڑھیا لچھمی بیٹھی اپنی عجیب و غریب بنگالی میں مسلسل باتیں کئے جا رہی ہوگی ــــــ اس کے دل نے کہا "خدا کرے ان کی محبت کا نور بھٹکے ہوتے ذہن کو سیدھا رستہ دکھائے جیسے بھارت ماتا کا سایہ جو مجھے فرض کے رستے پر مستقل رہنے کی ہدایت کرتا ہے۔" دل ہی دل میں جیسے وہ انھیں آواز دینے لگا "ماں ــــــ کون ہے وہ شاستر جو ثابت کر سکے کہ تمھارے ہاتھ کا کھانا میرے لئے امرت نہیں" ــــــ کمرے کے سناٹے سے کوئی جواب نہیں ملا؛ صرف دیوار پر لگی' بڑی سی گھڑی ٹک ٹک کئے جا رہی تھی' ــــــ اب اس کمرے میں ٹھہرنا نبوتے کے برداشت سے باہر تھا۔ لیمپ کے پاس ہی ایک چھپکلی پتنگے پکڑ رہی تھی ــــــ نبوتے ذرا دیر اُسے دیکھتا رہا پھر ایک دم اٹھا چھتری سنبھالی اور باہر نکل گیا۔

وہ کچھ طے نہیں کر پا رہا تھا کہ کہاں جائے۔ ہو سکتا ہے اصل میں اُس کا یہی ارادہ رہا ہو کہ واپس آنند موئی کے پاس جائے پھر اُسے ایک دم یاد آیا کہ آج اتوار ہے اور اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ آج برہمو سماج کی میٹنگ میں کشیب بابو کا لیکچر ہے وہ سُننا چاہئے۔ ویسے اُسے یہ خیال ضرور آیا کہ اُس کے پہونچتے پہونچتے تک تقریر ختم ہو چکے گی مگر اس سے بھی اسکے فیصلے میں کوئی فرق نہیں آیا۔

وہاں پہنچا تو جلسہ برخاست ہو رہا تھا۔ وہ گلی کی نکڑ پر چھتری لگائے کھڑا تھا جو اُسے پاریش بابو نکلتے نظر آئے۔ اُن کے چہرے پر ایک نورانی سکون طاری تھا' اُن کے خاندان کے چار پانچ

اور افراد بھی اُن کے ساتھ تھے لیکن نبوتے کی نظر اُن میں سے صرف ایک شگفتہ اور زرخیز صورت پر جم کر رہ گئی جب وہ لوگ سڑک پر لگی ہوئی روشنی کے نیچے سے گذرے تو ایک پل کے لئے وہ چہرہ روشنی میں دمکا اور پھر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا —— گاڑی کے پہیوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی اور پھر وہ اس طرح غائب ہو گیا جیسے سمندر میں بلبلے کھو جائیں۔

اُس دن نبوتے گورا کے گھر نہیں گیا بلکہ خیالات میں کھویا ہوا پھر اپنے کمرے پر واپس ہو گیا۔ دوسرے دن سہ پہر کو ایک بار پھر کوشش کر کے بہت کچھ —— سوچ ساچ کے وہ گورا کے یہاں پہنچا۔ بادلوں بھری شام اندھیرے سے لپٹنی شروع ہو گئی تھی اور گورا ابھی لیمپ جلا کر لکھنے بیٹھا ہی تھا —— کاغذ پر سے سر اُٹھا کر بولا "کیوں بھئی —— کدھر کی ہوا اُڑا کے لائی؟"

اس سوال کا نوٹس لئے بغیر نبوتے نے ایک دم بات کرنی شروع کر دی "گورا —— میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، ہندوستان کا تصور تمہارے ذہن میں واقعی ہے؟ صحیح اور صاف تصور؟ تمہارے دماغ پر ہر وقت ہندوستان چھایا رہتا ہے پر تم کس طرح اس کے بارے میں سوچتے ہو؟"

گورا نے لکھنا بند کر کے ایک منٹ غور سے نبوتے کو دیکھا، پھر قلم رکھ دیا اور پیچھے کو ٹیک لگا کر بولا "جس طرح جہاز کا کپتان —— سمندر میں ہو تو چاہے جس کام پر لگا ہو چاہے آرام کر رہا ہو اسے بندرگاہ کا ہمیشہ دھیان رہنا چاہئے —— اس طرح ہندوستان میرے خیالوں پر چھایا رہتا ہے"

"اور تمہارا یہ ہندوستان ہے کہاں؟" نبوتے نے مزید سوال کر دیا۔

"یہاں —— جہاں میرا قطب نما ہر وقت چکر کھاتا رہتا ہے" گورا نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر جواب دیا "یہاں —— تمہاری مارشمین کی تاریخ ہندوستان میں نہیں"

"اور وہ کوئی خاص بندرگاہ جس کی طرف تمہارا قطب نما ہمیشہ اشارہ کرتا رہتا ہے" نبوتے

نے سوال جاری رکھا ——

"تو کیا نہیں ہے" گورا نے شدید یقین کے ساتھ جواب دیا: "میں اپنے رستے سے بھٹک جاؤں، ڈوب جاؤں، غرق ہو جاؤں پر قسمت کی وہ اٹل بندرگاہ تو اپنی جگہ پر موجود رہے گی۔ وہ ہندوستان ہے، علم و دولت و خوبی سے مالا مال —— کیا تمہارا مطلب ہے کہ ایسا ہندوستان کہیں نہیں ہے، کہ دھوکہ اور جھوٹ کے علاوہ کچھ نہیں۔ تم اس کلکتے سے اندازہ لگاتے ہو، اس کے دفتروں سے، اس کی عدالت سے، اینٹ اور گارے کے ان ٹوٹ جانے والے حبابوں سے —— کتنو" —— وہ رک کر غور سے بنوئے کو دیکھنے لگا جو سوچ میں کھویا ہوا خاموش کھڑا تھا۔ اور اس نے اپنی بات جاری رکھی "یہاں ہم لوگ لکھتے پڑھتے ہیں، نوکری کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں، بلاوجہ، بلا سبب، صبح دس بجے سے شام کے پانچ بجے تک گھستے رہتے ہیں، کیونکہ چند بدمعاشوں کی چالاکی سے بنائے ہوئے جھوٹے نظامِ حیات کو ہم ہندوستان سمجھتے ہیں، —— لیکن ہمارے ایسا سمجھنے سے پینتیس کروڑ عوام اس فریب کا احترام کیوں کریں، اس لئے ہم کیوں ست رہیں کہ یہی جھوٹ اصلیت ہے چاہے ہم جتنی بھی کوشش کریں، کیا اس سراب سے ہمیں کسی طرح بھی زندگی مل سکتی ہے یہی تو وجہ ہے کہ ہم آہستہ آہستہ مر رہے ہیں، —— البتہ ایک اصلی ہندوستان اور بھی ہے اور جب تک ہم اس کی صف میں جا کر نہیں کھڑے ہوتے، دل دماغ سے جتنا بھی زور لگائیں، آبِ حیات نہیں پا سکتے، —— اسی لئے تو کہتا ہوں کہ سب کچھ بھول جاؤ۔ یہ کتابوں کی پڑھائی، یہ خطابوں کا چکر، یہ دل دروٹی کا لالچ، —— اس سب کو چھوڑ کر اپنے جہاز کو بندرگاہ کی طرف لے چلنا ہے ہمیں، —— ڈوبتے ہیں تو ڈوبیں، مرتے ہیں تو مریں، —— یہ ہماری زندگی ہے اور اسی لئے ہمارے لئے اتنی اہم، کم از کم میں تو ہندوستان کی یہ مکمل اور سچی تصویر کبھی اپنی آنکھوں سے اوجھل ہونے دوں، یہ نہیں ہو سکتا ——"

"یہ جوش کا ابال ہے کہ سچائی ہے؟" بنوئے نے آہستہ سے پوچھا

"یہی سچائی ہے ۔۔۔ ضرور سچائی ہے" ۔۔۔ گورا نے گرج کر کہا

"اور جو لوگ تمہاری طرح نہیں سوچتے اُن کا کیا ہوگا" بنوے نے نرمی سے پوچھا۔

"ہم انہیں اس طرح سوچنا سکھائیں گے" گورا نے مٹھی بھینچ کر کہا "یہ ہمارا کام ہے، اگر عوام کے سامنے سچائی کی حقیقی تصویر نہیں آئے گی تو کسی نو تہم کے پھندے میں پھنس جائیں گے، ہندوستان ناقابلِ شکست بُت کو بلند و بے نقاب کر کے لوگوں کو دکھایا جائے تو وہ تو ان کے دل دماغ پر چھا جائے گا۔ پھر انہیں دروازے دروازے بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں رہے گی، لوگ اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے ایک دوسرے کو دھکیلیں گے، ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کریں گے ۔۔۔"

"اچھا تو پھر مجھے بھی اس بُت کی زیارت کرواؤ ورنہ پھر میں اس اندھوں کی بھیڑ میں مل جاتا ہوں جن کو کچھ نظر نہیں آتا"

"تم خود ہی کیوں نہیں دیکھتے۔ اگر تمہیں یقین ہو تو پھر اپنے ایمان کی سنسنی ہی میں تمہارے لئے مسرت ہے، یہ جو ہمارے فیشن ایبل محبانِ وطن ہیں۔ یہ کوئی ایمان اور یقین نہیں رکھتے یہی تو وجہ ہے کہ نہ خود جوش سے کوئی کام کر سکتے ہیں نہ دوسروں پر اثر ڈال کر کچھ جوش پیدا کر سکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر خود لکشمی بھی اتر کر آئے اور ان کی کوئی خواہش پوری کرنے کا وعدہ کرے تو وائسرائے کے اردلیوں کے چمکتے ہوئے بلے لگا رہتا ہے۔ اس سے آگے کچھ مانگنے کی توفیق ان لوگوں کو نہیں ہو سکتی ۔۔۔ اور چونکہ یقین کسی بات میں نہیں رکھتے اس لئے اُنہیں بھی کسی چیز کی نہیں کر پاتے۔"

گورا ۔۔۔ "دُنیا میں ہر ایک کی طبیعت یکساں نہیں ہوتی، تمہیں ایک خاص چیز پر ایمان ہے اس لئے تم اس ایمان کی قوت میں پناہ لے سکتے ہو اور یہی وجہ ہے کہ تم دوسروں کی ذہنی کیفیت کو نہیں سمجھ سکتے۔ میں تو تم سے صاف بات کہتا ہوں، مجھ سے کچھ کرنے کو کہو تو ضرور کروں گا وہ کچھ بھی ہو ۔۔۔ رات دن مجھ سے کام لو تو کروں گا لیکن بس جب تمہارے ساتھ

ہوتا ہوں تبھی ایسا لگتا ہے کہ یہاں کوئی چیز ہے، پر جیسے ہی تم سے الگ ہوتا ہوں معلوم ہوتا کہ اب کوئی سہارا نہیں، کس کا ہاتھ پکڑوں اور کس خیال کو لپٹا رہوں۔"

"تم کام کی بات کرتے ہو — سب سے بڑا کام تو اس وقت یہ ہے کہ ہم اپنے ملک کی ہر مخصوص چیز کے متعلق لوگوں کو یقین دلائیں۔ اُن لوگوں کو جو ابھی تک نہیں مانتے ہیں اور یہ یقین اُسی وقت دلایا جا سکتا ہے جب ہمیں خود بھی کسی قسم کی ہچکچاہٹ اور شک و شبہ نہ ہو — ہوتا یہ رہا ہے کہ ہم خود اپنے ملک کو اور اس کی خصوصیتوں کو باعثِ ننگ سمجھتے رہے ہیں اور یہ عادت اس قدر بڑھ گئی ہے کہ احساس کمتری کا زہر ہماری رگ و پے میں سرایت کر کے ہمارے ذہنوں پر غالب آ گیا ہے۔ اگر ہم میں سے ہر ایک اپنی جگہ ایک مثال بن جائے اور اس زہر کو توڑ سکے تو ہم بہت جلد یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ کس میدان میں کیا کام ہونا چاہئے۔ اور اس وقت تو ہو رہا ہے کہ سکول میں جو تاریخ کی کتابیں ہیں وہ ہمیں بتاتی ہیں کہ اوروں نے کیا کیا تھا اور ہم بھی اندھا دھند وہی کرنے لگتے ہیں۔ ایسی نقالی کی حرکتوں سے بھلا ہم کیا دیس کی خدمت کر سکتے ہیں، صرف ذلت اور حقارت کے راستے پر چل سکتے ہیں۔"

یہی بات ہو رہی تھی جو موہن بابو ہاتھ میں حقہ لئے مزے مزے میں چلتے ہوئے آہستہ آہستہ کمرے میں داخل ہوئے۔ اور وہ اسی وقت دفتر سے واپس آئے تھے اور ناشتہ واشتہ کر کے پان حقے سے اپنا جی بہلاتے تھے، پھر آس پاس کے دوست احباب اُن کے پاس آ بیٹھتے اور اندر کمرے میں گھس کر تاش کی بازیاں چلنے لگتیں۔ اُن کے اندر آتے ہی گورا اُٹھ کھڑا ہوا اور وہ حقے کی کش لگاتے ہوئے بولے "ارے ہندوستان بھر کو بچانے میں اتنا مصروف ہے، اپنے بھائی کو تو پہلے بچا لیا ہوتا —"

گورا نے سوالیہ انداز میں اُن کی طرف دیکھا۔

"وہ جو ہمارے دفتر کا بڑا صاحب ہے نا، وہ تو باقاعدہ ایک بدمعاش ہے۔ صورت دیکھو تو بل ڈاگ کی سی، اور ہم بابوؤں کو تو بابون کہتا ہے۔ اگر کسی کی ماں بھی مر جائے تو چھٹی نہیں دے گا،

کہے گا جھوٹ ہے، کسی ایک بنگالی بابو کو مہینے بھر پوری تنخواہ نہیں ملتی، جرمانے سے کٹوتی ہو جاتی ہے، اخبار میں اس کے بارے میں کسی نے ایک گمنام خط لکھ مارا ہے اور وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ میری حرکت ہے۔ ویسے اس کا یہ خیال بالکل غلط بھی نہیں ہے تو اس نے دھمکی دی ہے کہ یا تو میں اپنے دستخط سے ایک خط لکھ کر دوں اور اس بات سے انکار کروں ورنہ وہ مجھ کو معطل کر دے گا۔ آپ دونوں جو یونیورسٹی کے دمکتے ہوئے ہیرے ہیں، آپ مہربانی فرما کر ایک اچھا سا خط میرے لئے لکھ دیجئے شاندار جملوں میں کچھ ایسی باتیں ہونی چاہئیں جیسے انصاف اور برابری اور غریب پروری اور عالی ظرفی وغیرہ وغیرہ۔"——

گردھر چپ رہا لیکن نبوتے ہنسنے لگا۔" واہ ——لیکن ایک ہی سانس میں اتنے بہت سے جھوٹ کیسے بولے جا سکتے ہیں"

"ہینڈٹ کا جواب ترقی سے دینا ہی پڑے گا" سوہم بابو بولے "میں ان صاحبوں کو خوب جانتا ہوں، ان کی کون سی بات مجھ سے چھپی ہوئی ہے، جھوٹ کا طومار تو ایسا باندھتے ہیں کہ کیا تعریف کی جائے ضرورت ہو تو پھر کہیں رک نہیں سکتے، —— ان میں کوئی جھوٹ بولے تو باقی سب گیدڑوں کی طرح اس کے ساتھ چیخنے لگیں گے ہم لوگوں کی طرح تھوڑا ہی ہے کہ غداری پر فخر کرتے ہیں۔ یاد رکھو ان بے ایمانوں کو دھوکہ دینے میں کوئی گناہ نہیں ہے بس اتنا محتاط رہو کہ پکڑے نہ جاؤ"—— اور وہ زور زور سے ہنسنے لگے۔ نبوتے بھی مسکرا رہا——

سوہم بابو نے اپنی بات جاری رکھی" اور آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ان کو سچائی سے ——کیا بات ہے، اگر ایسے آپ کے دماغ نہ ہوتے تو کاہے کو آج اس ملک کی یہ گت بنی ہوتی، آپ لوگوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ سات سمندر پار یہ مضبوط گورا چوری کرنے سے نہیں شرماتا اور اگر آج اسے ڈاکہ ڈالتے ہوئے پکڑ لیں گے تو سر جھکا کر پانی پانی نہیں ہوگا بلکہ نہایت معصوم بن کر الٹے آپ پر گرج گرج کر چلانا شروع کر دے گا۔ یہ مذہبی بات"

"سچ ہے" نبوتے نے کہا

"تو پھر ــــ اس کے تو یہی معنی ہوئے کہ جھوٹ کا مکھن تھوڑا سا ان کو مل دیا جائے کہ جناب عالی منصف ہیں اور پاک و پاکیزہ ہیں اور اپنے دسترخوان سے کچھ ہم غریبوں کو بھی عنایت کیجئے، زمین ہی پر پھینک دیجئے مگر پھینکئے تو سہی' شاید ہمارے حصے کی بھی تھوڑی سی ہمیں مل جائے اور پھر گڑبڑ اور بدامنی بھی نہ ہو، غور کرو تو اصلی حب الوطنی یہی ہے ــــ پر گورا تو مجھ سے ناراض ہو رہا ہوگا دل میں۔ جب سے یہ مذہبی ہو گیا تب سے مجھ بڑے بھائی کی بہت عزت کرنے لگا ہے، اس لئے چپ ہے، ویسے میں جو یہ باتیں کہہ رہا ہوں یہ اس کو بزرگوں کے شایانِ شان تو نہیں معلوم ہو رہی ہوگی پر میں کروں بھی کیا۔ جھوٹ کے بارے میں بھی سچ تو کہوں گا ہی ــــ اچھا خیر جو بھی ہے وہ خط تو آپ لوگوں کو لکھنا ہی ہے۔ ذرا ٹھہرو میں نے وہ جو مسودہ بنایا ہے وہ لے آؤں" ــــ اور وہ زور زور سے حقے کی کش کھینچتے ہوئے چل دیے۔

گورا نے مڑ کر جلدی سے نبوتے سے کہا "بھیّو، یار تم وہیں چلے جاؤ دادا کے کمرے میں اور ذرا اُن کو خاموش رکھنا، میں اتنا سا اور لکھ لوں۔"

پانچواں باب

انندموئی نے اپنے شوہر کے پوجا والے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ "سنتے ہو ـــــ میں اندر نہیں آرہی، گھبراؤ مت لیکن پوجا ختم کرلو تو تم سے ایک بات کہنی ہے۔ اب یہ نئے سنیاسی جو تم نے دریافت کئے ہیں تو دن تمھاری صورت نظر نہیں آئے گی اس لئے میں یہاں آئی ـــــ پوجا ختم کرلو تو ایک منٹ میرے پاس آکے سن جانا ـــــ بھولنا نہیں۔"
یہ کہہ کر وہ پھر گھر کے کاموں میں لگ گئیں۔

کرشن دیال بابو کا رنگ گہرا سانولا تھا، قد زیادہ لانبا نہیں اور جسم دوہرا۔ ناک نقشے میں سب سے زیادہ نمایاں اُن کی آنکھیں تھیں کیونکہ باقی سارا ہی چہرہ گھنی سفید داڑھی اور مونچھوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ سادھوؤں کی طرح وہ گیروا لباس اور لکڑی کی کھڑاویں پہنتے تھے، ہاتھ میں سادھوؤں کی ہی طرح پیتل کا لوٹا، سامنے پیشانی پر سے بال اُڑے ہوئے تھے لیکن باقی بال کندھے تک لمبی لمبی جٹاؤں میں پڑے رہتے تھے۔

ایک زمانہ ایسا بھی تھا جب وہ اپنے کام اور نوکری کے سلسلے میں اُتری دیشوں میں تھے اور رجمنٹ کے سپاہیوں کے ساتھ جی بھر کر ممنوع قسم کا گوشت کھاتے اور شرابیں پیا کرتے تھے۔ ان دنوں وہ اسے بڑی اخلاقی ہمت سمجھتے تھے کہ سادھو سنیاسیوں اور مذہبی لوگوں کے کہے کے خلاف کیا جائے لیکن اب تو جس چیز سے مذہبیت اور پُرانیت کی بُو آئے وہی اُن کا ایمان تھی سنیاسی کوئی نظر پڑا نہیں کہ وہ اس کے پاؤں کے نزدیک پسر گئے کہ شاید وہ انھیں کوئی مذہبی ورزش سکھا دے۔ نجات اور بخشش کے لئے کوئی شارٹ کٹ دریافت کرنے کی خواہش اُن کے دل میں ہوس کی حد تک سما چکی تھی روحانی قوت حاصل کرنے کی

تمنّا بے انتہا اور بے حساب شدّت کے ساتھ اُن پر چھائی ہوئی تھی، ویسے تو وہ تانترک کے سبق سیکھ ہی رہے تھے لیکن حال ہی میں ایک بدھ بھکشو نہ جانے کہاں سے اُن کے ساتھ لگ گیا جس نے اُن کے دماغ کو پھر گڑبڑا کے دھر دیا۔ اپنی پہلی بیوی کے انتقال کے وقت اُنکی عمر صرف تیئیس سال کی تھی، جس بچّے کی پیدائش ماں کی موت کا سبب بنی اس کو وہ دیکھ نہ سکے اور وہ بچّے کو اُس کے نانا کے حوالے کر کے دُنیا چھوڑ دینے کا سودا سر میں لئے نکل کھڑے ہوئے۔ چھ مہینے کے اندر اندر انھوں نے انند موئی سے شادی کر لی جو بنارس کے ایک زبردست پنڈت کی یتیم بیٹی تھیں۔

دُوری دیش میں پہونچ کر انھوں نے ایک سرکاری نوکری حاصل کر لی اور طرح طرح کے ہُنر سے بدل کر اپنے افسروں کو اپنے اوپر نہایت مہربان کر لیا۔ جب انند موئی کے نانا کا انتقال ہو گیا تو مجبوراً اُن کو اپنی بیوی کے ساتھ لے جا کر رکھنا پڑا کیونکہ دوسرا کوئی بزرگ نہ تھا۔

اسی درمیان ہندوستان کا غدر ہو گیا۔ اور کرشن دیال بابو کو چند مواقع انگریزوں کو بچانے کے ملے۔ انھوں نے اِن سے پورا فائدہ اٹھایا، عزّت بھی پائی اور زمین جائداد بھی۔ غدر فرو ہونے کے فوراً ہی بعد انھوں نے نوکری چھوڑ دی اور ننھّے گورا کو لے کر بنارس میں رہنے لگے۔ جب گورا پانچ سال کا ہوا تو وہ کلکتہ آگئے اور اپنے بڑے بچّے موہم کو بھی اس کے ماموں کے یہاں سے لے آئے اس کی تعلیم وغیرہ کا بندوبست کیا، اب موہم کو بھی اپنے باپ کے رُسوخ کی وجہ سے سرکاری خزانے میں نوکری مل گئی تھی جہاں وہ محنت سے کام کر رہا تھا۔

گورا بچپن ہی سے پڑھنے اور اسکول کے بچّوں کا لیڈر تھا۔ اس کا مخصوص کام یہ تھا کہ اپنے ٹیچروں کی جان عذاب میں کئے رہے۔ اور جب ذرا بڑا ہوا تو لڑکوں کے "قومی کلب" میں گانے وغیرہ گانے میں سب سے آگے ہو گیا، انگریزی میں لیکچر دینے لگا اور ننّھے انقلابیوں کے ایک منظم گروہ کا رہنما تسلیم کر لیا گیا پھر جب طالب علموں کے کلب کے انڈے سے نکلا تو اور پیر پھیلانے شروع کئے، بڑی بڑی میٹنگوں میں اس کی پکار سُنائی دینے لگی ——— تب کرشن دیال بابو کو خطرہ آنے لگا۔

گورا کی شہرت باہر جا ہے جتنی پھیل گئی ہو پہ گھر میں کوئی اُس کا نوٹس نہیں لیتا تھا۔ سوہم بابو انگریزی سرکار کے نوکر تھے، اُن کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ مذاق اُڑا اُڑا کر گورا کو کسی طرح ان حرکتوں سے باز رکھیں ۔ــــــ کبھی اس کو "دیسی بھگت" کہتے کبھی "ہریش مکرجی دوئم" کبھی کچھ، کبھی کچھ ــــــ ایک آدھ بار اسی بات پر کشتم کشتا اور ہاتھا پائی کی بھی نوبت پہونچ گئی ــــــ
گورا کو ہر انگریزی چیز سے جانی اور جذباتی دشمنی تھی اور اس بات پر آنند موئی بھی کبھی کبھی دل ہی دل میں بہت گھبراتیں، اُسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتیں لیکن سب بے سود۔ گلی میں اگر کسی انگریز سے لڑنے بھڑنے کا موقعہ گورا کو مل جاتا تو وہ اسے اپنے لئے ایک خداداد نعمت سمجھتا۔ ساتھ ہی کشیب بابو کی سادی تقریروں کا بھی جادو اُس پر چلتا جا رہا تھا اور وہ دن بدن زیادہ سے زیادہ جھکاؤ کے ساتھ برہمو سماج کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اسی زمانے میں کرشن دیال جی پر مذہب کا شدید دورہ پڑا ــــــ اتنا زیادہ کہ اگر گورا بھی اُن کے کمرے میں چلا جاتا۔ تو وہ پریشان ہو جاتے انھوں نے اپنے رہنے کے لئے گھر کا ایک حصہ مخصوص کر لیا اور اس کو "مندر" کہتے ــــــ یہاں تک انھوں نے ایک تختی پر "مندر" لکھ کر اپنے کمرے کے دروازے پر ٹانگ دیا۔ گورا اپنے باپ کی ان حرکتوں پر پیچ و تاب کھا کے رہ جاتا "میں یہ سب حماقت نہیں برداشت کر سکتا ــــــ میں نہیں برداشت کروں گا یہ بے وقوفی کی حرکتیں" وہ چیختا ــــــ واقعہ تو یہ ہے کہ اس کا بس چلتا تو اپنے باپ سے تمام تعلقات ختم کر دیتا لیکن آنند موئی نے بیچ میں پڑ کر کسی طرح باپ بیٹوں میں علیحدگی نہ ہونے دی۔ پھر بھی گورا کو جب کبھی موقعہ ملتا تو وہ اُن پنڈتوں اور برہمنوں سے خوب خوب اُلجھتا اور بحثتا جو اُسکے باپ کو گھیرے رہتے تھے بحث تو اس کو کہنا ہی نہیں چاہئے، وہ تو تھپیڑے اُٹھا اُٹھا کر اُن کے منہ پر مارتا۔ ان میں سے زیادہ تر پنڈت واجبی سے پڑھے لکھے تھے لیکن اپنے شکار کو چکرانے اور بھٹکانے میں مہارت رکھتے تھے۔ چنانچہ گورا سے اُن کی جان نکلتی اور اُس کی چیتے کی سی جھپٹ سے ہمیشہ کنی کاٹتے۔

البتہ ان میں ایک پنڈت تھا جس کے لیے گورا کے دل میں عزت پیدا ہونی شروع ہوئی
اُن کا نام ودیا وگیش تھا اور کرشن دیال نے اُن کو ویدانت کا فلسفہ پڑھانے کے لیے بلایا تھا۔
پہلے تو گورا نے یہ کوشش کی کہ گستاخی کر کے اُن کو بھی ٹرخائے لیکن بہت جلد وہ پسپا ہونا
شروع ہوا اور اس کو یہ پتہ چلا کہ پنڈت جی نہ صرف نہایت درجے عالم فاضل بلکہ اُن کی عجیب و
غریب روشن خیالی نے بھی گورا کو بیحد متاثر کیا۔ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ کوئی شخص جو صرف
سنسکرت پڑھا ہوا ہو وہ اس قدر تیز اور ذہین بھی ہو سکتا ہے، ودیا وگیش جی کے مزاج میں ایسی صلح
جوئی قوت، گہرائی اور تحمل تھا کہ گورا اُن کے حضور میں بردباری سے کام لینے پر مجبور ہو گیا۔
اس نے اُن کے ساتھ ویدانت کے فلسفہ کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور چونکہ وہ طبیعتاً کسی کام
کو ادھورا نہیں چھوڑتا تھا لہٰذا پوری توجہ کے ساتھ اس میں غرق ہو گیا۔ ادھر یہ ہوا اور اُدھر
اخباروں میں کسی انگریز مشنری نے ایک بحث چھیڑ دی جس میں ہندو مذہب اور ہندو سماج پر
حملے کر کے مباحثہ اور مناظرہ کی دعوت دی گئی تھی ـــــ گورا یکایک بھڑک اُٹھا۔ ویسے ہی
اُسے ہر وقت یہ دُھن لگی رہتی تھی کہ رسموں اور مذہبی چیزوں پر حملہ کر کے اپنے مخالفین کا
ناک میں دم کیے رہے اور اب تو ایک ہٹی مشنری نے جو ہندو مذہب پر حملے کیے تو گویا کسی نے
بھڑ کے چھتے کو چھیڑ دیا۔ لہٰذا وہ کمربستہ میدان میں کود پڑا اور جوابی حملے شروع ہو گئے مخالف
پارٹی نے ہندوؤں پر جو الزامات لگائے تھے اُن میں سے کسی کو بھی تسلیم کرنے سے اُس نے
انکار کر دیا۔ ادھر اور اُدھر سے بہت سے خطوط نکلنے کے بعد ایڈیٹر نے اُس بحث کو روک دیا۔

لیکن گورا اب پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ اُس نے "ہندوازم" پر ایک کتاب
انگریزی میں لکھنی شروع کی جس میں اُس نے نہایت مشقت اور تحقیق کے ساتھ دلیلوں اور حوالوں
کے ذریعہ ہندو مذہب اور ہندو سماج کی بے داغ برتری کو ثابت کیا۔ انجام کار وہ خود بھی اپنی دلیلوں
کا قائل ہو گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ "ہمیں اس بات سے قطعی انکار کرنا چاہیے کہ ہمارا ملک کسی بیرونی
عدالت کے سامنے کھڑا ہو، کوئی باہری قانون ہمیں صحیح اور غلط کا راستہ سمجھائے، کسی بدیسی معیار سے

ہم اپنی عزت یا ذلت کو کیوں نا ہیں' جس ملک میں ہم پیدا ہوئے اس کے متعلق ہمارے ذہن میں احساسِ کمتری کس لیے ؟ یہاں کی روایتیں، یہاں کا مذہب، یہاں کی کتابیں' قانون — ان سب کے متعلق سوچتے ہوئے ہم چھوٹا کیوں محسوس کریں ؟ — مادرِ وطن نے جو بوجھ ہمارے کندھوں پر رکھا ہے اُسے مردانہ وار اٹھانا ہمارا فرض ہے۔ اور اسی طرح ہم اپنے آپ کو ذلت سے بچا سکتے ہیں اور اپنے ملک کو نجات دلا سکتے ہیں — اپنی پوری قوت اور فخر کے ساتھ اپنے فرائض کو ہمیں پورا کرنا ہی ہوگا —"

ان خیالات کو دل و دماغ میں جگہ دینے کے ساتھ ساتھ گورا نے روزانہ صبح شام پوجا بھی کرنی شروع کر دی اور باقاعدہ گنگا میں نہانے لگا۔ کھانے پینے، اور چھونے چھانے میں بھی احتیاط برتنے لگا' یہاں تک اُس نے چوٹی بھی بڑھالی — روز صبح ماں باپ کے پیروں کی دھول لینا — پہلے وہ ہم دادا کو "دھونسیا" اور "چنٹ" کہنے میں بھی اس کو تامل نہ ہوتا تھا' اب وہ کمرے میں آتے تو اُٹھ کر اُن کے آگے ہاتھ جوڑتا۔ اور سر جھکاتا۔ وہ ہم اس پر ایک عجیب و غریب تبدیلی پر طعنے بھی دے دیتا تو بھی گورا الٹ کر کبھی جواب نہ دیتا۔

اس زبانی اور تحریری پرچار اور اپنی ذاتی مثال کی وجہ سے گورا نے بہت جلد اپنے چاروں طرف جوشیلے نوجوانوں کا ایک بڑا سا گروہ اکٹھا کر لیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مخالف سمت سے جو حملہ اُن لوگوں پر کیا جاتا تھا اُس کا جو کچھ دباؤ ان کی طبیعتوں پر ہوتا تھا وہ سب گورا کی باتوں سے دور ہو جاتا تھا جس سے ان کو اطمینان سا ہو جاتا تھا کہ "ہم بُرے ہوں یا اچھے' دوسرے ہم کو وحشی سمجھیں یا مہذب لیکن جب تک ہم ہیں اس وقت تک کوئی مضائقہ نہیں"

عجیب بات یہ تھی کہ گورا کی تبدیلی سے کرشن دیال بابو بالکل خوش نہ تھے۔ بلکہ ایک دن تو انھوں نے گورا کو اپنے پاس بُلا کر کہا "دیکھو بیٹا' ہندو دھرم بڑی نازک چیز ہے۔ رشیوں کے قائم کیے ہوئے اس پاک و پاکیزہ مذہب کی گہرائیوں تک پہنچنا ہر کسی کے بس کی

بات نہیں ہے۔ اس لئے اگر بات پوری طرح سمجھ میں نہ آنے والی ہو تو بہتر یہی ہے کہ اُس میں اُلجھا نہ جائے تمھارا ذہن ابھی پختہ نہیں ہے اور پھر تمھاری ساری تعلیم انگریزی میں ہوئی ہے تم جو شروع میں برہمو سماج کی طرف جھکے تھے وہ میرے خیال میں تمھاری طبیعت اور دماغ کیلئے زیادہ موزوں تھا، اس لئے مجھے تمھارے اُس رجحان پر کوئی پریشانی نہیں ہوئی تھی بلکہ سچ پوچھو تو میں خوش ہوا تھا، —— لیکن اب جس رستے پر تم چل رہے ہو یہ تمھارا راستہ نہیں ہے، مجھے ڈر ہے کہ بات بنے گی نہیں"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بابوجی" گورا نے احتجاج کیا " کیا میں ہندو نہیں ہوں؟ اگر ہندو دھرم کی گہرائیاں آج میری سمجھ میں نہیں آئیں تو کل آئیں گی —— اگر مکمل طور پر میں اُسے نہ بھی سمجھ پایا تو بھی میرے لئے راستہ یہی ہے۔ میں نے اپنے پچھلے کسی ہندو جنم میں کچھ پُن کیا ہوگا جو میں اس بار برہمن پیدا ہوا اور اسی طرح ہندو دھرم اور سماج میں بار بار جنم لے کر میں آخری منزل پر پہونچ جاؤں گا۔ اگر غلطی سے میں اپنے راستے سے بھٹک گیا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ مجھے سارے راستے کو دُہرانا پڑے گا" ——

لیکن کرشن دیال سر ہلاتے رہے اور کہتے رہے "لیکن میرا بچہ، اپنے آپ کو ہندو کہنے سے کوئی ہندو ہو نہیں جاتا۔ مسلمان ہو جانا آسان ہے، عیسائی ہو جانا اس سے بھی آسان ہے —— لیکن ہندو! بھگوان، —— وہ تو بالکل اور ہی بات ہے۔"

"جی ہاں سچ ہے" گورا نے کہا "لیکن چونکہ میں ہندو پیدا ہوا ہوں اسلئے چوکھٹ تو سمجھئے کہ پار ہی کر گیا۔ اب یہی ہے کہ ٹھیک رستے پر پاؤں بڑھاتا رہوں تو اور ترقی بھی کر جاؤں گا!"

کرشن دیال بابو بولے "مجھے ڈر ہے کہ میں تمھیں اپنی دلیلوں سے قائل نہیں کر سکتا، جو تم کہتے ہو وہ اپنی طور پر ٹھیک ہے، تمھارا جو اصل مذہب ہے —— تمھارے کرموں کے مطابق، —— تو دیر ہو یا سویر تمھیں وہاں ہی پہنچنا ہوگا، کون تمھارا راستہ روک سکتا ہے،

جیسی بھگوان کی اِچھا ہوگی وہ تو پوری ہی ہوگی' ـــــــ ہم سب اس کے ہاتھ میں ہیں!"

کرشن دیال باہم متضاد چیزوں کو بھی ایک طرح سے تسلیم کر لیتے تھے: کرموں کی مجبوری بھی اور بھگوان پر بھروسہ بھی' بھگوان اور انسان کا میل بھی اور بھگوان کی پوجا اور عظمت بھی ــــــ اِن چیزوں میں کوئی تضاد تھا یا اُس تضاد کے درمیان کوئی مطابقت کا راستہ ڈھونڈھنے کی ضرورت تھی' اِن باتوں کو سوچنے میں وہ بیکار اپنا دماغ کبھی نہیں کھپاتے تھے۔

ــــــــ (۵) ــــــــ

چھٹا باب

کرشن دیال بابو کو اپنی بیوی کی درخواست یاد تھی۔ نہا کر کھانا کھانے کے بعد وہ انند موتی کے کمرے میں گئے بہت دنوں بعد وہ آج اس کمرے میں آئے تھے۔ انھوں نے اپنی چٹائی بغل میں سے نکال کر ایک طرف کو بچھائی اور اس پر اس طرح تن کر بیٹھے جیسے چاروں طرف کے ماحول سے دامن بچا رہے ہوں۔

انند موتی نے بات شروع کی "آپ تو اب مُنی رشی ہونے جا رہے ہیں اس لئے آپ کو گھر کے معاملات کی کیا پرواہ ہے لیکن میں تو گورا کے بارے میں سوچ سوچ کر مری جاتی ہوں"

"کیوں؟ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے" کرشن دیال نے پوچھا

"اب میں ٹھیک ٹھیک تو کیا بتاؤں کہ کیا بات ہے" انند موتی نے جواب دیا "لیکن میرا خیال ہے کہ گورا کا ہندو دھرم اگر اس رفتار سے چلتا رہا تو کہاں ٹھہرے گا ——— کوئی نہ کوئی مصیبت آئے گی ضرور ——— میں نے تمھیں پہلے ہی کہا کہ اس کو جنیئو نہ پہناؤ لیکن ان دنوں تم بھی ان باتوں کی کوئی خاص پرواہ نہیں کرتے تھے اور تم نے مجھے جواب دیا تھا کہ ایک دھاگے سے ہوتا ہی کیا ہے، کون سی دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے گی ——— اب دیکھو کہ اس دھاگے سے کیا مصیبت آئی ہے، اب کس جگہ حد بندی کرو گے، کہاں روکو گے؟"

"ارے ہاں سب قصور تو میرا ہی ہے" کرشن دیال بڑبڑانے لگے "لیکن اصلی غلطی کیا تمھاری نہیں ہے؟ تمھیں اس کو چھوڑنے پر کسی طرح راضی نہیں ہوتیں ——— اس زمانے میں میرا بھی دماغ خراب تھا، دھرم کا کچھ مجھ کو خیال نہیں تھا، آج تو میں ایسی حرکت کرنے کو سوچ بھی نہیں سکتا"

"اب تم جو کچھ بھی کہو لیکن میں تو کبھی نہیں مان سکتی کہ میں نے کوئی غلطی کی ہے"——

اندرسوئی نے شوہر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا: "تمھیں یاد ہوگا کہ میں نے بچّہ پیدا کرنے کی کوشش میں کچھ اُٹھا نہیں رکھا، جس کسی نے بھی کچھ کہا وہ کیا، کتنے منتر پڑھے، کتنے گنڈے باندھے، پھر ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک ڈکری بھر کے سفید پھول بھگوان پر چڑھانے لے جا رہی ہوں اور پھول یکایک غائب ہو گئے اور اُن کی جگہ ایک بچّہ ڈکری میں پڑا ہوا تھا جس کا رنگ سفید تھا۔ اب میں تمھیں کیا بتاؤں کہ اس وقت مجھ پر کیا گزری میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے، جھپٹ کر بچّے کو اپنے کلیجے میں دبا لینا ہی چاہتی تھی کہ آنکھ کھل گئی——اور اسی کے دس روز بعد گورا مجھے ملا—— یہ بھگوان کی دین تھی، پھر میں کیسے اُسے کسی اور کو دیتی، کسی جنم میں ضرور میں نے اُسے اپنی کوکھ میں رکھا ہوگا، دکھ سہہ کر پیدا کیا ہوگا، جبھی تو وہ مجھے "ماں" کہتا ہے۔ سوچو تو کس عجیب وغریب طریقے سے وہ ہم لوگوں کو ملا—— وہ آدھی رات کا سماں—— چاروں طرف وہ خون خرابہ، قتل وغارت، ہمیں اپنی ہی کی پڑی تھی کہ وہ انگریز عورت ہمارے یہاں گھس آئی، ہمارے گھر میں پناہ لینے، تم تو اُسے چھپانے سے ڈر رہے تھے مگر میں نے اُسے گائے کے باڑے میں بند کر دیا اور تمھیں پتہ بھی نہ چلا اُسی رات کو وہ ایک بیٹے کو جنم دے کر مر گئی—— اگر میں اس یتیم اور بے بس بچّے کو نہ بچاتی تو وہ کیسے زندہ رہتا۔ تم کو تو کوئی پروا نہ تھی، تم تو اُسے کسی پادری کے حوالے کر دینا چاہتے تھے پر میں اُسے کیوں پادری کو دیتی، پادری اُس کا کون لگتا تھا؟ کیا اُس نے اُس بچّے کی جان بچائی تھی؟ اس طرح بچّے کا مل جانا کچھ خود اُس کو جنم دینے سے کم خوشی کی بات نہ تھی! تم کچھ بھی کہتے رہو لیکن بھگوان نہ کرے جس نے اُسے مجھ کو دیا ہے، جب تک وہی اُس کو مجھ سے نہ چھڑا دے تب تک میں خود سے تو اُسے نہیں چھوڑوں گی نہ کسی کو دوں گی۔"

"ارے یہ سب کیا میں نہیں جانتا" کرشن دیال نے کہا "بہرحال تم جانو اور تمھارا گورا

جائے"۔ میں نے تو پہلے کبھی دخل دینے کی کوشش نہیں کی اور جنیئو کی رسم جو میں نے کی تو وہ تو اس لئے کہ ہم لوگ اُسے اپنا بیٹا ظاہر کرتے تھے اور اس طرح سماج میں تو یہ ریت ادا ہی کی جانی چاہیے تھی، اب تو صرف دو سوال طے ہونے باقی ہیں، قانونی حیثیت سے میرے سارے مال کا حقدار سوہم ہے اور اس لئے ......"

"کون تمھاری جائداد میں حصہ بٹانا چاہتا ہے؟ آنندموئی نے بیچ میں بات کاٹی" تم اپنی ساری کمائی سوہم کو دے دو، گورا ایک پیسے کا طالب نہ ہوگا، مرد ہے، اچھی تعلیم پائی ہے اس نے، کیا اپنی روزی کما نہیں سکتا۔ دوسرے کی دولت پر وہ کیوں دانت لگائے گا؟ اور جہاں تک میرا سوال ہے، میرے لئے تو بس اتنا ہی بہت ہے کہ وہ جیتا رہے، مجھے اور کوئی دولت نہیں چاہیے"

"نہیں بھائی یہ بات نہیں ہے کہ میں اس کے لیے ایک کوڑی بھی نہیں دینا چاہتا" کرشن دیال ذرا ناراض ہو کر بولے" وہ زمین ہے نہ جو مجھے ملی تھی، اُس سے ایک ہزار سالانہ کی آمدنی ہے — اصل پیچیدہ سوال تو اس کی شادی کا ہے۔ جو ہوا سو ہوا پر میں اب اس سے آگے جاکر یہ نہیں کر سکتا کہ اس کی شادی بھی ہندو ریت کے مطابق کسی برہمن خاندان میں کروں۔ اب تمھیں بُرا لگے یا اچھا لگے"

"تو تم سمجھتے ہو کہ میں تمھاری طرح چاروں طرف گنگا کا پانی نہیں چھڑکتی پھرتی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میرا ضمیر بھی مر گیا ہے۔ میں کیوں اس کی شادی برہمن خاندان میں کروں گی یا برہمنوں میں اس کی شادی نہ ہونے پر بُرا کیوں مانوں گی؟ یہ تو واقعہ ہے کہ وہ پیدائشی برہمن نہیں ہے"۔

"کیوں مگر تم تو برہمن کی بیٹی ہو؟"

"ہاں ہوں تو پھر کیا؟ میں تو مدتیں گذریں اپنی ذات پات اتار چھوڑ دیا ہے۔ اب سوہم کی شادی پر ہی دیکھو کہ برادری والوں نے میری غیر مذہبی حرکتوں پر منھ بنایا تو میں نے کچھ نہیں کہا سُنا، بس خاموشی سے ایک طرف کو ہو گئی، سب ہی مجھ کو عیسائی کہتے ہیں اور جو جو منھ میں آتا ہے

وہ بکتے رہتے ہیں! میں سب کچھ ہنس کر ٹال دیتی ہوں اور میرے پاس تو بس یہی جواب ہے کہ کیا عیسائی لوگ انسان نہیں ہوتے؟ کیا اُن کو بھگوان نے نہیں پیدا کیا اور آپ لوگ ایسے ہی بھگوان کے پیارے تھے تو بھگوان نے کیوں آپ سے مٹی میں ناک رگڑوائی، پہلے پٹھانوں کے سامنے، پھر مغلوں کے سامنے، اور اب عیسائیوں کے سامنے؟

کرشن دیال نے کچھ عاجز ہو کر پہلو بدلا "اوہ ——— یہ تو بڑی لمبی اور پُرانی بات ہے، تم عورت ہو تمھاری سمجھ میں بات نہیں آسکتی، لیکن اتنا تو تم بھی سمجھ سکتی ہو کہ دُنیا میں ایک چیز ہوتی ہے سماج اور اس کا خیال تو کرنا ہی پڑتا ہے"

آنند موئی بولیں "میں اس سب دردسری میں نہیں پڑتی ہوں لیکن اتنا میں جانتی ہوں کہ بچپن سے گورا کو اپنے بچوں کی طرح پالنے کے بعد اب جو میں بڑی دھرماتما بن جاؤں تو سوسائٹی تو چھ ناک بھوں چڑھائے گی سو چڑھائے گی، میرا ضمیر جو مجھے ملامت کرے گا۔ میں نے تو سچے دھرم کے ہی ڈر سے کبھی کوئی بات چھپائی نہیں، اور ہر ایک کو معلوم ہے کہ میں مذہبی احکامات کو نہیں مانتی ہوں، اور جو کچھ لوگ مجھ کو کہتے ہیں، اُسے صبر کے ساتھ برداشت کرتی ہوں ——— ایک بات، البتہ ہے جو ابھی تک راز ہے! اور اس کے لئے مجھے ڈر لگتا ہے کہ بھگوان مجھ سے جواب طلب کرے گا ——— دیکھو! میں سوچتی ہوں، اب ہمیں گورا کو سب کچھ صاف صاف بتا دینا چاہیے، جو ہوگا سو دیکھا جائے گا"

"نہیں نہیں" کرشن دیال اس تجویز پر بے حد پریشان ہوئے "ایسا کرنا بھی مت جب تک میں زندہ ہوں تب تک تو ہرگز نہ کرنا۔ تم گورا کے مزاج سے واقف ہو، اگر ایک بار اس کو سچ بات معلوم ہو گئی تو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیا کر بیٹھے، پھر سارے سماج میں ہم لوگ ننگو بنیں گے، صرف یہی نہیں بلکہ گورنمنٹ بھی ہم لوگوں کو پریشان کرے گی۔ ویسے یہ بات تو سچ ہے کہ گورا کا باپ غدر میں مارا گیا اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کی ماں بھی مر گئی لیکن غدر فرو ہونے کے بعد ہم کو مجسٹریٹ کے یہاں اطلاع دینی چاہیے تھی، ایک بار اس جھگڑے کے چھتے کو

چھیڑ دیں گے تو میری ساری مذہبی ریاضت تو خاک میں مل ہی جائے گی اور بھی نہ جانے کیا کیا آفت آئے ؟

آنند موئی چپ ہو گئیں۔ کرشن دیال ذرا رک رک کے بولے "اور گورا کی شادی کے لئے میں نے یہ سوچا ہے کہ ایک صاحب میرے ساتھ پڑھتے تھے' پاریش بھٹاچاریہ ——— وہ ابھی اسکول انسپکٹری ریٹائر ہو کر یہاں کلکتہ ہی میں بس گئے ہیں' ——— وہ پکے برہمو ہیں اور میں نے سُنا ہے کہ اُن کے گھر میں کئی لڑکیاں شادی کے لائق ہیں، اگر ہم کسی طرح گورا کو گھسیٹ کر اُس خاندان سے بھڑا سکیں تو دو چار بار جانے کے بعد وہ غالباً کسی لڑکی کو پسند کرے گا۔ اور پھر تو بڑی آسانی سے سب معاملہ کامدیو کے حوالے کیا جا سکتا ہے"

"کیا کہتے ہو؟ گورا اور برہمو سماج گھرانا! وہ دن اب اس کے لئے گذر گئے"

وہ بھی یہ کہہ ہی رہی تھیں کہ خود گورا آموجود ہوا' اپنی گرجتی ہوئی آواز میں پکارتا "ماں" ——— باپ کو وہاں بیٹھے دیکھ کر وہ حیران رہ گیا اور ذرا جھجکا' آنند موئی جلدی سے اُٹھ کر گئیں اور محبت سے بولیں "کیا میرا بچہ۔ مجھ سے کوئی کام ہے"

"ایسا ضروری کام نہیں ہے ماں۔ ٹھہرتا ہوں" یہ کہہ کر گورا جانے کے لئے مڑا، پھر کرشن دیال بابو نے اُسے روک لیا "ایک منٹ ٹھہرو گورا۔ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے' میرے ایک برہمو دوست ہیں جو ابھی کلکتے سے آئے ہیں اور بیڈن اسٹریٹ پر رہتے ہیں"

"کیا پاریش بابو تو نہیں" گورا نے پوچھا

"تم اُن کو کیسے جانتے ہو؟ کرشن دیال بابو نے تعجب سے پوچھا

"بنوئے سے اُن لوگوں کا ذکر سُنا' وہ قریب ہی رہتا ہے نہ"

"اچھا ——— تو میں چاہتا ہوں کہ تم ضرور اُن کے یہاں چلے جاتے اور خیر خبر پوچھ آتے"

گورا ذرا سا ہچکچایا جیسے دل ہی دل میں کوئی بات تول رہا ہو پھر بولا "جی اچھا کل صبح سب سے پہلے یہی کروں گا ——— ہو آؤں گا ———"

اننۃ سوئی کو بھی تعجب ہوا کہ گورا اتنی جلدی کیسے راضی ہو گیا ــــــ لیکن ایک ہی منٹ بعد گورا نے کہا "دیکھئے ــــــ میں بھول گیا تھا کل تو نہیں جا سکوں گا۔"

"کیوں نہیں" کرشن دیال نے پوچھا

"کل مجھے تربینی جانا ہے"

"اور کوئی جگہ بھی نہیں ــــــ تربینی!" کرشن دیال نے حیرت سے کہا

"کل سورج گرہن کا اشنان ہے" گورا نے آہستہ سے جواب دیا

"تُو تو مجھے حیرت میں ڈال دیتا ہے بیٹا" آننۃ سوئی بولیں "یہاں کلکتہ میں گنگا بہہ رہی ہے یہاں نہیں نہا سکتا جو اتنی دور تربینی جائے گا ــــــ تو نے تو دھرم کی حد کر دی"

گورا نے کوئی جواب نہیں دیا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

گورا نے اس لئے تربینی میں اشنان کرنے کا فیصلہ کیا تھا کہ وہاں بہت سے یاتری آئیں گے، اور گورا چاہتا تھا کہ اپنے پچھلے خیالات کو اپنے ذہن سے بالکل نکال پھینکے' اپنے ملک کے عام رہنے والوں میں اس طرح گھل مل جائے کہ سچے دل سے اُن سے کہہ سکے ــــ

من تو شدم تو من شدی!

ساتواں باب

بنوے صبح کو سو کر اٹھا تو تڑکے کا اُجالا ایسا صاف سُتھرا اور پاکیزہ تھا جیسے کسی نوزائیدہ بچے کی مسکراہٹ، آسمان پر بادل کے دو چار سفید ٹکڑے یوں ہی ادھر اُدھر ڈولتے پھر رہے تھے بنوے برآمدے میں کھڑا ہو گا اور یاد کرنے لگا کہ ایک اور بھی صبح آئی تھی جس کی یاد اتنی ہی پیاری اور رسیلی تھی، پھر اُس نے دیکھا کہ گلی سے پارتیش بابو چلے آ رہے ہیں، ایک ہاتھ میں چھتری تھامے ہوئے تھے اور دوسرا ہاتھ ستیش پکڑے ہوئے تھا۔ ستیش نے بنوے بابو کو دیکھتے ہی تالی بجائی اور چلانے لگا "بنوے بابو" ——— پارتیش بابو نے بھی سر اٹھا کر اُسے دیکھا بنوے جلدی جلدی سیڑھیاں اُتر کر نیچے پہنچا اور وہ لوگ اندر آ ہی رہے تھے کہ اُن کو مل گیا۔

ستیش نے بنوے کا ہاتھ پکڑا "بنوے بابو ——— آپ ہم لوگوں سے ملنے کیوں نہیں آئے اس دن تو آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آئیں گے" ——— بنوے نے محبت سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا، وہ مسکرانے لگا۔ پریش بابو نے اپنی چھتری احتیاط سے میز کے کنارے ٹکائی اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے "بھئی اس دن تم نہ ہوتے تو نہ جانے ہمارا کیا حال ہوتا۔ تم نے ہم لوگوں پر بڑی مہربانی کی"

بنوے مسکرا کر بولا "آپ بھی کیا بات کرتے ہیں اس کا ذکر بھی بھلا کوئی بات ہے"

ستیش ایک دم بول پڑا "میں کہتا ہوں بنوے بابو آپ کے پاس کوئی کتا نہیں"

"کتّا"؟ بنوے ہنسنے لگا۔ "نہیں بھئی افسوس کی بات ہے کہ میرے پاس کتّا تو نہیں ہے"

"تو آپ ایک کتّا پال کیوں نہیں لیتے؟" ستیش نے پوچھا

"بھئی ——— بات یہ ہے کہ کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ کتّا بھی پالا جائے"

پریش بابو بات بنانے کے لئے بیچ میں بولے "میں نے سُنا ہے کہ اسی دن ستیش تمہارے
یہاں آیا تھا۔ مجھے ڈر ہے کہ اِن حضرت نے تمھیں بہت عاجز کیا ہوگا۔ یہ اتنی بک بک کرتا
ہے کہ اس کی بہن نے تو اس کا نام میاں کتر کتر رکھ دیا ہے"

"ارے صاحب بکنے پر آتا ہوں تو میں بھی خوب بکتا ہوں" بنوئے نے کہا "اس لئے
ہماری خوب پٹتی ہے ـــــ ہے نہ ستیش؟"

ستیش نے اپنے سوالات جاری رکھے اور بنوئے اُن کا جواب دیتا رہا لیکن پریش بابو
نے بہت کم بات کی۔ وہ بس خوش ہو ہو کر سُنتے رہے اور ایک آدھ لفظ یہاں وہاں کہہ دیتے۔ چلتے
وقت انھوں نے کہا کہ "ہمارے گھر کا نمبر اٹھتّر ہے اور داہنی طرف مڑ کر بس سیدھی سڑک ہے"

"یہ تو ہمارا گھر جانتے ہیں" ستیش نے بات کاٹی "اس دن میرے ساتھ دروازے
تک گئے تھے" اس میں شرمانے کی کوئی بات نہ تھی پھر بھی بنوئے ایسا جھینپ گیا جیسے
چوری کرتے پکڑا گیا ہو!

"تو پھر تم تو ہمارا مکان جانتے ہی ہو ـــــ اگر کبھی اُدھر سے ۔ ۔ "

"جی کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں ...... اگر کبھی اُدھر سے ..... " بنوئے نے رُک
رُک کے کہا

"دیکھو، ہم لوگ اتنے قریبی پڑوسی ہیں" پریش بابو اُٹھتے ہوئے بولے "لیکن کلکتے میں
رہنے کا یہ اثر ہے کہ اتنے دنوں تک ایک دوسرے کو جانا بھی نہیں"

بنوئے نے اپنے مہمانوں کو گلی تک پہنچایا۔ دروازے پر ذرا رُکا رہا اور تکتا رہا ـــ
پریش بابو چھڑی ٹیکتے آہستہ آہستہ چلے جا رہے تھے اور ستیش مسلسل کتر کتر کرتا ہوا اُن کے
ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ بنوئے نے دل میں سوچا "پریش بابو کا سا بزرگ میں نے کبھی نہیں
دیکھا، ایسا جی چاہتا ہے اِن کے پاؤں کی دُھول اپنے ماتھے پر لگاؤں اور ستیش کتنا پیارا
بچہ ہے، بڑا ہو کر بہت اچھا آدمی بنے گا جتنا ذہین ہے اتنا ہی مخلص اور صاف گو بھی ہے"

ویسے پاریش بابو جتنے چہیتے بزرگ رہے ہیں اور ستیش جتنا ذہین اور پیارا بچہ رہا ہو لیکن نہ ایک، تنی محبت ہو جانے کی صرف یہی وجہیں نہ تھیں، بات یہ ہے کہ بنوئے کے دل میں اس وقت کچھ کیفیت ہی ایسی تھی کہ اتنی ملاقات بھی محبت کی پیاس پیدا کر دینے کے لئے کافی تھی "اب تو مجھے پاریش بابو کے یہاں جانا ہی ہوگا ورنہ بدتہذیبی ہو جائے گی" بنوئے نے سوچا لیکن گورا کی پارٹی کا ہندوستان اس کا رستہ روکے کھڑا تھا "خبردار —— تو وہاں نہیں جائے گا، تو وہاں قدم بھی نہیں رکھے گا" ——

بنوئے نے ایک ایک قدم پر اس ہندوستان کے منع کرنے اور روکنے پر سر تسلیم جھکایا تھا، شک اور شبہے اس کو ضرور پیدا ہوئے تھے پھر بھی وہ رکتا تو گیا ہی تھا —— لیکن اب اس کے ضمیر اور روح سے ایک بغاوت سی اٹھ رہی تھی، کیونکہ آج ہندوستان کا یہ تصور ایک متضاد معلوم ہوتا تھا۔

نوکر نے آکر دن کا کھانا تیار ہونے کی اطلاع دی لیکن بنوئے ابھی تک نہایا بھی نہیں تھا دوپہر ڈھل چکی تھی، اس نے سر ہلا کر نوکر کو منع کر دیا "آج گھر پر کھانا نہیں کھاؤں گا —— تم میرے لئے رکنا مت" اور پھر کندھے پر چادر تک ڈالے بغیر اس نے چھتری اٹھائی اور باہر گلی میں نکل آیا۔ وہ سیدھا گورا کے گھر چلا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ٹھیک بارہ بجے گورا ہرسٹ اسٹریٹ چلا جاتا تھا جہاں اس کا دفتر ہے —— "ہندو محبّانِ وطن" کا دفتر —— اور وہ وہاں بیٹھ کر سہ پہر بھر اپنی پارٹی کے ان ممبروں کو جوشیلے خط لکھتا جو بنگال بھر میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہیں اس کے تمام معتقدین اکٹھے ہوتے تھے جو اس کے احکامات کے منتظر رہتے تھے اور اس کی ہر خواہش بجا لانا اپنے لئے قابلِ فخر بات سمجھتے تھے۔

جیسا کہ بنوئے نے سوچا تھا، گورا حسبِ دستور دفتر جا چکا تھا۔ بنوئے ایک دم اندر گھستا چلا گیا یہاں تک کہ وہ آنند موئی کے کمرے میں پہنچ گیا، وہ ابھی کھانا کھانے بیٹھی ہی تھیں، لچھمی پنکھا لئے پاس ہی بیٹھی تھی ——

"کیوں نبو، یہ کیا ہوا ـــــ کیا بات ہے" آنند موئی اُسے اس وقت دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

وہ اُن کے پاس بیٹھ گیا "ماں ـــــ مجھے بہت بھوک لگی ہے ـــــ مجھے کھانے کو دیجئے"

آنند موئی گھبرا کے بولیں "بھئی یہ تو بڑی گڑبڑ ہے، وہ برہمن رسوئیا ابھی چلا گیا اور تم تو......"

"کیا آپ سمجھتی ہیں کہ میں برہمن کے ہاتھ کا کھانا کھانے آیا ہوں" نبو نے چیخ کر کہا، "اگر یہ ہوتا تو پھر میرے برہمن رسوئیا میں کیا بُرائی تھی؟ میں تو آپ کے کھانے میں شریک ہونا چاہتا ہوں ماں ـــــ ابھی مجھے ایک گلاس پانی لا کر دو گی ـــــ ہیں؟" نبو نے غٹاغٹ پانی پی لیا۔ پھر آنند موئی نے اس کے لئے ایک اور پلیٹ منگائی اور بڑی محبت سے اپنی تھالی میں سے کھانا نکال کر اس کی پلیٹ میں رکھا ـــــ نبو نے اس طرح کھانا شروع کیا جیسے کئی دن کا بھوکا ہو۔ آج آنند موئی کی ایک بڑی تکلیف، اُن کا ایک بڑا دکھ دور ہو گیا اور ان کو خوش دیکھ کر کے جیسے نبو کے دل پر سے بھی ایک بھاری بوجھ اُتر گیا ـــــ کھانے کے بعد آنند موئی اپنا سینا پرونا لے کر بیٹھ گئیں۔ کمرے میں پھولوں کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔ نبو نے اُن کے قدموں کے پاس نیم دراز ہو کر لیٹ گیا اور کبھی کبھی پہ سر ٹکا کے باتیں کرنے لگا ـــــ اس وقت باقی تمام دنیا اس کے ذہن سے محو ہو گئی تھی اور وہ اس طرح آنند موئی سے باتیں کرنے میں مصروف تھا جیسے وہ پہلے کبھی کیا کرتا تھا۔

آٹھواں باب

جب یہ اڑچن بھی دُور ہو گئی تو بنوئے کے دل میں بغاوت کا ایک اور نیا طوفان اُٹھا۔ گورا کے یہاں سے وہ نکلا تو اس کے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے تھے، ایسا لگتا تھا ہوا پر پاؤں رکھتا چلا جا رہا ہے۔ اس کا جی چاہتا تھا راستے میں ہر ملنے والے سے پکار پکار کر کہے کہ جو زنجیریں اُسے اتنے دن سے جکڑے ہوئے تھیں، اب وہ ان کو توڑ چکا ہے۔ مکان نمبر اٹھتر کے آگے سے گذر ہی رہا تھا کہ سامنے کے راستے سے پاریش بابو آتے دکھائی دیے۔

"آیئے آیئے اندر آیئے ——— بنوئے بابو، میں آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہُوا" اور وہ اُسے اپنی بیٹھک میں لے گئے جو گلی میں ہی کھلتی تھی۔ بیٹھک میں ایک چھوٹی سی میز تھی اور اس کے پاس ہی ایک لکڑی کی تکئے دار بنچ جس کے دونوں پہلوؤں میں بید کی دو کرسیاں رکھی تھیں، ایک طرف دیوار پر یسوع مسیح کی ایک تصویر لگی تھی اور دوسری طرف کنیب چندر سین کی فوٹو ——— میز پر کچھ اخبار سلیقے سے تہہ کیے ہوئے ایک سیسے کے پیپر ویٹ سے دبے رکھے تھے، پچھلے کونے میں ایک چھوٹی سی کتاب کی الماری تھی جس کے اُوپر والے خانے میں تھیوڈور پارکر کی تخلیقات کا سیٹ برابر قطار سے لگا ہوا تھا، الماری کے اُوپر ایک گلوب رکھا تھا جس پر کپڑا پڑا ہوا تھا

بنوئے ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور اُس کا دل دھڑکنے لگا کہ دیکھیں اب کوئی کسی دروازے سے آتا ہے کہ نہیں ——— پاریش بابو خود ہی بولے "سچاریتا ہر سوموار کو میرے ایک دوست کی لڑکی کو پڑھانے جاتی ہے اور چونکہ اُن کے ایک لڑکا بھی ہے ستیش کی عمر کا، اس لیے ستیش بھی اس کے ساتھ چلا جاتا ہے، میں ابھی تو اُن لوگوں کو وہیں چھوڑ کر آ رہا ہوں، اگر مجھے ذرا سی دیر ہو جاتی تو پھر آپ نکل ہی گئے تھے۔"

یہ خبر سن کر نبوتے کو ایک عجیب طرح کا اطمینان اور ایک عجیب طرح کی مایوسی ہوئی
پاریش بابو سے گفتگو کرنا آسان تھا اور باتوں ہی باتوں میں نبوتے نے اُن کو اپنے بارے
میں سب کچھ بتا دیا کہ وہ یتیم تھا، چچا چچی دیہات میں رہتے تھے اور کچھ زمین تھی اس کی دیکھ بھال
کرتے تھے وہ اپنے دو چچازاد بھائیوں کے ساتھ پڑھتا تھا، بڑے نے تعلیم ختم کر کے وکالت
شروع کر دی تھی لیکن چھوٹے کا ہیضہ سے انتقال ہو گیا ـــــ اس کے چچا کی خواہش تھی کہ
نبوتے مجسٹریٹ بنے لیکن نبوتے کو ایسی کوئی تمنا نہ تھی اور اسی لئے وہ فی الحال طرح طرح
کے لاحاصل کام کر کر کے اپنا وقت گذار رہا تھا۔

اس طرح بات چیت میں کوئی ایک گھنٹہ گذر گیا اور بغیر کسی سبب کے اس سے زیادہ
ٹھہرنا بدتہذیبی ہوتی اس لئے نبوتے نے اجازت چاہی اور کھڑا ہو کر بولا "مجھے اپنے دوست
ستیش سے ملاقات نہ ہونے کا بہت افسوس ہے، آپ کہہ دیجئے گا کہ میں آیا تھا" ـــــ
"اگر آپ ذرا دیر اور رُک جائیں تو اُن سے ملتے ہی جایئے گا۔ وہ لوگ بس اب آتے ہی
ہوں گے"
نبوتے کو اپنے آپ پر شرم آرہی تھی کہ ایسی تجویز کو جس میں اتنا کم اصرار تھا فوراً قبول کرنے
کو جی چاہا ـــــ اگر پاریش بابو ذرا اور زور دے کے کہتے تو وہ ضرور رُک جاتا لیکن پاریش بابو
الفاظ کا واجبی استعمال کرتے تھے اور لوگوں کو اُن کی مرضی کے خلاف دبانا اُن کی عادت نہ
تھی، اس لئے نبوتے کو رخصت ہونا پڑا۔

پاریش بابو بس اتنا ہی بولے "آپ کبھی کبھی آیا کریں تو مجھے بہت خوشی ہوگی"
نبوتے کو گھر جانے کی کوئی جلدی نہ تھی کوئی خاص ضروری کام نہ تھا۔ یہ صحیح ہے کہ وہ
مختلف اخباروں کے لئے مضامین لکھتا تھا اور لوگ اُس کی انگریزی کی تعریف بھی کرتے
تھے لیکن ادھر کچھ دنوں سے اُس کا دھیان لکھنے پر جمتا ہی نہ تھا، جب میز پر بیٹھتا تو ذہن
ادھر اُدھر بھٹکنے لگتا اس لئے پاریش بابو سے رخصت ہو کر وہ بس یوں ہی سامنے کی طرف

چلنے لگا۔ وہ ابھی مشکل سے چند قدم گیا ہوگا کہ پیچھے سے کسی لڑکے کی تیز آواز نے پکارا "نبوتے بابو، نبوتے بابو" اور سر اٹھا کر کیا دیکھتا ہے کہ ستیش ایک فٹن گاڑی میں سے جھانک کر زور زور سے ہاتھ ہلا کر اشارے کر رہا ہے ــــــ اس کے پاس ہی ایک ساری کا پلّہ نظر آ رہا تھا اور بلاؤز کی آستین دکھائی دے رہی تھی اس لئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ گاڑی میں دوسرا کون ہے۔

بنگالی رواج کے مطابق نبوتے کے لئے گاڑی کے اندر جھانکنا تو ممکن نہیں تھا لیکن ایک ہی لمحے بعد ستیش کود کر باہر آ گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا "نبوتے بابو، گھر چلئے نا"

"میں ابھی ابھی تو وہیں سے آ رہا ہوں" نبوتے نے بتایا

"مگر میں گھر میں کہاں تھا ــــــ اس لئے آپ کو پھر آنا پڑے گا نبوتے بابو" ستیش نے اصرار کرنا شروع کیا۔

نبوتے سے ستیش کے اصرار پر انکار نہ ہو سکا اور ستیش اپنے قیدی کے ساتھ اندر گھسا، زور زور سے اعلان کرتا ہوا "بابا ــــــ دیکھئے میں نبوتے بابو کو پھر گھسیٹ لایا"

پاریش بابو اپنے کمرے سے مسکراتے ہوئے نکلے "اب کی بار ایسے مضبوط ہاتھوں ہی پکڑے گئے نبوتے بابو، آسانی سے چھٹنے والے نہیں۔ ستیش جا اپنی بہن کو بھی تو بلا کر لا"

نبوتے نے کمرے میں قدم رکھا تو اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ پاریش بابو کہنے لگے "آپ کی سانس پھول گئی نبوتے بابو، یہ ستیش بڑا ہی پریشان کرتا ہے۔ اس سے ذرا ہوشیار رہا کیجئے"

جب ستیش اپنی بہن کو کمرے میں لایا تو نبوتے کو سب سے پہلے ایک ہلکی سی خوشبو کا احساس ہوا، پھر اُسے پاریش بابو کی آواز سنائی دی "رادھا، نبوتے بابو آئے ہیں ــــــ تمھیں تو یہ یاد ہی ہوں گے ــــــ"

نبوتے نے ذرا ڈرتے ڈرتے سر اٹھایا تو دیکھا کہ سچاریتا نے سر جھکایا اور پھر اُس کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گئی، اب تو اس کو بھی سر جھکا کر سچاریتا کے اس آداب کا جواب

دینا ہی پڑا۔

سُچاریتا نے میٹھ کر بات شروع کی "جی ہاں ـــــ بنوئے اِدھر سے گذر رہے تھے ستیش گاڑی سے کود پڑا اور ان کو گرفتار کر لیا۔ آپ شاید کسی ضروری کام سے جا رہے تھے بنوئے بابو ـــــ مجھے اُمید ہے ستیش نے آپ کا کوئی حرج نہیں کیا؟"

بنوئے نے تو کبھی یہ سوچنے کی بھی ہمت نہ کی تھی کہ سچاریتا اس طرح اُس سے خود ہی مخاطب ہو جائے گی، وہ ایسا بوکھلایا کہ گھبرا کے بولا "نہیں نہیں، میں کسی خاص کام سے نہیں جا رہا تھا، میرا کوئی حرج نہیں ہوا۔ بالکل نہیں ہوا"

ستیش نے بہن کا پلّو کھینچا "دیدی، کبھی ذرا کنجی دید یجئے ـــــ میں ذرا بنوئے بابو کو وہ اپنا باجہ تو دکھا دوں"

سچاریتا ہنس پڑی "کیا؟ ابھی سے تم شروع ہو گئے۔ ان جناب کتر کتر کے دوستوں کا تو نام میں دم رہتا ہے، پہلے تو سب باجہ سنیں اور پھر اور پتہ نہیں کیا کیا بھگتیں، ـــــ بنوئے بابو میں آپ کو خبردار کئے دیتی ہوں کہ آپ کے ان ننھے دوست کی آزمائش کافی سخت ہوتی ہیں اور ختم ہی نہیں ہوتیں۔ مجھے تو بہت شبہہ ہے کہ آپ یہ سب برداشت کر سکیں گے؟"

بنوئے کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سچاریتا جس سادگی اور بے تکلفی سے اُس سے بات کر رہی تھی اُس سطح پر وہ کیسے بات کرے۔ سوچا تو اُس نے بہت کچھ تھا کہ جھینپے گا نہیں لیکن مُنہ سے بس صرف چند ٹوٹے پھوٹے بے جوڑ بہکے فقرے ہی نکل پائے "نہیں نہیں ـــــ بالکل نہیں۔ آپ مہربانی کر کے ایسا نہ سوچئے ۔۔۔۔ میں تو ۔۔۔۔۔۔ میں تو بہت خوش ہوں گا"

ستیش کنجی لے گیا اور باجہ نکال لایا۔ باجہ ایسا تھا کہ ایک شیشے کا بکس تھا جس کے اندر ایک جہاز ریشمی لہروں پر سجا ہوا تھا کنجی بھری جاتی تھی تو اُس میں سے لَے نکلتی تھی اور اُس لَے پر

جہاز تال کے ساتھ لہروں پر ڈولتا جاتا تھا۔ ستیش شوق کے مارے آپے سے باہر تھا، کبھی جہاز کو دیکھتا، کبھی نبوے کو، کبھی پھر جہاز کو۔ اس طرح ستیش کے ذریعہ نبوتے نے اپنے اجنبیت اور ہچکچاہٹ پر قابو حاصل کر لیا اور ذرا دیر بعد وہ سُچارِیتا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے باتیں کرنے اور ہنستے بولنے لگا۔

کچھ دیر بعد لیلا آئی جو پاریش بابو کی اپنی بیٹی تھی اور بولی "آپ سب کو ماں اوپر برآمدے میں بلا رہی ہیں۔"

نواں باب

اُوپر، برساتی کی چھت پر برآمدہ تھا، بیچ میں میز جس پر سفید میز پوش پڑا ہوا تھا اور اس کی چاروں طرف آرام کرسیاں لگی تھیں۔ نیچی دیواریں کارنس تھی اس پر چھوٹے چھوٹے ٹب لگائے گئے تھے اُن میں پودے تھے اور وہاں کھڑے ہو کر نیچے کوئی دیکھتا تو گلی کے کنارے سرش اور کرشنا چُورا کے درخت بارش سے نہا کر بھیگے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ سُورج ابھی ڈوبا نہ تھا اور اُس کی آخری ترچھی کرنیں برآمدے کے ایک حصّے پر پڑ رہی تھیں۔

پارش بابو جب نبوئے کو لے کر اوپر پہنچے تو اس وقت وہاں کوئی نہ تھی لیکن ایک ہی لمحے بعد ستیش ایک سیاہ و سفید بال دار کتّے کو لئے ہوئے آ گیا۔ اس کا نام کٹھووے تھا۔ (یعنی ننھا) ستیش نے اس کے تمام کرتب نبوئے کو دکھلانے شروع کئے —— وہ ایک پنجہ اٹھا کر سلام کر سکتا تھا، زمین پر سر جھکا سکتا تھا، بسکٹ مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلا سکتا تھا اور کٹھووے کی اس شاندار کامیابی کا پُورا سہرا تو ظاہر ہے کہ ستیش کے سر تھا ہی۔ جہاں تک کٹھووے کا سوال تھا اُسے کامیابی سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی، اُس کی تو مخصوص دلچسپی صرف بسکٹ کے ساتھ وابستہ تھی،

پاس والے کمرے سے کبھی کبھی لڑکیوں کے ہنسنے بولنے کی آواز آجاتی تھی جس میں رُکتا رُکتا کسی مرد کی بھی آواز شامل ہو جاتی تھی انگنی کی اُن لہروں کے ساتھ نبوئے کے دل میں ایک ریسا احساس پیدا ہوا اور ساتھ ہی رشک کا جذبہ بھی۔ اُس نے اپنی زندگی میں کبھی گھر میں لڑکیوں کی معصوم شادمانیوں کا ماحول دیکھا ہی نہیں تھا۔ اب یہ قہقہوں کی سحر بار موسیقی اتنی پاس معلوم ہو رہی تھی —— مگر پھر بھی کس قدر دُور تھی! بیچارہ نبوئے اس میں اس قدر اُلجھ گیا تھا کہ ستیش

کی گُنتر گُنتر کچھ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہی تھی ——

اب پارشٹ بابو کی بیوی اپنی تین بیٹیوں اور ایک نوجوان مرد کے ساتھ آئیں ——جو اُن کا دُور کا کوئی رشتہ دار تھا۔ پارشٹ بابو کی بیوی کا نام سُمودا تھا۔ وہ اب جوان تو نہیں تھیں لیکن یہ دیکھ لینا آسان تھا کہ انھوں نے خاص اہتمام کے ساتھ لباس پہنا تھا۔ شروع میں اُن کی زندگی نہایت معمولی اور سادہ طریقے پر بسر کی تھی لیکن پھر یکایک انھوں نے سوسائٹی کے مزاج کے ساتھ قدم ملانے شروع کر دیئے۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کی ریشمی ساری ایک خاص انداز کے ساتھ سَر سَرا رہی تھی اور اونچی ایڑی کے جوتے ایک مخصوص ادا کے ساتھ کھٹ پٹ کر رہے تھے۔ وہ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتیں تھیں کہ کیا چیزیں اور کیا باتیں برہمو ہیں اور کیا نہیں ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے سچاریتا کے دیئے ہوئے مذہبی نام رادھا کو بدل کر سچاریتا رکھ دیا تھا۔

اُن کی اپنی سب سے بڑی بیٹی کا نام لبونیا تھا۔ وہ گدبدے جسم کی، خوش مزاج، ہنس مکھ لڑکی تھی اور گپ شپ کی شوقین، چہرہ گول مٹول، آنکھیں بڑی بڑی، جلد سانولی چمک دار۔ اُسے خود تو کپڑے لتّے کے سوا کوئی ایسی خاص دلچسپی نہ تھی لیکن اس معاملے میں وہ ماں کے دباؤ میں رہتی تھی، اُسے اونچی ایڑی کے جوتوں سے نفرت تھی، مگر پہننے پڑتے تھے، اور شام کو جب باہر نکلتی تو ماں کے اصرار پر روز اور پاؤڈر بھی استعمال کرنا پڑتا تھا۔ مٹاپے کی وجہ سے اس کے بلاوز نہایت چُست بنائے جاتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ جب وہ اپنی ماں کے ہاتھوں سے نکل کر ڈرائنگ روم سے باہر آتی تو ہائیڈرولک پریس سے نکلا ہوا بیلن معلوم ہوتی ——

منجھلی لڑکی کا نام لولیتا تھا۔ وہ اپنی بڑی بہن کے بالکل متضاد تھی۔ لمبا قد، رنگ، اُس سے بھی زیادہ سانولا، کافی دُبلی پتلی —— وہ ہمیشہ اپنی سی کرتی تھی، بہت کم سخن تھی لیکن موقع پڑنے پر بڑی سخت اور تلخ باتیں کہہ جاتی تھی، اُس کی ماں دل ہی دل میں اُس سے ڈرتی تھی۔ اور محتاط رہتی تھی کہ اُسے غصہ نہ دِلائے۔

سب سے چھوٹی لیلا ابھی صرف دس سال کی تھی، بالکل لڑکوں کی طرح۔ وہ ستیش کے

ساتھ رہتی بھرتی، دردِ شکم دکھا کرتی رہتی تھی، خاص طور پر یہ بات ہر وقت بحث کی جڑ بنی رہتی
تھی کہ گھوڑے کا اصلی مالک کون ہے ——— سنتوش یا لیلا؟ ویسے اگر گھوڑے سے
پوچھا جاتا تو وہ غالباً ان دونوں میں سے کسی کو بھی اپنا مالک بنانا پسند نہ کرتا، مگر بہرحال اُسے
سنتوش کے سکھائے ہوئے آداب بجا لانا زیادہ پسند تھا بہ نسبت لیلا کی چھٹ پڑنے والی
محبت کے جو اکثر اُسے پریشان کئے رہتی تھی۔

جیسے برُدوا دیوی چھت پر آئیں، بنوے نے کُرسی سے اٹھ کر جھک کر انھیں
سلام کیا۔ پارش بابو نے تعارف کروایا "یہی وہ دوست ہیں جن کے گھر میں اُس دن ہم لوگ....."

"اوہ" برُدوا دیوی نے ذرا ضرورت سے زیادہ خلوص کے ساتھ کہا "آپ نے بڑی مہربانی
کی تھی ہم لوگ آپ کے بہت مشکور ہیں" ——— لیکن مشکوریت کے اتنے چکنے چپڑے اظہار سے
بنوے اس قدر بوکھلا گیا کہ اُس سے کچھ کہتے ہی نہیں بنا۔

پھر بنوے کا تعارف اس نوجوان سے کروایا گیا جو اُن لڑکیوں کے ساتھ اندر آیا تھا۔ اُس
کا نام سُدھیر تھا، اچھا شگفتہ رُو نوجوان تھا، صاف رنگت، چھوٹی چھوٹی مونچھیں، عینک لگاتا
تھا۔ وہ ذرا چلبلے مزاج کا آدمی لگتا تھا، ایک منٹ ——— نہیں بیٹھتا تھا اور برابر لڑکیوں
کو اپنے جملوں، فقروں اور چھیڑ چھاڑ سے ہنسا رہا تھا۔ لڑکیاں اُس پر بگڑتیں، اُسے
پھٹکارتیں۔ لیکن ایسا بھی لگتا کہ اپنے سُدھیر کے بغیر رہ بھی نہ سکتی تھیں، شاپنگ کرتا، انھیں
ساتھ لے کر سرکس دکھا لاتا، باغ گھما لاتا: سُدھیر اور ان لڑکیوں کی بے تکلفی بنوے کے لئے
ایک بالکل نئی بات تھی اور اُسے کوفت ہوئی، پہلے تو اُس نے اس بات کو برا سمجھا لیکن پھر
فوراً ہی ایک رشک کا جذبہ اُس کے دل میں پیدا ہوا۔

"مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں نے آپ کو برہمو سماج کی میٹنگوں میں دو ایک بار
دیکھا ہے" برُدوا دیوی ذرا بے تکلف ہونے کی کوشش کرتے ہوئے بولیں۔

بنوے کو ایسا لگا جیسے کسی نے اس کو کوئی جرم کرتے ہوئے پکڑ لیا ہو خواہ مخواہ کو

شرمندہ ہو کر اُس نے قبول کیا کہ وہ کشب بابو کی تقریریں سُننے " ایک بار جا چکا ہے "

" میں سمجھتی ہوں آپ کالج میں پڑھ رہے ہوں گے " انھوں نے دوسرا سوال کیا

" جی نہیں ـــــ میں کالج کی تعلیم ختم کر چکا ہوں "

" کہاں تک پڑھا آپ نے ؟ "

" میں نے ایم۔اے کر لیا ہے "

اس بات سے برودا دیوی کے دل میں اس نوجوان کے لئے ایک خاص احترام پیدا ہو گیا ـــــ وہ لگتا تو تھا اس قدر کم عمر لیکن ایم۔ اے کر چکا تھا۔ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر انھوں نے پاریش بابو کی طرف دیکھا اور بولیں " اگر ہمارا ستو زندہ ہوتا تو وہ بھی اب تک تو ایم۔اے کر چکتا "

اُن کا پہلا بچہ ستو نجی نو سال کی عمر میں مر گیا تھا اور جب بھی وہ کسی ایسے نوجوان کے متعلق سنتیں جس نے کسی امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی تھی۔ کوئی اچھا عہدہ پایا تھا یا کوئی عمدہ کتاب لکھی تھی تو برودا دیوی کو فوراً خیال آتا کہ اگر اُن کا اپنا بیٹا زندہ ہوتا تو وہ بھی سب کرتا۔ بہرحال اس کے مرنے کے بعد انھوں نے یہ اپنا فرض قرار دے لیا تھا کہ سوسائٹی کو اپنے تینوں بیٹوں کی مختلف خوبیوں سے آگاہ کرتی رہیں ـــــ چنانچہ اس وقت بھی انھوں نے بنوئے کو معلومات دینے کا یہ نادر موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور اس کو بتایا کہ اُن کی لڑکیاں کس قدر محنت شعار تھیں، اور یہ کہ اُن کی ذہانت اور اُن کی عالی لیاقت کے بارے میں اُن کی انگریز ٹیچر کا کیا خیال تھا جس دن لڑکیوں کے اسکول میں انعامات بٹتے تھے اور لفٹنٹ گورنر معہ اپنی میم صاحب کے تشریف لائے تھے تو اسکول کی تمام لڑکیوں میں سے لبونیا کو انتخاب کیا گیا تھا کہ اُن کو ہار پہنائے۔ اور بنوئے کو وہ الفاظ بھی سُننے پڑے جو لفٹنٹ گورنر کی میم صاحب نے لبونیا کی تعریف کہے تھے ـــــ وہی الفاظ، بالکل وہی، جو انھوں نے کہے تھے۔

اور آخر میں برودا دیوی لبونیا سے مخاطب ہوئیں " بیٹی وہ کشیدہ تو ذرا لاؤ جس پر تھیں

انعام ملا تھا۔

یہ کشیدہ جس میں اُون سے ایک طوطا بنایا گیا تھا، خاندان بھر میں مشہور اور جانا پہچانا تھا۔ نہ جانے کتنی مدت اور کتنی محنت سے یہ تیار ہوا تھا، کتنی مہینے تک ہوبنیا کی اُستانی صاحبہ بھی اس پر محنت کرتی اور ہدایات دیتی رہی تھیں اور اس طرح سے ہوبنیا نے خود اس میں کوئی خاص حصہ نہیں لیا تھا لیکن ہر آنے جانے کو وہ دکھائے بغیر نہیں رہا جا سکتا تھا۔ شروع شروع میں تو پاریش بابو نے کچھ احتجاج کیا بھی تھا لیکن جب انھیں یقین ہو گیا کہ یہ سارا احتجاج بیکار ہے تو وہ بھی خاموش ہو گئے ——

بنوئے اس فن پارے کے متعلق تحسین و آفرین کے کلمات کہہ ہی رہا تھا کہ نوکر اندر آیا۔ اور پاریش بابو کی طرف ایک پرچہ بڑھایا۔

”کون آیا ہے؟“ برَدوا دیوی نے پوچھا

”میرے ایک پرانے دوست کرشن دیال کا لڑکا مجھ سے ملنے آیا ہے۔“ پاریش بابو نے جواب دیا۔

بنوئے کا دل ایک دم جیسے رک گیا۔ اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ دونوں ہاتھ اس نے اس طرح گود میں باندھ لیے جیسے کسی حملے کا منتظر ہو۔ اسے یقین تھا کہ ان لوگوں کے طور طریقے گورا کو پسند نہیں آئیں گے اور وہ اسی حساب سے ان لوگوں کے متعلق رائے قائم کرے گا۔ وہ سوچنے لگا کہ ان لوگوں کی طرف داری کس طرح اور کس طریقے سے کرے گا۔

دسواں باب

سچاریتا گلیارے میں کھڑی ایک کشتی میں کھانے پینے کی چیزیں سجا کر رکھ رہی تھی، پھر اُس
نے کیفی ڈکر کو بتا دی اور خود اوپر چھت پر آکر بیٹھ گئی۔ ڈکر کشتی لے کر آگے آیا اور اس کے پیچھے ہی
گورا داخل ہوا۔ اس کے لمبے چوڑے جسم اور سپید گورے رنگ کو دیکھ کر سبھی حیران سے رہ گئے۔ اُس
کے ماتھے پر گنگا کی مٹی سے تلک کھینچا ہوا تھا، موٹے کپڑے کی دھوتی کرتہ پہنے تھا اور کرتے
پر کمر کے پاس پرانے فیشن کے طریقے پر ایک پٹی بندھی ہوئی تھی۔ جوتے دیہاتی وضع کے تھے
نوکیں اوپر اٹھی ہوئی ——— وہ ایسا دکھائی دے رہا تھا جیسے ماڈرن زمانے سے بغاوت کا
ایک مجسم تصور ہو ——— بنوئے نے بھی اُسے کبھی اس سج دھج میں نہیں دیکھا تھا۔ اور یہ
بات بھی سچ تھی، آج گورا کے دل میں موجودہ حالات کے خلاف ایک آگ سی لگی تھی اور اس
آگ کا بھی ایک سبب تھا۔

ایک دن پہلے تو وہ سٹیمر پر سفر کرکے اشنان کرنے تربینی گیا تھا۔ رستے کے چھوٹے چھوٹے
اسٹیشنوں پر عورتوں کی بھیڑیں ایک ایک دو دو مردوں کو ساتھ لئے سوار ہو رہی تھیں۔ ہر شخص
ہی جگہ گھیرنے کا خواہشمند تھا۔ اور اس چکر میں خوب دھکم پیل ہو رہی تھی، عورتوں کے پیروں میں
پھسلنی کیچڑ لگی تھی، سٹیمر پر سوار ہونے کے لئے صرف ایک پتلا سا پٹرا لگایا جاتا تھا کئی ایک
اُس پر سے پھسل پھسل کر پانی میں جا پڑیں۔ کئی ایک کو ملاحوں نے دھکیل دیا۔ کئی ایک جو مشکل
چڑھ بھی آئیں اُن کے ساتھی چھوٹ گئے، ان سب پر یہ ہوا کہ پانی برسنے لگا، پانی کی بار بار
گرتی ہوئی بوچھاروں سے اُن کے جسم بھیگ گئے تھے اور عرشے پر تمام پھسلنی کیچڑ کا فرش بچھ گیا تھا
اسی پر اُن کو بیٹھنا تھا۔ اُن کی صورتوں پر ایک مایوسانہ پریشانی تھی آنکھوں میں ذلیل رحم تشویش، ——— وہ

لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ اُن کے سے حقیر اور کمزور انسانوں کو اس بات کی تو اُمید رکھنی ہی نہ چاہیے کہ اسٹیمر کا عملہ یا اس کا کپتان اُن کی کوئی مدد کرے گا' اس لئے ایک ایک لمحہ اُن کیلئے خوف اور گھبراہٹ کا پیغام تھا گورا ایک واحد ہستی تھا جو ان یاتریوں کو اس مصیبت کے عالم میں جو کچھ ممکن ہو سکتی تھی وہ مدد پہنچا رہا تھا۔

فرسٹ کلاس والے عرشے کے جنگلے پر سے ایک انگریز نیچے جھک کر یہ سب دیکھ رہا تھا اور اسی کے ساتھ ایک ماڈرن قسم کے بنگالی بابو بھی تھے، دونوں ہی سگار پی رہے تھے اور ہنس ہنس کر آپس میں باتیں کر رہے تھے اور تماشہ دیکھ رہے تھے جب کبھی کوئی یاتری کسی خاص مشکل میں پھنس جاتا تو وہ انگریز قہقہہ مار کر ہنستا اور بنگالی بابو بھی اُس قہقہے میں شامل ہو جاتا۔

جب دو چار اسٹیشن اسی طرح گذر گئے تو یہ بات گورا کی برداشت سے باہر ہو گئی۔ وہ اوپر کے عرشے پر پہنچا اور گرجا "بس بس بہت ہوا۔ آپ لوگوں کو شرم نہیں آتی"

انگریز نے تو بس کھا جانے والی نظروں سے گورا کو گھورا، لیکن بنگالی بابو چہک پڑے "شرم! ہاں ضرور شرم آتی ہے" انھوں نے طعن آمیز لہجے میں کہا "ان جانوروں کی اس شدید حماقت پر"

گورا غصے سے لال ہو گیا "ہاں ہاں ٹھیک ہے مگر ان نادان انسانوں سے بدتر وہ جانور ہیں جن کے پہلو میں دل نہیں"

"نکل یہاں سے" بنگالی بابو کو بھی غصہ آگیا "یہاں فرسٹ کلاس میں کیوں گھس آیا ہے"

"جی بے شک" آپ بجا کہتے ہیں، آپ ایسوں میں میرا کیا کام، میری جگہ ان غریب یاتریوں کے ساتھ ہے پر میں آپ کو خبردار کئے دیتا ہوں کہ اب ایسی حرکت نہ کیجئے گا جو میں یہاں آنے پر مجبور ہو جاؤں" اور یہ کہہ کر گورا تیزی سے نیچے اتر گیا۔

اس واقعہ کے بعد انگریز تو جنگلے پر دونوں پاؤں ٹکا کے ڈیک چیئر پر لیٹ گیا اور ایک ناول میں غرق ہو گیا، بنگالی بابو نے بات چیت کے رشتے کو جوڑنے کی ایک دو بار کوشش کی پر ناکام ہوئی

پھر یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ اپنے ہموطنوں کی اس بھیڑ بھاڑ سے الگ کوئی چیز تھے، انھوں نے خانساماں کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ کھانے پر ان کو مرغ کا روسٹ مل سکے گا۔ خانساماں نے جواب دیا کہ چائے اور مکھن روٹی کے علاوہ اور کچھ سامان اسٹیمر پر نہیں ہے تو وہ بھڑک پڑے اور انگریزی میں اتنی زور سے بولے کہ انگریز سن لے "کیسی شرمناک بات ہے کہ اسٹیمر پر ہم لوگوں کی معمولی ضروریات کا بھی کوئی سامان نہیں ہے ——" ان کے ساتھی نے اس ریمارک کا بھی کوئی نوٹس نہیں لیا۔ یہاں تک کہ جب ہوا کا ایک زور کا جھونکا آیا اور میز پر رکھا ہوا انگریزی کا اخبار اڑ کر دور جا پڑا، تو انھوں نے لپک کر اُسے اٹھایا اور تہہ کر کے میز پر رکھ دیا، پر اس انگریز کے منہ سے شکریہ کا بھی ایک لفظ نہ پھوٹا! ——

چندر نگر پہ اترتے وقت وہ انگریز یکایک گوپال کے پاس پہنچا اور اپنی ہیٹ کو ذرا سا اُٹھاتا ہوا بولا "میں اپنے رویّہ کے لئے آپ سے معافی چاہتا ہوں، مجھے واقعی شرمندگی ہے" اور یہ کہکر جلدی سے کھسک گیا۔

گوپال کو جو بات دل ہی دل میں بھونکے ڈال رہی تھی وہ یہ تھی کہ اس کے اپنے تعلیم یافتہ ہموطن لوگ ایک بدیسی کے ساتھ مل کر اپنے غریب ہموطنوں کی مصیبت اور مشکل کا مذاق اڑائیں اور اپنے لوگوں سے برتر کوئی چیز سمجھیں۔ گوپال کو معلوم تھا کہ اس کے عوام جو ہر طرح کی ذلّت اور حقارت کا رویّہ برداشت کر رہے ہیں اور اس بات کو سہہ لیتے ہیں کہ ان کے اپنے ہموطن جو زیادہ خوش نصیب ہیں ان سے جانوروں کا سا برتاؤ کریں وہ اس کی بنیادی وجہ صرف ان غریبوں کی جہالت ہے —— وہ جہالت جو صدیوں سے ان کی گھٹی کے ساتھ پیوست ہے۔ اس خیال سے اس کا دل کچلنے لگتا تھا لیکن اس سے بھی زیادہ کوفت اس بات سے ہوتی تھی کہ پڑھے لکھے لوگ، جو بس ذلت اور حقارت کا کوئی بوجھ اپنے کندھوں پر لینے کو تیار نہ تھے بلکہ ان غریبوں کے مقابلے میں اُن کو جو برتری اور ان سے جو علیحدگی حاصل تھی اس میں مگن تھے۔ یہی وجہ تھی کہ گوپال اس کتابی تعلیم اور ایسے پڑھے لکھوں کی غلامانہ ذہنیت کی طرف اپنی نفرت کا اظہار کرنے کے لئے آج کل ہر موقع ان

میں یہ تھا تو اس دروازے کو گنگا کی مٹی ماتھے پر لگی اور پاؤں میں عجیب و غریب قسم کے دیہاتی جوتے جو صرف غریب اور جاہل عوام استعمال کرتے تھے۔

بنوئے نے ذہن میں سوچا "اسے اپ سیٹ کرنے آج گورا صاحب بالکل آمادۂ پیکار ہو کر آئے ہیں" اور اس خیال ہی سے اس کا دل ڈرنے لگا کہ اب گورا پتہ نہیں کیا کہے اور کیا کر بیٹھے، چنانچہ وہ خود بھی اسی طرح کمربستہ ہو گیا۔

جب برودا سندری بنوئے سے بات کر رہی تھیں تو ستیش نے بڑے اطمینان سے ایک کونے میں بیٹھ کر لٹو گھمانا شروع کر دیا تھا، لیکن گورا کو دیکھتے ہی وہ لٹو کی دلچسپی بھول گیا، چپکے سے بنوئے کے پاس پہنچ کر اس کی کہنی سے لگ کر کھڑا ہو گیا اور آہستہ سے بولا "یہی ہیں آپ کے دوست"

"ہاں بھئی" بنوئے نے جواب دیا۔

گورا نے بس ایک نظر بنوئے کو دیکھا اور پھر ایسا بن گیا جیسے بنوئے وہاں تھا ہی نہیں۔ پاریش بابو کو اس نے باقاعدہ سلام کیا اور بغیر کوئی جھجک محسوس کئے بغیر اس نے میز کے پاس سے ایک کرسی ذرا آگے کھینچ لی اور بیٹھ گیا۔ جہاں تک عورتوں کا سوال تھا تو مذہبی اور رواجی قاعدوں کے مطابق ان کا تو کوئی نوٹس لینا ہی نہیں تھا۔

برودا سندری نے یہ فیصلہ کیا ہی تھا کہ وہ اپنی لڑکیوں کو اس بدتہذیب جنگلی کی صحبت سے فوراً الگ ہٹا لیں کہ اتنے میں پاریش بابو نے گورا کا ان سے تعارف کرانا شروع کر دیا کہ وہ ان کے ایک پرانے دوست کا بیٹا ہے۔ اس پر گورا ان کی طرف مڑا اور جھک کر ان کو سلام کیا۔

سچاریتا بنوئے سے گورا کا ذکر تو سن چکی تھی مگر یہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ آنے والے صاحب وہی ہیں اس لئے پہلی نظر میں اسے گورا سے کچھ نفرت سی ہو گئی کیونکہ ایک تو اسے یہ تربیت ہی نہیں ملی تھی کہ جو لوگ بھی دقیانوسی خیالات رکھتے ہیں ان کو خواہ مخواہ برداشت کرے اور پھر وہ خود بھی ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتی تھی۔

پاریش بابو اپنے لڑکپن کے دوست کرشن دیال کے بارے میں پوچھتے رہے اور اپنے

طالب علمی کے زمانے کے واقعات کو یاد کرتے رہے۔ "اُس زمانے میں کالج کے طالب علموں میں ہم دونوں تو گویا بدترین کافر سمجھے جاتے تھے، روایتوں رسموں کا تو کوئی خیال ہی کبھی نہیں کرتے تھے، ایسا کھانا کھانا جو منع تھا گویا ہمارا فرض تھا! کالج اسکوائر کے پاس جو مسلمان نان بائی کی دوکان تھی اُس میں کتنی شامیں ہماری گذری تھیں جب ہم ممنوع قسم کا کھانا کھایا کرتے تھے، دیر آدھی رات تک یہ بحثیں چلتی رہتی تھیں کہ ہندو سوسائٹی کی اصلاح کس طرح کی جائے۔"

برودا دیوی بیچ میں بول پڑیں "اور اب آپ کے دوست کے کیا خیالات ہیں؟"

"ارے اب تو وہ تمام مذہبی رسوم کو بہت سختی کے ساتھ مانتے ہیں اور اُن کے پابند ہیں"

"تو اُن کو شرم نہیں آتی" برودا نے جل کے کہا

گورا ہنسنے لگا "شرم تو کردار کی ایک کمزوری ہے۔ بعض لوگ تو اپنے باپ کو باپ کہتے ہوئے بھی شرماتے ہیں"

"کیا وہ پہلے برہمو نہیں تھے"

"برہمو تو کسی زمانے میں میں بھی تھا"

"اور اب آپ شاید کسی مورتی میں عقیدت رکھتے ہیں؟"

"جی ہاں میں ایسا توہم پرست بھی نہیں ہوں کہ خواہ مخواہ مورتیوں سے نفرت کرنے لگوں"

گورا نے جواب دیا

"صرف برا بھلا کہنے سے تو مورتیوں میں کوئی برائی نہیں پیدا ہو سکتی، کسی نے آج تک صورت اور حقیقت کے راز کو واقعی دریافت کیا ہے؟"

"لیکن صورت کی تو ایک انتہا اور ایک حد ہوتی ہے نہ" پاریش نے دھیمی بردبار آواز میں کہا۔

"لیکن حدود کے بغیر کوئی بھی چیز ظاہر کیسے ہو سکتی ہے؟ بھگوان نے جس کی کوئی حد نہیں اسی لئے تو صورتوں کا روپ دھارا ہے کہ اپنے کو ظاہر کر سکے ورنہ وہ ظاہر کیسے ہو گا؟ اور وہ جو ظاہر نہیں وہ تکمیل کیسے حاصل کر سکے گا، جیسے خیال صرف الفاظ کا لباس پہن کر جلوہ گر ہو سکتا ہے اسی

طرح لاصورت تجلی صرف صوری حیثیت اختیار کر کے جلوہ دکھا سکتی ہے۔"

بُندوا دیوی نے انکار کرتے ہوئے سر ہلایا اور بولیں" تو پھر آپ کا یہ مطلب ہوا کہ صورت جو ہے لاصورت سے زیادہ مکمل ہے، زیادہ مکمل حاصل کئے ہوئے ہے۔"

"میرا مطلب ایک بہت ہی حقیر سی چیز ہے، میں جو سوچتا ہوں، اس پر دنیا کی صورت گری تھوڑا ہی منحصر ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر لاصورت اور اَن دیکھا خدا ہی مکمل خدا ہوتا تو کائنات کو کسی صوری حیثیت کی کوئی ضرورت نہ تھی۔"

سچاریتا دل ہی دل میں کھول رہی تھی —— کاش کوئی اس خود پسند اور گستاخ نوجوان کی ہر پہلوؤں کو کاٹ کر اس کو قائل کر سکتا۔ اُسے بنوئے پر غصہ آ رہا تھا کیسے چپ چاپ بیٹھا تھا جیسے منہ کھولنا ہی نہیں جانتا۔ گورا کی بات کرنے کے لہجے ہی سے سُچاریتا کو یہ لگ رہا تھا جیسے اُس کے اپنے وجود میں کوئی قوت پیدا ہوئی جا رہی ہے کہ اُسے منہ توڑ جواب دے۔ اُسی وقت نوکر کیتلی میں پانی لے کر آ گیا اور سُچاریتا کو چائے بنانے کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ بنوئے کبھی کبھی اُن پر دبی سی نظر ڈال لیتا اور پھر باتیں کرنے لگتا۔ ویسے تو جہاں تک عبادت کا تعلق تھا گورا اور بنوئے کے خیالات میں کوئی خاص فرق نہیں تھا لیکن یہ بات بنوئے کو کھل گئی کہ گورا اوّل تو بغیر بلائے اس برہمو خاندان میں آیا ہی کیوں، اور اگر آیا بھی تھا تو ایسی بدتمیزیاں کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ بنوئے کے دل میں پاریش بابو کی بُردباری، اور تحمل کے لئے اور بھی عزت بڑھ گئی کیونکہ وہ نہایت سنجیدگی کے ساتھ دونوں طرف کی دلیلوں سے بالاتر تھے اور اس طرح گورا کے جھنجلائے ہوئے انداز کے مقابلے میں بلند تر نظر آتے تھے۔ اس نے دل میں سوچا کہ خیالات کا اظہار اور بحث مباحثہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے، —— اصل خوبی تو یہ ہے کہ انسان اپنی نظر میں وسعت پیدا کرے اور حقائق کو سمجھے اسی سے اصل سکون و اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ کون دلیل صحیح کون غلط۔ یہ کوئی بڑی بات ہے، بڑی بات تو وہ یقین ہے جو روح کی گہرائیوں میں پیوستہ ہو جاتے۔

بحث کے دوران پاریش بابو کبھی کبھی آنکھیں بند کر لیتے جیسے خود اپنی روح کی گہرائیوں میں

کھو گئے ہوں' ــــ یہ ان کی ایک خاص عادت تھی ــــ بنوتے کچھ حیران ہو کر اُن کو بار بار دیکھتا ــــ ایسی کیفیت میں اُن کے چہرے پہ ایک عجیب تبسم کا نورانی رنگ چھا جاتا۔ بنوتے کو اس بات پہ بھی کافی مایوسی ہوئی کہ اس قابلِ احترام بزرگ کی طرف بھی گورا کا رویہ ادب و تعظیم کا نہیں تھا اور پاریش بابو سے بات کرتے ہوئے بھی گورا اپنی زبان کو لگام نہ دے سکا۔

جب سچاریتا کچھ پریشان سی میں چائے بنا چکی تو اُس نے سوالیہ انداز میں پاریش بابو کی طرف دیکھا جس کا مطلب یہ تھا کہ کس کس مہمان کو چائے دی جائے۔

بردا سندری نے گورا کی طرف مخاطب ہو کر بے تکلف انداز میں پوچھا "آپ تو میں سمجھتی ہوں ان چیزوں میں سے کچھ کھائیں گے نہیں؟"

"جی نہیں" گورا نے قطعی لہجے میں جواب دیا۔

"کیوں ــــ آپ کو ڈر ہے کہ آپ کی ذات پر دھبہ لگے گا"

"جی ہاں"

"تو آپ ذات پات کو مانتے ہیں"

"ذات پات کوئی میں نے تو بنائی نہیں ہے کہ جب چاہوں اسے توڑ دوں۔ سماجی رسوم اور قاعدوں کو مانتا ہوں، اس لئے مجھے ذات پات کا بھی لحاظ کرنا چاہیے"

"تو کیا آپ ہر بات پر سوسائٹی کی رسوم ماننے کے لئے پابند ہیں"

"سوسائٹی کو نہ ماننا اُسے مٹانا ہے"

"اور اگر مٹ ہی جائے تو کیا؟"

"پھر تو آپ یہ پوچھیں گی کہ جس ڈالی پہ آدمی بیٹھا ہے اسے ہی کاٹ دیں تو کیا؟"

"اس بیکار بحث کا کیا نتیجہ ہے ماں" سچاریتا جھنجھلا کر بولی "وہ ہم لوگوں کے ساتھ نہیں کھائیں گے بس بات ختم ہو گئی"

گورا نے نگاہ بھر کر سچاریتا کی طرف دیکھا اور پھر بنوتے کی طرف مخاطب ہو کر ذرا ہچکچاتے

ہوئے بولی "آپ تو ...."

بنوئے نے اپنی زندگی میں مکھن چائے نہیں پی تھی، مسٹر وِن کی دوکانوں کے بنے ہوئے بسکٹ اور ڈبل روٹی کھانا بھی چھوڑ دیا تھا لیکن اِس وقت اسے محسوس ہوا کہ کھانا اُس کا فرض ہوگا اس لیے اُس نے کوشش کر کے گردن سیدھی کی اور ہمت کر کے بولا "ہاں ـــــ میں تو کھاؤں گا ہی ـــــ" اور پھر چور نظروں سے گورا کی طرف دیکھا۔ اُس کے چہرے پر ایک طنز آمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

نہایت مردانہ وار طریقے پر بنوئے نے اپنی پیالی ختم کر دی! حالانکہ چائے کا مزہ تلخ تھا اور اُسے اچھا نہیں لگا۔ برِندا کچھ بولیں نہیں لیکن اُن کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے کہتی ہوں یہ بنوئے کتنا پچھاڑ کا ہے" اور گورا کی طرف سے پیٹھ موڑ کر وہ ہمہ تن بنوئے کی خاطر میں مشغول ہوئیں۔ اُن کی یہ حرکت دیکھ کر پاریش بابو نے گورا کے پاس اپنی کرسی گھسیٹی اور آہستہ آہستہ اُس سے الگ باتیں کرنے لگے۔

ایک اور مہمان کے آنے کی اطلاع آئی سب ہی اُس کے آنے پر خوش ہوئے۔ یہ پنّو بابو کہلاتے تھے حالانکہ اِن کا اصل نام ہرن چندر ناگ تھا۔ اپنے حلقے میں وہ اپنی غیر معمولی ذہانت اور علم کے لیے مشہور تھے۔ اگرچہ کچھ خاص بات چیت تو طے نہیں ہوئی تھی لیکن کچھ ایسا سمجھا جاتا تھا کہ اُن کی شادی سچاریتا سے ہوگی۔ اس میں بھی شک نہیں کہ پنّو بابو خود اِس رشتے کے بہت خواہشمند تھے اور سچاریتا کی سہیلیاں برابر اُس کو پنّو بابو کے ساتھ چھیڑا کرتی تھیں۔ ہرن بابو کسی اسکول میں پڑھایا کرتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ برِندا دیوی اس معمولی ماسٹر کو کوئی مخصوص ہستی نہیں سمجھتی تھیں بلکہ انھوں نے اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ اچھا ہوا جو ہرن بابو نے اُن کی اپنی بیٹیوں ہی سے کسی لیے خواہش نہیں کی۔ وہ تو ایسے دامادوں کی خواب دیکھ رہی تھیں جو خوب آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے لیے کوشاں ہوں اور جن کی منزلِ حیات کم از کم ڈپٹی مجسٹریٹی تو ہو۔

جب سچاریتا نے ہرن کی طرف چائے کا پیالہ بڑھایا تو لبونیا نے دور ہی سے بیٹھے بیٹھے ایک

معنی خیز مسکراہٹ سچاریتا کی طرف پھینکی اور شوخی سے منہ بچکا کر مسکرا دی! یہ بات بنوئے نے بھی دیکھی کیونکہ چند ہی منٹوں میں اُس نے کافی باتیں دیکھ لی تھیں، حالانکہ وہ اپنی قوتِ مشاہدہ کے لئے ایسا کبھی مشہور نہ تھا۔ بنوئے کو محسوس ہوا کہ سدھیر اور ہرن کا اس طرح یہاں دخل رکھنا بھی قدرت کی بڑی زیادتی ہے اور دخل بھی ایسا کہ ان کے متعلق خاندان کی لڑکیاں آپس میں اشارے کریں اور ایک دوسرے کو چھیڑیں

دوسری طرف ہرن کے آنے سے سچاریتا کے دماغ میں آنند کی ایک کرن چمکی، کاش کہ اُس کا یہ نیا سپاہی اس طرح میدان آئے کہ یہ خود پسند فاتح پسپا ہو کر مٹی میں مل جائے، تب اُس کے کلیجے میں ٹھنڈک پڑے اور کوئی وقت ہوتا تو اُسے ہرن کے بحث مباحثہ سے کوفت سی ہوتی لیکن آج، اُس وقت الفاظ کے اس مردِ میدان کا اس نے مسرّت اور خلوص دل سے استقبال کیا، چائے اور کیک اور بسکٹ کی فراوانی سے اس کو ہر ممکن قوت پہنچانے کی کوشش کی۔

پاریش بابو نے تعارف شروع کیا "بنو بابو! آپ ہیں ہمارے دوست ......"

ہرن بابو نے اُن کی بات کاٹ دی "ارے میں ان کو اچھی طرح جانتا ہوں، کبھی کسی زمانے میں یہ ہمارے برہمو سماج کے بڑے جوشیلے ممبر تھے۔" یہ کہہ کر انھوں نے گورا کی طرف سے پیٹھ موڑ لی اور چائے میں مصروف ہو گئے۔

اس زمانے میں دو چار ہی بنگالیوں نے سیول سروس کا امتحان پاس کیا تھا اور سدھیر بیان کر رہا تھا کہ کس طرح کسی ایک بنگالی کا ولایت سے واپسی پر استقبال کیا گیا وغیرہ۔

ہرن بابو چونک کر بولے "ارے اس سے کیا ہوتا ہے۔ بنگالی چاہے امتحانات جتنے پاس کر لیں وہ کبھی اچھے اور لائق حاکم نہیں بن سکتے" اور پھر یہ ثابت کرنے کے لئے کہ کوئی بنگالی کسی ضلع کا انتظام نہیں چلا سکتا وہ بنگالیوں کی مختلف کمزوریوں اور عیبوں پر روشنی ڈالنے لگے۔ یہ سیلاب چلتا تھا کہ گورا کا چہرہ سرخ ہونا شروع ہوا لیکن وہ اپنی شیر کی سی گرج کو دباتے رہا یہاں تک کہ اس سے برداشت نہ ہو سکا اور بول پڑا "اگر یہاں داری کے ساتھ آپ کی رائے یہی ہے تو

آپ کو اس بات پر شرم آنی چاہیے کہ آپ بڑے اطمینان سے یہاں بیٹھے روٹی مکھن اڑا رہے ہیں۔"

ہرن نے متعجب ہو کر بھویں تانیں "تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں، میں کیا کروں"

"یا تو بنگالی قوم کے دامن پر سے یہ دھبے پاک کیجئے یا پھر پھانسی لگا کر مر جائیے۔ یہ کہہ دینا کیا کوئی آسان بات ہے کہ ہماری قوم کبھی کچھ حاصل نہیں کر سکتی۔ میں حیران ہوں کہ آپ کے حلق میں یہ پھنس کر آپ کا دم کیوں نہیں نکل جاتا۔"

"کیا مطلب ——— یعنی سچ بات نہ کہی جائے" ہرن نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"معاف کیجئے گا لیکن جو بات آپ کہہ رہے ہیں، اگر اس پر آپ کو سچ مچ یقین ہوتا تو آپ اس طرح سے بڑھ چڑھ کر نہ ہانکتے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ بات جھوٹ ہے، اسی لئے ایسا مزے لے لے کر اس کو بیان کر رہے ہیں۔ میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جھوٹ بولنا تو گناہ ہے ہی لیکن جھوٹا الزام لگانا اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے اور اپنی قوم پر خواہ مخواہ الزامات تھوپنا اور اُن کو ذلیل سمجھنا سب سے بڑا گناہ ہے۔"

ہرن بابو غصے سے کانپنے لگے مگر گورا کہتا ہی گیا "آپ کیا سمجھتے ہیں کہ پوری بنگالی قوم میں اور اپنے ہم وطنوں میں بس ایک آپ ہی سب سے بلند انسان ہیں، بس آپ ہی کو حق ہے کہ اُن کے خلاف زہر اُگلتے پھریں اور باقی ہم سب جو اپنے پرکھوں کے نمائندہ ہیں وہ خاموش بیٹھے آپ کے فیصلوں پر جی حضوری کیا کریں۔"

اب تو ہرن بابو کے لئے میدان سے ہٹنا ناممکن ہو گیا۔ چنانچہ انھوں نے اور زیادہ شدت سے بنگالیوں کے عیب گنوانے شروع کئے۔ بنگ سماج کی بہت سی خراب رسموں کا ذکر کیا اور فیصلہ دیا کہ جب تک یہ رواج اور یہ رسمیں قائم رہیں گی اس قوم کے لئے نجات کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی۔

"آپ کیا بری رسموں کی بات کرتے ہیں" گورا حقارت سے بولا "آپ نے انگریزوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو بے زبان رٹ لیا ہے، آپ کو ان رسموں اور رواجوں کی بنیادی معلومات بھی کیا ہیں۔ جب آپ انگریزی کی بُری رسوم کو بھی اسی شدت کے ساتھ رد کر سکیں، ایسی ہی ایمانداری سے اُن پر

نکتہ چینی کر سکیں تب بات کیجئے گا۔"

پاریش بابو نے موضوع بدلنے کی بہت کوشش کی لیکن ہرن بابو اتنے مشتعل ہو چکے تھے کہ ان کو روکنا دشوار تھا۔

اسی عرصے میں سورج ڈوب گیا اور بادلوں کی آڑ سے سرخی نکل کر آسمان پر رنگ بکھیرنے لگی ـــــ الفاظ کی جو لڑائی جاری تھی اس کے باوجود بنوئے کے دل میں جیسے موسیقی کے لطیف تار جھنجھنانے لگے۔ پاریش بابو بھی چھت پر سے اٹھ کر چلے گئے کیونکہ دونوں وقت ملتے وہ خاموشی سے غور و فکر کیا کرتے تھے، چنانچہ وہ نیچے باغ میں جا کر چھپا کے ایک درخت کے تلے بیٹھ گئے!

برودا دیوی کو اب گورا سے مکمل نفرت ہو چکی تھی، ہرن بابو بھی ان کو کوئی خاص عزیز نہ تھے اس لئے جب وہ اس بحث سے عاجز آگئیں تو بنوئے سے مخاطب ہوئیں "آئیے بنوئے بابو ـــــ اندر چلیں" ـــــ ظاہر ہے کہ برودا دیوی نے بنوئے پر جب یہ مخصوص مہربانی کی تو بنوئے اس کی داد دینے کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا سوائے اس کے کہ نہایت سعادت مندی کے ساتھ ان کے پیچھے پیچھے کمرے میں چلا جاتے۔ برودا دیوی نے لڑکیوں کو بھی آواز دے کر بلا لیا اور ستیش نے بھی جب دیکھا کہ بحث ختم ہونے کا انتظار کرنا بیکار تو اپنے کتّے کو لے کر وہاں سے کھسک لیا۔ برودا دیوی نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر بنوئے کو اپنی بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کی مزید پہلوؤں سے آگاہ کیا، لبونیا سے مڑ کر بولیں "اچھا وہ البم لاؤ پیاری ـــــ لا کر بنوئے بابو کو دکھاؤ۔"

لبونیا کو اس البم کے دکھانے کی اس قدر عادت تھی کہ وہ اس کی منتظر ہی رہتی تھی، بلکہ اُسے تو سخت کوفت ہو رہی تھی کہ وہ بیکار بحث اتنی لمبی ہو گئی، کہ البم دکھانے کا معاملہ گول ہوا چاہتا تھا۔

بنوئے نے البم کھول کر دیکھا تو اس میں انگریز شاعروں مثلاً مور اور لانگ فیلو وغیرہ کی نظمیں اور اشعار لکھے ہوئے تھے۔ نظموں کی سرخیاں اور شروع کے بڑے حروف نہایت سجاوٹ

کے ساتھ لکھے ہوئے تھے اور خط میں بھی نہایت صفائی اور احتیاط کا لحاظ رکھا گیا تھا۔ بنوئے نے
سچ مچ تعریف کی کیونکہ اس زمانے میں کوئی ہندوستانی لڑکی اس عمدگی سے انگریزی اشعار
لکھ لے یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ جب بردادیوی نے دیکھا کہ بنوئے پر کافی رعب پڑ گیا
ہے تو وہ لولتا سے مخاطب ہوئیں، اور اس سے درخواست کی "لولتا، میری جان، وہ جو ترنم سے
شعر تم سناتی ہو" مگر لولتا نے قطعی جواب دے دیا "نہیں ماں، سچ مچ میں نہیں سناؤں گی،
مجھے ٹھیک سے یاد نہیں ہے" اور پھر دوسری طرف منھ کر کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ بردادیوی
نے بنوئے کو سمجھایا کہ لولتا کو نظم یاد تو خوب تھی لیکن وہ اتنی شرمیلی تھی کہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی
تھی اور پھر انھوں نے یہ بتایا کہ وہ بچپن سے ہی ایسی تھی اور اس کے ثبوت میں انھوں نے
کچھ مخصوص واقعات بھی بتائے جن میں لولتا نے بہت کچھ سیکھ لیا تھا مگر ظاہر کسی پر نہیں کیا۔ یہ
بھی انھوں نے کہا کہ لولتا اتنی بہادر تھی کہ بچپن میں اگر چوٹ کھاتی تو روتی تک نہیں تھی اور
اس لحاظ سے وہ بالکل اپنے باپ پر پڑی تھی۔

اب لیلا کی باری تھی، پہلے تو جب اُس سے نظم پڑھنے کو کہا گیا تو وہ کھی کھی کرنے لگی
لیکن جب شروع ہوئی تو اس طرح جیسے کوئی کسی گھڑی کو کوک دے، ایک سانس میں وہ
"ٹونکل، ٹونکل، لٹل اسٹار" والی نظم دُہرا گئی اور صاف معلوم ہو رہا تھا کہ سمجھی بالکل نہیں ــــ لولتا
کو معلوم تھا کہ اب پروگرام میں گانا آئے گا اس لئے وہ کمرے سے باہر کھسک گئی۔

باہر جو بحث چل رہی تھی وہ اب نقطۂ عروج تک پہنچ چکی تھی۔ ہرن نے دلیلیں چھوڑ کر
سخت الفاظ استعمال کرنے شروع کر دیے تھے، اور سچاریتا ہرن کے اس بے تحاشہ بے لگام
ہونے پر شرمندہ ہو کر اب گورا کی طرف سے بول رہی تھی، ــــــ اس بات سے ہرن خاموش
ہو جانے کے بجائے اور بھی مشتعل ہو رہا تھا!

آسمان پر بادل گھر آئے تھے اور سیاہی پھیل رہی تھی۔ نیچے گلی میں پھیری والے طرح
طرح کی آوازیں لگا کر چنبیلی کے ہار بیچ رہے تھے، سڑک پر لگے ہوئے درختوں کے بیچ بیچ

میں سے اُڑتے ہوئے جگنو چمک رہے تھے، پاس کے تالاب کا پانی سیاہ دکھائی دے رہا تھا۔

بنوئے سب کو خدا حافظ کہنے کے لئے کمرے سے برآمدے میں نکل آیا، اور پاریش بابو گورا سے بولے "کرشن دیال تو میرے بھائی کی طرح تھا اور ہے۔ اس لئے تم جب جی چاہے ہمارے یہاں آیا کرو۔ ویسے اب میرے اور ان کے خیالات میں فرق ہو گیا ہے اور ہم دونوں نہ کبھی ایک دوسرے سے ملتے ہیں نہ خط کتابت کرتے ہیں مگر بچپن کی دوستی تو ہمارے خون میں سمائی ہوئی ہے۔ تمہارے والد سے جو ہمارا پرانا رشتہ ہے اُس کی بنا پر میں تم کو اپنے آپ سے بہت قریب محسوس کرتا ہوں۔"

پاریش بابو کی مخلص آواز کی نرمی اور محبت نے گورا کے چڑھے ہوئے پارے کو جادو کی طرح اُتار دیا۔ پہلے جب اُس نے اُن کو سلام کیا تھا تو اس میں کوئی خاص ادب یا احترام شامل نہ تھا لیکن روانہ ہوتے وقت جب وہ جھک کر اُن سے رخصت ہوا تو اُس جھکنے میں سچ مچ تکریم کا جذبہ موجود تھا۔ سچارتیا کا اُس نے خاص کوئی نوٹس نہیں لیا کیونکہ اُس کے خیال میں کسی لڑکی کی طرف زیادہ مخصوص طور پر متوجہ ہونا انتہائی بدتمیزی تھی۔ بنوئے البتہ پاریش بابو سے بھی جھک کر رخصت ہوا اور سچارتیا کی طرف بھی اس نے ذرا سا سر جھکایا اور پھر اس تیزی سے گورا کے پیچھے ہو لیا گویا اُس نے کوئی شرمناک بات کی ہو۔

ہرن بابو اندر کمرے میں چلے گئے تھے تاکہ اُن کو اِن لوگوں سے رخصت نہ ہونا پڑے۔ اندر کمرے میں جا کر وہ میز پر رکھی ہوئی برہمو سماج کی ایک مناجات کی کتاب کے ورق اُلٹنے پلٹنے لگے۔ جیسے ہی یہ دونوں مہمان رخصت ہو گئے انھوں نے باہر نکل کر پاریش بابو سے کہا "جناب عالی، یہ بات ذرا ٹھیک نہیں ہے کہ ہر کس و ناکس کو گھر میں بُلا کر لڑکیوں سے تعارف کروایا جائے۔"

سچارتیا کو اس بات پر اتنا غصہ آیا کہ وہ ضبط نہ کر سکی، بولی "اگر بابو جی اسی اصول پر چلتے تو ہم لوگوں کا تعارف آپ سے بھی کبھی نہ ہوتا ــــــ"

"لیکن اگر اپنے ہی فرقے کے لوگوں تک یہ معاملہ محدود رہے تو بہتر ہے" ہرن نے سمجھانے کی کوشش کی۔

پاریش بابو ہنسنے لگے "تو آپ چاہتے ہیں کہ اپنے ہی فرقے تک ملنا جلنا محدود کر کے زنان خانے کی رسم کو جاری کیا جائے میرا تو خیال ہے کہ لڑکیوں کو ہر خیال کے لوگوں سے ملنا چاہیے ورنہ وہ تنگ نظر رہ جائیں گی، آخر ملنے جلنے میں اس قدر کنجوسی کی کیا ضرورت ہے"

"یہ تو میں نے کبھی نہیں کہا کہ لڑکیاں مختلف خیالات کے لوگوں سے میل جول نہ رکھیں لیکن اس قسم کے لوگوں کو تو عورتوں سے ملنے جلنے کی تمیز تک نہیں ہے"

"ارے نہیں بھئی" پاریش بابو نے عاجز ہو کر کہا "جس چیز کو آپ بدتمیزی کہتے ہیں وہ صرف جھینپ اور شرمیلا پن نہیں ہے، اور جب تک اس طرح کے لوگ صحیح طریقے سے عورتوں کے ساتھ اٹھیں بیٹھیں گے نہیں تو یہ شرمیلا پن ٹھیک نہیں ہو سکتا"

گیارھواں باب

اُس دن ہرن بابو کی انتہائی کوشش یہ تھی کہ گورا کو اُس کی صحیح جگہ پر پہنچا دیں اور سچاریتا کی نظروں میں اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیں، شروع میں تو سچاریتا کی بھی یہی خواہش تھی، لیکن ہُوا یوں کہ حالات بالکل متضاد ہو گئے۔ سماجی اور مذہبی معلومات پر تو سچاریتا گورا سے اتفاق نہیں کرتی تھی لیکن اپنی قوم کے لئے عزت اور اپنے ہموطنوں سے محبت اس کی فطرت میں داخل تھی۔ ویسے اُس نے پہلے کبھی ملک کی حالت پر بحث مباحثہ نہیں کیا تھا لیکن جب گورا نے اپنی پوری گرج کے ساتھ اپنی قوم کے ذلیل کئے جانے پر احتجاج کیا تو اس احتجاج کی گونج سچاریتا کو بھی اپنے دل میں محسوس ہوئی۔ اُس نے کبھی کسی کو اس شدت اور اس جوش تیقّن کے ساتھ مادرِ وطن کے بارے میں گفتگو کرتے نہیں سُنا تھا۔ پھر ان دونوں کے چلے جانے کے بعد ہرن نے بنوئے اور گورا کو جو بدتمیز اور گنوار وغیرہ کہا تو سچاریتا کو یہ حرکت بڑی گھٹیا معلوم ہوئی اور اس کی ہمدردیاں اُن دونوں کے ساتھ وابستہ ہو گئیں!

ایسا تو نہیں تھا کہ گورا کے خلاف جو بغاوت کے جذبات سچاریتا کے دل میں پیدا ہوئے تھے وہ بالکل بجھ گئے ہوں، ابھی تک اُسے گورا کا دیہاتی لباس یاد آ آ کر کوفت سی ہو رہی تھی، غالباً گورا نے یہ لباس لوگوں کو چڑھانے کے لئے پہنا تھا، سچائی یا خلوص سے اِس کا کیا تعلق ہو سکتا تھا۔ بھلا ایسا کر کے اس کے یقین اور ایمان کو کیا تسکین ہو سکتی تھی!

اس روز شام سچاریتا کو اپنے وجود میں ایک عجیب سے درد کا احساس رہا۔ معمولات اس نے سب پورے کئے لیکن کھانا کھاتے وقت، لیلا کو کہانی سُناتے وقت ایک عجیب سا درد اُسے اندر ہی کہیں محسوس ہو رہا تھا، کانٹے کی طرح چبھتا ہوا ــــــــ لیکن کانٹا تو جب

ہی نکالا جا سکتا ہے جب انسان کو یہ معلوم ہو کہ وہ ہے کہاں، انگلی رکھ کر بتایا جا سکے کہ کس جگہ چُبھتا ہے ـــــ اور سچاریتا برآمدے کے اندھیرے میں تنہا بیٹھی یہ سوچتی رہی کہ وہ کانٹا کہاں چُبھا ہے جو اُسے اس درجہ بےچین کئے ہے ـــــ لیکن بےسُود، ـــــ ایک الجھا سا بوجھ دل پر تھا کہ رونے کو جی چاہتا تھا مگر آنسو نہ نکلتے تھے۔

یہ سوچنا تو ایک حماقت تھی کہ ایک نوجوان اجنبی ماتھے پر ایک بڑا سا قشقہ لگا کر آگیا اور اس کو بحث میں ہرایا نہیں جا سکا، اس کے غرور کو مٹی میں نہیں ملایا جا سکا اس لئے سچاریتا اس قدر پیچ و تاب میں مبتلا ہو گئی، ایسی بے وقوف تو وہ نہیں تھی، اس لئے اس تاویل کو تو اُس نے فوراً دماغ سے نکال دیا، ـــــ سوچتے سوچتے اصل وجہ سمجھ میں آئی تو وہ شرم سے پانی پانی ہو گئی، ـــــ وہ دو تین گھنٹے اس نوجوان کے سامنے بیٹھی رہی تھی، کبھی کبھی اس نے بحث میں حصہ بھی لیا تھا لیکن اس نوجوان نے کوئی نوٹس ہی نہیں لیا ـــــ روانہ ہوتے وقت بھی اس کا رویہ یہی تھا کہ جیسے سچاریتا تو وہاں موجود ہی نہیں ہے! ـــــ یہ بات بالکل صاف تھی، ـــــ اس کی وہ بے نیازی تھی جس نے سچاریتا کو اتنی گہری چوٹ پہنچائی تھی۔ ویسے تو بنوئے بھی ذرا اکھڑا اکھڑا سا لگتا تھا مگر صاف ظاہر تھا کہ یہ گھبراہٹ عورتوں کی صحبت میں بیٹھنے کا عادی نہ ہونے سے پیدا ہوئی ہے، بنوئے کے رویئے سے شرمیلا پن، وہ خاکساری اور جھجک بہت ظاہر ہوتی تھی لیکن گورا کے رویئے میں ان چیزوں کا شائبہ بھی نہ تھا!

لیکن سچاریتا کے لئے گورا کی اس بے نیازی کو برداشت کرنا اتنا مشکل کیوں ہو گیا تھا؟ کیا وہ اس کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا نہیں سکتی تھی۔ وہ یہ سوچ کر مری جاتی تھی کہ گورا کی اس بے نیازی کے باوجود بھی اس نے بحث میں حصہ لینے کی کوشش کی تھی اور اپنے آپ کو روک نہیں سکی تھی۔ ایک بار جب اس نے ہرن کی ایک دلیل کو بیجا کہہ کر ذرا غصے کا اظہار کیا تھا تو گورا نے نگاہ بھر کر اسے دیکھا بھی تھا؟ یہی بات صاف نہ تھی؟ کیا اس نے سچاریتا کو تیز و طرار سمجھا تھا یا سمجھا تھا کہ وہ بڑی اجیار ہی ہے جو اس طرح مردوں کی بحث میں بغیر بلائے کود پڑتی ہے، ـــــ لیکن اُس نے

کیا سوچا یہ کون اہم بات تھی ؟ کوئی اہم بات نہیں تھی ! مگر پھر بھی سُچاریتا کو پریشانی تھی۔ اُس کا جی چاہتا تھا سب کچھ بھُول جائے، سارا نقشہ دماغ سے مٹا دے پر ایسا نہیں کر پا رہی تھی۔ پھر اُسے دوبارہ غصّہ آنا شروع ہوا اور اس کی گستاخی اور خود پسند جوانی پر جھنجھلاہٹ ـــــــ اور پھر بھی جب وہ اُس لمبے چوڑے مرد کی گھن گرج والی آواز اور بے جھجک نگاہوں کا خیال کرتی تو اس کی اپنی خودداری اور غرور کے سارے منصوبے دھرے رہ جاتے !

اس طرح متضاد خیالوں میں کھوئی ہوئی سچاریتا بڑی دیر تک دیر تک تنہا بیٹھی سوچتی رہی۔ روشنیاں بجھ چکی تھیں، گھر کے سب لوگ سونے چلے گئے تھے، اُس نے باہری دروازے کے بھی بند ہونے کی آہٹ سُنی جس کے معنی یہ تھے کہ نوکر بھی اپنا کام ختم کر چکے اور سونے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

اس وقت لولتا نائٹ ڈریس پہنے ہوئے آئی اور سچاریتا سے کچھ کہے بغیر جا کر سٹینڈ کے پاس کھڑی ہو گئی۔ سچاریتا دل میں مسکرائی۔ لولتا غالباً اس سے خفا ہے کیونکہ اُس نے آج لولتا کے پاس سونے کا وعدہ کیا تھا اور پھر بالکل بھُول گئی۔ لیکن بھُول پر معافی مانگ لینا لولتا کے لئے کافی نہیں ہو سکتا تھا، سوال یہ ہوتا تھا کہ لولتا کو کوئی بھُولا کیسے، اور وہ ایسی لڑکی نہیں تھی کہ کسی کو اس کا وعدہ یاد دلاتی۔ وہ تو خاموش بستر پر پڑے رہنے کا پکا ارادہ کر چکی تھی اور بالکل یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اُسے کس قدر دُکھ پہنچا ہے لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا مایوسی کی کوفت بڑھتی گئی ـــــ یہاں تک وہ اُسے برداشت نہ کر سکی اور پلنگ سے اُٹھ کھڑی ہوئی صرف یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ اب تک جاگ رہی ہے !

سُچاریتا اپنی کرسی سے اُٹھی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے پاس پہونچ کر اُسے گلے سے لگا لیا " لولتا پیاری مجھ سے خفا نہ ہو بھئی "

لولتا نے کچھ بڑبڑا کر اپنے کو الگ کر لیا " خفا ؟ میں کیوں خفا ہونے لگی ؟ آپ مہربانی کر کے بیٹھی رہیے "

سُچاریتا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا " آؤ آؤ ـــــ سونے چلیں ـــــ آؤ بھئی "

لیکن ولتا اپنی جگہ پر اڑی کھڑی ـــــ اور کوئی جواب نہ دیا ـــــ سچاریتا نے
اُسے کھینچنا شروع کیا اور آخر کار دونوں سونے کے کمرے میں چلی گئیں۔

پھر آخر کار لولتا نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا "آپ نے کیوں، اتنی دیر کر دی؟ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ گیارہ بج رہے ہیں، میں نے ایک ایک کر کے ہر گھنٹے کو بجتے سُنا اور اب تو آپ کو نیند آ رہی ہو گی، باتیں بھلا کیا کیجیے گا"

"معاف کرو بھئی" سچاریتا نے اُسے گلے لگاتے ہوئے کہا

"آپ اتنی رات گئے تک بیٹھی کس کے بارے میں سوچ رہی تھیں دیدی؟ کیا پنو بابو کے؟"

"ارے جاؤ بھئی" ـــــ سچاریتا نے اُس کو خاموش کر دیا

ولتا پنو بابو کو بالکل نہیں برداشت کر سکتی تھی یہاں تک کہ اپنی اور بہنوں کی طرح وہ کبھی سچاریتا کو اس سلسلے میں چھیڑتی بھی نہیں تھی۔ اُسے تو اس خیال ہی سے آگ لگتی تھی کہ ہرن بابو سچاریتا کو بیاہیں! چند منٹ رُک کر لولتا نے پھر بات شروع کی "بنے بابو کیسے اچھے آدمی ہیں نہ دیدی؟" ـــــ اس سوال کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سچاریتا کا دل ٹٹولنے کی کوشش نہ تھی!

"ہاں بی بی، وہ کافی اچھے انسان معلوم ہوتے ہیں" جواب ملا

ولتا کو ایسے سُوکھے سے جواب کی تسلی ہو سکتی تھی چنانچہ اُس نے بات آگے بڑھائی
"آپ کچھ بھی کہیں دیدی یہ گورموہن بابو تو بالکل ہی بیہودہ ہیں، ـــــ کیسا خراب رنگ ہے کیسا سخت نقشہ اور اپنے کو نہ جانے کیا سمجھتے ہیں، آپ کو کیسے لگے؟"

"میرے مذاق کے لحاظ سے تو اُن کے خیالات ضرورت سے زیادہ ہی پرانے ہیں" سچاریتا نے جواب دیا ـــــ

"نہیں نہیں یہ بات نہیں ہے" لولتا نے زور سے کہا "کیوں، ہمارے چچا جان بھی تو پرانے خیالات کے ہیں لیکن وہ بالکل ہی الگ بات ہے ـــــ میں ـــــ کیا ـــــ کس طرح کہوں۔۔۔"

”سوبالکل الگ بات ہے“ سچاریتا ہنسنے لگی! پھر اُسے یکایک گورا کی سفید پیشانی یاد آگئی جس پر مٹی کا نشان لگا ہوا تھا اور اس کو غصہ آنے لگا کیا یہ واقعہ نہیں تھا کہ وہ نشان بڑے بڑے الفاظ میں لکھا ہوا گویا ایک اعلان تھا کہ ”میں تم سب سے الگ کوئی چیز ہوں“! اُس کا دل چاہا کہ علیحدگی اور احساسِ برتری کے اس نشان کو مٹی میں روند دیا جائے تب جا کے اُسکے کلیجے میں ٹھنڈک پڑے۔

دونوں بہنیں باتیں کرتے کرتے سو گئیں۔

دو بجے رات کے قریب یکایک سچاریتا کی نیند ٹوٹ گئی۔ زور کی بارش ہو رہی تھی۔ کمرے کے کونے میں رکھا ہوا لیمپ بجھ چکا تھا۔ اور بجلی کی بار بار چمکنے والی روشنی مچھر دانیوں کے اندر گھس گھس پڑتی تھی۔ رات کے اس سناٹے میں، اس غمناک اندھیرے میں، سچاریتا کو بارش کی مسلسل آواز سے دل پر ایک عجیب سی بوجھ کا احساس ہوا جو بڑھتا ہی گیا۔ وہ سونے کی کوشش میں بار بار کروٹ بدلتی۔ ودرولتا کی صورت دیکھتی جو بڑے اطمینان سے گہری نیند سو رہی تھی ——— لیکن سچاریتا کے لئے نیند کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

آخر وہ پریشان ہو کر بستر سے اُٹھی اور دروازے کے قریب جا کھڑی ہوئی ———
دروازہ کھول کر اس نے چھجے پر دیکھا۔ بارش زوروں سے ہو رہی تھی اور ہوا کا ہر جھونکا اُن کے کپڑوں پر چھینٹیں ڈالتا نکل جاتا تھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے گورا کی صورت تھی ——— شفق کے رنگوں اور دل کے جوش سے تمتماتے ہوئے چہرے کی تصویر اس کے سامنے چمک گئی ——— وہ تمام دلیلیں جو اس نے سُنی تھیں اور اس کے ذہن سے محو ہو چکی تھیں اب پھر ایک ایک کر کے اس کی یادداشت پر ہجوم کرنے لگیں۔ ورا اُسکی گرجدار آواز کی گونج پھر اس کے کانوں میں آنے لگی ”جن کو آپ جاہل کہتے ہیں وہ وہی ہیں جن کا میں سرگی ہوں۔ جس چیز کو آپ توہم کہتے ہیں وہ میرا ایمان ہے۔ جب تک آپ اپنے وطن سے محبت کرنا نہیں سیکھیں گے، اپنی جنتا سے قریب نہیں جائیں گے تب تک

"کیوں نہیں" ہرن نے سوال کیا تھا

"اس کا بہت بڑا سبب ہے۔ ہم اپنے ماں باپ کی دی ہوئی سزا بھگت سکتے ہیں، اُن کی کڑوی بات برداشت کر سکتے ہیں لیکن اگر کوئی پولیس والا ہم سے وہی بات کہے گا تو اس میں اصلاح سے زیادہ ہتک کا جذبہ شامل ہوگا اور اگر ہم اُسے برداشت کریں تو یہ ساری زندگی کی تحقیر ہوگی ــــــ پہلے آپ ہمارے ساتھ محبت کا رشتہ قائم کیجئے پھر ہماری اصلاح کرنے آیئے ورنہ آپ کی نیک صلاح بھی ہمارے لئے مُضر ہوگی، مفید نہیں"

اس طرح سچارِتا کو ایک ایک کرکے گرا کے الفاظ اور اُن کی تفصیلیں یاد آ گئیں اور ان یادوں کے ساتھ ساتھ دل پر بوجھ بڑھتا گیا۔ آخر کار وہ بالکل تھک گئی اور واپس جا کر بستر پر لیٹ گئی، آنکھوں کو ہاتھ سے دبایا، گویا ان خیالات کو دماغ سے نچوڑ کر نکال دینا چاہتی ہو کہ کسی طرح نیند آ جائے، لیکن اس کے کان اور چہرے سے جیسے لپٹیں نکل رہے تھے اور مختلف خیالات ایک دوسرے سے اس طرح گتھم گتھا ہو گئے تھے کہ دماغ پھٹا جا رہا تھا!

بارھواں باب

جب بنوئے پارش بابو کے گھر سے نکل کر گلی میں پہنچے تو گورا سے بولا "گورا ـــــ یار ذرا آہستہ چلو ـــــ تمھاری ٹانگیں مجھ سے کہیں زیادہ لمبی ہیں' اور اگر ذرا چھوٹے قدم نہیں اٹھاؤ گے تو میں تمھارا ساتھ دیتے دیتے ہانپ کر مر جاؤں گا"

گورا نے بنوئے سے جواب دیا "میں آج اکیلا ہی چلنا چاہتا ہوں مجھے بہت سی باتیں سوچنی ہیں" اور وہ اپنی معمولی رفتار سے قدم بڑھاتا رہا۔ بنوئے کے دل کو سخت چوٹ لگی! گورا کے خلاف بغاوت کر کے آج اس نے اپنا اصول بھی توڑ دیا تھا اور اس بات پر گورا اسے ڈانٹ ڈپٹ لیتا تو اُس کو برا نہ لگتا بلکہ ایک گونہ تسلی ہو جاتی۔ اُن کی ایک عمر کی دوستی پر جو یکایک ایک گھٹن سی چھا گئی تھی اُس کو کوئی طوفان ہی توڑ سکتا تھا۔ کاش گورا کو ایک بار طوفانی غصہ آجاتا تو فضا ابھر سانس لینے کے لائق ہو جاتی۔ بنوئے یہ نہیں سوچ رہا تھا کہ گورا جو خفا ہے، اگر اسے چھوڑ گیا تھا تو اس نے کوئی بڑی بات کی تھی لیکن مدتوں کی پرانی ہوئی دوستی میں آج یہ پہلا موقعہ تھا کہ دونوں کے درمیان واقعی اختلاف رائے ہوا تھا ـــــ بنوئے یہ سوچتا چلا جا رہا تھا اور اُس کے دل پر ایک عجیب طرح کا بوجھ تھا ـــــ رات اندھیری اور اداس تھی' سیاہ بادل ذرا ذرا دیر بعد گرجتے تھے۔ بنوئے کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب تک زندگی جس راستے پر چل رہی تھی آج یکایک اسے چھوڑ کر ایک نئے موڑ پر نکل آئی ہے۔ چاروں طرف پھیلے ہوئے اندھیارے میں ایک دوست کسی طرف نکل گیا اور دوسرا کسی طرف!

دوسرے روز صبح اٹھا تو دل کسی قدر ہلکا تھا۔ اُسے محسوس ہوا کہ رات کی تاریکی اور اداسی نے اس کو اور بھی زیادہ پژمردہ کر دیا تھا۔ ورنہ اُس کے ذہن پر گورا کے ہجوم کو بڑھا دیا تھا

اب صبح کی روشنی میں تو ایسا لگتا تھا کہ پارتش بابو کے خاندان سے دوستی اور گورا سے رفاقت ان دونوں چیزوں کا ٹکراؤ کوئی ضروری نہیں تھا۔ بعد رات کو جو اس قدر پریشان تھا تو اُسے اپنی پریشانی یاد کر کے ہنسی آگئی ——— اس نے بھی بے بات کا بتنگڑ شروع کر دیا تھا۔

اس نے کندھے پر چادر ڈال اور گورا کی طرف چل دیا۔ گورا نیچے ہی بیٹھا مل گیا۔ پڑھ رہا تھا۔ اُس نے بنوئے کو گلی سے آتے دیکھا لیکن ہمیشہ کی طرح آج بنوئے کے آنے پر اس نے اپنے مُنہ کے آگے سے اخبار نہیں اُٹھایا۔ بنوئے نے ایک لفظ کہے بغیر اخبار اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔

"میرا خیال ہے آپ کو مجھے پہچاننے میں غلطی ہوئی ——— میں گورموہن ہوں۔ ایک دقیانوسی توہم پرست ہندو۔"

"غلطی شاید آپ سے ہوئی" بنوئے نے جواب دیا "میں بنوئے بھوشن ہوں اُسی گورموہن کا اتنا ہی توہم پرست دوست۔"

"لیکن گورموہن ایسا ناقابلِ اصلاح دقیانوس ہے کہ اپنی توہم پرستی کے لئے کسی سے معافی کبھی نہیں مانگتا۔"

"بنوئے بھی ایسا ہی ہے۔ البتہ وہ اپنی توہم پرستی دوسروں پر نہیں لادتا پھرتا" ——— اور بس پھر کیا تھا۔ ذرا دیر نہ گذری تھی کہ دونوں دوستوں میں گرما گرمی بحث ہونے لگی۔ پڑوسیوں کو خبر ہو گئی کہ گورا اور بنوئے کی ملاقات ہو رہی ہے!

"لیکن تم کو اس بات سے انکار کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ تم پارتش بابو کے یہاں گئے تھے؟"

گورا نے پوچھا

"ضرورت کا کیا سوال ہے" بنوئے نے کہا "میں نے تو اس لئے انکار کیا تھا کہ میں واقعی وہاں گیا ہی نہیں تھا کل تو پہلی مرتبہ میں اُن کے گھر کے اندر گیا ہوں۔"

مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اندر جانے کا راستہ اب خوب معلوم ہو گیا ہے لیکن مجھے شک ہے کہ باہر آنا بھی آپ کے لئے اتنا ہی آسان ہو گا کہ نہیں"

"ہو سکتا ہے" ہنومئے نے کہا "ممکن ہے میری فطرت ہی ایسی ہو، جن لوگوں سے میں محبت کرتا ہوں یا اُن کی عزت کرتا ہوں اُن کو چھوڑنا میرے لئے آسان بات نہیں ہے۔ تم سے زیادہ میری اس خصلت کو کون جان سکتا ہے"

"تو پھر اب آپ کا وہاں آنا جانا برابر قائم رہے گا"

"میں ایسے ہی کیوں آ کر جاؤں گا۔ آپ کو بھی خدا نے حرکت کرنے کی قوت دی ہے، کوئی آپ کہیں سے جڑے تو نہیں ہوئے ہیں"

"میں جا سکتا ہوں مگر میں واپس بھی آ سکتا ہوں لیکن آپ کے یہاں جو آثار نظر آ رہے ہیں، اُن میں تو واپس آنے کی کچھ خاص گنجائش نہیں دکھائی دیتی ——— کہیئے یہ مذاق آپ کو کیسی لگی؟"

"ذرا کڑوی تھی"

"تو پھر کیوں ......"

"اس لئے کہ انکار کرنا اور بھی تلخ بات ہوتی"

"تو پھر ظاہر داری اور تمیز داری ہی گویا سوسائٹی کو قائم رکھنے کی اصل بنیاد ٹھہری!" گورا نے پوچھا

"ہمیشہ نہیں ——— مگر دیکھو گورا، سماج کی رسم جہاں دل کی بات سے ٹکرا جاتی ہے وہاں ......"

گورا نے جوش کے مارے پوری بات ہی نہیں سنی "دل! بے شک دل! آپ کے لئے تو سوسائٹی ایسی معمولی چیز ہے کہ ہر بات میں آپ کے دل کا اس سے تصادم ہوا کرتا ہے۔ کاش کہ آپ یہ اندازہ کر سکتے کہ سوسائٹی کو کس قدر گہری چوٹ پہونچتی ہے تو آپ نے

دل کے متعلق اتنا جذباتی ہونے پر ڈوب مرتے! پارش بابو کی لڑکیوں کو ذرا سا ناراض کرتے آپ کا دل پھٹتا ہے لیکن میرا دل یہ کہہ کر پھٹتا ہے کہ کتنی ذرا سی بات کی آڑ لے کر آپ پوری سوسائٹی کو صدمہ پہونچا سکتے ہیں۔"

"بھئی دیکھو گورا" بنو ئے نے عاجز ہو کے کہا "اگر کسی کی ایک پیالی چائے پی لینے سے سماج کو اتنا صدمہ پہونچتا ہے تو پھر میں تو یہی کہوں گا کہ ایسے صدمے قوم اور ملک کے لئے فائدہ مند ہیں، اگر اس طرح سوسائٹی اور ملک کو چھوئی موئی بنا کر رکھا جائے گا تو سوائے اس کے کہ وہ زنانہ ہونے کی حد تک نازک ہو جائیں اور کیا انجام ہو گا؟"

"سنئے جناب" گورا نے جواب دیا "میں اس طرح کے جوابات سے خوب واقف ہوں، مجھے بالکل ہی احمق نہ سمجھئے۔ لیکن موجودہ حالات میں ان دلیلوں کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اگر بیمار بچہ دوا نہ پئے تو اچھی بھلی ماں بھی یہ دو چار قطرے پی لیتی ہے تاکہ بچے کو دھوکا دے سکے کہ وہ خود بھی بیمار ہے۔ پھر کوئی دوا علاج کا سوال نہیں رہ جاتا بلکہ محبت اور ممتا کا سوال بن جاتا ہے، اگر وہی محبت نہ ہو تو ماں چاہے جتنی عقل کی بات کرے، ماں بچے کے رشتے کو صدمہ ضرور پہونچ جاتا ہے ——— اور ایک بار صدمہ پہنچا، اصل مقصد فوت ہوا۔ مجھے اس چائے کی پیالی سے کوئی دشمنی نہیں ہے لیکن تم نے جو اپنے سماج سے رشتہ توڑ لیا اس کا صدمہ ضرور ہے۔ کیا چائے سے انکار کرنا اس سے آسان نہ ہوتا؟ پاریش بابو کی لڑکیوں کا دل توڑنا اس سے آسان نہ ہوتا۔ اس وقت ہمارے ملک کو سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ سب روحانی طور پر متحد ہو جائیں، ——— ایک بار وہ منزل آ جائے پھر چائے پینے، نہ پینے کا سوال تو دو لفظوں میں طے ہو سکتا ہے۔"

"ارے بھئی تو پھر مجھے ایسا نظر آ رہا ہے کہ چائے کے دوسرے پیالے کے لئے مجھے کافی انتظار کرنا پڑے گا۔"

"نہیں کوئی وجہ نہیں کہ زیادہ ٹھہرنا پڑے لیکن بنوئے تم آخر مجھ سے چمٹے رہنے پر

اتنے مُصر کیوں ہو۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہندو سوسائٹی میں جتنی چیزیں بکتیں، گوارا ہوں اُن سب کو چھوڑ دو، اور ان کے ساتھ مجھے بھی ورنہ پاریش بابو کی لڑکیوں کا دل ٹوٹ جائے گا۔"

اسی وقت ابھناس کمرے میں داخل ہوا ــــــ وہ گورا کے مریدوں میں سے تھا اور گورا کی زبان سے جو کچھ نکلتا اُسے ابھناس، اپنے دماغ سے بہت کچھ جوڑ کر بالکل گھٹیا بنا دیتا زبان سے بہت کچھ بڑھا کر بالکل بنچا کر دیتا اور پھر تمام میں پھیلاتا رہتا ــــــ عجیب بات یہ تھی کہ اکثر جو لوگ گورا کی زبان کو پوری طرح نہیں سمجھتے تھے وہ ابھناس کی بات کو خوب سمجھ جاتے اور اس کی تعریفیں کرتے۔ ابھناس کو بنوئے سے خاص طور پر حسد تھا اور جہاں موقع پاتا بیہودہ دلیلوں کو لے کر اُس سے اُلجھنے کی کوشش کرنے لگتا بنوئے کو اُس کی حماقت کی ذرا برداشت نہیں تھی، بات بات پر اُس کو ٹکا سا جواب دیتا پھر گورا اُن ہی دلیلوں کو لے کر میدان میں اُتر آتا اور ابھناس اتراتا پھرتا کہ گورا تو اُس کی ہی کہی ہوئی بات دُہرا رہا ہے۔

بنوئے نے دیکھا کہ ابھناس کے آجانے سے اس وقت گورا کے ساتھ صُلح کے جو امکانات تھے وہ سب بگڑ گئے لہذا وہ چُپ چاپ اُٹھا اور کوٹھے پر آنند موئی کے پاس چلا گیا وہ موری خانے کے سامنے بیٹھی پکنے کے لیے سبزیاں کاٹ رہی تھیں۔ اس کو دیکھ کر بولیں "میں کچھ دیر سے تمھاری آواز سُن رہی ہوں، آج اتنی سویرے کیسے آگئے، گھر سے نکلنے کے پہلے ناشتہ کیا تھا؟"

اگر کوئی اور دن ہوتا تو بنوئے کہتا "نہیں ــــــ میں نے نہیں کیا" اور وہیں بیٹھ کر آنند موئی کی میزبانی کا لطف اُٹھاتا لیکن آج اُس نے جواب "جی ہاں شکریہ روانہ ہونے سے پہلے کچھ کھا لیا تھا"

اُن کا جی چاہتا تھا کہ کم از کم آج گورا کو اور زیادہ خفگی کا موقع نہ دے کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ ابھی تک گورا نے اُسے پوری طرح سے معاف نہیں کیا ہے اور یہ احساس کہ وہ اپنے

دوست سے دُور ہٹ گیا اُس کے دل میں گھٹن سی پیدا کر رہا تھا۔

اُس نے جیب سے قلم تراش نکالا اور، آلو چھیلنے میں آنند مونی کا ہاتھ بٹانے لگا۔

کوئی پندرہ منٹ بعد وہ پھر نیچے گیا تو اُسے معلوم ہوا کہ ابھناس اور گورا کہیں چلے گئے ہیں، وہ اکیلا تھوڑی دیر تک گورا کے کمرے میں بیٹھا رہا۔ اخبار اُٹھا کے کھوئے کھوئے انداز میں اشتہارات پر نظر ڈالتا رہا —— آخر ایک ٹھنڈی سانس بھری، اخبار رکھ دیا اور باہر نکل آیا —— دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد اُسے پھر گورا سے ملنے کے لئے بے چینی ہونی شروع ہوئی، اُسے اپنے اس دوست کے سامنے جھکنے میں کبھی کوئی تامّل نہ ہوا تھا، پھر بھی اگر اپنے لئے کوئی خودداری بیچ میں نہ آسکتی تھی تو اپنی دوستی کے جذبے کا تو آخر کچھ وقار تھا اور اس وقار کا کچھ تقاضہ تھا۔ یہ سچ تھا کہ پاریش بابو کے خاندان سے تعلقات پیدا کر کے اُس نے گورا کی دوستی میں کسی اور کو حصہ دار بنا لیا تھا اور اس بات کے لئے اگر گورا اس کو بُرا بھلا کہتا تو وہ برداشت کرنے کو تیار تھا لیکن اس طرح ذلیل کر کے نکالے جانے کے امکان پر تو اُس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا —— وہ اپنے گھر سے نکل کر ذرا دُور گیا تھا کہ پھر اُلٹے پاؤں لوٹ آیا —— اب اُسے گورا کے گھر جانے کی اس لئے ہمت نہ تھی کہ کہیں اُس کی دوستی، اس کی محبت کی پھر ہتک نہ کی جائے!

تیرھواں باب

کئی دن اسی طرح گزرے ——— پھر ننھوئے ایک روز دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ہاتھ میں پنسل کاغذ لے کر گڑیا کو خط لکھنے بیٹھا، خط کسی طرح آگے نہ چلتا تھا اور ننھوئے اپنی سست رفتاری کو پنسل کی خرابی کا بہانہ دے کر بار بار بڑی جلدی جلدی سے پنسل کو چھیلتا اور بناتا ——— اسی دھن میں وہ کھویا ہوا تھا کہ نیچے سے کسی نے اس کا نام لے کر آواز دی۔ پنسل میز پر پھینک کر وہ جلدی سے پکارتا نیچے بھاگا "اوپر آجائیے موہم دادا ——— اوپر آجائیے۔"

موہم دادا اوپر آکے بڑے اطمینان سے ننھوئے کے پلنگ پر بیٹھ گئے۔ کمرے کے سامان پر ایک نظر ڈالنے کے بعد وہ بولے "دیکھو ننھوئے ——— ایسا تو نہیں تھا کہ مجھے تمھارا پتہ نہ معلوم رہا ہو یا یہ کہ میں آج مخصوص طور پر تمھاری خیریت دریافت کرنے آیا ہوں لیکن بات در اصل یہ ہے کہ آپ لوگ جو آج کل کے معیاری نوجوان ہیں آپ کے یہاں پان حقہ ملنے کا کوئی سوال ہی نہیں اس لئے اگر کوئی ایسی ہی خاص بات نہ ہوتی تو میں کبھی بھی نہیں......" پھر انھوں نے ننھوئے کو نظر بھر کر دیکھا، وہ جھینپ رہا تھا اور انھوں نے اپنی بات جاری رکھی "اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ ابھی لپک کر باہر جاؤ اور ایک حقہ خرید کے لاؤ تو میں تم سے درخواست کروں گا کہ مجھے بخش دو! تم میری خاطر کے لئے تمباکو مہیا نہ کر سکو یہ تو میں برداشت کر سکتا ہوں لیکن ایک نیا حقہ اور وہ بھی کسی اناڑی کے ہاتھ کا بھرا ہوا یہ مجھ سے نہیں برداشت ہو سکتا ———" یہ کہہ کر انھوں نے پاس ہی پلنگ پر رکھا ہوا پنکھا اٹھا لیا اور اپنے کو جھلتے ہوئے بولے "بات در اصل یہ ہے کہ میں آج تمھاری دوپہر کی

نیند حرام کر کے جو تم سے ملنے آیا ہوں تو اس کی ایک خاص وجہ ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ پر ایک مہربانی کرو۔"

"یہ آپ کیا کہتے ہیں! کیا بات کیا ہے؟"

"پہلے وعدہ کرو کہ میری بات مانو گے تب کہوں گا۔"

"بے شک۔ اگر میرے کرنے کا کام ہوگا تو......"

"وہ ایسی بات ہے جو تم صرف تمہیں کر سکتے ہو، تمہیں بس صرف ہاں کہنا ہے۔"

"یہ آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ تو جانتے ہیں میں بالکل آپ کے ہی خاندان کا ایک فرد ہوں، اگر کسی طرح بھی میں آپ کے کام آسکوں تو ضرور ہاں کہوں گا۔"

موہم دادا نے ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے کچھ پان جیب سے نکالے، ایک آدھ نبوے کی طرف بڑھائے اور باقی اپنے منہ میں ٹھونستے رہے اور ان کو چباتے ہوئے بولے "تم میری بیٹی شاشی کو تو جانتے ہی ہو۔ صورت کی بری نہیں ہے کیونکہ اس معاملے میں وہ اپنے باپ پر نہیں پڑی ہے۔ وہ بڑی ہوتی جا رہی ہے اور مجھے اس کی شادی کی فکر ہے۔ اس فکر میں میری راتوں کی نیند اڑ گئی ہے کہ کہیں وہ کسی ناکارہ کے پلّے نہ پڑ جائے۔"

"لیکن آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟ اس کی شادی کے لئے تو ابھی بہت وقت پڑا ہے۔"

موہم دادا نے ایک آہ بھری "اگر تمہارے اپنی بھی کوئی اتنی بڑی بیٹی ہوتی تب تم میری پریشانی کا اندازہ کر سکتے تھے۔ جیسے جیسے دن گذرتے ہیں اس کی عمر خود بخود بڑھتی چلی جاتی ہے لیکن دولہا تو خود بخود کہیں سے آ نہیں جائے گا۔ اس سے وقت گذرتا جاتا ہے تو میرے دماغ کی عجیب حالت ہوتی جاتی ہے۔ پھر بھی، گر تم مجھے کچھ اُمید دلاؤ تو میں کچھ دیر اور انتظار کرنے میں مضائقہ نہیں سمجھتا۔"

نبوے کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ منہ ہی منہ میں بولا "لیکن میں تو کسی رشتے کے لائق خاندان کو جانتا نہیں ہوں بلکہ یوں کہیئے کہ میں تو آپ کے خاندان کے علاوہ کلکتہ میں کسی کو بھی

نہیں جانتا۔ پھر بھی نگاہ رکھوں گا"

موہم بابو بولے "بہر حال تم شاشی کو تو جانتے ہی ہو کیسی لڑکی ہے، وغیرہ!"

بنوئے ہنسنے لگا "جی ہاں وہ تو ہے ہی ——— کیوں ——— میں تو اس کو اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ ننھی سی بچی تھی وہ بہت اچھی لڑکی ہے"

"تو پھر تمہیں اور کہیں ڈھونڈھنے کی کیا ضرورت ہے بھیّا! میں اس کو تمہیں ہی دینا چاہتا ہوں"

"کیا؟" بنوئے بالکل حیران رہ گیا

"بھئی میں اس طرح یکایک بات کہہ دینے کے لئے معافی چاہتا ہوں" موہم دادا نے کہا "یہ تو ہے ہی کہ تمہارا خاندان ہم لوگوں سے اونچا ہے لیکن اب تم تو موجودہ زمانے کے تعلیم یافتہ نوجوان ہو اس لئے اس طرح کی باتیں تو کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتی"

"نہیں نہیں ——— اس میں خاندان کا تو کوئی سوال نہیں ہے مگر اس کی کمسنی پر تو غور کیجیئے" بنوئے نے کہا

"کیا مطلب ہے" موہم دادا نے احتجاج کرتے ہوئے کہا "شاشی کافی بڑی ہے۔ ہندو گھروں کی لڑکیاں کوئی میم صاحبہ تو ہوتی نہیں پھر اپنے رسم و رواج کے خلاف کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے"

موہم دادا ایسے آدمی نہیں تھے جو پنجے میں پھنسے ہوئے شکار کو آسانی سے نکل جانے دیں اور ان کے پنجے میں پھنس کر بنوئے کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے آخر وہ بولا "اچھا خیر۔ مگر اس معاملے پر سوچنے کے لئے تھوڑا وقت تو درکار ہے"

"ہاں ضرور ضرور۔ جتنا وقت چاہو لے سکتے ہو۔ یہ نہ سمجھنے لگنا کہ میں شادی کی تاریخ ہی ٹھہرانے آگیا ہوں"

"مجھے اپنے خاندان والوں سے پوچھنا ہو گا اور ۔۔۔۔"

"ضرور ضرور" موہم دادا نے بات کاٹی" اُن لوگوں کی تو صلاح لینا ضروری ہے ہی۔ جب تک تمھارے چچا زندہ ہیں تب تک ہم لوگ اُن کی مرضی کے خلاف تھوڑا بھی کوئی بات کرنے کی سوچ سکتے ہیں" ——— پھر انھوں نے جیب سے ایک پان اور نکالا اور منہ میں رکھ چباتے ہوئے اس طرح روانہ ہو گئے جیسے سب بات ٹھیک ٹھاک ہو گئی۔

کچھ دن پہلے آنند موئی نے اشارتاً اس بات کے امکان پر اظہار خیال کیا تھا کہ شاشی کی نسبت بنوئے سے کر دی جائے لیکن بنوئے نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ آج بھی یہ رشتہ اس کو پہلے کی بہ نسبت کچھ زیادہ پسند آیا، یہ نہیں معلوم ہوا تھا، لیکن اُس نے اس خیال کو اس لئے اپنے دل میں جگہ دی کہ اس طرح وہ واقعی گورا کے خاندان کا ایک فرد ہو جائے گا اور آسانی سے اس کو الگ نہیں کیا جا سکے گا۔ وہ انگریزی تہذیب کے اس خیال پر ہمیشہ ہنسا کرتا تھا کہ شادی دل کا معاملہ ہے اس کے نزدیک شاشی سے بیاہ ہونا ایسی کوئی ناممکن بات نہ تھی۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اس وقت اسے اس نسبت کے آنے سے ایک گونہ خوشی سی ہوئی کیونکہ موہم دادا کی اس تجویز کی وجہ سے اس کو گورا سے صلاح مشورہ کرنے کا ایک اچھا بہانہ مل سکے گا۔ بلکہ اُسے تو کچھ ایسی اُمید بھی تھی کہ ممکن ہے اُس کا دوست خود بھی اس سے اس رشتے کو قبول کر لینے پر زور دے کیونکہ اُسے یہ بھی یقین تھا کہ اگر وہ جلد راضی نہ ہوا تو موہم دادا گورا سے بھی زور دلوائیں گے۔

اِن خیالات نے بنوئے کی اداسی کو رفتہ رفتہ بڑی حد تک کم کر دیا اور گورا سے فوراً ملنے کی اشتیاق میں وہ اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ ابھی تھوڑی ہی دور گیا ہو گا کہ اُسے ستیش کی آواز سُنائی دی جو اُسے پکار رہا تھا۔ وہ واپس ہوا اور دونوں بنوئے کے گھر پہ پہنچے۔ ستیش نے اپنی جیب میں سے رومال میں بندھی ہوئی کوئی چیز نکالی "بوجھیے کیا چیز ہے"

بنوئے نے ہر طرح کی ناممکن چیزیں بتائیں ——— "کھوپری ہے" ——— کیجئے

کا پھل ہے"۔۔۔۔ وغیرہ لیکن ستیش برابر انکار کئے گیا۔۔۔ آخر کار اس نے بنڈل کھولا اور اُس میں سے کچھ کالے کالے پھل نکالتا ہوا بولا "بتایئے یہ کیا ہے؟"

ببوے نے ادھر اُدھر کے نام لگا کر بتانے کی کوشش کی پھر ہار مان لی تب ستیش نے بتایا کہ اُن کی ایک خالہ رنگون میں رہتی تھی، اور اُنھوں نے ان پھلوں کا پارسل ان لوگوں کے لئے بھیجا تھا۔ اور ستیش کی ماں نے اُن میں سے کچھ ببوے بابو کے لئے تحفہ بھیجے تھے۔

یہ بہی آم تھے جو کلکتے میں اُس زمانے میں نظر نہیں آتے تھے۔ اس لئے ببوے کو کچھ معلوم نہ تھا کہ وہ کیا ہیں۔ اس نے اُن پھلوں کو ہریا ڈولایا، بابا پھر پوچھا" اچھا تو ستیش بابو یہ پھل" خر کھایا کیسے جاتا ہے"

ستیش ببوے کی اس جہالت پر ہنسنے لگا" دیکھئے منھ لگا کے کھانے کی کوشش مت کیجئے۔ ان کو چھری سے کاٹئے اور پھر اس کا گودا کھایئے" ابھی کچھ دیر پہلے ستیش نے بھی ان پھلوں کو دانت سے کاٹ کر کھانے کی کوشش کی تھی۔ اور گھر میں سب نے اس کا خوب مضحکہ اُڑایا تھا اب وہ اپنی بات بھول کر ببوے کی ہنسی اُڑا رہا تھا۔ ذرا دیر دونوں دوست ہنستے اور مذاق کرتے رہے پھر ستیش بولا

"ببوے بابو۔۔۔۔ ماں نے کہا ہے کہ اگر آپ کو ذرا فرصت نہ ہو تو میرے ساتھ گھر چلئے آج لیلا کی سالگرہ ہے"

"بھئی اس وقت تو مجھے فرصت نہیں ہے۔ میں کہیں اور جا رہا ہوں"

"پھر کہاں جا رہے ہیں آپ"

"اپنے دوست کے گھر"

"کیا آپ اپنے دوست کے گھر جا رہے ہیں"

"ہاں"

ستیش کی سمجھ میں اس بات کا کوئی سبب نہیں آرہا تھا کہ ببوے اس کے گھر چلنے کے

بجائے اُن دوست کے یہاں کیوں جائے۔ اور دوست بھی وہ ایسے کہ کم از کم ستیش کو تو
بہت بُرے لگتے تھے۔ ستیش کو تو اس خیال ہی سے کوفت ہوئی کہ بنوئے اُن دوست
کے یہاں جا رہا تھا جو اس کے ہیڈ ماسٹر سے بھی زیادہ غصّہ ور اور تنگ مزاج لگتے تھے اور
جنھوں نے اُس کے شاندار باجے کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیا۔ اس لئے وہ ضد کرنے لگا
"بنوئے بابو ـــــ بھئی آپ ہمارے گھر چلئے" ـــــ بنوئے کی ذہن میں زیادہ کشمکش
نہیں ہوئی۔ وہ پہلے ہی ڈانواڈول ہو رہا تھا اس لئے اس نے اپنے بھیّا کا ہاتھ پکڑا اور
نمبر اٹھتر کی طرف چل دیا۔ اُن کے لئے ناممکن تھا کہ اس بات پر خوش نہ ہو کہ مخصوص طور پر
اُن غیر ملکی پھلوں میں اس کا حصّہ لگایا گیا اور اس طرح اپنوں کی مانند بنایا گیا۔

جب بنوئے پاریش بابو کے گھر کے نزدیک پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ہرن بابو اور
چند ایک اور آدمی اُن کے ساتھ باہر نکل رہے ہیں، یہ لوگ سالگرہ کی دعوت میں آئے
رہے ہوں گے۔ لیکن ہرن بابو نے بنوئے کی طرف دیکھا بھی نہیں اور نکل گئے۔ گھر میں
داخل ہوتے ہی اُس نے ہنسنے اور کچھ دھما چوکڑی مچنے کی آوازیں سنیں۔ بات یہ ہوئی تھی
کہ سُدھیر نے اُس دراز کی کنجی غائب کر دی تھی جس میں لبونیا اپنا البم رکھا کرتی تھی۔ لبونیا
کو ادبی شہرت حاصل کرنے کا بڑا شوق تھا اور اس نے اپنے البم میں جو گیت جمع کئے
تھے اُن میں سے بعض ایسے تھے کہ جن پر اس کو چھیڑا جا سکتا تھا لہٰذا سدھیر دھمکی دے رہا تھا
کہ وہ سب کے سامنے وہ اشعار سنائے گا۔ دونوں طرف سے بڑے زوروں کی جنگ ہو رہی
تھی کہ ادھر سے بنوئے بھی میدان میں آ نکلا، اُس کے پہنچتے ہی لبونیا کی پارٹی پلک جھپکنے
میں اڑنچھو ہو گئی اور ستیش اس موقع سے لُطف اٹھانے کے لئے اُن کے پیچھے بھاگا اتنے
میں سچاریتا آ گئی اور بولی "آپ بیٹھئے بنوئے بابو ـــــ ماں آتی ہی ہیں، بابو جی بھی
انتھ بابو سے ملنے گئے ہیں اور ابھی آ جاویں گے۔"

بنوئے کو ذرا بے تکلفی کر دینے کے لئے سچاریتا اس کے پاس ہی بیٹھ گئی اور گورا کے

متعلق باتیں کرنے لگیں۔ اور ہنس کے بولیں میرا خیال ہے اب تو وہ کبھی ہمارے گھر میں قدم نہیں دھریں گے

"کیوں آپ کو یہ خیال کیسے ہوا؟"

انہیں اس بات سے سخت غصہ آیا ہوگا کہ ہم لڑکیاں اس آزادی کے ساتھ مردوں سے ملتی جلتی ہیں، میرا خیال ہے وہ صرف انہیں عورتوں کی عزت کرتے ہیں جو محض گھریلو کام کاج میں مصروف رہتی ہوں" ہنوتے کے لئے اس بات کا جواب دینا مشکل تھا۔ کاش کہ وہ کہہ سکتا کہ یہ بات غلط ہے لیکن جان بوجھ کر غلط بات کس طرح کہتا اس لئے بات کو بناتے ہوئے بولا "میں سمجھتا ہوں کہ گورا کا خیال یہ ہے کہ جو عورتیں اپنی پوری توجہ گھر کے کام کاج کی طرف نہیں لگاتیں وہ گویا اپنے فرض کی طرف سے لاپرواہی برتتی ہیں۔

سچارتیا نے کہا "تو پھر کیا یہ بہتر نہ ہو کہ مرد عورتیں اپنے اپنے فرائض بالکل ہی الگ کرلیں، اگر مرد گھر میں کوئی دخل دیں تو کیا اس کے یہ معنی نہ ہوں گے کہ وہ اپنے باہر کے فرائض سے لاپرواہی برت رہے ہیں ——— کیا آپ کے بھی یہی خیالات ہیں جو آپ کے دوست کے ہیں؟"

عورتوں کی سماجی حیثیت کے متعلق ہنوتے اب تک گورا سے مکمل اتفاق کرتا چلا آیا تھا بلکہ اسی موضوع پر اخبارات میں مضامین بھی لکھ چکا تھا لیکن اب اس رائے پر قائم رہنا اسے مشکل نظر آرہا تھا لہٰذا کچھ رک کر کہنے لگا "دیکھئے ——— کیا آپ ایسا نہیں سوچتی ہیں کہ بہت سے سماجی معاملات پر ہم روایت کے غلام ہیں۔ ہمیں عورتوں کو گھر سے باہر دیکھ کر اسی لئے تو برا لگتا ہے کہ ہم ایسا دیکھنے کے عادی نہیں ہیں پھر ہم اپنے احساسات کو دلیلوں سے مضبوط کرنا چاہتے ہیں کہ ایسا ہونا چاہیے کہ نہ ہونا چاہیے۔ حالانکہ یہ سب دلیلیں محض بہانہ ہی بہانہ ہیں، اصل چیز تو وہ روایت ہے جو ان احساسات کے جڑ میں ڈھلی ہوئی ہے"

اسی طرح کے چھوٹے چھوٹے سوالات اور اشارے کر کر کے سچاریتا نے برابر گفتگو کو
گورا کی شخصیت اور موضوع تک رکھا، ورنہ بنوئے سے جتنا بھی بن سکا، خوبصورت الفاظ میں
اپنے دوست کا تذکرہ کرتا رہا۔ اب سے پہلے کبھی اس نے اپنی دلیلوں کو اور مثالوں کو اس عمدگی
اور صفائی کے ساتھ نہیں پیش کیا تھا، بلکہ غالباً اگر گورا خود بھی ہوتا تو اتنی صفائی اور تیزی کے
ساتھ اپنے اصولوں کو سامنے نہ رکھ سکتا۔ بنوئے کو خود حیرت ہو رہی تھی کہ وہ بھی اس غیر متوقع
ذہانت کے ساتھ اس قوت کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا تھا۔ اس احساس سے اس
کو بے حد خوشی ہو رہی تھی، چہرہ دمک رہا تھا ــــ وہ کہتا جا رہا تھا "ہمارے شاستر
کہتے ہیں اپنے کو پہچانو" ــــ کیونکہ علم ہی آزادی کی بنیاد ہے۔ میں آپ سے کہہ سکتا
ہوں کہ میرا دوست گورا ہندوستان کی ــــ کا مجسم نمونہ ہے۔ میں اسے کوئی معمولی
آدمی نہیں سمجھ سکتا۔ ہم میں سے بہتوں کے ذہن ادھر ادھر بھٹکتے رہتے ہیں، کبھی کوئی
کشش ہے تو کبھی کوئی دوسری چیز کی طرف ذہن لپکتا ہے ــــ پر وہ ایک آدمی ایسا
ہے کہ ہر قسم کی ہوس اور کشش کے درمیان استقلال کے ساتھ جما اپنی گرجدار آواز میں صدا
دیتا رہتا ہے کہ

"اپنے کو پہچان" ــــ

بات کبھی ختم ہی نہ ہوتی کیونکہ سچاریتا بڑے شوق سے سن رہی تھی۔ لیکن یکایک پاس
والے کمرے سے ستیش کی تیز آواز آنے لگی ــــ

بیچارے ستیش کو کبھی مہمانوں کے سامنے اپنے جوہر دکھانے کا موقعہ ملتا ہی نہیں تھا۔
بس آنے والوں کو زبردستی انگریزی نظمیں سنوا سنوا کر عاجز کر دیا جاتا تھا۔ پرودا دیوی ستیش
سے کبھی کہتی ہی نہیں تھیں۔ لیلا اور ستیش میں ہر بات میں مقابلہ ہوا کرتا تھا اور ستیش کی زندگی
میں سب سے بڑی خوشی اس بات سے ہوتی تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے لیلا کے غرور کو نیچا
دکھائے۔ ابھی پچھلے ہی دن لیلا کو بنوئے کے سامنے آزمایا گیا تھا لیکن ستیش کو کسی نے دعوت

ہی نہیں دی کر لیتا پھر اپنی برتری ثابت کر سکے۔ ہاں اگر وہ خود کوشش کرتا تو اُسے دبا کر خاموش کر دیا جاتا۔ اسی لئے آج اُس نے بغیر کسی کے کہے خود ہی پاس کے کمرے میں بیٹھے بیٹھے نظم شروع کر دی۔ سچاریتا اس بات پر ہنسی نہ روک سکی اور کھلکھلا پڑی۔

اُسی وقت لیلا دوڑتی ہوئی کمرے میں آئی، دونوں چوٹیاں زور زور سے جھولتی ہوئی اس نے سچاریتا کے پاس جا کر اُس کے کان میں کچھ کہہ دیا۔ ویسے ہی گھڑی نے چار بجائے۔ بنوئے نے پاریش بابو کے یہاں آتے ہوئے ارادہ کیا تھا کہ وہاں سے جلد ہی رخصت ہو کر گورا سے ملنے چلا جائے گا۔ اس لئے وہ چار کی آواز سن کر ایک دم کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

سچاریتا جلدی سے بولی "آپ کو جانے کی اتنی بھی کیا جلدی ہے بنوئے بابو —— ماں آپ کے لئے چائے بنا رہی ہیں، ذرا سا رک کے جائیے گا تو ٹھیک نہ ہوگا کیا" —— بنوئے کے لئے یہ سوال نہیں حکم تھا اس لئے وہ فوراً پھر بیٹھ گیا۔ لبونیا عمدہ ریشمی ساری میں ملبوس آئی اور اعلان کیا کہ چائے لگ گئی ہے، وہ ماں سب لوگوں کو اوپر بلا رہی ہیں۔ جتنی دیر بنوئے چائے پیتا رہا، برودا دیوی اس کو اپنے بچوں کی مکمل سوانح عمریوں سے آگاہ کرتی رہیں۔ للتا سچاریتا کو لے کر باہر چلی گئی صرف لبونیا رہ گئی جو سر جھکائے اُونی بُنائی میں مصروف تھی کسی نے ایک بار اس کی نازک انگلیوں کی تعریف کرتے ہوئے کہہ دیا تھا —— کہ بُنتے وقت اس کی انگلیاں بہت اچھی لگتی ہیں اور اسی وقت سے اس کو یہ عادت پڑ گئی کہ خاص کر جب مہمان آتے تو بلا وجہ بھی وہ بُنائی لے کر اُن کے سامنے بیٹھ جایا کرتی۔ شام ہو رہی تھی جو پاریش بابو بھی آ گئے اور چونکہ اس دن اتوار تھا لہٰذا انھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ سب لوگ برہمو سماج کی میٹنگ میں چلیں۔ برودا دیوی نے مُڑ کر بنوئے سے کہا کہ اگر اُسے کوئی اعتراض نہ ہو تو وہ لوگ اس کے ساتھ سے بہت خوش ہوں گے۔ اب اس کے بعد بنوئے کس طرح انکار کر سکتا تھا۔

سب لوگ دو گاڑیوں میں بیٹھ کر سماج کی طرف روانہ ہوئے۔ جب دعا وغیرہ ختم ہو گئی اور

وہ لوگ پھر گاڑیوں میں بیٹھتے ہی وا لے تھے کہ سچارتا ایک دم سے بولی "ارے وہ دیکھو ــــ گورموہن بابو جا رہے ہیں۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ گورا نے اس پارٹی کو دیکھ لیا تھا مگر وہ اس تیزی سے وہاں سے ہٹ گیا جیسے اِن لوگوں کو دیکھا ہی نہیں۔ بنوئے کو اپنے دوست کی اس بداخلاقی پر شرمندگی محسوس ہوئی لیکن وہ سمجھ گیا تھا کہ اس عجلت کے ساتھ اس کے وہاں سے ہٹ جانے کا سبب کیا تھا۔

گورا نے بنوئے کو ان لوگوں کے ساتھ دیکھ لیا تھا۔ ابھی تک جو خوشی بنوئے کے ذہن پر چھائی ہوئی تھی وہ یکایک بجھ گئی۔ سچارتا نے یک دم بنوئے کے خیالات کو پکڑ لیا اور اُن کا سبب بھی سمجھ گئی۔ اس کو گورا پر پھر غصہ آنا شروع ہوا۔ ایک تو یہ زیادتی کہ بنوئے آیسے دوست کے متعلق ایسا نامنصفانہ رویّہ، دوسرے برہمو سماج کے خلاف بلاوجہ یہ تعصّب! اس کا جی چاہنے لگا کہ جس طرح سے بھی ہو گورا خوب پریشان ہو۔

ـــــ:(۷):ـــــ

چودھواں باب

گورا دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے بیٹھا تو آنند موئی نے کوشش کی کہ اُن کو جو خیالات آج کل سب سے زیادہ پریشان کئے ہوئے تھے وہ گورا کے سامنے رکھیں۔ بات شروع کرنے کے لئے بولیں "بنوئے آج صبح یہاں آیا تھا کیا تم سے ملاقات نہیں ہوئی؟" گورا نے نظر سر اُٹھائے مختصر سا جواب دے دیا "ہوئی تھی"

آنند موئی چپ ہو گئیں اور کافی دیر تک خاموش رہنے کے بعد پھر کہا "میں نے اس سے رُکنے کو کہا مگر وہ چلا گیا۔ کچھ عجیب کھوئی کھوئی سی حالت تھی اُس کی"

گورا چپ رہا ـــــ

آنند موئی نے بات جاری رکھی "گورا ـــــ مجھے یقین ہے بنوئے کسی بات کے متعلق پریشان ہے۔ ایسی حالت تو میں نے اُس کی کبھی نہیں دیکھی ـــــ مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا"

گورا ایک لفظ کہے بغیر کھانا کھاتا رہا ـــــ آنند موئی کو گورا سے اتنی زیادہ محبت تھی کہ وہ اس سے کسی قدر ڈرتی تھیں۔ اس لئے عام طور پر جب تک وہ خود ہی کوئی بات نہ کرے وہ اُسے کسی معاملے کے متعلق چھیڑ کر مخاطب نہیں کرتی تھیں۔ کوئی اور بات ہوتی تو وہ موضوع کو جانے دیتیں لیکن بنوئے کے بارے میں آج وہ اتنی پریشان تھیں کہ اُن سے رہا نہیں گیا

پھر بات شروع کی "دیکھو گورا، بُرا نہ مانو تو میں ایک بات کہوں۔ بھگوان نے طرح طرح کے انسان بنائے ہیں لیکن اس کی یہ مرضی بھی نہیں ہے کہ سب ایک ہی راستے

پر چلیں۔ بنوے تمھیں جان کے برابر چاہتا ہے اس لئے وہ تمھاری ہر بات برداشت کر لیتا ہے لیکن تم اگر اس کو زبردستی اپنے رستے پر لانا چاہو تو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

گورا نے بس اتنا ہی کہا "ماں ——— مجھے تھوڑا سا دودھ اور لا دیجئے۔ لائیے گا؟"

اور بات ختم ہو گئی!

آنند موئی نے کھانا کھا کر اپنی سلائی اٹھائی اور پلنگ پر بیٹھ کر سینے لگیں۔ لچھمی نے پہلے تو بہت کوشش کی کہ وہ نوکروں میں سے ایک کی بدمعاشی کا ذکر کر کے ان سے بات چیت کرے۔ لیکن وہ اس طرح سوچ میں کھوئی ہوئی بیٹھی تھیں کہ لچھمی مایوس ہو کر وہیں پلنگ کے پاس فرش پر لیٹ کر خراٹے لینے لگی۔

گورا کو بہت سے خط لکھنے تھے ——— بڑی دیر تک لکھ کر ختم کئے ——— آج صبح بنوے نے اچھی طرح دیکھ لیا تھا کہ وہ ناراض ہے اور گورا یہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ بنوے پھر آ کر صلح صفائی نہیں کرے گا۔ اس لئے وہ خط لکھتا جاتا تھا لیکن اس کے کان بنوے کے قدموں کی آہٹ کے منتظر تھے ——— لیکن دن ڈھل گیا اور بنوے نہ آیا۔

گورا نے سب خط لکھ کر ختم کئے اور کاغذات سمیٹ ہی رہا تھا کہ موہم دادا کمرے میں آئے۔ اور کرسی پر دھم سے گر کر سیدھے اصل موضوع پر آ گئے "کیوں بھئی شاتی کے بیاہ کے بارے میں کیا سوچتے ہو۔"

گورا نے اب تک اس موضوع پر کبھی سوچا ہی نہ تھا اس لئے ایک مجرمانہ خاموشی اختیار کرنے کے سوا چارہ کیا ہو سکتا تھا۔ پھر موہم دادا نے گورا کو چچا کے فرائض سمجھائے، یہ بتایا کہ شادی کے بازار میں دولھاؤں کی قیمت کافی اونچی تھی اور یہ کہ فی الحال ان کے یہاں حالات ایسے نہ تھے کہ معقول رقم جہیز کے لئے فراہم کی جا سکتی ——— یہاں تک کہ گورا کو یہ بات قبول کرنی پڑی کہ اس مشکل کا کوئی حل نظر نہیں آتا ہے اور تب انھوں نے بنوے کو اس مسئلے کے حل کی صورت میں پیش کیا۔ اگرچہ موہم دادا کو یہ ضرورت نہ تھی کہ اس قدر گھما پھرا کر

گورا کو اصل بات پر لائیں لیکن اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ منھ سے چاہے جو کہتے دل میں انھیں گورا سے ڈر لگتا تھا۔

گورا کے خواب و خیال میں بھی نہ آیا تھا کہ بنوئے کا نام بھی اس سلسلے میں آ سکتا ہے۔ خاص کر اس لئے کہ ان دونوں نے تو فیصلہ کیا تھا کہ ملک کی خدمت کرنے کے لئے عمر بھر کنوارے رہیں گے۔ اس لئے اس نے بڑی سادگی سے کہا "لیکن بنوئے شادی کریگا بھی؟"

"تم کس قسم کے ہندو ہو بھئی" موہم دادا نے بھڑک کر کہا "یہ سب ٹیکے اور چندن ماتھے پر لگانے کے باوجود بھی تمھاری انگریزی تعلیم تمھاری ہڈیوں میں رچ گئی ہے یقیناً تمھیں معلوم ہوگا کہ شاستروں نے ہر برہمن کے بیٹے پر شادی کرنا فرض کیا ہے"

موہم دادا ماڈرن نوجوانوں کی طرح پرانی ریت رسموں سے غافل نہ تھے اور نہ ہی وہ شاستروں کے کوئی خاص پابند تھے۔ ان کے خیال میں ہوٹلوں میں بیٹھ کر کھانا اور اس پر اترانا بیوقوفی تھی اور نہ سنجیدہ سیدھے سادے لوگوں کے واسطے یہ ضروری تھا کہ ہر وقت شاستروں کا حوالہ دیا کریں جیسا کہ گورا کو شوق تھا۔ ان کی پالیسی تو یہ تھی کہ "روم میں وہ کرو جو رومی کرتے ہیں" جیسا دیس ویسا بھیس ——— اس لئے انھوں نے گورا سے بات کی تو شاستروں کا حوالہ مخصوص طور پر دے دیا۔

اگر یہ مسئلہ آج سے دو روز پہلے پیش ہوتا تو گورا اس کے متعلق بات کرنے یا سننے تک کو تیار نہ ہوتا لیکن آج یہ ایسا نظر نہیں آ رہا تھا کہ بالکل التفات ہی نہ کیا جائے خاص طور پر اس لئے بھی کہ اس سے فوراً ایک بہانہ بنوئے سے ملنے کا نکل سکتا تھا۔ اس لئے وہ آخر کار بولا "اچھی بات ہے۔ میں بنوئے سے بات کر کے معلوم کروں، اس کے کیا خیالات ہیں"

"ارے تمھیں معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے، وہ تو وہی کرے گا جو تم کہو گے۔ اگر تم اس معاملے کی موافقت میں ایک لفظ کہہ دو گے تو پھر سب ٹھیک ہو جائے گا، پھر تو گویا ہمیں یہ سمجھنا ہی چاہئے کہ بات طے ہو گئی۔"

گورا اُس دن بنوئے کے کمرے پر گیا۔ دھڑام سے اندر گھسا تو کمرے کو خالی پایا۔ اُس نے نوکر کو آواز دی' پتہ چلا کہ بنوئے تو نمبر اکھٹر کو گیا ہے۔ گورا کا دل پاریش بابو' اُن کے سارے خاندان اور پورے برہمو سماج کے خلاف نفرت سے بھر گیا' اور اپنے دل میں غصے اور بغاوت کے جذبات لئے وہ تیزی سے پاریش بابو کے گھر پہونچا۔ آج وہ صاف صاف بات کر کے اس برہمو خاندان کو ذرا گرم گرم سُنائے گا لیکن وہاں پہنچکر یہ پتہ چلا کہ سب لوگ شام کی بیٹھک میں گئے ہیں۔ ایک پل تو وہ شک میں پڑ گیا کہ بنوئے اُن لوگوں کے ساتھ گیا بھی ہے کہ نہیں' ہو سکتا ہے وہ اس کے ہی گھر گیا ہو۔ پھر اُس سے رہا نہیں گیا اور اس کی نظری بیتابیت اُسے کھینچ کر برہمو سماج کی طرف لے گئی دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ اُس نے بنوئے کو برودا دیوی کے پیچھے ایک گاڑی میں گھُستے دیکھا —— بے شرم کہیں کا' سڑک پر کھُلم کھُلا غیر لڑکیوں کے ساتھ ساتھ' —— بیوقوف کہیں کا' اتنی آسانی سے اور اتنی جلدی اُن لوگوں کے پھندے میں پھنس گیا۔ تو دوستی اب اس کیلئے کچھ معنی نہیں رکھتی' —— گورا طوفان کی طرح گذر گیا —— بنوئے اندر گاڑی کے اندھیرے میں بیٹھا چُپ چاپ باہر گلی میں دیکھتا رہا —— ذریشں:

برودا دیوی سمجھیں کہ آج پر برہمو سماج والی تقریر کا گہرا اثر ہوا ہے' اس لئے انھوں نے اس خاموشی میں مداخلت کرنی مناسب نہیں سمجھی!

پندرھواں باب

اُس رات گورا لَوٹ کر آیا تو سیدھا کوٹھے پر چلا گیا اور وہاں سے چھت پر جاکر ٹہلنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد موہم دادا ہانپتے کانپتے وہاں پہونچے "ارے بھائی' سمجھ میں نہیں آتا کہ جب بھگوان نے آدمی کو پَر نہیں دیئے تو وہ تین تین منزل کے گھر کیوں بناتا ہے سورگ میں رہنے والے دیوتاؤں کو تو یہ بات کبھی پسند نہیں آسکتی کہ یہ زمین پر رہنے والا کیڑا آکاش تک پہونچنے کی کوشش کرے ——— کہو تم بنوئے سے ملنے گئے تھے"

اِس بات کا جواب دینے کے بجائے گورا نے کہا "شاشی کا بیاہ بنوئے کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ یہ ناممکن ہے"

"کیوں۔ کیا بنوئے راضی نہیں ہے"؟

"میں راضی نہیں ہوں"

"کیا" موہم دادا نے پریشان ہو کر دونوں ہاتھ اوپر اُٹھادئے "اب یہ تمھیں کیا نئی بات سُوجھی۔ کیا میں پُوچھ سکتا ہوں کہ تم کیوں نہیں راضی ہو"

گورا سمجھانے والے انداز میں بولا "موہم دادا' دیکھئے' بات یہ ہے کہ اب زیادہ دن بنوئے اپنے مذہب کا پابند رہے یہ ناممکن سا نظر آتا ہے۔ اس لئے ہمارے خاندان میں اُس کا شامل ہونا مناسب نہیں ہے"

"ارے واہ۔ میں تو کبھی نہیں مان سکتا" موہم دادا بھڑ پڑے "میں نے بڑے بڑے دھرماتما دیکھے مگر یہ تو سب سے بازی لے گیا۔ ارے تم تو ناریں اور ناد یہ پنڈتوں سے بھی بڑھ گئے۔ وہ تو بس مذہب دیکھ لیتے ہیں اور تم تو مذہب پہ مَر مِٹنا چاہتے ہو ——— اب

آگے کسی کے بارے میں خواب ہی دیکھ لیتا کہ وہ عیسائی ہو گیا تو اس کی شُدھی کرنے دوڑتا ـــ سمجھے"

پھر کچھ تُو تُو مَیں مَیں ہوئی اور سوہم داد ابولے "لیکن یہ تو نہیں ہو سکتا کہ میں کسی جاہل کے حوالے اپنی بچّی کر دوں گا۔ پڑھے لکھے لوگ بے شک شاستر کو کبھی کبھار نہیں بھی مانتے، اس کے لئے آپ اُن سے لڑیئے جھگڑیئے بحثئے لیکن میری بچّی نے کیا تصور کیا ہے جو آپ اس کی شادی میں اَڑ نگا لگا کر اُس کو سزا دے رہے ہیں ـــ واہ بھئی واہ ـــ کیا آدمی ہو کر سارا معاملہ لے کے اُلٹ پلٹ کر دیا"

وہ بکتے جھکتے نیچے اُترے اور سیدھے آنند موئی کے پاس پہونچے "ماں ـــ اپنے گورا کو ذرا لگام دیجئے"

"کیوں ـــ کیوں ـــ گورا نے کیا کیا؟"

سوہم نے ساری بات بتائی "دیکھئے میں نے شاشی کی نسبت بنوئے سے تقریباً ٹھیک ٹھاک کر لی تھی اور گورا کو بھی اس پر راضی کر لیا تھا اور اب یکایک اِن گورا صاحب کو یہ پتہ چلا ہے کہ بنوئے تو کافی ہندو نہیں ہے اور پُرانوں اور شاستروں سے اُس کے خیالات مَن وعَن نہیں ملتے ہیں۔ اس لئے وہ بگڑ بیٹھے ہیں اور جب وہ بگڑ بیٹھیں تو آپ جانتی ہی ہیں اِس کے کیا معنی ہیں ـــ شاستروں کے بعد آپ ہی دُنیا میں ایک ایسی ہستی ہیں جس کی بات کا وہ لحاظ کرتا ہے۔ اگر آپ اُس کو سمجھائیں تو میری بچّی کا مستقبل تباہ ہونے سے بچ جائے۔ بنوئے ایسا رشتہ بھلا اس کو کہاں ملے گا" ـــ پھر انھوں نے اپنی اور گورا کی بات چیت کی ساری تفصیل بیان کی۔ آنند موئی کو بیحد صدمہ ہوا خاص کر اس وجہ سے کہ تمام باتیں ظاہر کر رہی تھیں کہ گورا اور بنوئے کے درمیان کوئی خلیج حائل ہے جو برابر بڑھتی جا رہی ہے۔

وہ کوٹھے پر گئیں ——— دیکھا کہ گورا نے چھت پر ٹہلنا بند کر دیا ہے اور کمرے میں آکر ایک کرسی پر بیٹھا، دوسری پر پاؤں رکھے، کوئی کتاب پڑھ رہا ہے آنند موئی نے ایک اور کرسی کھینچی اور اُس کے پاس بیٹھ گئیں، گورا نے جلدی سے اپنے پاؤں کھینچ لئے، سیدھا ہو بیٹھا اور سوالیہ انداز میں ان کو دیکھنے لگا۔

"گورا۔ میری جان ——— آنند موئی نے شروع کیا " میری بات سُن ——— اور بنوئے سے لڑائی نہ کر، میرے لئے تو تم دونوں دو بھائیوں کی طرح ہو اور تم لوگوں میں کوئی جھگڑا ہو یہ تو میں برداشت نہیں کر سکتی"

"لیکن اگر میرا دوست مجھ سے خود ہی الگ ہونا چاہے تو میں اس کا پیچھا کر کے اپنا وقت کیوں ضائع کروں" گورا نے جواب دیا

"میرا بچہ، میں نہیں جانتی کہ در اصل تم دونوں میں کس بات پر لڑائی ہوئی ہے لیکن اگر تم یہی سمجھتے ہو کہ اب تک جو دوستی تم دونوں میں تھی اُسے بنوئے ختم کر دینا چاہتا ہے تو تمھاری دوستی کو کیا ہوا ہے؟"

"آپ تو جانتی ہیں ماں، میں تو سیدھا رستہ چلنا جانتا ہوں، اگر کوئی دو راہے پر چلنا چاہتا ہے تو میں تو اُس سے یہی کہوں گا کہ میری طرف سے ٹانگ ہٹا لو، ورنہ پھر اس کی ٹانگ ہٹانے میں چاہے مجھے خود ہی چوٹ آجائے تو مجھے پرواہ نہیں"

"پر آخر ایسی کیا بات ہوئی ہے؟" وہ کسی برہمو خاندان میں آتا جاتا ہے بس اتنا ہی نہ ——— اس کا سارا قصور بس یہی ہے نہ"

"ارے ماں وہ بڑی لمبی کہانی ہے"

"رہنے دو جتنی بھی لمبی ہو، مجھے تو ایک چھوٹی سی بات یہ کہنی ہے کہ تم تو اس بات پر بڑے اِترائے ہوئے ہو کہ ایک بار جس چیز کو تھام لیتے ہو اس کو چھوڑتے نہیں مگر پھر بنوئے پر تمھاری گرفت اتنی ڈھیلی کیوں ہے۔ اگر یہ تمھارا ابھناس تمھاری پارٹی

سے نکلنے کو کہتا تو تم اُسے اتنی آسانی سے نکل جانے دیتے ہو؟ پھر بنوے سے دوستی قائم رکھنا تمھارے لئے اتنی معمولی بات ہے جانتے ہو کہ وہ تمھارا وفادار دوست ہے!"

گورا خاموش ہو گیا اور سوچنے لگا آنند موئی کے الفاظ نے اس کا اپنا ذہن اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا۔ اب تو وہ اس خیال میں تھا کہ وہ فرض کے لئے دوستی کو قربان کر رہا ہے لیکن اب ایسا معلوم ہوا کہ وہ اس کے بالکل متضاد کر رہا تھا، وہ بنوے کی دوستی کو صرف اس لئے چوٹ پہنچا رہا تھا کہ اُس نے اِن کی دوستی ——— کو ٹھیس لگائی تھی۔ دوستی کا تقاضہ تھا کہ گورا بنوے کو شدت سے اپنے ساتھ چپیٹے رہنا لیکن یہی نہیں وہ کر پایا تھا اور اسی کی ساری کھسیاہٹ تھی۔

آنند موئی کو جیسے ہی یہ احساس ہوا کہ اُن کے الفاظ کام کر گئے انھوں نے پھر کچھ نہیں کہا، اٹھ کے جانے لگیں، ——— گورا بھی اپنی کرسی پر سے اچھل کر کھڑا ہو گیا اور الگنی پر سے چادر گھسیٹی

"کہاں چلے" آنند موئی نے پوچھا

"بنوے کے یہاں"

"پہلے کھانا نہیں کھاؤ گے" تیار ہے

"اب بنوے کو لے کر آؤں گا تو دونوں ساتھ ہی کھائیں گے"

آنند موئی نیچے اُترنے کے لئے مڑیں لیکن زینے پر قدموں کی آہٹ سُن کر رک گئیں اور بولیں "لو وہ بنوے خود ہی آ پہونچا ——— اور پھر بنوے اُن دونوں کے سامنے کھڑا تھا۔

اس کو دیکھ آنند موئی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے "بنوے میرے بچے" امید ہے تم نے اب تک کھانا نہیں کھایا ہے"

"نہیں ماں ——— کھانا تو نہیں کھایا ہے"

"تو پھر یہیں کھانا" ــــــ

بنوے نے گورا کی طرف دیکھا۔ وہ بولا "بنوے تمھاری بڑی عمر ہے، میں ابھی تمھارے یہاں جا ہی رہا تھا"

آنند موئی کو اپنے دل پر سے ایک بوجھ ہٹتا ہوا محسوس ہوا، وہ دونوں دوستوں کو چھوڑ کر نیچے چلی گئیں۔

یہ لوگ بیٹھ تو گئے لیکن موضوع دونوں کے ہی دل میں تھا اس پر گفتگو شروع کرنے کی دونوں میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی ــــــ

گورا ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا "تم اُس جمناسٹک سکھانے والے کو جانتے ہو بنوے جسے ہم لوگوں نے کلب میں لڑکوں کو سکھانے کے لئے رکھا ہے۔ بہت اچھا اُستاد ہے" ــــــ اور اسی طرح دونوں معمولی باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ نیچے سے کھانے کے لئے بُلاوا آ گیا۔ دونوں کھانا کھانے بیٹھے تو آنند موئی نے اندازہ لگایا کہ ابھی تک اُن کے دل صاف نہیں ہوتے ہیں۔ اس لئے کھانا ختم ہوتے ہی وہ بولیں "بنوے اب اتنی دیر ہو گئی ہے، رات کو یہیں رہ جاؤ، میں تمھارے گھر پر اطلاع بھیجے دیتی ہوں"

بنوے نے سوالیہ انداز میں گورا کی طرف دیکھا اور کہنے لگا "سنسکرت کے اشلوک کہتے ہیں جو پیٹ بھر کر کھانا کھا چکا وہ تو بادشاہ ہے اس لئے آج رات میں گلیوں میں کیسے مارا مارا پھر سکتا ہوں ــــــ یہیں سوؤں گا"

کھانے کے بعد دونوں دوست اوپر جا کر چھت پر بچھی ہوئی چٹائی پر بیٹھ گئے خزاں کی چاندنی سے آسمان روشن تھا، بادل کے ہلکے ہلکے سفید سفید نیند کی جھپکیوں کی طرح چاند پر سے گذرتے اور پھر فضا میں تیرنے لگے ــــــ ہر طرف، افق کے کنارے تک، چھتوں کی قطاریں پھیلی ہوئی تھیں۔ ہر سائز کی چھتیں، اونچی اور نیچی چھتیں، ــــــ جو یہاں وہاں درختوں کی پھنگیوں کے ساتھ کھچڑی ہو رہی تھیں۔ جیسے کسی فنکار مصور نے نور و سایہ کو

بس یوں ہی آپس میں گھنگھول رہا ہو۔

پاس ہی کسی گھڑیال نے گیارہ بجائے۔ ملائی کی برف بیچنے والے اپنی آخری آوازیں لگا کر جا رہے تھے، سڑک پر آمد و رفت کا شور گھٹتا جا رہا تھا نیچے گلی میں تو اب کسی کے جاگنے کے آثار نہ تھے، صرف کبھی کبھی کسی کے کتّے کے بھونکنے کی آواز آجاتی یا کہیں گھوڑا اصطبل کے چوبی فرش پر اپنی کھُریں مارتا، ٹھپ ٹھپ!

بڑی دیر تک دونوں میں سے کوئی نہیں بولا۔ آخر کار نبوتے نے بات شروع کی۔ پہلے تو ذرا ہچکچایا لیکن پھر پورے جوش سے اپنے دل کی بات کہتا گیا۔ "گودا میرا دل اتنا بھر آیا ہے کہ اب رہا نہیں جاتا، مجھے معلوم کہ میرے خیالات جس موضوع سے اُلجھ رہے ہیں اُس سے تمہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے، لیکن جب تک تمہیں سب کچھ بتا نہ دوں مجھے چین نہیں پڑیگا۔ میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ ٹھیک بات ہے یا غلط بات ہے لیکن، تنی بات میں ضرور جانتا ہوں کہ معمولی بات نہیں ہے۔ میں نے اس کے متعلق بہت کچھ مطالعہ کیا تھا اور سمجھتا تھا کہ سب کچھ جانتا ہوں۔ جیسے کوئی جھیل کی صرف تصویر دیکھے اور اس میں تیرنے کے تصور سے لطف لے، مگر اب جب کہ میں بیچ دریا میں ہوں یہ مجھے کوئی آسان بات نہیں معلوم ہوتی۔"

اس تمہید کے بعد نبوتے نے گودا سے دھیرے دھیرے اس عجیب و غریب تجربے کا احساس بیان کرنا شروع کیا جو یکایک اس کی زندگی پر چھا گیا تھا۔ آج کل اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسا دن و رات کے بیچ بیچ کوئی معنی ہیں، جیسے آسمان کوئی خلا نہیں بلکہ رس اور شیرینی سے بھری ہوئی کوئی چیز ہے، شہد کے چھتّے کے مانند جو بہار کے موسم میں مٹھاس سے پھوٹا پڑتا ہو۔ آج ہر چیز اُسے اپنے سے قریب تر محسوس ہوتی ہے اُسے چھوتی ہوئی گذر جاتی ہے، اس کے لئے ایک نئے معنی پنہاں رکھتی ہے، آج سے پہلے تو اُسے یہ خبر ہی نہ تھی کہ دُنیا سے اُسے اتنا پیار ہے، آسمان اتنا چمکتا ہے، روشنی اتنی عظیم ہوتی ہے، گلیوں کے بے شمار انجانے راستے اُس کے لئے اتنی بڑی حقیقت ہیں، جس سے ملتا ہے اس کے لئے کچھ کام

آنے کو جی چاہتا ہے ـــــــ سورج کی طرح ساری دنیا کو فیض پہونچانے کی خواہش دل میں کروٹیں لیتی ہے!

بنوے جس طرح بات کر رہا تھا، اُس سے کسی کو یہ پتہ نہیں چل سکتا تھا کہ کوئی خاص صورت اس کے ذہن میں ہے۔ جیسے کسی کا نام لینا ایسی نازک بات ہے کہ زبان سے نکالتے ہی اس کو ٹھیس لگ جائے گی، بلکہ اس کی طرف تو اشارہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا ـــــ اس طرح سے دل کا راز بیان کرنے میں ہی کچھ شرمندگی سی، کچھ میٹھی میٹھی جھینپ سی محسوس ہوتی تھی وہ کیوں اتنی گستاخی کر رہا تھا کہ اُن جذبات کو بیان کئے دے رہا تھا، لیکن اس وقت، اپنے جگری دوست اور عدیم کے ساتھ بیٹھ کر، خاموش آسمان کی چھاؤں کے نیچے رہا بھی تو نہیں جاتا تھا۔

کیا حسین تھی وہ صورت! زندگی کی تابندگی کس نزاکت کے ساتھ اس کی نرم پیشانی سے دمکتی تھی، کیا شاندار ذہانت تھی اور کیا نازک نقشے کے راز و نیاز ـــــ مسکراتی تھی تو گویا چھپے ہوئے خیالات اس مسکراہٹ سے پھولوں کی طرح کھل اُٹھتے تھے اور پھر کس طرح پلکوں کی اوٹ میں چھُپ جاتے تھے کہ بیان سے باہر ہے! اور اس کے وہ دونوں ہاتھ جیسے بولتے ہوں، جیسے خدمت کے حُسن میں اس کے ذہن کی سپردگی اپنے آپ کو بکھیر دینا چاہتی ہو، بنوے کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی زندگی اور جوانی پر یہ تصور چھا گیا تھا ـــــ ایک سیلاب تھا کہ جس نے اس کے دل کو گھیر لیا تھا اور جس کی مسرت کی طوفانی لہریں بار بار اس کے سینے سے آکے ٹکرا رہی تھیں۔ یہ کیسی خوش بختی تھی کہ دنیا میں اور لوگ جس چیز کے مشاہدہ سے بھی محروم رہ جاتے ہیں وہ اُس کا تجربہ کر رہا تھا ـــــ یا یہ کوئی جنون تھا، یا یہ کوئی خوش فہمی تھی۔ اگر تھی بھی تو کیا ہُوا! اب تو پانی سر سے گذر چکا تھا اب تو اس پر کوئی روک نہیں لگائی جا سکتی تھی۔ اگر یہ طوفانی لہریں اُسے کسی ساحل تک پہونچا دیں تو اُس سے بڑھ کر کیا بات ہو سکتی ہے، اگر اُسے بہا لے جائیں، ڈبو دیں تو مجبوری ہے ـــــ

مشکل یہ تھی کہ اب اُسے بچائے جانے کی بھی خواہش نہ تھی اگر اس کو بچایا جاتا تو زندگی کی اصل منزل اُس سے چھن جاتی —— وہ منزل جو اس کی روح اور اس کی طبیعت تھی!

گورا چُپ چاپ سُنتا رہا ——

ایسی بہت سی چاندنی راتوں میں، ایسے ہی سناٹے اور اسی طرح کی خاموشی میں ان دونوں نے بے شمار چیزوں پر بحث اور بات چیت کی تھی —— ادب، جنتا، سوسائٹی کی اصلاح و بہتری کے راستے، اور یہ کہ وہ دونوں مستقبل میں کیسی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں، —— لیکن اتنی رازدارانہ بات کبھی نہیں ہوئی تھی مگر گورا کے منہ در منہ آج تک کبھی کسی نے ان پرخلوص انداز میں اپنا دل کھول کر نہیں رکھ دیا تھا۔ انسان کے دل کی اندرونی حقیقتیں اس طرح کبھی اس کے سامنے نہیں آئی تھیں وہ تو آج تک اس طرح کی باتوں کو شاعرانہ فضولیات اور بکواس سمجھتا آیا تھا لیکن آج اسی موضوع نے اتنی شدت سے اس کے دل کے تاروں کو چھوا کہ وہ اس سے بے نیاز نہ رہ سکا۔ صرف یہی نہیں کہ اس نے اس کے ذہن کے دروازوں پر بھی دستک دے دی بلکہ اس کی دماغ اور فطرتی گورا کے وجود میں بجلی کوندے کی لپک کی طرح سرایت کر گئی۔

ایک پل کے لئے دل کے ایک گوشے سے نقاب اُٹھ گئی! جس کے بارے میں اُسے تو شک بھی نہ تھا کہ اس کے دل میں بھی موجود ہے! غزل کی چاندنی چپکے سے اس گوشے میں در آئی اور اندھیرے حجرے میں نور پھیلانے لگی!

دونوں باتیں کرتے رہے اور دونوں میں کسی کو پتہ نہیں چلا کہ چاند چھتوں سے نیچے اتر گیا اور اب پورب سے ایک ہلکی سی روشنی پھوٹ رہی ہے جیسے کسی سوئے ہوئے معصوم بچے کی صورت پر چھائی ہوئی مسکراہٹ!

آخر کار جب بنوئے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر چکا تو وہ کچھ جھینپتے ہوئے بولا "مجھے تو یہ کچھ ہوا ہے یہ تمھاری نظروں میں تو بہت معمولی بات ہوگی —— شاید تم مجھے حقیر بھی سمجھو

مگر میں کیا کروں، ——— میں نے تم سے کبھی کچھ نہیں چھپایا اور اس وقت بھی میں نے اپنا
دل کھول کر تمھارے آگے رکھ دیا اور اس طرح میرا دل ہلکا ہو گیا ہے۔ اب تم سمجھو یا نہ سمجھو"

گورا نے جواب دیا "بنوئے۔ جہاں تک ان کی پوچھو تو میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں یہ سب
سمجھتا ہوں، تم بھی تو ابھی آج سے کچھ دن پہلے نہیں سمجھ سکتے تھے، ——— میں اس بات
سے بھی انکار نہیں کر سکتا ہوں کہ زندگی کی اس عظیم وسعت کو دیکھتے ہوئے اس کا یہ پہلو مجھے
بیکار ہی سا معلوم ہوتا تھا باوجود کہ اس میں بھی وسیع جذبات عظمت پوشیدہ ہیں۔ ویسے
میں یہ مانتا ہوں کہ ممکن ہے ایسا نہ ہو ——— اور مجھ کو صرف اس لیے کمزور اور ہلکا
معلوم ہوتا ہو کہ میں نے خود کبھی اس کی قوت اور گہرائی کا تجربہ نہیں کیا۔ یہ بھی ہے کہ تم
نے جس چیز کو اتنی شدت سے بڑا اور محسوس کیا ہے اس کو اب میں جھوٹ یا غلط کہہ کر
الگ نہیں کر سکتا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ انسان جس میدان میں کام کر رہا ہے اگر اس کے باہر
کی حقیقتیں اس کو کم اہم معلوم ہوں تو پھر کوئی انسان اپنے میدان میں اپنے فرض کو پورا
نہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے انسان کو غلطی سے بچانے کے لیے سب چیزیں دیکھنے
کی صلاحیت بخشی ہے۔ اور پھر ہمیں خود ہی یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ زندگی کے کس
پہلو پر ہم اپنی توجہ کو مرکوز کریں گے۔ اور اس کے باہر جو کچھ ہے اس کی پروا چھوڑ دیں
ورنہ تو ہم زندگی کے کسی پہلو میں بھی سچائی کو نہیں پا سکتے جس مندر میں تم نے سچائی کی مورتی
کو پایا ہے وہاں میں پوجا نہیں کر سکتا کیونکہ ایسی صورت میں مجھے اپنی زندگی کی سچائی کا
مندر تج دینا پڑے گا ——— ہمیں ایک ہی راستہ اختیار کرنا ہے ——— یہ یا وہ

"اچھا یہ بات ہے" بنوئے نے زور سے کہا "یا بنوئے کا رستہ یا گورا کا رستہ ——— میں
چاہوں گا کہ میں جو چاہتا ہوں وہ مجھے مل جائے اور تمھارے پاس جو کچھ ہے وہ تم سے
چھوٹ جائے"

گورا نے بے صبری سے بات کاٹی "بنوئے لطیفہ بازی مت کرو! میں سمجھتا ہوں کہ

آج تمہارے سامنے ایک بہت بڑی حقیقت ہے جس کا مضحکہ نہیں اُڑایا جا سکتا۔ اگر تم واقعی سچائی تک پہونچنا چاہتے ہو تو اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دو ——— اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔ میری بھی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ جس سچائی کو میں تلاش کر رہا ہوں وہ بھی کسی دن اس طرح میرے سامنے آ کھڑی ہو۔ اب تک تم نے عشق کے بارے میں کتابوں میں جو کچھ پڑھا تھا اُس سے مطمئن تھے۔ مجھے بھی اپنے وطن کے عشق کی جو کچھ معلومات ہیں وہ سب کتابی ہیں! اب جو تم نے اصل جذبہ کا تجربہ کر لیا تو تم کو پتہ چلا کہ تم نے جو کچھ پڑھا تھا وہ تو بہت کم تھا، اصل چیز تو اُس سے بہت ہی زیادہ عظیم ہے۔ کوئی شے اس تصور سے خالی نہیں، کم از کم جو تم اسکی نذر کر سکتے ہو وہ تمہارا پورا سرمایہ حیات ہے۔ وطن کا عشق اگر میرے سامنے بھی کبھی اس طریقے سے اپنے آپ کو واضح کرے گا، اس طرح مجھ پر چھا جائے گا، تو پھر میں بھی اس سے بہرہ ور ہو سکوں گا، میری زندگی، میرا خون، میری ہڈیوں کا گودا سب وہ کھینچ لے گا، میری زندگی کی رگ رگ میں سما جائے گا۔ میرے لئے آسمان و زمین، نور و روشنی سب کچھ وہی ہوگا۔ میرے وطن کا وہ تصور کتنا عجیب و غریب، کتنا حسین، کتنا واضح اور صاف ستھرا ہوگا، اُس کا درد، اس کا سوز، اس کی مسرت اور اُس کا احساس کتنا شدید ہوگا، زندگی اور موت سب کو وہ بیک وقت اپنی طوفانی لہروں میں بہا لے جائے گا، ——— تم بات کر رہے تھے اور میں اس کے یہ سب جلوے دیکھ رہا تھا۔ تمہاری زندگی میں جو یہ ایک انوکھا تجربہ آیا ہے اس نے مجھے بھی ایک نئی زندگی بخشی ہے تم جو کچھ محسوس کر رہے ہو ایسے میں کبھی سمجھ سکوں گا یا نہیں یہ تو میں نہیں کہہ سکتا لیکن تمہارے ذریعہ مجھے بھی تھوڑی سی وہ لذت ضرور حاصل ہوگی جس کے خواب میں مدتوں سے دیکھ رہا تھا جس کی تڑپ مدتوں سے میرے دل میں تھی۔ یہ کہتے کہتے گورا چارپائی سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور ادھر اُدھر ٹہلنے لگا تھا۔ پورب سے اُبھرتا ہوا تڑکا اس کے لئے جیسے کوئی پیغام دیتا ہوا معلوم ہوتا تھا

جو اس کی روح کی گہرائیوں میں اُتر گیا تھا۔ کانوں میں ایسی صدائیں آرہی تھیں جیسے ہندوستان کے کسی قدیم جنگل میں سے ویدک منتروں کے پڑھے جانے کی گونج سنائی دے رہی ہو۔ ایک پل کے لئے وہ بالکل ساکت کھڑا ہو گیا، جسم میں تھرتھری سی تھی اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے دماغ میں سے کنول کی ایک شاخ پھوٹ نکلی ہے اور کھل کر پھول بن رہی ہے؛ اس کی پنکھڑیاں اوپر آسمان تک پھیلی چلی جا رہی ہیں۔ اور اس کی اپنی زندگی اس زندگی کے ساتھ قوت اور سارا احساس اُس پھول کے لامتناہی حسن میں کھو گیا ہے۔

جب وہ ہوش میں آیا تو یکایک بولا "بنوئے تمھاری اس محبت کو ابھی اور بلند ہونا ہوگا، میں تم سے کہتا ہوں کہ جہاں ہو وہیں پر رک جانے سے کام نہیں چلے گا۔ ایک نہ ایک دن میں تمھیں اس عظیم قوت کو دکھا سکوں گا جس نے مجھے پکارا ہے ــــ آج مجھے ایک عجیب قسم کی مسرت ہے اور آج مجھے معلوم ہوا ہے کہ میں تمھیں کسی کے حوالے نہیں کر سکتا۔"

بنوئے جی چٹائی سے اُٹھ کر گورا کے پاس آ کھڑا ہوا، اور ایک عجیب جوش کے ساتھ اس سے لپٹ کر بولا "بھیا ــــ ہمارے لئے الگ ہونا مرنے کے برابر ہے۔ ہم دونوں ایک ہیں، کوئی ہمیں الگ نہیں کر سکتا، کوئی ہمارے درمیان نہیں آ سکتا۔"

گورا کے چھپتے ہوئے جذبات کی لہریں بنوئے کے دھڑکتے ہوئے دل سے ٹکرا رہی تھیں اور ایک لفظ کہے بغیر وہ بھی اپنے دوست سے لپٹ گیا۔ پھر دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے خاموش چھت پر ٹہلنے لگے ــــ اور پورب کی طرف آسمان پر سرخی پھیلتی گئی پھیلتی گئی ....

گورا نے پھر بات شروع کی "بھیا۔ میں جس دیوی کی پوجا کرتا ہوں وہ حسن و خوبصورتی میں لپٹی ہوئی نہیں آتی۔ بلکہ وہ تو مجھے وہاں دکھائی دیتی ہے جہاں غریبی ہے، کال ہے، دکھ ہے، اور حقارت ہے۔ اس کے دربار میں پھولوں اور موسیقی کا چڑھاوا دے کر عبادت نہیں ہوتی۔ زندگی کا خون چھڑکا جاتا ہے۔ میرے لئے تو بہرحال سب سے بڑی خوشی کا

سامان یہ ہے کہ کسی قسم کی مسرت کی امید ہی نہیں جو ہوس پیدا بھی ہو سکے۔ وہاں تو اپنی پوری قوت کو جلانا ہے اور اپنا سب کچھ تج دینا ہے۔ اور اس کیفیت میں کوئی مٹھاس، اور کوئی رس نہیں بس ایک بیدردی ہے۔ جس سے آپ لڑ نہیں سکتے، جس کا آپ مقابلہ نہیں کر سکتے شعور کچھ اس شدت سے جاگ پڑتا ہے کہ جو شدت بجائے خود ظالمانہ ہے، ہیبت ناک ہے، جو سازِ وجود کے تاروں کو اس تیزی سے جھنجھنا دیتا ہے کہ وہ ایک چیخ مار کر بکھر پڑتے ہیں۔ جب میں اس کے متعلق سوچتا ہوں تو میرا دل اچھلنے لگتا ہے وہی سرخوشی اصل مسرت ہے، انسان کے شایانِ شان ہے، جیسے شیوا کا رقصِ حیات ماضی کی جلتی ہوئی چتا کی روشنی میں مستقبل کے خیر کا تصور ہی انسان کی بنیادی تلاش ہے خون سے رنگین اس افق کے پرے مجھے آنے والے دنوں کی جھوٹ دکھائی دے رہی ہے جس میں ہماری زنجیریں کٹ جائیں گی ——— ہاں یہ منظر مجھے اس ابھرتی ہوئی سحر میں دکھائی دے رہا ہے اور اس کے باجوں کی دھڑک اور دھمک سننی ہو تو میرے دل پر ہاتھ رکھو" اور گورا نے نبوئے کا ہاتھ لے کر اپنے دل پر رکھ لیا۔

نبوئے کا بھی دل بھر آیا۔ آہستہ سے بولا "گورا ——— میرے بھائی میں اس منزل کے لئے تمہارا ساتھ دوں گا ہمیشہ ہمیشہ لیکن تمہیں خبردار کئے دیتا ہوں کہ مجھ کو کبھی تھکنے نہ دینا، مجھے بے رحمی کے ساتھ کھینچتے ہوئے اپنے ساتھ لے چلنا جیسے تقدیر ترس نہیں کھاتی اور گھسیٹی جاتی ہے۔ ہم دونوں کا راستہ تو یقیناً ایک ہے لیکن قوت ہم دونوں کی ایک سی نہیں ہے" ———

"ہاں یہ ٹھیک ہے کہ ہماری طبیعتیں الگ ہیں" گورا نے جواب دیا "لیکن اگر ایک عظیم مسرت کی ہم ایک ساتھ تلاش کریں تو ہماری یہ مختلف طبیعتیں بھی متحد ہو سکتی ہیں۔ آج ہمارے درمیان جو رفاقت ہے گر اس سے بڑی کسی رفاقت کو ہم اپنی منزل بنائیں تو وہ ہمیں ایک دوسرے سے قریب تر لا سکتی ہے۔ اور جب تک ہم کسی ایسی رفاقت کو

اپنے واسطے حقیقی نہیں بناتے اس وقت تک ہر قدم پر اختلاف ہوگا ہر قدم پر چھوٹ جانے کا اندیشہ! پھر ایک دن ایسا بھی آئے گا جب ہم اپنے سارے اختلافات بھول جائیں گے اس دوستی کو بھی بھول جائیں گے، اور اس طرح ایک دوسرے سے کاندھا ملا کر کھڑے ہوں کہ کوئی قوت ہمیں الگ نہیں کر سکے گی، ہم اپنے آپ کو کھو کر بے خودی کا ایک عظیم جذبہ حاصل کر سکیں گے۔ اور اُسی بلند اور عظیم اور وسیع مسرت میں ہمیں اپنی رفاقت کی تکمیل حاصل ہوگی۔"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔" نبو نے گورا کا ہاتھ دبایا۔

"لیکن اس درمیان میں تم کو کافی پریشان کروں گا" گورا نے اپنی بات جاری رکھی: "تمھیں میری زیادتیاں برداشت کرنی پڑیں گی، کیونکہ ہم صرف دوستی کو نبھانا اپنا مقصد نہیں بنا سکتے۔ ہم یہ نہیں کر سکتے بہرصورت اس کو لگائے رکھنے کے لئے اُس کی تحقیر ہونے دیں۔ اگر اس عظیم رفاقت کی خاطر ہمیں اپنی اس دوستی کو قربان کرنا پڑے تو مجبوری ہے، ایسا کرنا پڑے گا لیکن اگر ہماری دوستی ان آزمائشوں کو جھیل لے جائے تب تو سمجھو کہ دوستی کا حق ادا ہو گیا۔"

پیچھے سے قدموں کی آہٹ سُن کر دونوں ہی چونک پڑے۔ مڑ کر دیکھا تو آنندموئی زینے پر سے چڑھ کر آ رہی تھیں ———— انھوں نے دونوں کا ایک ایک ہاتھ پکڑا اور پلنگوں کی طرف لے چلتے ہوئے بولیں "چلو چلو، بس بہت ہوا، اب چل کر سو رہو۔"

دونوں یک ساتھ بولے "نہیں ماں نہیں، اب نہیں ہو سکتے۔"

"سو کیسے نہیں سکتے" انھوں نے دونوں کو زبردستی لٹاتے ہوئے کہا۔ پھر وہ دروازہ بند کر کے اُن کے سرہانے آ بیٹھیں اور پنکھا جھلنے لگیں۔

"آپ کا یہ سرہانے بیٹھ کر پنکھا جھلنا بیکار ہے ماں" نبو نے کہا "نبو کو ہمیں نیند نہیں آئے۔"

"ہوں ـــــ دیکھتی ہوں کیسے نہیں آتی" آنند موئی نے جواب دیا

"بہرحال یہ تو ہے کہ اگر میں بیٹھی رہوں گی تو تم دونوں بک بک نہیں کر سکو گے"

جب دونوں سو گئے تو آنند موئی چپکے سے باہر نکلیں، زینے پر انھیں دیوم دادا ملے جو اوپر آ رہے تھے

"ابھی نہ جاؤ ـــــ" وہ اُن کو روکتے ہوئے بولیں "دونوں رات بھر جاگے ہیں۔ ابھی میں نے بڑی مشکل سے اُن کو سُلایا ہے"

"ارے میری توبہ ـــ اس دوستی کی بھی کوئی حد ہے! کیا آپ کچھ جانتی ہیں کہ شادی کا مسئلہ بھی چھڑا کہ نہیں"

"نہیں مجھے کچھ نہیں معلوم" آنند موئی نے جواب دیا۔

"کوئی نہ کوئی فیصلہ تو دونوں نے کر ہی لیا ہو گا" سو تم دادا بولے "آخر یہ دونوں کب جاگیں گے"

"بھئی! اگر شادی کا معاملہ نہ ہوا تو بڑی گڑبڑ ہو گی"

"کوئی گڑبڑ نہیں ہو گی" آنند موئی ہنستے ہوئیں "ذرا سا ان کے زیادہ سونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آخر تو جاگیں گے کسی نہ کسی وقت"

سولھواں باب

"بھئی آخر آپ کیا سچ ریتا کا بیاہ نہیں کریں گے" بردا دیوی چیخ کر بولیں
پارش بابو نے اپنے خاموش اور سنجیدہ انداز میں داڑھی سہلائی اور نرم لہجے ہی میں
پوچھا "مگر دولہا کہاں ہے؟"

بیوی بولیں "لو اور سنو —— سب کچھ تقریباً طے ہو گیا ہے کہ پنّو بابو سے اُن کی
شادی ہوگی۔ کم از کم ہم سب لوگ تو یہی سوچتے ہیں۔ اور سچاریتا کو بھی معلوم ہے۔"

"مجھے یقین نہیں ہے کہ سچ ریتا پنّو بابو کو پسند کرتی ہے۔"

"دیکھو جی، اُن کی بیوی جھنجنیں "مجھے اس طرح کی باتیں پسند نہیں ہیں۔ اگر ہم نے
ہمیشہ اس لڑکی سے اپنی بیٹیوں کا سا برتاؤ کیا تو اس کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ وہ اتنا اترا
جائے! اگر پنّو کا سا پڑھا لکھا اور اپنے مذہب کا پابند آدمی اُس کو پسند کرتا ہے تو یہ
کوئی معمولی بات نہیں کہ جس کو ہنسی میں اُڑا دیا جائے۔ آپ کچھ کہیں لیکن اگرچہ میری
لبونیا اس سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے پر وہ ہمارے انتخاب کیے ہوئے بر کو
کبھی نہیں کہنے کی۔ اگر آپ اسی طرح سچاریتا کے غرور کو ہوا دیتے رہے تو اس کے لیے
رشتہ ڈھونڈھنا مشکل ہو جائے گا۔

پارش بابو یوں بھی کبھی بیوی سے بحث نہیں کرتے تھے۔ وہ سچ ریتا کے متعلق تو
کبھی نہیں کرتے تھے۔ اسی لیے وہ خاموش ہو گئے۔ ستیش کی پیدائش میں جب سچ ریتا
کی ماں کا انتقال ہوا تو وہ صرف سات برس کی تھی۔ اس کے باپ رام سرن ہلدر
بیوی کا ساتھ چھٹنے کے بعد برہمو سماج میں شامل ہو گئے تھے اور پاس پڑوس کے لعن طعن

سے بچنے کے لئے ڈھاکہ چلے گئے۔ وہاں پوسٹ آفس میں کام کر رہے تھے جب پاریش بابو
سے اُن کی دوستی ہوئی۔ اور وہ اتنی بڑھی کہ سچاریتا بھی پاریش بابو کو اپنے باپ کے برابر
چاہنے لگی۔ رام سرن بابو کا یکایک انتقال ہوگیا۔ انھوں نے سارا روپیہ دونوں بچّوں
کے نام کر کے پاریش بابو کو اُن کا ولی قرار دے دیا تھا۔ پھر یہ دونوں یتیم بھائی بہن پاریش
بابو کے خاندان کے ہی ساتھ رہنے لگے۔

یہ تو ذری کو معلوم ہی ہے کہ ہرن بابو نہایت جوشیلے برہمو سماجی تھے، سماج کی
تقریباً ہر ایک تنظیم میں اُن کا ہاتھ تھا۔ رات کے اسکول میں پڑھایا کرتے تھے۔ برہمو سماج
میگزین کے ایڈیٹر تھے اور لڑکیوں کے اسکول کے سکریٹری تھے۔ غرض انتھک کام
کرتے تھے۔ ہر شخص یہی اُمید کرتا تھا کہ یہ نوجوان برہمو سماج میں ایک اونچی اور معزز
جگہ حاصل کرے گا۔ یہاں تک کہ سماج کے باہر بھی اُن کی شہرت پھیل چکی تھی۔ اسکول
کے شاگردوں کے ذریعہ اُن کی انگریزی زبان کی لیاقت اور فلسفہ کی معلومات کا بہت
شہرہ تھا!

ان مختلف وجوہ کی بنا پر سچاریتا نے ہرن کے ساتھ ایک خاص عزت کا برتاؤ کیا
جیسا کہ وہ سب ہی برہمو سماج کے شریف لوگوں کے ساتھ کرتی تھی۔ بلکہ جب وہ ڈھاکہ
سے کلکتہ آئی تو ہرن بابو سے ملنے کا شوق تھا۔

پھر یوں ہوا کہ نہ صرف سچاریتا کا اس مشہور آدمی سے تعارف ہوگیا بلکہ وہ خود بھی کافی
نمایاں طور سے بغیر کسی جھجک کے یہ ظاہر کرنے لگے کہ وہ سچاریتا کو پسند کرتے تھے۔ ایسا
تو نہیں تھا کہ ہرن بابو نے سچاریتا سے محبت کا کھلم کھلا اعلان شروع کر دیا مگر جس لگن
سے وہ اُن کی کمیوں کو دور کرنے میں مخصوص طور پر دلچسپی لیتے، اُن کی غلطیوں کو درست
کرتے، جوش کو بڑھاتے اور عام طور پر اُسے ایک بہتر برہمو سماجی بنانے کی کوشش
کرتے، اس سے سب ہی نے یہ سمجھنا شروع کر دیا کہ وہ اس لڑکی کو اپنی رفیق بنانے کیلئے

خصوصیت کے ساتھ یہ سب کوشش کر رہے ہیں۔ سچاریتا کو بھی جب اپنی جگہ پر یہ معلوم ہوا کہ اس نے، اتنے مشہور آدمی کے دل پر قبضہ کر لیا ہے تو وہ فخر محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی اور ہرن بابو کا اور بھی احترام کرنے لگی۔

اگرچہ بزرگوں کے سامنے ابھی تک باقاعدہ شادی کا پیغام نہیں آیا تھا لیکن چونکہ سب ہی کا یہ خیال تھا کہ سچاریتا کی شادی ہرن سے ہوگی اس لئے وہ خود بھی اس کو ایک طے شدہ بات سمجھنے لگی تھی اور خاص طور پر مطالعہ اور مختلف کاموں کے ذریعہ اپنے آپ کو اس قابل بنانے کی کوشش میں لگی رہتی کہ اس شخص کی رفیق زندگی بن سکے جس نے برہمو سماج کی بہتری کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ اس شادی کا خیال سچاریتا کے لئے ایک رنگین قلعہ کا سا تصوّر تھا، رعب، احترام اور ذمہ داری کا تصوّر تھا۔ جیسے صرف وہ ایسا گھر ہو جہاں خوشی سے زندگی بسر کر لی جائے بلکہ جس کے معنی ایک شدید جدوجہد کا۔ جو صرف گھریلو معاملہ نہیں بلکہ تاریخ کا ایک واقعہ ہو!

اگر اس حد پر آکر بھی شادی ہو جاتی تو دولہن والے بہرحال اسے بڑی خوش قسمتی سمجھتے۔ بدبختی یہ ہوئی کہ ہرن بابو نے، ہم زندگی کی ہم ذمہ داریوں کو اتنا عظیم سمجھنے لگے تھے کہ آپس کی پسند سے شادی کر لینا ان کو اپنے شایانِ شان نہیں محسوس ہوا۔ وہ یہ سمجھنے لگے کہ پورا برہمو سماج اس شادی سے کیونکر مستفید ہو، اس لئے وہ پہلا قدم اٹھانے سے پہلے کافی سوچ بچار کر لینا چاہتے تھے اور اسی فکر میں انھوں نے سچاریتا کو آزمانا شروع کر دیا اس چکر میں وہ یہ بھول گئے کہ اگر ان دوسرے کو آزمائے تو اسے خود بھی آزمائش میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جب اس گھر میں ہرن بابو اپنے زیادہ بے تکلف نام "پنو بابو" سے یاد کئے جانے لگے تو پھر ان کا انگریزی زبان کا خزانہ اور ان کی فلسفیانہ حکمت کافی نہ ہو سکی جس کی وجہ سے وہ برہمو سماج کی منفعت کا نمونہ بنے ہوئے تھے —— پھر تو اس مسئلہ پر بھی غور کیا جانے لگا کہ

آدمی کیسے ہیں اور اس معاملہ میں وہ صرف احترام ہی کی مثال نہیں رہے لیکن ناپسند
کا بھی نشانہ بنے۔

سب سے عجیب بات یہ تھی کہ ہرن بابو جو دور سے سچاریتا کے دماغ میں اُن کیلئے
عزت پیدا کرنے کا باعث بنا تھا وہ قریب آنے کے بعد اس کی ناپسندیدگی کا سبب بنا۔ ہرن
بابو جس طرح اپنے آپ کو برہمو سماج کی ہر اچھی اور خوبصورت چیز کا محافظ اور ٹھیکیدار جتاتے
تھے اس رویہ سے اُن کا گھٹیا پن نہایت مضحکہ خیز حد تک ظاہر ہوتا رہتا تھا۔ اصل بات
تو یہ ہے کہ انسان صرف ایک پجاری کی حیثیت سے ہی سچائی سے تعلق قائم کر سکتا
ہے کیونکہ اس جذبے کے ساتھ وہ خاکساری اختیار کرتا ہے۔ وہ خود پسندی اور غرور پہ
اتراتا ہے تو یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ مقابلتاً کس قدر پست ہے۔ اس معاملے میں سچاریتا
خاص طور پر ہرن اور پاریش بابو کا موازنہ کئے بغیر نہ رہ سکتی تھی۔ پاریش بابو کے پرسکون
چہرے پر نظر ڈالتے ہی وہ حق پرستی ظاہر ہوتی تھی جو اُن کے بطون و روح میں سمائی
ہوئی تھی۔ اُن کے دیکھتے ہرن بابو بالکل اس کے متضاد تھے۔ اُن کا برہمو ازم خواہ مخواہ
کا بدخود غلط انداز رکھتا تھا جو مسلک کی سب اچھائیوں کو دھندلا دیتا تھا جو کچھ وہ کرتے
یا کہتے اس سے وہ فلسفہ نہایت بے ہیبت اور ناپسندیدہ معلوم ہونے لگتا۔ وہ سمجھتے تھے کہ برہمو
سماج کے فلاح و بہبود کو اُن سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے جب یہ خیال ان پر حاوی
رہتا تو وہ پاریش بابو کو بھی اپنی لپیٹ میں لینے سے نہ چوکتے۔ ایسے موقعوں پر سچاریتا
چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح غصے سے بل کھا کے رہتی۔

اُس زمانے میں بنگال کے انگریزی تعلیم یافتہ لوگ بھگوت گیتا نہیں پڑھا کرتے تھے۔
لیکن پاریش بابو بھی کبھی کبھار سچاریتا کو پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ اور تقریباً ساری مہابھارت
انھوں نے ختم کر دی تھی۔ ہرن بابو اس پر اعتراض کرتے تھے۔ کیونکہ وہ اس طرح کی تمام
کتابوں کو برہمو خاندانوں سے بیدخل نکالنے دینا چاہتے تھے۔ وہ خود ان کتابوں کو کبھی نہیں

پڑھتے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ تمام وہ ادب جو مذہبی خیالات کے لوگوں میں ہر دلعزیز ہے۔ اس سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ دُنیا کی تمام مذہبی کتابوں میں سے وہ صرف انجیل پر بھروسہ کرتے تھے۔ پاریش بابو مذہبی کتابوں کے معاملہ میں برہمو اور غیر برہمو کا لقب نہیں برتتے تھے۔ اور یہ بات ہرن بابو کے پہلو میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی۔ ایسی ہی اور بھی کچھ باتیں تھیں جن پر وہ نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ سُچاریتا کو اس بات کی برداشت نہیں تھی کہ کوئی دل میں بھی پاریش بابو پر تنقید کرنے کی مجال کر سکے۔ ہرن بابو جس طرح کھلم کھلا پاریش بابو کی شان میں گستاخی کرتے تھے اس طریقے نے اُن کو سُچاریتا کی نظروں میں گرا دیا تھا۔

لیکن باوجود اس کے کہ سچاریتا ہرن بابو کی اس متعصب ذہنیت اور خشک تنگ نظری کی وجہ سے اُن سے دن بدن دُور ہٹتی جاتی تھی پر ہرن بابو سے اُن کی شادی کے امکان پر طرفین میں سے کسی نے بھی کوئی شک کبھی ظاہر نہیں کیا۔

جو فرقہ مذہب کا شدت سے پابند ہوتا ہے اس میں یہی ہوتا ہے کہ جو آدمی چاہے وہ اپنی قسمت خود ہی بڑھا کر اس کا لیبل لگا لے، اور باقی لوگ بھی اُن کی وہی قسمت سمجھنے لگتے ہیں یہاں تک کہ پاریش بابو نے بھی ہرن کے اس حق جتانے پر کوئی بحث نہ کی اور چونکہ ہر شخص سمجھتا تھا کہ وہ آئندہ چل کر برہمو سماج کے اہم ستون بنیں گے اس لئے پاریش بابو نے بھی گویا اس رشتے کے لئے خاموش اجازت دے دی تھی نہیں بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ اُن کے سامنے تو کبھی سوال اُٹھتا ہی تھا تو اس طرح کہ کیا سُچاریتا ہرن بابو جیسے شوہر کے لئے مناسب بیوی رہے گی؟ یہ انھیں کبھی خیال نہیں آیا جو سچاریتا سے پوچھتے کہ ہرن بابو اُسے کس حد تک پسند ہیں۔

چونکہ کسی کو اس معاملہ میں سُچاریتا کا نقطۂ نظر دریافت کرنے کا خیال نہیں آیا اس لئے وہ خود بھی اپنے ذاتی رجحان کو تسلیم کرنے سے کترانے لگی۔ برہمو سماج کے باقی لوگوں کی طرح اس نے بھی یہ رویہ اختیار کیا کہ جب بھی ہرن بابو اُس سے باقاعدہ طور پر شادی کیلئے کہیں گے

تو اس پیشکش کو قبول کرنا اس کی زندگی کا مخصوص فرض ہوگا۔

معاملات اسی طرح چل رہے تھے جب پارتش بابو نے گورا کی طرف سے سچاریتا کو ہرن بابو سے سخت لفظوں میں بحث کرتے سنا۔ اُن کو شک ہو گیا کہ سچاریتا کے دل میں ہرن بابو کے لئے کافی عزت ہے یا نہیں۔ یہ بھی انھوں نے سوچا کہ خیالات کے اس اختلاف کی تہہ میں کوئی گہرا سبب تو نہیں ہے۔ اس لئے جب برودا دیوی نے سچاریتا کی شادی کا سوال اٹھایا تو انھوں نے پہلے تسلیم و رضا کا رویّہ ظاہر نہیں کیا بلکہ اس سے مختلف بات کی۔

اسی دن برودا دیوی سچاریتا کو الگ لے جا کر بولیں "تمھاری وجہ سے بابوجی بہت فکرمند ہیں"۔

سچاریتا چونک پڑی اور نہایت غمگین ہو گئی، وہ تو کبھی بھولے سے بھی یہ سوچ تک نہ سکتی تھی کہ اس کی وجہ سے پارتش بابو کو کوئی دکھ پہونچے۔ اس کے چہرے کی رنگت پیلی پڑ گئی اور بولی

"کیوں؟ میں نے کیا کیا"

"اب یہ تو میں کیا جانوں بیٹی! انھیں خیال ہو گیا ہے کہ تم پنو بابو کو پسند نہیں کرتی ہو۔ حالانکہ برہمو سماج میں ہر شخص ہی یہ سمجھتا ہے کہ پنو بابو سے تمھاری شادی طے بات ہے۔ اور اب اگر تم ...."

سچاریتا نے حیران ہو کر ان کی بات کاٹی "لیکن ماں میں نے تو اس معاملہ میں کسی سے بھی کچھ نہیں کہا"۔

سچاریتا کا اس طرح حیران ہونا ٹھیک ہی تھا کیونکہ اس نے باوجود اس کے کہ وہ اکثر ہرن بابو کے طور طریقوں سے چڑھ جاتی تھی لیکن اُن سے شادی کرنے کے خیال پر اس نے کبھی دل میں بھی احتجاج نہیں کیا۔ کیونکہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں اُسے یہ باور کرایا گیا تھا کہ اس بات سے اس کی اپنی ذات کی مسرت کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ پھر اُسے ایک دم

سے یہ خیال آیا کہ جس دن اس نے اپنی ناراضگی پاریش بابو کے سامنے ہی ظاہر کر دی تھی۔ اور ستانا نہ رد کی تھی، اور اسے خیال ہوا کہ اتنی بات سے بابو جی کو پریشانی ہو گئی۔ وہ انتہائی پشیمان ہونے لگی۔ واقعہ بھی یہی تھا کہ پہلے کبھی وہ اس طرح سے نہیں اُبل پڑی تھی۔ اور اُس نے دل ہی دل میں قسم کھائی کہ آئندہ بھی کبھی ایسا نہ ہوگا۔

اسی روز سہ پہر کو اتفاق سے پھر ہرن بابو آ پہونچے۔ برڈوا دیوی اُن کو اپنے کمرے میں لے گئیں اور بولیں: "دیکھئے ہرن بابو، میں ہر ایک کی زبان سے یہ سنتی ہوں کہ آپ ہماری سچار یتا سے شادی کرنے والے ہیں لیکن میں نے آج تک آپ کی زبان سے اس قسم کی کوئی بات نہیں سنی۔ اگر سچ مچ آپ کا ایسا ارادہ ہے تو آپ کہتے کیوں نہیں ہیں؟"

اب ہرن بابو کے لئے خاموش رہنا یوں بھی مشکل تھا انھیں خود خیال ہو رہا تھا کہ اب سچار یتا کو ہمیشہ کے لئے گرفتار کر لینے ہی میں خیریت ہے۔ اب یہ سب آزمائشیں آئندہ کے لئے اٹھا رکھنی چاہئیں کہ وہ سماج کی خدمت کر سکے گی یا نہیں۔ اُن کی معتقد ہو سکے گی کہ نہیں وغیرہ ——— اس لئے انھوں نے جواب دیا "وہ تو مانی بات ہے، کہنے کی کیا ضرورت ہے تو صرف اس انتظار میں تھا کہ وہ اٹھارہ برس کی ہو جاتی۔"

"ارے آپ بھی حد کرتے ہیں۔ اتنے بھی کیا آپ اصول کے پابند ہیں۔ چودہ سال کی ہو گئی ہے بس کافی ہے۔"

شام کو چائے کی میز پر سچار یتا کا رویہ دیکھ کر پاریش بابو ذرا متعجب ہوئے۔ بہت دنوں سے سچار یتا ہرن بابو سے اتنی خاطر داری سے نہیں پیش آئی تھی۔ یہاں تک کہ جب وہ اُٹھنے لگے تو اُس نے لبوتیا کے بنائے ہوئے کشیدہ کا ایک نمونہ دکھانے کے بہانے اُن سے بیٹھنے کے لئے بہت ہی اصرار کیا۔

پاریش بابو کے دل پر سے ایک بوجھ ہٹ گیا۔ انھوں نے سوچا کہ ان سے غلطی ہوئی ہوگی اور دل میں یہ خیال کرکے ہنسے کہ دو چاہنے والوں میں کوئی چھوٹا موٹا جھگڑا ہو گیا ہوگا اور وہ

جھڑپ اسی کا نتیجہ تھی؛ اب میل ہو گیا ہو گا۔

اُس روز شام کو روانہ ہونے سے پہلے ہرن بابو نے پاریش بابو کی خدمت میں باقاعدہ طور پر سچاریتا کے لئے پیغام پیش کیا۔ اور یہ بھی کہا کہ وہ اب شادی میں زیادہ دیر نہیں ہونے دینا چاہتے۔"

پاریش بابو کو کچھ اُلجھن سی ہوئی۔ جواب میں بولے "مگر آپ تو کہتے تھے کہ اٹھارہ سال سے پہلے لڑکیوں کی شادی ہونا غلط بات ہے۔ اخبارات اور رسالوں میں آپ اسی خیال کو لے کر مضامین لکھ چکے ہیں۔

ہرن بابو نے وضاحت کی "جی ہاں۔ لیکن یہ اصول سچاریتا پر لاگو نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا ذہن اس کی عمر کے اعتبار سے بہت زیادہ نشوونما پا چکا ہے۔"

پاریش بابو اپنی نرمی کے باوجود اڑے رہے "ہاں ہو سکتا ہے۔ مگر پنو بابو کوئی ایسی خاص وجہ نہ ہو تب تو آپ کو اپنے اصولوں کے مطابق چلنا چاہیے۔ اور اس کے بالغ ہو جانے تک ٹھہرنا چاہیے۔"

ہرن بابو اپنی اس کمزوری پر شرمندہ ہو گئے۔ اور بات بنانے کیلئے جلدی سے بولے۔ "جی ہاں! جی ہاں۔ وہ تو خیر میرا فرض ہی ہے۔ لیکن میرا خیال یہ تھا کہ باقاعدہ طور پر جتنا اور دوستوں کے سامنے کوئی رسم منگنی کے قسم کی ہو جاتی۔"

"یقیناً ——— یہ نہایت عمدہ تجویز ہے۔" پاریش بابو نے اُن سے اتفاق کیا۔

———

سترھواں باب

دو تین گھنٹے سونے کے بعد گورا کی آنکھ کھلی اور اس نے بنوئے کو اپنے پہلو میں سوتا ہوا دیکھا تو اس کا دل جھوم اٹھا۔ اسے دل پر سے ایک بوجھ ہٹتا ہوا محسوس ہوا۔ جیسے کوئی خواب دیکھے کہ کوئی بہت قیمتی چیز کھو بیٹھا ہے اور آنکھ کھلنے پر پتہ چلے کہ وہ تو خواب تھا ــــ کتنا اطمینان، کتنی خوشی! اب وہ بنوئے کو بار بار دیکھتا اور سوچتا کہ اگر وہ اس کا ساتھی اس سے چھن جاتا تو زندگی کتنی بے رنگ اور بے کیف ہو جاتی ــــ اسی نئی مسرت محسوس کر کے اس نے بنوئے کو نیند سے جھنجھوڑ کر اٹھا ڈالا: "اٹھو یار، چلیں ــــ کام بہت کرنے کو پڑا ہے۔"

گورا روز صبح باقاعدہ طور پر ڈیوٹی کرتا تھا۔ اور وہ یہ کہ پڑوس کے غریبوں کے یہاں جا کر ان کا حال احوال پوچھنا۔ کوئی یہ مقصد نہیں ہوتا تھا کہ ان لوگوں میں کسی قسم کا پرچار کیا جائے، یا ان کی اصلاح کی جائے۔ بلکہ صرف ان سے قریب تر ہونے کا شوق تھا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ وہ اپنے پڑھے لکھے دوستوں سے اتنی قربت نہیں محسوس کرتا تھا جتنی ان لوگوں سے۔ وہ سب اس کو چچا کہتے۔ اور ایسا حقہ اس کی خدمت میں پیش کرتے جو انھوں نے اونچی ذات والوں کے لیے الگ رکھا ہوتا تھا۔ ان لوگوں سے نزدیک ہونے کیلئے طبیعت پر جبر کر کے گورا نے کبھی حقہ بھی پیا تھا۔

ان میں گورا کا ایک خاص معتقد، ایک نوجوان نندا بھی تھا۔ وہ ایک بڑھئی کا لڑکا تھا، بیس بائیس سال کی عمر تھی اپنے باپ کی ہی دوکان میں لکڑیوں کے بکس بنایا کرتا تھا۔ وہ کھیل کود میں اوّل درجہ پر تھا، اور محلے کے کرکٹ کا بہترین بولر ــــ گورا نے ایک

اسپورٹ اور کرکیٹ کلب محلے میں قائم کیا تھا جس میں اس نے ان لوہاروں اور بڑھیوں کے لڑکوں کو کھاتے پیتے گھرانوں کے لڑکوں کے برابر کھڑا کیا تھا۔ اس ملی جلی جماعت میں جہاں کہیں بھی جسمانی مقابلے یا ورزش کا سوال آجاتا تو نندا ان سب سے بازی لے جاتا۔ نتیجہ کے طور پر کچھ اونچے درجے کے لڑکے سے ملتے جُلتے تو ضرور تھے۔ لیکن گورا نے کچھ ایسی باقاعدگی طاری کر رکھی تھی کہ آخر کار ان لوگوں کو بھی نندا کو کپتان بنانے میں ہاں کرنی پڑی

ابھی چند دن پہلے نندا کے پاؤں میں دُکھنی سے ذرا سا زخم آگیا تھا اس لئے وہ کرکیٹ کھیلنے نہیں آرہا تھا۔ گورا کی زیادہ توجہ منصوبے کی طرف لگی ہوئی تھی اس لئے وہ کچھ پوچھ گچھ کر نہیں پایا ـــــــ اس لئے اس وقت دونوں بڑھیوں کے کوارٹر کی طرف چلے ذرا نندا کی خیریت دریافت کرتے چلیں۔

اس کے گھر کے دروازے پر پہونچے تو اندر سے عورتوں کے رونے پیٹنے کی آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ نندا کا باپ یا گھر کے دوسرے مردوں میں سے کوئی آس پاس دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پڑوس کے ایک دوکاندار سے پوچھنے پر پتہ چلا کہ آج ہی صبح نندا کا انتقال ہو گیا ـــــــ اور ابھی ابھی لوگ اُس کی ارتھی لے کر جمنا کے گھاٹ گئے ہیں۔!

نندا مر گیا! اتنا تندرست، اتنا مضبوط، اور توانا، اور پھر اتنا کمسن ـــــــ مر گیا! آج صبح ہی! حیرت سے گورا کا ایک ایک عضو جم کر رہ گیا! نندا ایک غریب بڑھئی تھا۔ اس کے مرجانے سے اس کے اپنے دائرے میں کچھ لوگ ضرور ایک خلا محسوس کریں گے مگر وہ بھی کچھ ہی دن۔ البتہ گورا کے نزدیک نندا کی موت ایک ظالمانہ زیادتی تھی، ایسی زیادتی جو کبھی ممکن ہی نہ ہونی چاہیئے۔ اس نے دیکھا کہ نندا میں کیسی بھرپور قوت تھی۔ زندہ تو بہت لوگ ہیں۔ مگر وہ جانداری کہاں! وہ چھلکتی ہوئی توانائی کہاں۔

اس کی موت کا سبب دریافت کیا تو پتہ چلا ٹیٹنس تھا، نندا کے باپ نے تو ڈاکٹر کو

بلانے کی کوشش بھی کی تھی لیکن اُس کی ماں یہی کہے گئی کہ نہیں لڑکے کو تو اُوپر کا کچھ ہو گیا ہے۔ اس لئے اس نے ایک سیانے کو بُلایا! جو رات بھر نہ جانے کیا کیا منتر پڑھ کر غریب مریض کو گرم گرم لوہے سے داغتا رہا۔ بیماری کے شروع میں نندا نے خود کہا تھا کہ گورا کو اطلاع کردی جائے۔ لیکن اس کی ماں کو یہ ڈر ہُوا کہ گورا آئے گا تو ڈاکٹری امداد کے لئے اصرار کرے گا۔ اس لئے اس نے اطلاع پہونچائی ہی نہیں۔ گھر لوٹتے ہوئے بنوئے نے ایک ادا آہ بھیانک بھر کے کہا " اُوہ ——— کیا نادانی ہے اور اس نادانی کی کیسی سنگین سزا ہے"!

" اِس بات کو صرف نادانی کہہ کر اپنے کو تسلی نہ دو بنوئے " گورا نے تیخ لہجے میں کہا۔ " اگر تمہیں یہ سچ مچ معلوم ہوتا کہ یہ نادانی کس حد تک پھیلی ہوئی ہے اور اس کے نتائج کہاں تک پہونچتے ہیں تو تم اتنی آسانی سے بس رنج کا اظہار کر کے بری الذمہ نہ ہو جاتے"!

جیسے جیسے گورا کا غصہ اور جوش بڑھتا جا رہا تھا۔ ویسے ویسے اس کے قدم تیز ہوتے جا رہے تھے۔ بنوئے چپ چاپ اس کے برابر چلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ذرا دیر بعد گورا نے پھر بات شروع کی " بنوئے میں اس معاملہ کو اتنی آسانی سے ختم نہیں ہونے دوں گا! اس بدمعاش نے میرے نندا پر جو ظلم ڈھایا ہے مجھے سخت اذیت دے رہا ہے۔ وہ مظالم میرے تمام ملک کو اذیت پہونچا رہے ہیں۔ میں اُسے کوئی انفرادی یا کوئی معمولی بات نہیں سمجھ سکتا"!

بنوئے کو پھر بھی چُپ دیکھ کر گورا نے گرجنا شروع کر دیا " بنوئے میں اچھی طرح جانتا ہوں تم یہ سوچ رہے ہو ——— تم سوچ رہے ہو کہ ان باتوں کا کوئی حل نہیں اور اگر ہے بھی تو وہ ابھی بہت دُور ہے۔ اگر میرے لئے ممکن ہو سکتا تو میں اپنی جان دے دیتا۔ میرے وطن کو جو زخم لگتے ہیں ان کا مداوا ضرور موجود ہے ——— چاہے وہ زخم کتنے ہی سخت کیوں نہ ہوں۔ اور وہ مداوا بھی میرے ہی ہاتھ میں ہے۔ چونکہ میں

اسی بات پر یقین رکھتا ہوں یہی وجہ ہے کہ میں اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے غم، پریشانی اور تحقیر کو برداشت کر سکتا ہوں۔"

"کبھی مجھ میں تو اتنی ہمت نہیں ہے کہ اس بھیانک اور وسیع غم و اندوہ میں اپنا ایمان سلامت رکھ سکوں۔" بنوئے نے کہا۔

"میں یہ کبھی نہیں مان سکتا کہ غم ابدی ہے۔" گورا نے جواب دیا۔ "کائنات کی ساری قوتِ فکر اور قوتِ ارادی اس کو ختم کر دینے پر تُلی ہے۔ داخلی اور خارجی دونوں حیثیتوں سے، بنوئے میں تم سے کہتا ہوں اور پھر کہتا ہوں، کبھی خواب میں بھی یہ نہ سوچنا کہ ہمارے ملک کا آزاد ہو جانا ناممکن ہے۔ ہمیں اپنے دل میں اس کی آزادی کا اٹل یقین رکھنا چاہیئے۔ اور ہر لحظہ تیار رہنا چاہیئے، تم ایک موہوم خیال پر مطمئن ہو گے کہ کسی خاص مبارک لمحے پر ہندوستان کی جنگ آزادی شروع ہو گی مگر میں کہہ چکا ہوں کہ وہ شروع ہو چکی ہے اور ہر لمحہ جاری ہے اگر ہمیں چوکنا نہ رہیں، ہوشیار نہ رہیں تو ہمارے لئے اس سے زیادہ بزدلانہ حرکت اور کیا ہو سکتی ہے؟"

"دیکھو گورا" بنوئے نے جواب دیا۔ "تم میں اور باقی لوگوں میں میں یہ فرق دیکھتا ہوں کہ روزانہ ہونے والی معمولی باتیں بھی تم کو ہر بار ایک نیا جوش دلاتی ہیں، یہی باتیں جو مدتوں سے ہوتی چلی آ رہی ہیں اور معمول سی بن گئی ہیں۔ اور ہم ان سے ایسے بے خبر ہیں جیسے ہر وقت لئے جانے والی سانس سے! وہ نہ ہمیں امید دلاتی ہے۔ نہ ہم پر مایوسی طاری کرتی ہے، نہ ہمیں خوش کرتی ہے نہ رنجیدہ۔ ہمارے شب و روز کچھ اس طرح گزرتے رہتے ہیں کہ چاروں طرف سے چھوٹے چھوٹے واقعات کے ہجوم میں گھر کر نہ ہم اپنے کو پہچان پاتے ہیں نہ اپنے ملک کو۔"

گورا کا چہرہ لال ہو گیا۔ ماتھے پر نسیں کھڑی ہو گئیں۔ اس نے دونوں مٹھیاں بھینچ لی تھیں اور جنونانہ جذبات کے ساتھ یک بیک آدمی کا پیچھا کرنا شروع کیا جو دو گھوڑے جُتا ہوا تانگہ چلا رہا تھا

دوڑاتے ہوئے وہ تند زور اپنی گرجدار آواز میں پکارتا جا رہا تھا: "رُک جاؤ! رک جاؤ" تانگہ ہانکنے والے، موٹے سے سفید پوش بنگالی بابو نے ایک بار پیچھے مُڑ کر دیکھا اور پھر اپنے تیز رفتار گھوڑوں کو ایک زور کا چابک لگایا اور غائب ہو گئے۔

بات یہ ہوئی تھی کہ ایک بڑھا مسلمان باورچی جو کسی انگریز کا نوکر معلوم ہوتا تھا اپنے سر پر سودے کی ایک ٹوکری رکھے بیچ سڑک پر سے گزر رہا تھا۔ موٹے بنگالی بابو نے اس کو ہٹنے کے لئے آواز تو دی تھی مگر بوڑھے نے، جو بہرہ تھا، سُنی نہیں! ویسے وہ بچ تو گیا لیکن ٹھوکر کھا کے گرا تو ٹوکری اُلٹ گئی؛ تمام پھل، سبزیاں، مکھن، انڈے سڑک پر بکھر گئے۔ بنگالی بابو نے سیٹ پر مڑ کر ڈانٹا تھا "کمبخت، سُور"۔ اور بیچارے بوڑھے کو چابک کا ایک ایسا سڑاکا دیا تھا کہ خون پھوٹ آیا۔

"اللہ۔ اللہ"۔ بوڑھے نے ٹھنڈی سانس بھر کے کہا اور پھر جو چیزیں مٹی میں نہیں گئی تھیں وہ سڑک پر سے اٹھا اٹھا کے ٹوکری میں رکھنے لگا۔ گوپال بھی اسی جگہ واپس آ گیا اور سڑک پر سے چیزیں چُننے میں بوڑھے کی مدد کرنے لگا۔ غریب باورچی اس صاف ستھرے سفید پوش نوجوان کو اتنی تکلیف کرتے دیکھ کر اور بھی گھبرا گیا، "آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ بابو اب یہ چیزیں کسی کام کی تھوڑا ہی ہیں۔"

گوپال کو معلوم تھا کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے وہ کوئی خاص مدد نہیں ہے بلکہ جس کو وہ مدد دے رہا ہے اس کو اس بات سے کچھ راحت ہی ہوگی لیکن اس نے محسوس کیا کہ اس وقت کچھ نہ کرنا ناممکن ہے۔ آخر راہ چلتوں کو یہ اندازہ کیسے ہو کہ ایک شریف آدمی نے جو ظلم ڈھایا ہے اس کا تھوڑا بہت کفارہ دوسرے شریف آدمی کو اس طرح ادا کرنا چاہئے کہ وہ بھی سڑک سے گندگی بٹورنے کی ذلت اٹھائے اور اس غریب بوڑھے کا ہاتھ بٹائے۔ تاکہ سچائی لوگوں پر ظاہر ہو۔

جب ٹوکری بھر گئی تو گوپال نے کہا: "تمہارا بہت نقصان ہوا ہے کیسے بھر پاؤ گے۔ تم میرے گھر چلو میں پورا کئے دیتا ہوں —— مگر ایک بات تم میری بھی کان کھول کر سن لو

ایسا ظلم چپ چاپ سے برداشت کر جاؤ گے، ایک لفظ بھی احتجاج کا نہیں کہو گے تو اللہ بھی تمھیں معاف نہیں کرے گا۔

"اللہ گنہگار کو سزا دے گا۔ جو برا کرے گا اُس کو سزا دے گا، مجھے وہ کیوں سزا دیگا"
اس مسلمان باورچی نے جواب دیا۔

"جو ظلم اور گناہ کے آگے سر جھکا دیتا ہے وہ بھی گناہگار ہے کیونکہ وہی دُنیا میں ساری بُرائی کا سبب ہے۔ تم میری بات نہ سمجھو، نہ مانو لیکن مذہب کا نام صرف نیکی نہیں ہے کیونکہ صرف نیکی سے تو گنہگاروں ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تمھارے محمد صاحب اس بات کو خوب جانتے تھے۔ یہی تو وجہ ہے کہ انھوں نے چپ چاپ ظلم برداشت کرنے کو کبھی نہیں کہا۔"
چونکہ گورا کا گھر زیادہ دور پڑتا تھا وہ بوڑھے ونوئے کے کمرے پر لے گیا اور لکھنے کی میز کے سامنے رک کر بولا "ماؤ، دو روپیہ نکالو"۔
"ذرا ٹھہر جاؤ میں کنجی تو لے آؤں" ونوئے بولا۔

لیکن گورا نے بے صبری سے جو دراز کھینچا تو وہ ٹوٹ گیا۔ دراز جھرام سے نکل پڑی۔ اندر گورا کو جو چیز سب سے پہلے نظر آئی وہ پاریش بابو کے پورے خاندان کی ایک بڑی سی تصویر تھی جو ونوئے نے اپنے ننھے دوست ستیش کے ذریعہ حاصل کی تھی۔

گورا نے بوڑھے کو تو کچھ روپیہ دے کر روانہ کر دیا لیکن تصویر کے متعلق ایک لفظ نہیں کہا۔ گورا کو خاموش دیکھ کر ونوئے نے بھی ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا چپ رہا۔ حالانکہ اگر اس موضوع پر دو چار الفاظ آپس میں ہو جاتے تو اُس کو تسلی ہو جاتی۔ خیر ——

پھر گورا ایکایک بولا "اچھا تو میں چلا"۔

"واہ بڑے مزے کی بات کرتے ہو۔ اکیلے ہی اکیلے میں چلا۔ جانتے نہیں ہو کہ تمھاری ماں نے مجھ کو بھی کھانے پر بلایا ہے۔ میں بھی تمھارے ساتھ ساتھ ہی چلتا ہوں"۔
دونوں ساتھ باہر نکلے۔ واپسی پر راستے میں گورا کچھ نہیں بولا۔ اس تصویر نے اُسے ایک بار

پھر یاد دلایا تھا کہ بنوتے اپنے دل کے طوفان میں بہتا ہوا ایک ایسے رستے جا رہا تھا جس کا اُسکے راستے سے کوئی تعلق نہ تھا۔

بنوتے کو گورا کی خاموشی کا سبب خوب معلوم تھا لیکن وہ اس کی اس علیحدگی کی فصیل توڑتے ہوئے کچھ ہچکچا رہا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس وقت گورا کا ذہن ایک ایسی بات میں اُلجھا ہوا ہے جس نے ان دونوں کی رفاقت کے درمیان ایک خلیج کی طرح حائل ہوگئی ہے۔

گھر پہونچے تو موہم دادا کو دیکھا کہ زینے پر کھڑے نیچے گلی میں جھانک رہے ہیں۔

"ارے! یہ کیا ہو رہا ہے؟" انھوں نے ان دونوں دوستوں کو دیکھتے ہی پکارا "میں تو سمجھا تم دونوں کہیں آرام سے نٹ پاتھ پر سو رہے ہو گے۔ اُفوہ! اتنی دیر ہو گئی ہے! بنوتے تم جاکر نہاؤ۔ کھانا آتا ہی ہے"

بنوتے کو اس طرح چلتا کرکے وہ گورا سے مخاطب ہوئے "دیکھو گورا! میں نے تم سے جو بات کہی ہے اس پر تمھیں سنجیدگی سے غور کرنا ہے۔ اگر بنوتے تمھارے معیار کے مطابق مذہبی نہیں بھی ہے تو آخر ہمیں دنیا میں اس سے بہتر رشتہ اور ملے گا بھی کہاں۔ صرف مذہبیت لے کر کیا کرنا ہے۔ تعلیم بھی تو چاہیئے، میں مانتا ہوں کہ مذہبیت اور تعلیم کا میل ہمارے شاستروں کے عین مطابق نہیں ہے مگر سوچو تو یہ میل کچھ ایسا بُرا بھی نہیں ہے۔ اگر تمھاری اپنی کوئی بیٹی ہوتی تو مجھے یقین ہے کہ تم ضرور میری رائے سے اتفاق کرتے"

"وہ سب ٹھیک ہو جائے گا دادا" گورا نے جواب دیا "میرا خیال ہے بنوتے کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا"

"ذرا اس کی بات کوئی سُنے۔ ارے! بنوتے کے اعتراض کی فکر کس کو ہے! میں تو تمھارے اعتراض سے ڈرتا ہوں۔ اگر تم بنوتے سے اپنی زبان سے دو چار لفظ کہہ دیتے تب تو مجھے بہت ہی اطمینان ہو جاتا۔ لیکن اگر وہ نہیں کر سکتے تو خیر جانے دو"

"نہیں میں اس سے کہوں گا" گورا نے مختصر جواب دیا موہم بابو کو محسوس ہوا کہ اب

تو صرف بارات کے کھانے کا انتظام کرنا رہ گیا ہے۔!

جیسے ہی گورا کو موقع ملا اس نے نبو ئے سے بات چھیڑ دی: "داوا تمھارے رشتے کے لئے بہت۔ ور نئے رہے ہیں شادی کے لئے۔ تم کیا کہتے ہو؟"

"پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تمھاری خواہش کیا ہے؟"

"میں تو کہتا ہوں کہ کوئی ایسی بُری بات تو نہ ہوگی۔"

"مگر تم تو اس سے بالکل مختلف طریقے پر سوچا کرتے تھے۔ کیا ہم دونوں نے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ ہم میں سے کوئی بھی شادی نہیں کرے گا۔ میں تو سمجھتا تھا بات طے ہو چکی ہے۔"

"کیوں ایک ہی راستے کے مسافروں کے لئے دو منزلیں کیسی؟"

"مجھے دو منزلوں کا خدشہ ہے نہ جبھی تو اس انتظام کی رائے دے رہا ہوں۔ بعض لوگوں کو تو خدا بوجھ لاد کر ہی پیدا کرتا ہے۔ اور دوسرے خوش نصیب ہلکے پھلکے ہوتے ہیں۔ اگر آپ ان دونوں قسم کے جانوروں کو ایک ہی جُوئے تلے ناتھ دیں تو پھر ساتھ ساتھ چلنے کے لئے دوسرے پر بھی اتنا ہی بوجھ تو لادنا پڑے گا۔ ہم دونوں تبھی ایک دوسرے کا ساتھ دے سکیں گے، جب تمھارے اُوپر شادی کی ذمہ داریوں کا کافی بوجھ لاد دیا جائے۔"

"اچھی بات ہے۔ اس طرف بھی بوجھ ڈھیر کر دو ——— بالکل کر دو۔"

"لیکن وہ بوجھ کوئی خاص ہو تو تمھیں اس پر کیا اعتراض ہے؟"

"ارے جب کمر ہی توڑنی ہے تو وہ کسی چیز سے بھی توڑی جا سکتی ہے۔ اینٹیں ہوں یا پتھر ——— اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

بنوئے گورا کی اصل حیثیت کو بھانپ گیا تھا! اور اُس کی کوششوں پر دل ہی دل میں لُطف لے رہا تھا۔ یہ کوششیں دراصل اس لئے تھیں کہ وہ پریش بابو کی لڑکیوں میں سے کسی کے چنگل میں نہ پھنس جائے۔

دوپہر کا باقی وقت پچھلی رات کے جاگنے کی مدنی کرتے گزرا۔ دونوں دوست

خوب سوئے۔ جب سائے لمبے ہونے لگے تو پھر دونوں چھت پر جا بیٹھے۔ اس وقت تک اور کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

نبو بیٹے نے آسمان کی طرف دیکھا اور بولا "دیکھو گورا، میں ایک بات تم سے کہنا چاہتا ہوں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کی حُبّ الوطنی میں ایک بہت بڑی خرابی ہے اور کمی ہے۔"

"کیوں؟ کیا؟ کیا مطلب ہے تمھارا" گورا نے چونک کے پوچھا۔

"ہم لوگ ہندوستان کو صرف مردوں کا ملک سمجھتے ہیں۔ عورتوں کو ہم بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔"

"وہی انگریزوں والی بات۔" گورا نے جواب دیا" آپ تو ہر جگہ عورتوں کو دیکھنا چاہتے ہیں، گھر میں اور گھر سے باہر، زمین پر، پانی پر، آسمان پر کھاتے وقت تفریح کرتے وقت کام کرتے وقت، یہاں تک کہ اگر عورتیں مردوں پر بالکل چھا جائیں تب بھی آپ یہی کہتے رہیں گے کہ ابھی معاملہ یکطرفہ ہے۔"

نہیں بھائی آپ یوں آسانی سے میری بات کو نہیں ختم کر سکتے، اس میں یہ سوال نہ اُٹھائیے کہ میں انگریز کی طرح سوچتا ہوں یا کسی اور کی طرح! میرا تو کہنا یہ ہے کہ ہم اپنے ملک کی عورتوں کو اُن کی جائز جگہ دینے کی سوچتے ہی نہیں ہیں! مثلاً تم اپنے کو ہی لو۔ میں یقینی طور سے کہہ سکتا ہوں کہ تم عورتوں کے بارے میں کبھی لمحہ بھر کے لئے بھی نہیں سوچتے ہو، تمھارے خیال میں ہمارے ملک میں عورتیں ہیں ہی نہیں۔ اور یہ تو صحیح بات نہیں ہے۔

"میں نے اپنی ماں کو دیکھا اور جانا ہے۔" گورا نے کہا "میں نے اُن کی شخصیت میں اپنے ملک کی تمام عورتوں کو دیکھا ہے اور یہ بھی معلوم کیا ہے کہ عورتوں کی جگہ کیا ہے۔"

"اب تم مجھے گھڑ گھڑ کر اپنے آپ کو دھوکا نہ دو۔" بنو بیٹے بولا "اپنے گھر میں گرہستی میں جٹی ہوئی عورتوں کو دیکھنے سے اصل بات نہیں معلوم ہوتی۔ مجھے معلوم ہے کہ اگر میں انگریزی

سوسائٹی اور اپنی سوسائٹی کا موازنہ کروں گا تو تم کو بُرا لگے گا۔ اور میں ایسا کرنا بھی نہیں چاہتا۔ میں اس بات کو جاننے کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اگر ہماری عورتیں باہر نکلیں تو کس طریقے سے اور کس حد تک نکلیں۔ کہ بات قاعدے کے اندر بھی رہے لیکن میرا بس اتنا ہی ہے کہ جب تک ہماری عورتیں پردے کے پیچھے بند ہیں ہمارا وطن ہمارے لئے ایک ادھوری حقیقت رہے گا اور ہماری مکمل محبت اور عقیدت حاصل نہیں کر سکتا۔"

جس طرح وقت کے دو پہلو ہیں، دن اور رات اسی طرح سوسائٹی کے دو حصے ہیں مرد اور عورت" گورا نے بحث شروع کر دی۔ "سوسائٹی کی فطری حالت میں عورتیں نظر نہیں آتی ہیں چھپی رہتی ہیں رات کی مانند لیکن ان کے تمام کام پردہ کے پیچھے بغیر کسی رکاوٹ کے ہوتے رہتے ہیں لیکن جب سماج غیر فطری رجحان اختیار کرتا ہے تو پھر رات دن کے حدود پر حملہ آور ہوتی ہے۔ کام اور تفریح دونوں ہی مصنوعی روشنی سے ہونے لگتے ہیں۔ اور نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ رات کے پوشیدہ کام رک جاتے ہیں۔ پھر تھکن رفتہ رفتہ بڑھنے لگتی ہے صحت مندی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر انسان نشہ کے سہارے جینے لگتا ہے۔ اسی طرح اگر ہم اپنی عورتوں کو باہر کے فرائض ادا کرنے کے لئے کھینچ نکالیں تو ان کاموں کو جو وہ خاموشی سے کرتی رہتی ہیں ضرور خلل پڑے گا۔ سوسائٹی کا امن وچین غارت ہو جائے گا۔ اور اس کے بجائے انتشار پھیل جائے گا۔ بادی النظر میں یہ انتشار ایسا معلوم ہوگا کہ قوت ہے لیکن دراصل یہ ایک ایسی چیز ہوگی جو طوفان کی طرح پھٹ پڑے اور تباہی مچادے گی۔ سوسائٹی کے ان دونوں حصوں میں مرد ایک ایسی قوت ہے جو کھلی ہوئی ہے۔ لیکن اسی لئے اس کو اب اور زیادہ کھلنے کی ضرورت نہیں ہے؛ لیکن عورت کی محفوظ قوت اگر آپ سطح پر لے آئیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ سوسائٹی اپنے زر اصل کو خرچ کرنا شروع کر دے۔ اور ایسا کر کے وہ آخر میں دیوالیہ ہو جائے گی۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ مرد اگر دعوت کھاتے ہیں تو عورت کو اجناس کا محافظ مقرر کرنا چاہیئے۔ تب ہی جا کے ہمارا کھانا پینا محفوظ رہ سکتا ہے۔

حالانکہ عورت اس کی حفاظت کرتی نظر نہیں آتی۔ اور یہ ساری قوت ایک ہی طرح سے، ایک ہی جگہ، ایک ہی سمت ضائع کر دی جائے اس کی صلاح تو کوئی نشہ میں ہی دے سکتا ہے، ہوش میں تو نہیں۔"

"گودا" ہنومے نے کہا "تم جو بات کہتے ہو میں اس پر تم سے جھگڑنا نہیں چاہتا لیکن جو دلیل میں نے پیش کی تھی اس کو غلط تو تم نے کبھی نہیں ثابت کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ!"

"دیکھو ہنومے" گودا نے اس کی بات کاٹی "اگر ہم نے اس موضوع پر بحث کو بڑھایا تو باقاعدہ جھگڑا ہو جائے گا۔ میں اس بات کو مانتا ہوں کہ عورتیں میرے شعور پر اس بری طرح نہیں سوار ہو گئی ہیں جیسے وہ حال میں تمہارے ذہن پر ہو گئی ہیں۔ اس لئے تم مجھے ان کے متعلق ویسا احساس نہیں کرا سکتے جیسا خود کر رہے ہو۔ اس وقت تو ہمیں صرف اس بات پر اتفاق کرنا چاہئے کہ اس بات پر ہم میں اختلاف ہے۔"

اس طرح گودا نے اس موضوع کو تو اس وقت اُٹھا کے رد کر دیا لیکن بہرحال کوئی بیج اگر پھینک دیا جائے تو بھی وہ گرتا ہے زمین ہی پر۔ اور وہاں پڑا پڑا وہ اس وقت کا انتظار کرتا رہتا ہے جب اُسے پھوٹ نکلنے کا موقع مل جائے۔ ابھی تک گودا نے عورتوں کو اپنی حدِ نظر کے اندر بالکل نہیں آنے دیا تھا۔ اور اُسے خواب میں بھی اس بات کا خیال نہ آیا تھا کہ اس طرح کرنے سے زندگی میں کوئی خلا آ گیا ہے یا کچھ کمی رہ گئی ہے۔ آج ہنومے کی بات سے اُسے اس حقیقت کا احساس ہوا کہ عورتیں بھی سوسائٹی میں موجود ہیں۔ اور اس کا بڑا طاقتور حصہ ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ اُن کی خاص جگہ اور ان کا خاص مقصد کیا ہے اسلئے وہ ہنومے سے یہ بحث کرنے سے کترا گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے اس موضوع پر قدرت نہیں ہے۔ اُس کو بیکار کہہ کر بھی رد نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اس نے سوچا کہ اس پر گفتگو دبی کی جائے تو اچھا ہے۔

اس رات نبوئے گھر جانے کے لیے روانہ ہی ہو رہا تھا کہ آنند موئی نے اس کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا "کیوں؟ شاشی سے تمھارا بیاہ طے ہو گیا۔؟

نبوئے نے کچھ جھینپتی ہوئی ہنسی کے ساتھ جواب دیا "جی ہاں! ——— وہ گورا نے ناؤ کا کام انجام دیا۔"

"شاشی اچھی خاصی لڑکی ہے۔ لیکن دیکھو نبوئے کوئی بچپنا نہ کر بیٹھنا میں تمھیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ میرے بیٹے، چونکہ تم سچ مچ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے اس لئے تم نے جلدی سے ایک فیصلہ کر لیا؛ اس بات پر سوچنے کے لئے ابھی بہت وقت ہے، تم اتنے بڑے ہو کہ اپنے متعلق صحیح فیصلہ کر سکو، جب تک اپنے اصلی احساسات کا اچھی طرح جائزہ نہ لے لو اتنی بڑی بات کا فیصلہ مت کرو۔"

یہ کہتے ہوئے انھوں نے آہستہ سے نبوئے کا کندھا تھپتھپایا۔ نبوئے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ، آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہاں سے روانہ ہو گیا۔

———— ۱۵ ————

اٹھارھواں باب

گھر واپس آتے ہوئے بنوئے آنند موئی کی بات پر غور کرتا رہا۔ ابھی تک کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ انھوں نے کوئی بات کہی ہو اور بنوئے نے اُس پر سنجیدگی سے غور نہ کیا ہو ساری رات اُسے یوں محسوس ہوتا رہا کہ کسی بھاری بوجھ تلے دبا ہے۔

دوسرے دن صبح اُٹھا تو اس کا ذہن کافی ہلکا لگ رہا تھا۔ کم از کم اس نے گورا کی دوستی کی ایک بڑی قیمت تو ادا ہی کر دی تھی۔ ششی کے بیاہ کرنے کا وعدہ کر کے اس نے ایک زندگی بھر کا بندھن قبول کر لیا تھا۔ اس سے اسے حق تو حاصل ہی ہو گیا تھا کہ دوسری پابندیوں کو وہ قدرے ڈھیلا کر سکے۔ گورا کے دل میں جو اس کی طرف سے یہ خیال بیٹھ گیا تھا کہ ایک برہمو خاندان میں شادی کرنے کی ہوس اس کو اپنے مذہب سے دُور لیے جا رہی ہے تو شادی کا یہ پیمان کم از کم اس خیال کو تو یقیناً ختم ہی کرنے گا۔

چنانچہ بنوئے اب اکثر پاریش بابو کے یہاں جانے لگا اور اُسے کسی قسم کا تکلف نہیں رہا۔ ویسے بھی وہ جن لوگوں کو پسند کرتا تھا اُن کے گھر میں بے تکلف ہو جانا اس کے لئے کبھی مشکل نہ ہوتا تھا۔ اب تو گورا کے خیال سے جو ہچکچاہٹ سی تھی وہ بھی دُور ہو گئی۔ پاریش بابو کے گھر کے لوگ اسے اپنے ہی خاندان کا ایک فرد سمجھنے لگے۔

شروع میں لولتا نے بنوئے کے خلاف شمشیر برہنہ کر رکھی تھی لیکن یہ کیفیت اسی وقت تک رہی جب تک اُسے یہ شک رہا کہ سچارتیا بنوئے کو پسند کرنے لگی ہے جیسے ہی اسے یہ پتہ چلا کہ سچارتیا کے جذبات اس کی طرف کوئی خصوصیت نہیں رکھتے، اُس کی

بغاوت نے ہتھیار ڈال دیئے اور بغیر کسی پس و پیش کے یہ تسلیم کر لیا کہ بنوئے بابو آدمی اچھے تھے۔

یہاں تک کہ اب ہرن بابو نے بھی مخالفت چھوڑ دی، بلکہ اس کے برخلاف وہ ہمیشہ یہ جتانے کے خواہشمند رہتے کہ بنوئے میں واقعی اچھے اخلاق کے کچھ آثار پائے جاتے تھے جس کے دراصل معنی یہ تھے کہ گورا میں بالکل نہیں پائے جاتے، اور چونکہ بنوئے کبھی ہرن بابو سے بحث نہیں کرتا تھا اور سچاریتا بھی اس کی طرح اس حکمت عملی سے کام لیتی تھی، اس لئے بنوئے کی شخصیت چائے کی میز پر جھگڑے کی بنیاد کبھی نہیں بنتی تھی۔

لیکن اگر ہرن بابو موجود نہ ہوتے تو سچاریتا بنوئے کو خوب اُکساتی کہ وہ سماجی مسائل پر اپنی رائے کی نصاحت کرے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ گورا اور بنوئے کے سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ اپنے ملک کے پرانے رسم و رواج اور توہمات کو کس طرح صحیح سمجھتے ہیں! اگر ان دونوں سے اس کی ملاقات نہ ہوتی، تو وہ اس کوشش کو نہایت حقارت سے ٹھکرا کر الگ کر دیتی؛ لیکن پہلی ہی ملاقات کے بعد وہ گورا کی شخصیت کو اپنے ذہن سے نکال نہیں سکی اس لئے جب اُسے موقعہ ملتا تو وہ گفتگو کو اس رُخ پر موڑ دیتی کہ گورا کے خیالات اور اس کی طرز زندگی پر بحث ہونے لگتی۔ اور اس طرح وہ سوالات اور اعتراضات کرتے کرتے اصل موضوع کے قریب اور قریب تر ہونے کی کوشش کرتی۔ پاریش بابو سچاریتا کی تعلیم اور روشن خیالی کے لئے یہ ضروری سمجھتے تھے کہ وہ ہر مذہب اور فرقہ کی رائے معلوم کرے، اس لئے انہیں کبھی یہ خیال نہیں ہوا کہ سچاریتا کا ذہن بھٹک بھی سکتا ہے چنانچہ وہ اس طرح کی بحثوں کو کبھی نہیں روکتے تھے۔

ایک دن سچاریتا نے پوچھا: "اچھا مجھے یہ بتایئے کیا واقعی گورموہن بابو ذات پات

کو مانتے ہیں یا ان کا یہ سب اظہار خیال صرف اپنے وطن سے بیحد محبت کا نتیجہ ہے؟"

"آپ زینے کی سیڑھیوں کو تو دیکھتی ہیں نہ؟ ایک کے بعد ایک ہوتی ہیں اور یہ حقیقت مانتی بھی ہیں، پھر آپ ایک سیڑھی کو دوسری سے اونچا ماننے سے گریز کیوں نہیں کرتیں؟"

"میں اس لئے ان پر اعتراض نہیں کرتی کہ ان کے ذریعہ اوپر جانا ہوتا ہے، سطح زمین پر میں ان کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کروں گی۔"

"بالکل ٹھیک ہے" بنوئے نے جواب دیا "ہمارا سماج بھی ایک زینہ سمجھیے جس کا مقصد یہی ہے کہ لوگ نیچے سے اوپر کو جائیں۔ انسان کی زندگی کی آخری حدوں تک! اگر ہم صرف اسی سماج یا اسی دنیا تک اپنی نظروں کو محدود رکھیں تو ان خصائص کو ماننے کی کوئی ضرورت نہیں، اور مغربی فلسفۂ حیات، کہ زیادہ سے زیادہ جدوجہد کر لی جائے، بھی ہمیں مطمئن کر دیتا۔

"مجھے افسوس ہے یا میں آپ کا مطلب ٹھیک سے نہیں سمجھ پا رہی ہوں" سچاریتا نے اعتراض کیا "میرا سوال صرف اتنا ہے کہ ہماری سوسائٹی میں جس مقصد سے یہ مذہبی تفرقے پیدا ہوئے، ذات پات وجود میں آئی، کیا آپ کے خیال میں وہ مقصد کوئی کارآمد مقصد ہے؟"

"اس دنیا میں ہی کامیابی کا منھ دیکھنا ایسی آسان بات نہیں ہے؛ ہندوستان نے انسانی سماج کے مسائل کا ایک بہت بڑا حل نکالا تھا —— یہی ذات پات کی تقسیم انسانوں کو مختلف گروہوں میں بانٹا؛ یہ حل ابھی تک دنیا میں تجربہ کیا جا رہا ہے۔ مغرب نے ہمیں اس سے بہتر کوئی حل دیا نہیں کیونکہ ان کے یہاں تو سماج ایک طویل جدوجہد اور کھینچ کھسیٹ کا نام ہے۔ اس لئے انسانیت ابھی تک اس انتظار میں ہے کہ ہندوستان نے جو حل پیش کیا ہے وہ کامیاب ہو۔"

"دیکھیے آپ ناراض نہ ہوں" سچاریتا نے خاکساری کے ساتھ کہا "لیکن یہ مجھے

بتا دیجئے کہ آپ گورموہن بابو کے خیالات کی گونج پیش کر رہے ہیں یا سچ مچ آپ خود بھی ان باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔"

"دیکھو بھائی سچی بات تو یہ ہے" بنوئے نے مسکرا کے کہا "کہ گورا کو جو قوتِ ایمانی حاصل ہے وہ مجھے نہیں ہے۔ میں جب اپنے سماج کی خرابیاں دیکھتا ہوں، اپنے ذات پات کے سسٹم کا گھٹیا پن دیکھتا ہوں تو اپنے شک وشبہ کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن گورا مجھے یہ کہتا ہے کہ شک تو صرف نتیجہ ہے عظیم چیزوں کو زیادہ تفصیل سے گھنگھو لنے کی کوشش کا۔ وہ کہتا ہے کہ اگر انسان کسی درخت کی گری ہوئی مرجھائی ہوئی پتیاں اور ٹوٹی ہوئی سوکھی ہوئی ڈالیاں دیکھ کر اس درخت کی خاصیت کا اندازہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو دانشور عجلت کہتے ہیں؛ اس کا یہ کہنا نہیں ہے کہ ٹوٹی ہوئی ڈالیوں اور پتیوں کی تعریف کی جائے لیکن یہ ضرور کہنا ہے کہ پورے درخت کا جائزہ لینے کے بعد ہی اس کے مقصد کو ٹھیک سے سمجھا جا سکتا ہے۔

"بیشک مرجھائی اور گری پتیوں کو ضرور چھوڑ دیجئے" سچاریتا نے جواب دیا۔ "لیکن پھول کو کیا کہیئے گا پھل کے متعلق رائے دینے کا تو ہم لوگوں کو حق ہے۔ آپ کے خیال میں ذات پات کے سسٹم نے ملک کو کس طرح کے پھل دئے ہیں؟"

"آپ جسے تقسیم ذات کا پھل کہتی ہیں، وہ صرف اسی سے متعلق نہیں ہے بلکہ ہمارے سماج کے مجموعی حالات کا نتیجہ ہے۔ اگر آپ ہلتے ہوئے دانت سے کوئی چیز کھائیں گی تو ضرور آپ کو درد ہوگا۔ لیکن اس میں آپ کے دانت کو قصوروار نہیں ٹھہرائیں گے بلکہ اس کے ہلنے کو ذمہ دار قرار دیں گے نہ؟ چونکہ مختلف اسباب کی بنا پر ہماری ذہنیت کمزور اور مریض ہو چکی ہے اس لئے ہندوستانی خیالات کو آگے بڑھا کے کامیاب بنانے کے بجائے اُن کو توڑ مروڑ کر، مسخ کر کے پیش کرتے ہیں۔ اسی لئے گورا ہم لوگوں کو برابر اکساتا رہتا ہے کہ بیمار ذہنیت سے بچو۔ صحت فکر اور قوتِ خیال کو

مضبوط کرو۔"

"اچھی بات ہے تو کیا آپ برہمن کو کوئی خاص برگزیدہ ہستی سمجھتے ہیں۔؟ کیا آپ واقعی مانتے ہیں کہ برہمن کے پاؤں دھو کر سر سے لگانا انسان کو پاکیزہ بنا سکتا ہے؟"

"پہلے آپ یہ بتایئے کہ دُنیا میں جو کچھ بھی نظرِ عقیدت کیا جاتا ہے وہ بہت کچھ کیا اپنا ایجاد کیا ہوا نہیں ہوتا۔ اگر ہم سچے برہمن پیدا کر سکتے تو کیا یہ ہماری سوسائٹی کے لئے کوئی معمولی بات ہوتی۔ ہمیں واقعی برگزیدہ ہستیوں کی ضرورت ہے، معمولی انسانوں سے بالاتر لوگ درکار ہیں۔ اگر واقعی ہم اپنے ذہن کی پوری طاقت اور دل کی پوری لگن سے ایسے انسان پیدا کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں لیکن اگر اپنی خواہش کو حماقت کے راستے پورا کرنا چاہیں تو پھر تو ہمیں اطمینان رکھنا چاہیے کہ ہماری سرزمین شیطانوں سے ہی بھرے گی جن کے لئے کسی باہر کی شیطنت کی ضرورت نہیں، اور جو ہمارے سروں پر اپنے پیروں کی دھول جھاڑ کر اپنا اُلو سیدھا کریں گے۔"

"یہ آپ کے معمولی انسانوں سے بالاتر انسان دُنیا میں کہیں پیدا ہوئے بھی ہیں؟" سچاریتا نے پوچھا۔

"وہ یہیں سے پیدا ہوں گے، ہندوستان کے بطونِ ارواح سے، مقاصد سے، ضرورتوں سے جیسے بڑے تناور درخت ننھے سے بیج میں چھپے ہوتے ہیں اور ملکوں میں ویلنگٹن ایسے سپہ سالاروں کی ضرورت ہے۔ نیوٹن ایسے سائنس دانوں کی ضرورت ہے۔ روتھ چائیلڈ جیسے کروڑپتیوں کی ضرورت ہے۔ لیکن ہمارے ملک کو برہمن کی ضرورت ہے۔ ایسا برہمن جسے یہ نہ معلوم ہو کہ خوف کسے کہتے ہیں؛ جو ہوس کو ختم کر سکتا ہو، مسرت سے بے نیاز ہو جیسے احساسِ زیاں نہ ہو، جس کی ذات، ذاتِ خداوندی سے بلا واسطہ طور پر فیض حاصل کرتی ہو۔ ہندوستان کو آج فولاد طبیعت، روشن خیال، ذہنوں والے برہمنوں کی ضرورت ہے، ایسے لوگ پیدا ہوں گے تبھی ہمارا ملک آزاد ہوگا۔ ہم بادشاہوں کے آگے سر

جھکانے اور جو بڑوں کے جوتے کے سامنے گردنیں جھکانے والے لوگ نہیں ہیں۔ لیکن ہوا
یہ ہے کہ ہم اندرونی خوف کی وجہ سے جھکتے گئے ہیں۔ اپنی ہوس کے جال میں خود ہی پھنس
گئے ہیں، اپنی حماقت کے خود ہی شکار ہیں! سچے برہمن پیدا ہوں تو اپنی تربیت سے
ہمیں اس خوف، اس ہوس اور اس حماقت سے نجات دلا سکتا ہے۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ
وہ ہمارے لئے جنگیں لڑیں، تجارتیں کریں یا کوئی دنیاوی فائدے ہمارے لئے حاصل کریں۔"

اس وقت تک پریش بابو خاموش بیٹھے صرف سُن رہے تھے، یہاں انھوں نے
بھی آہستہ سے کہا "میں یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتا کہ میں ہندوستان کو سمجھتا ہوں، یہ بھی
مجھے نہیں معلوم کہ ہندوستان اپنے لئے کیا چاہتا ہے اور کہاں تک اُسے حاصل کرنے میں
کامیاب ہوا، لیکن جو دن گزر گئے کیا آپ کبھی بھی اُن کو واپس لا سکتے ہیں، یا اُن تک
پہونچ سکتے ہیں۔ حال میں جو کچھ ممکن ہے میرا خیال ہے کہ اگر ہماری جدوجہد اسی سے
متعلق رہے تو اچھا ہے۔ آخر ہم ماضی کے آگے فریاد کے ہاتھ بڑھا بڑھا کے کیا حاصل
کر سکتے ہیں؟"

"میں نے اکثر اس طرح سوچا ہے۔ جیسے آپ فرما رہے ہیں" بنوئے نے جواب دیا "لیکن
گورا جو کہتا ہے وہ بھی تو ٹھیک ہے کہ ہم ماضی کو گزری ہوئی چیز کہہ کر ختم نہیں کر سکتے۔
ماضی تو ہمیشہ ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ کیونکہ ایک چیز جو کبھی سچ رہی ہو وہ ہمیشہ سچ رہتی
ہے اور وہ کبھی ختم نہیں ہوتی۔"

"آپ کے دوست جس طرح دلیلیں کرتے ہیں اس طرح کوئی عام آدمی نہیں سوچتا"
سچاریتا نے اعتراض کیا "یہ ہمیں کیسے بھروسہ ہو کہ آپ سارے ملک کے دل کی بات کہتے
ہیں؟"

بنوئے نے احتجاج کیا "بھئی آپ مہربانی کر کے یہ نہ سمجھئے گا کہ میرا دوست گورا
اُن لوگوں میں سے ہے جو سخت ہندو ہونے پر بڑا فخر کرتے ہیں۔ وہ ہندو مذہب کی

داخلی اور روحانی اہمیت کو دیکھتا ہے اور اتنی سنجیدگی کے ساتھ کہ سچے ہندو کی زندگی کو وہ کوئی ایسی نازک اور لطیف چیز نہیں سمجھتا جو ذرا سا چھونے سے مرجھا جائے یا ذرا سی جفاکشی سے مر جائے۔"

"لیکن مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ وہ ذرا سے چھونے سے بچنے کا ذرا زیادہ ہی خیال رکھتے ہیں۔"

"اس کی پرہیزگاریاں ایک خاص قسم کی ہوتی ہیں" بنوئے نے سمجھاتے ہوئے کہا "اگر ان چیزوں کے بارے میں بحث کرو تو کہے گا "ہاں! ہاں! یہ سب کچھ مانتا ہوں میں۔ ذرا ذرا مانتا ہوں، کہ چھونے سے ذات ختم ہو سکتی ہے، ناجائز کھانے سے پاکیزگی مٹتی ہے، یہ سب کچھ صحیح ہے، کچھ غلط نہیں"۔ لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ سب اس کا کٹر پن ہے اور کچھ نہیں۔ اس کے سننے والے اس کے جن خیالات کو سب سے عجیب اور احمقانہ سمجھیں گے ان ہی خیالات کے اظہار پر وہ سب سے زیادہ جوش صرف کرے گا۔ وہ پابندیوں کو سختی سے ماننے پر اصرار کرتا ہے۔ اور کسی قسم کا فرق ایک پابندی اور دوسری پابندی میں نہیں کرتا۔ تاکہ معمولی باتوں میں ڈھیل دینے سے کہیں یہ نہ ہو کہ زیادہ بے وقوف لوگ بڑی بڑی باتوں میں بھی ڈھیل چاہنے لگیں۔ یا مخالف پارٹی کوئی بازی مار لے جائے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی بات کے لئے کسی کو نہیں بخشتا۔ مجھے بھی نہیں"۔۔۔۔۔۔

"برہمو سماج میں بھی ایسے بہت سے لوگ ہیں" پاریش بابو نے کہا "وہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہندوؤں سے تمام تعلقات ختم کر دیئے جائیں اور اس بات میں کسی قسم کا فرق نہ کیا جائے تاکہ باہر والوں کو بالکل ہی یہ گمان نہ ہو سکے کہ برہمو سماج ہندوؤں کی بری رسموں پر فساد کرتا ہے۔ لیکن ایسے لوگوں کو فطری اور معمولی زندگی بسر کرنے میں بڑی الجھنیں ہوتی ہیں کیونکہ یا تو وہ جھوٹ کہتے ہیں یا مبالغہ کرتے ہیں۔ اور سمجھتے

ہیں کہ سچائی اتنی کمزور چیز ہے کہ گویا اُسے اُن کی حفاظت کی ضرورت ہے۔ چاہے وہ حفاظت جھوٹ ہو یا زبردستی ہی کیوں نہ ہو۔ وہ ہوتا ہے جو سمجھتا ہے کہ صداقت کا کام میرے بغیر نہیں چل سکتا! وہ مجھ پر تکیہ لگائے ہے، میں اس پر نہیں تکیہ لگائے ہوں ــــ جہاں تک میرا سوال ہے میں تو خدا سے دُعا کرتا ہوں کہ میں ہمیشہ صداقت کا ایک معمولی اور حقیر پرستار رہوں۔ چاہے وہ صداقت مجھے برہمو کے منبر میں ملے یا ہندوؤں کے مندر میں۔ لیکن ظاہری اسباب کسی وقت بھی میری اس پرستش کے بیچ میں روک نہ بن سکیں "

یہ الفاظ کہہ کر پریش بابو چُپ ہو گئے اور اُن کا ذہن، اُن کے وجود کی گہرائیوں میں کہیں چھپ کر سکون حاصل کرنے لگا! اُن کے چند الفاظ نے بحث کی پوری فضا ہی کو جیسے ایک اُونچی سطح پر لے جا کر ٹھہرا دیا تھا ــــ یہ نہیں کہ الفاظ میں کچھ خاص بات تھی بلکہ ایک ایسا سکون چھا گیا تھا جو پریش بابو کی پوری زندگی کے تجربوں کا عطر تھا سچاریتا اور لولتا کے چہرے بھی روحانیت کے رنگ سے منور ہو گئے۔ بنوئے کا بھی جی نہ چاہا کہ اب آگے کچھ اور کہے ــــ اُسے یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ گورا اکثر زیادتی کرتا تھا۔ صداقت پرستوں کے عمل اور الفاظ اور خیالات پر جو یقینی سکون اور سادگی کا احساس ہوتا ہے وہ گورا کو حاصل نہیں تھا! پاریش بابو کی بات کے بعد تو بنوئے کو اور بھی زیادہ اس حقیقت کا احساس ہوا اور وہ رنجیدہ ہو کے چُپ ہو گیا۔

اس رات جب سچاریتا سونے کے لئے لیٹی تو لولتا آ کر پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گئی۔ سچاریتا کو صاف نظر آ رہا تھا کہ لولتا کے دماغ میں کوئی چیز گھوم رہی ہے۔ اور یہ بھی جانتی تھی کہ وہ چیز بنوئے بابو ہیں! اس لئے خود ہی چھیڑ کر بات شروع کر دی "یہ بھی واقعی یہ بنوئے بہت اچھا آدمی ہے۔ مجھے بہت پسند آیا "

"اس لئے کہ وہ ہر وقت ورموہن بابو کی بات کرتا رہتا ہے" لولتا نے کہا۔

سچارِتا اس اشارے کو سمجھ گئی مگر انجان بن کر معصومیت سے بولی "ہاں سچ ہے گورموہن بابو کے خیالات جب بنوئے کے منہ سے سنتی ہوں تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے، جیسے خود ہی میری آنکھوں کے سامنے کھڑے ہوں"

"لیکن مجھے اچھا نہیں لگتا" لولتا پھٹ پڑی "مجھے تو غصّہ آتے لگتا ہے"

"ارے! ــــــ وہ کیوں؟ ــــــ" سچارِتا حیران رہ گئی۔

"جب دیکھو تب گورا، گورا، گورا! دن ہو یا رات وہی ایک ہی راگ الاپے جاتے ہیں، ان کے دوست گورا کوئی بڑے آدمی ہوں گے مگر کیا وہ خود انسان نہیں ہیں؟"

"ہاں یہ تو ٹھیک بات ہے لیکن گورا سے ان کو جو عقیدت ہے اس نے ان کو خود کو انسان بننے سے کیسے روک دیا؟"

"وہ ان کے دوست صاحب اس بری طرح ان پر چھائے ہوئے ہیں کہ بنوئے بابو کی شخصیت تو کہیں سے جھانک تک نہیں سکتی۔ جیسے کسی تیل چٹے نے کسی کیڑے کو کھا لیا ہو، مجھے تو کیڑے پر غصّہ آتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو شکار کیوں ہو جانے دیا، اور تیل چٹے کے لئے بھی میرے دل میں کوئی خاص احترام نہیں پیدا ہوتا"

سچارِتا کو لولتا کے غصّہ میں بڑا لطف آیا، ہنسنے لگی مگر بولی کچھ نہیں۔ لولتا نے اپنی بات جاری رکھی: "آپ کا جی چاہے تو ہنس لیجیے" دیدی، لیکن میں یہ ضرور کہہ سکتی ہوں کہ مجھے اگر کوئی اس طرح پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرے تو میں تو کبھی ایک دن بھی نہ برداشت کروں۔ اب آپ اپنے ہی کو لیجیے، لوگ کچھ بھی سمجھیں لیکن آپ کبھی مجھے پیچھے کرکے خود آگے آنے کی کوشش نہیں کرتیں۔ یہ آپ کی فطرت ہی میں نہیں۔ اور اسی لئے مجھے آپ سے محبت ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ آپ نے یہ سبق بابوجی سے سیکھا ہے، وہ ہمیشہ ہر شخص کے لئے جگہ رکھتے ہیں"

پاریش بابو کے گھرانے کی یہ دونوں لڑکیاں سب بچوں سے زیادہ پاریش بابو کی

معتقد تھیں۔ لفظ "بابوجی" سنتے ہی جیسے ان کے دل بڑھ جاتے تھے:

"واہ۔ خوب کہی بابوجی سے بھلا کس کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔" سجاریتا نے احتجاج کیا۔ "ویسے تم بھی کچھ کہو بی بی مگر بنوئے بابو باتیں خوب عمدہ کرتے ہیں۔"

"لیکن میری پیاری دیدی، آپ کو یہ کیوں نہیں دکھائی دیتا کہ ان کے خیالات اسی لئے اتنے شاندار لگتے ہیں کہ در اصل وہ ان کے خیالات ہیں ہی نہیں۔ اگر وہ وہی کہتے جو وہ خود سوچتے ہیں تو ان کے الفاظ سیدھے سادے اور سمجھ میں آنے والے ہوتے۔ ایسے بنے بنائے فقرے اور جملے نہ ہوتے، اور میں تو اسی صورت میں اُن کی باتوں کو زیادہ ترجیح دیتی۔"

"لیکن اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے بی بی" سچاریتا نے کہا "یوں ہی سمجھ لو کہ انھوں نے گورموہن بابو کے خیالات کو اپنا لیا ہے۔"

"اگر ایسا ہے تب تو میرے خیال میں اور بھی بدتر ہے" لولتا نے کہا "کیا خدا نے ہمیں اسی لئے زبان دی ہے کہ دوسروں کے خیالات دوہراتے پھریں، کیا اسی لئے زبان دی ہے کہ دوسروں کے کہے فقرے پھر سے سناتے پھریں۔ وہ چاہے جتنے شاندار ہوں، میں تو کہتی ہوں لعنت ہے ایسی شانداری پر۔"

"لیکن تم یہ کیوں نہیں سمجھتی ہو بہنی کہ بنوئے بابو کو گورموہن بابو سے اتنی محبت ہے تو اس رفاقت نے دونوں کو ہم خیال بنا دیا ہے!"

"نہیں، نہیں، نہیں۔" لولتا ایک دم چیخی "ایسا کچھ نہیں ہوا ہے۔ بنوئے بابو کی یہ عادت پڑ گئی ہے کہ گورموہن بابو جو کہیں اسے وہ تسلیم کر لیں، یہ محبت نہیں ہے، یہ غلامی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے خیالات بھی وہی ہیں جو اُن کے دوست کے ہیں۔ لیکن ایسا سوچ کر وہ اپنے آپ کو صرف دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر کیوں؟ اگر انسان محبت کرتا ہے تو اتفاق کئے بغیر بھی نباہ سکتا ہے، ہتھیار ڈال دے مگر آنکھیں کھلی رکھے، وہ

اس بات کو سیدھی طرح تبولتے کیوں نہیں کہ محبت کے مارے وہ گور موہن بابو کے خیالات سے اتفاق کرتے ہیں۔ وہ تو صاف ظاہر ہے کہ معاملہ یہی ہے۔! آپ مجھے سچ بتایئے دیدی کیا آپ نہیں سمجھتیں کہ اصلیت یہی ہے؟"

سچاریتا نے اس باب میں اس طرح سوچا ہی نہ تھا۔ اس کی تو تمام جستجو گورا سے متعلق تھی ہنوئے کو اس سے الگ کسی حیثیت میں دیکھنے کا اُسے کوئی احساس یا شوق ہوا ہی نہیں تھا۔ اس لئے لولتا کی بات کا کوئی صاف جواب دینے کے بجائے بولی "اچھا مانا تم ٹھیک کہتی ہو۔ تو پھر کیا کیا جائے؟"

"میرا تو جی چاہتا ہے کہ اُن کی زنجیریں کھول دوں اور ان کے دوست کے پنجے سے اُن کو رہائی دلوا دوں"

"تو کوشش کیوں نہیں کرتی ہو میری جان"

"میری کوشش سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہو گا۔ لیکن آپ اگر ذرا اس طرف اپنا دھیان دیں تو کچھ نہ کچھ ہو رہے گا"

سچاریتا بھی دل میں تو اس بات سے بے خبر نہ تھی کہ ہنوئے پر اُس کا کافی اثر ہے پر اس نے ہنس کر معاملہ کو ٹالنا چاہا۔"

لولتا اپنی بات کہتی رہی۔" مجھے ہنوئے بابو کی ایک بات پسند ہے' آپ کے اثر میں آنے کے بعد اب وہ واقعی گور موہن بابو کے قبضے سے چھوٹنے کی جد و جہد کر رہے ہیں اگر اُن کی جگہ اور کوئی ہوتا تو اب اُس سے وہ برہمو لڑکیوں کی برائی میں ایک ڈرامہ لکھنا شروع کر دیتا۔ لیکن آپ کا اور بابو جی کا وہ جتنا احترام کرتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ ہنوئے بابو کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے میں مدد دیں۔ یہ تو ناقابل برداشت بات ہے کہ اُن کی زندگی بس گور موہن بابو کے خیالات دوہراتے بھر کی رہ جائے"۔۔۔۔۔۔

اسی لمحے ستیش دوڑتا ہوا کمرے میں گھسا "دیدی ـــــ دیدی" بنوے اُس کو سرکس لے گیا تھا اور اگرچہ دیر کافی ہو گئی تھی، پھر بھی ستیش نے پہلی بار یہ تماشہ دیکھا تھا اسلئے اس کا جوش روکے نہ رکا۔ جو کچھ دیکھا تھا وہ بتانے کے بعد کہنے لگا" میں نے بڑی کوشش کی کہ بنوے بابو یہاں رات رہنے کے لئے رُک جائیں لیکن وہ اندر آ کے پھر چلے گئے کہنے لگے کل صبح آؤں گا۔" دیدی میں نے اُن سے کہا ایک دن آپ سب کو لے کر سرکس جائیں۔"

"تو پھر اس بات پہ وہ کیا بولے؟" لولتا نے پوچھا۔

"وہ کہنے لگے لڑکیاں شیر کو دیکھیں گی تو ڈر جائیں گی۔ لیکن میں ـــــ میں بالکل نہیں ڈرا دیدی۔" اور یہ کہہ کر ستیش نے مردانہ فخر کے ساتھ سینہ تان لیا۔

"ہاں! ہاں! ضرور ـــــ" لولتا نے کہا "وہ میں اچھی طرح جانتی ہوں جتنے بہادر قسم کے آدمی ہیں تمھارے دوست بنوے بابو ـــــ میں کہتی ہوں دیدی اُن کو ضرور گھیرنا چاہئے کہ ہمیں سرکس لے چلیں۔"

"کل ایک سہ پہر والا شو بھی تو ہے" ستیش نے اطلاع دی

"واہ! واہ! بس ٹھیک ہے، کل ہم لوگ جائیں گے۔"

صبح بنوے آیا تو لولتا نے پُرجوش لہجے میں کہا "بنوے بابو آپ تو بڑے وقت سے آئے۔ چلئے ہم لوگ روانہ ہی ہو جائیں۔"

"مگر کہاں" بنوے نے حیران ہو کر پوچھا!

"سرکس اور کہاں" لولتا نے جیسے فرمان دیا۔

سرکس! خیمہ کے نیچے، لڑکیوں کے ایک گروہ کے ساتھ دن دہاڑے، ـــــ بنوے کی گھگھی بندھ گئی!

"میرا خیال ہے گورموہن بابو خفا ہوں، کیوں؟ ہوں گے نا" لولتا اپنی بات کی پیچ کہہ گئی۔

اس سوال پر بنوئے کے کان کھڑے ہوئے مگر بولا۔ کچھ نہیں۔

"لڑکیوں کو سرکس لے جانے کے متعلق بھی تو گور موہن بابو کی کچھ رائے ہوگی؟ ہے نہ؟"

"ہاں ضرور ہوگی" بنوئے اپنی جگہ جما رہا۔

"تو مہربانی کر کے ان کے خیالات کو ہمارے سامنے واضح کر دیجئے" لولتا نے خوشامد سے کہا: "مگر ٹھہریئے۔ میں ذرا اپنی بہنوں کو بھی بلا لاؤں، تاکہ سب اس سے مستفید ہوں"

بنوئے سمجھ گیا کہ بولی بول رہی ہے، اس کو برا بھی لگا مگر ہنس کر ٹال دینا چاہا۔ مگر لولتا کب چھوڑنے والی تھی "آپ ہنس کیوں رہے ہیں بنوئے بابو، کل آپ نے ستیش سے کہا تھا نہ، کہ لڑکیاں شیر سے ڈرتی ہیں ـــــ کیا آپ کبھی کسی چیز سے نہیں ڈرتے؟"

اب اس کے بعد بنوئے کے سامنے کیا چارہ تھا سوائے اس کے کہ لڑکیوں کو سرکس لے جاتا۔ اور فرصت سے وہاں بیٹھ کر خوب پیچ و تاب کھاتا رہا کہ نہ صرف لولتا بلکہ اور سب لڑکیاں اس کو کیا سمجھ رہی ہوں گی۔ اور اس کے اور اس کے دوست کے تعلقات کے بارے میں نہ جانے کیا سوچ رہی ہوں گی۔

دوسری بار جب لولتا کی ملاقات بنوئے سے ہوئی تو اس نے بڑی معصوم سی صورت بنا کے پوچھا "کیوں بنوئے بابو؟ اس دن جو ہم لوگ ساتھ سرکس گئے تھے اس کا ذکر آپ نے گور موہن بابو سے کیا تھا؟"

اب کی بار نشتر بلدا دھنس گیا۔ بنوئے کانپ اٹھا اور شرم سے لال ہوتا ہوا بولا۔

"نہیں ـــــ ابھی تک تو نہیں؟"

اُنیسواں باب

گورا ایک دن صبح بیٹھا لکھ رہا تھا کہ بنوئے اچانک آ گیا۔ اور بغیر کسی تمہید کے ایک دم بولا "اس دن میں پاریش بابو کی لڑکیوں کو سرکس لے گیا تھا"

گورا سر جھکائے لکھتے ہی لکھتے بولا "ہاں میں نے سُنا"

"تم نے کس سے سُنا" بنوئے نے حیرت سے پوچھا

"ابھناش سے۔ وہ بھی اتفاق سے اسی دن سرکس گیا تھا"

تو گورا کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی، وہ سن چکا تھا اور وہ بھی کس سے ابھناش سے۔ بھلا اُس نے نمک مرچ لگانے میں کاہے کو کوئی کسر اٹھا رکھی ہو گی۔ بنوئے کے تمام پُرانے جذبات اُبھر آئے اور اس کو ملامت کرنے لگے۔ پھر ساتھ ہی ساتھ اس کو یہ بھی یاد آیا کہ کل وہ بڑی رات گئے تک سو نہیں سکا تھا کیونکہ وہ دل ہی دل میں ولتا سے جھگڑ رہا تھا" ولتا سمجھتی ہے میں گورا سے ڈرتا ہوں، جیسے بچّے اسکول کے ماسٹر سے! لوگ بھی ایک دوسرے کے متعلق کس قدر نامنصفانہ طریقے سے فیصلے کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ میں گورا کا احترام کرتا ہوں اس لئے کہ اس میں غیر معمولی خوبیاں ہیں۔ اس طرح تو نہیں جیسے ولتا سوچتی ہے، یہ تو میرے اور گورا دونوں کے ساتھ زیادتی ہے"۔ یہی خیالات اس کے ذہن کو رات بھر بوجھ کی طرح دبائے رہے تھے۔

گورا لکھتا رہا اور بنوئے کو ولتا کے دو تین سوال اور یاد آئے، جو نوک نشتر کی طرح اس کو چبھ گئے تھے۔ وہ انھیں اپنے ذہن سے رد نہیں کر سکتا تھا۔ یکایک اُسکے دل میں بغاوت کی لہر اُٹھی "اچھا اگر میں گیا سرکس تو پھر کیا؟" اُس نے دل ہی دل میں

پیچ و تاب کھایا۔ ابھناش کون ہوتا ہے گورا سے میرے معاملات کی بات کرنے والا۔ اور گورا نے کیوں اس احمق کو اتنا منھ لگایا کہ وہ یہ سب باتیں کرنے لگا، کیا گورا کوئی میرا چوکیدار ہے کہ میں اس کو جواب دیا کروں، کہاں گیا، اور کس کے ساتھ گیا، ـــــــ یہ تو ہماری دوستی کی بڑی توہین ہے۔

اگر بنوئے کو یکایک اپنی بزدلی کا پتہ نہ چلتا تو وہ گورا اور ابھناش سے اتنا ناراض کبھی نہ ہوتا۔ دراصل اس نے اتنے دن جو اس بات کو راز رکھا یہ رازداری اُسے ایک مجرمانہ احساس دلا رہی تھی اور وہ اب کوشش کر رہا تھا کہ سب کچھ کسی طرح اپنے دوست کے سر تھوپ دے۔ اگر گورا ابھی دو چار سخت الفاظ کہہ دیتا تو پھر دونوں دوست ایک سطح پر آجاتے اور بنوئے کو تسلی ہو جاتی؛ لیکن اس کی خاموشی ایسا ظاہر کر رہی تھی کہ وہ کوئی جج ہے جو بنوئے کے جرم پر رائے دینے بیٹھا ہے۔ اس صورت حال سے لولتا کے نشتری جملوں کی چبھن اور کھٹکنے لگی!

تبھی مہم بابو ہاتھ میں حقہ لئے کمرے میں داخل ہوئے۔ ڈبیہ نکال کر سب کی طرف پان بڑھائے اور کہنے لگے "بنوئے بیٹا، ہماری طرف سے تو تمام تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں، سب کچھ طے ہو گیا ہے، اب صرف تمہارے چچا کی اجازت اگر مل جائے تو ہم سب کو بہت اطمینان ہو جائے۔ تم نے اُن کو لکھا کہ ابھی نہیں لکھا؟"

آج شادی کے معاملہ پر اصرار بنوئے کو مخصوص طور پر بُرا لگا۔ یہ تو وہ جانتا تھا کہ مہم دادا کا اس میں کوئی قصور نہیں تھا۔ گورا نے اُن سے کہا ہوگا کہ بنوئے تیار ہے لیکن اسے خود اس طرح ناراض ہو جانے میں اپنی بڑی ذلت محسوس ہو رہی تھی؛ آنند موئی نے تو عملی طور پر اسے حامی بھرنے سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی، نہ اسے اپنی ہونے والی دلہن سے کوئی دلچسپی ہی تھی۔ پھر اس تمام انتشار سے یہ سلجھا سلجھایا فیصلہ کیسے برآمد ہو گیا؟ یہ تو نہیں کہا جا سکتا تھا کہ گورا نے اس سے جلدی کروا دی تھی۔ کیونکہ اگر

نبوتے ذرا سی بھی ہچکچاہٹ ظاہر کرتا تو گورا کبھی اصرار نہ کرتا۔ پھر بھی ایسا کیوں ہوا؟ اور "ایسا" کے بارے میں سوچتے وقت، اسے لولتا کے فقروں کی چبھن پھر محسوس ہوئی۔ دیکھا جائے تو سچ مچ تو کچھ اس وقت نہیں ہوا تھا۔ لیکن دوستی کے سالہا سال کے عرصے میں گورا نے اس پر جو اثر حاصل کر لیا تھا وہی اصل بات تھی ——— وہی "ایسا" ہونے کی بنیاد تھا۔ نبوتے کی عادت پڑ گئی تھی کہ وہ گورا سے برابر دبتا ہے، کچھ تو اپنی محبت کی روز افزوں ترقی کی وجہ سے، کچھ اپنی نرم طبیعت کی وجہ سے، اور اس طرح دوستی پر ایک حاکمانہ تسلط ہو گیا تھا۔ اب تک نبوتے نے اس بات کو اپنے آپ سے بھی نہیں تولا تھا لیکن اب اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تو گویا اب اس کا یہ فرض ہو گیا تھا کہ شاشی سے بیاہ کرے! ہوں!

"جی نہیں ابھی تو میں نے اپنے چچا کو نہیں لکھا" اس نے موہم بابو کے سوال کا روکھا منہ بنا کے جواب دیا۔ "ہاں ہاں۔ یہ تو بالکل میری غلطی ہے" موہم دادا ایک دم سے بولے، "بھلا تم کیوں خط لکھو وہ تو میرا فرض ہے۔ ہاں تو اُن کا پورا نام اور پتہ مجھے بتا دو بیٹا۔"

"پر آپ اس معاملہ میں اتنی جلدی کیوں کر رہے ہیں۔ اسوین اور کارتک میں تو شادیاں ہوتی نہیں ہیں، ——— اگھن میں ...... لیکن معاف کیجیے گا، میں بھول گیا، اس مہینے میں بھی ایک دقت ہے، ہمارے خاندان میں یہ مہینہ ہمیشہ منحوس سمجھا جاتا رہا۔ اور کوئی بھی مبارک رسم اس مہینے میں نہیں کی جاتی۔"

موہم اپنا حقہ دیوار سے لگا کے رکھتے ہوئے کہنے لگے: "دیکھو نبوتے اگر تم اس طرح کے توہمات میں پھنسے رہو گے تو تمھاری یہ ساری نئی قسم کی تعلیم بس چند رٹے رٹائے جملوں کے سوا اور کچھ معنی نہیں رکھتی۔ اس کمبخت ملک میں تو ویسے ہی یہ حال ہے کہ کیلنڈر میں مبارک تاریخیں ڈھونڈھ نکالنا مشکل اور پھر اگر ہر خاندان اپنی پرائیویٹ تاریخ اور

ٹاڑی سے مشورہ کرنے لگا تو پھر تو کوئی کام کاج ہونے سے رہا۔"

"تو پھر آپ اسوین اور کارتک کو بھی منحوس کیوں مانتے ہیں؟" ہنوتے نے پوچھا

"میں مانتا ہوں؟ بالکل نہیں۔ لیکن میں کروں کیا، ہمارے دیس میں آپ بھگوان کو چاہے نہ مانیں لیکن بھدر، اسوین اور کارتک کے مہینوں کو اور جمعرات اور سنیچر کے دنوں کو اور پھر چاند کی طرح طرح کی حالتوں کو آپ کو ماننا ہی پڑے گا ورنہ آپ کو گھر میں گھسنے نہیں دیا جائے گا، اور بھائی ویسے میں یہ سب کہتا ضرور ہوں کہ نہیں مانتا لیکن یہ قبول لوں گا کہ عملی طور پر اگر تاریخوں وغیرہ کا خیال نہیں کرتا تو مجھے ذرا الجھن سی رہتی ہے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے وطن کی فضا میں ڈر اور خوف اسی طرح سے پروان چڑھتے رہتے ہیں جیسے ملیریا۔ اس لیے میں اس طرح کی الجھن کو رد نہیں کر سکتا۔"

"یہی میرے خاندان والوں کا بھی حال ہے" اگھن کے مہینہ سے جو ڈر ان کو لگتا ہے اُسے وہ رد نہیں کر سکتے۔ کم از کم میری چچی تو کبھی نہیں مانیں گی۔"

اس طرح ہنوتے نے کسی نہ کسی طرح اس وقت بات کو ٹالا۔ موہم دادا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب وہ کس طرح سے حملہ کریں۔ اس لئے انھوں نے چپکے سے اپنا حقہ اٹھایا اور کھسک لئے۔

گورا نے ہنوتے کے لہجے سے بھانپ لیا تھا کہ اس کا دوست ہچکچا رہا ہے، ادھر کئی دن سے ہنوتے آ بھی نہیں رہا تھا۔ اور گورا نے یہ اندازہ لگایا کہ پاریش بابو کے یہاں اس کا آنا جانا بڑھ گیا ہوگا۔ اب جو اس نے شادی کے مسئلہ پر بھی اس طرح آنا کانی کی تو گورا کو شدید خطرے کا احساس پیدا ہونا شروع ہوا، لکھنا چھوڑ کر وہ ہنوتے سے مخاطب ہوا "ہنوتے جب ایک بار تم دادا کو زبان دے چکے ہو تو اب اس بیکار کی الجھن میں ان کو کیوں ڈال رہے ہو؟"

"میں نے زبان دی یا زبان مجھ سے زبردستی چھین لی گئی؟"

اس یکایک باغیانہ انداز پر گورا حیران رہ گیا، پھر کڑا کر کے سنجیدگی سے پوچھا "کس نے تم سے چھینی؟"

"تم نے"

"میں نے؟ کیوں؟ میں نے تو اس معاملے پر تم سے آدھی درجن الفاظ بھی نہیں کہے ہوں گے ——— اور تم اس کو زبان چھیننا کہتے ہو"

واقعہ تو یہی تھا کہ بنوئے نے جو الزام گورا پر لگایا تھا اس کو ثابت کرنے کے لئے بنوئے کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی؛ گورا نے جو بات کہی وہ سچ تھی۔ بہت کم الفاظ دونوں نے ایک دوسرے سے کہے تھے۔ اور گورا نے جتنا کچھ کہا بھی تھا اس میں بھی اتنا زیادہ اصرار نہیں تھا کہ جس کو دباؤ ڈالنا سمجھا جا سکے۔ اور پھر بھی یہ حقیقت تھی کہ ایک طرح سے گورا نے ہی بنوئے سے 'ہاں' کہلوائی تھی۔ اور یہ عام بات ہے کہ ظاہری ثبوت جتنے ہی کم ہوتے ہیں، الزام لگانے والا اتنا ہی زیادہ بیقرار ہوتا ہے۔ چنانچہ بنوئے کی آواز میں بیجا غصے کی جھلک آ گئی "یہ کسی سے وعدہ کرنے یا 'ہاں' کرواتے میں کچھ بہت الفاظ نہیں لگتے"

"تو تم اپنے 'الفاظ' اور اپنا وعدہ واپس لے لو"

گورا چیختا ہوا کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا "تمہارا وعدہ کوئی ایسی قیمتی چیز نہیں ہے جو میں اس کے لئے تم پر دباؤ ڈالوں یا تمہارے آگے ہاتھ پھیلاؤں ———" پھر اس نے گرج کر موہم دادا کو آواز دی "دادا" موہم بابو بغل والے کمرے ہی میں تھے جلدی جلدی گھبرائے ہوئے آئے۔

"دادا" گورا نے چلا کے کہا "میں نے آپ سے بالکل شروع ہی میں کہہ دیا تھا کہ بنوئے سے ششی کا بیاہ ہونا ناممکن ہے ——— کہ مجھے یہ رشتہ پسند نہیں ہے"

"ہاں یہ تو تم نے کہا تھا۔ دوسرا کوئی تھوڑا ہی کہہ سکتا تھا؛ اور کوئی چچا ہوتا تو

اپنی بھتیجی کی شادی میں کچھ تو دلچسپی ظاہر کرتا"

"لیکن بنوئے کو راضی کرنے کے لئے آپ نے میرے کندھے پر رکھ کے بندوق کیوں چھوڑی" گورا نے منھ پھٹ انداز میں کہا۔

"کوئی وجہ نہیں تھی سوائے اس کے کہ میرے خیال میں بنوئے کو راضی کرنے کا یہ سب سے اچھا طریقہ تھا"

گورا کا چہرہ لال ہو گیا "بھئی مجھے تو اب ان باتوں سے بخش دیتے تو اچھا ہوتا۔ آخر میں کوئی پیشہ ور نائی ہوں کہ رشتہ لگاتا پھروں" اور یہ کہہ کر وہ دندناتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا:

بیچارے موہم بابو اب اور آگے کیا کہتے ——— بنوئے بھی باہر نکل کر گلی تک پہونچ گیا تھا؛ چنانچہ انھوں نے دیوار سے لگا کر رکھا ہوا حقہ اٹھایا ——— اب وہی ان کی تسکین کا آخری سہارا تھا۔

ویسے کئی بار بنوئے کا گورا سے جھگڑا ہو چکا تھا لیکن ایسا ہنگامہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ جیسے جوالامکھی پھٹ پڑا ہو۔ وہ خود اپنے اس کارنامے پر ششدر رہ گیا؛ گھر پہونچا تو اس کا ضمیر بری طرح کھٹک رہا تھا، جب بھی خیال آتا کہ اس ایک لمحے میں اس نے گورا کو کیا سخت دھکا لگا دیا تو نیند اڑ جاتی تھی؛ بھوک بھاگ جاتی تھی۔ خاص پچھتاوا تو اسے اس بات کا تھا کہ اس نے کس قدر بدعاندھلی کے ساتھ سارا الزام گورا کے سر تھوپ دیا تھا۔ اس کا دل یہی کہے جاتا تھا کہ "تو نے برا کیا، برا کیا، برا کیا"

کافی دن چڑھنے کے بعد بنوئے گورا کے یہاں پہونچا آنند موئی اسی وقت دوپہر کا کھانا کھا کے، اپنی سلائی وغیرہ لے کے بیٹھی تھیں۔ وہ جا کر چپ چاپ ان کے پاس بیٹھ گیا۔

آنند موئی کو موہم دادا سے کچھ تھوڑا بہت معلوم ہو گیا تھا لیکن گورا جب دوپہر کا کھانا کھانے بیٹھا تو اس کی صورت دیکھ کر وہ بھانپ گئیں کہ، ایک طوفان آچکا!

بنوئے نے بات شروع کی: "ماں ______ مجھ سے غلطی ہوئی، میں نے آج صبح اپنے اور شاشی کے بیاہ کے بارے میں جو کچھ گورا سے کہا وہ سب بکواس تھا۔"

"تو پھر کیا ہوا بنوئے؟ جب بھی انسان اپنے دل میں کسی دکھ کو نبھانے کی کوشش کرے گا، اپنے اصلی احساسات چھپائے گا تو ایسا ہی ہوگا، چلو اچھا ہی ہوا جو یوں ہوا۔ دو چار دن میں تم دونوں ہی اس جھگڑے کو بھول بھال جاؤ گے۔"

"لیکن ماں! میں تو تمھیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے شاشی سے بیاہ کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"لڑائی کے بعد میل کرنے کی جلدی میں بگڑی بات کو اور نہ بگاڑو بیٹا! لڑائی جھگڑے ایک وقتی بات ہوتے ہیں، شادی زندگی بھر کا معاملہ ہے۔"

لیکن بنوئے اس مشورے کو قبول نہ کر سکا۔

اس نے جب یہ محسوس کیا کہ وہ سیدھا گورا کے سامنے جا کر اپنی تجویز پیش کرنے کا منہ نہیں رکھتا تو وہ موہم دادا کے پاس پہنچا اور ان کو بتایا کہ اب شادی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، چار مہینے بعد ہو سکتی ہے اور یہ کہ وہ خود اس کا بات کا ذمہ لے گا کہ اس کے چچا وغیرہ کو کوئی اعتراض نہ ہو۔

"تو پھر منگنی کی رسم فوراً ہی کر دی جائے" موہم دادا نے اصرار کیا۔ "بہتر ہے آپ گورا سے صلاح کر کے جو مناسب سمجھیں کریں۔"

"پھر گورا سے صلاح کر دوں" موہم دادا چڑھ گئے!

"ہاں! ہاں۔ ایسا ضروری ہے، اشد ضروری۔"

"اچھا اگر اشد ضروری ہے تو پھر میں سمجھتا ہوں کرنا ہی پڑے گا۔ لیکن......"

پھر موہم بابو کا منہ بند ہو گیا۔ کیونکہ وہ ڈبیہ سے پان نکال کر اس میں ٹھونس رہے تھے۔

موہم بابو اس دن تو کچھ نہیں بولے۔ دوسرے دن میگھ ڈرتے ڈرتے گورا کے

کرے ہیں گئے۔ کہ اب کے گورا کو راضی کرتے ہیں دیکھئے کتنی سخت جنگ کرنی پڑتی ہے لیکن
جیسے ہی انھوں نے بتایا کہ ننوئے کل سہ پہر آیا تھا شاشی سے بیاہ کرنے کی رضامندی دے
گیا ہے اور ان سے کہہ گیا ہے کہ گورا سے صلاح کر کے سگائی کی تاریخ ٹھہرا دی جائے
تو گورا نے ایک دم اپنی رضامندی ظاہر کی اور کہا۔

"بہت اچھا ہے ـــــ ہم لوگوں کو ضرور منگنی کر لینا چاہئے۔"

"اب اس وقت تو تم بڑی سدھائی سے بات کر رہے ہو، مگر بھگوان کے لئے آگے
پھر کوئی اعتراض نہ کھڑا کر دینا۔"

"میرے اعتراض پر کتنا تھوڑا ہی جھگڑا ہوا، جھگڑا تو میری درخواست کی وجہ سے ہوا۔"

"خیر، خیر ـــــ اب مجھ غریب کی آپ سے یہ التجا ہے کہ آپ نہ اعتراض کریں
نہ درخواست، میں خود ہی سب کچھ کر لوں گا۔ لے بھلا اب مجھے کیا معلوم تھا کہ تم ننوئے
سے کہو گے تو اس کا اُلٹا اثر پڑے گا ـــــ میں تو بس ایک ہی بات جاننا چاہتا
ہوں ـــــ تم واقعی چاہتے ہو کہ یہ شادی ہو؟"

"ہاں ـــــ میں چاہتا ہوں۔"

"تو بس، اتنی خواہش تمہاری طرف سے کافی ہے اور باقی خواہ مخواہ معاملے کو الجھانے
کی ضرورت نہیں ہے۔"

بیسواں باب

اب گورا اس نتیجے پر پہونچا کہ دُور رہ کر بنوئے پر گرفت رکھنا مشکل ہو گا! اب تو موقعہ واردات پر پہونچ کر ہی چوکی دینی پڑے گی۔ اور بنوئے کو قابو میں رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہو گا کہ خود پاریش بابو سے خلا ملا بڑھایا جائے چنانچہ اسی دن جب دن جھگڑا ہوا وہ شام کو بنوئے کے کمرے پر گیا ـــــ

بنوئے کو بھلا کیا اُمید تھی کہ گورا اس قدر جلد آ پہونچے گا۔ حیران بھی بے حد ہوا، پھر اُسے اور زیادہ تعجب ہوا جب کہ گورا نے پاریش بابو کی لڑکیوں کا ذکر چھیڑا اور ذکر میں کسی قسم کی مخالفت بھی نہیں کی۔ اس موضوع میں بنوئے کی دلچسپی جگانا کون مشکل بات تھی۔ دونوں دوست رات گئے تک اس موضوع پر مختلف پہلوؤں سے باتیں کرتے رہے۔

اس رات گھر جاتے وقت گورا بھی اس عنوان کو اپنے ذہن سے نکال نہ سکا۔ بلکہ جب تک نیند نہ آ گئی تب تک [illegible] بات کو رد نہ کر سکا۔ زندگی میں آج تک کبھی اس طرح کا انتشار اس کے دماغ پر نہیں چھایا تھا واقعہ تو یہ ہے کہ عورت کا مسئلہ اس کے پروگرام میں کہیں تھا ہی نہیں۔

اب بنوئے نے ثابت کر دیا تھا عورت بھی دُنیا کے اہم مسائل میں ایک بڑی اہمیت رکھتی ہے اور اُسے بھی سمجھوتے کے رویّے سے ہی طے کیا جا سکتا ہے اس سے بچ کر کہیں نہیں جایا جا سکتا!

یہی وجہ تھی کہ دوسرے دن جب بنوئے نے گورا سے کہا "آؤ میرے ساتھ پاریش بابو کے گھر چلو، وہ اکثر تم کو پوچھتے رہتے ہیں!" ـــــ تو گورا بغیر کسی پس و پیش کے

فوراً راضی ہو گیا۔

اور نہ صرف یہ کہ ظاہری طور سے راضی ہو گیا بلکہ اب اس کے اپنے دماغ میں بھی وہ بے نیازی نہیں رہ گئی تھی ——— شروع میں تو پاریش بابو کی لڑکیوں کی طرف اس کا رویہ لاپرواہی کا تھا۔ پھر اس کی جگہ ایک حقارت بھری مخالفت نے لے لی۔ مگر اب اسے خود بھی محسوس ہوتا تھا کہ وہ ان لوگوں کو اور زیادہ جاننے کا خواہشمند ہے۔ اسے یہ پتہ لگانے کی پریشانی تھی کہ آخر بنوئے کے دل پر جو اتنا اثر پڑ رہا ہے تو یہ کشش ہے کیا؟

کافی شام ہو گئی تھی جب دونوں وہاں پہونچے ——— کوٹھے پر برآمدے میں ہرن بابو لیمپ کے سامنے اپنا ایک انگریزی میں لکھا ہوا مقالہ پاریش بابو کو پڑھ کر سُنا رہے تھے۔ حقیقت یہ تھی کہ پاریش بابو تو صرف ایک بہانہ تھے، اصل مقصد تو سُچاریتا پر رُعب جمانا تھا، وہ بھی میز کے نزدیک ہی بیٹھی سن رہی تھی ——— اور لیمپ کی چوندھی سے اپنی آنکھیں بچانے کے لئے ایک تاڑ کے پنکھے سے آڑ کئے تھی؛ چونکہ طبیعتاً فرمانبردار واقع ہوئی تھی اس لئے سمجھنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ لیکن کبھی کبھی اس کا دماغ بھٹکتا ہوا دوسرے راستوں پر جا نکلتا تھا۔

جب نوکر نے بنوئے اور گورا کے آنے کی اطلاع دی، وہ یکدم اُچھل پڑی! اور کمرے سے جانے لگی لیکن پاریش بابو نے اس کو روک دیا "تم کہاں جا رہی ہو رادھا ——— بیٹھو، بنوئے اور گورا ہی تو آئے ہیں"

سُچاریتا کچھ گھبرا کے پھر بیٹھ گئی حالانکہ اس نے اطمینان کا سانس بھی لیا کہ چلو ہرن بابو کا بور کرنے والا مضمون تو کسی طرح رُکا۔ گورا سے پھر ملنے کا بھی اس کو ضرور اشتیاق تھا لیکن ہرن بابو کی موجودگی میں گورا کے آنے پر وہ شرما بھی رہی تھی اور گھبرا بھی رہی تھی؛ کہہ نہیں سکتے کہ وہ ان دونوں میں پھر جھگڑا ہونے کے خیال سے پریشان تھی یا کیا تھا۔

گورا کے نام ہی سے ہرن بابو کو آگ لگ گئی۔ انھوں نے اس کے سلام کا جواب

بھی یوں ہی سا دیدیا۔ اور پھر منھ میں گھنگھنیاں بھر کے بیٹھ گئے ـــــ اور گورا کا تو یہ حال تھا کہ ہرن بابو کو دیکھنے کے ساتھ ہی اس کا لڑنے کو جی چاہنے لگا!

برودا دیوی اپنی تینوں لڑکیوں کو لے کر کہیں مینے ملانے کے لئے گئی ہوئی تھیں، اور یہ انتظام ہوا تھا کہ پاریش بابو شام کو جا کر ان لوگوں کو لوا لائیں گے۔ بنوئے اور گورا جب پہنچے تو پاریش بابو کے جانے کا وقت ہوا ہی چاہتا تھا۔ کچھ دیر ان لوگوں کے آنے کی وجہ سے رُک گئے۔ لیکن جب اور زیادہ نہ رُک سکے تو ہرن بابو اور سچارتا سے انھوں نے آہستہ سے کہا اور ان لوگوں کو مہمانوں کی خاطرداری کی ہدایتیں دے کر چلے گئے۔

اُن کی ملیدہ مرُطنا کھی کو خاطرداری شروع ہو گئی!

چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ باقاعدہ جنگ چھڑ گئی! موضوعِ بحث یہ تھا کہ ایک انگریز ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کلکتہ کے پاس ہی رہتے تھے، براؤنلو اُن کا نام تھا اور جب پاریش بابو ڈھاکہ میں تھے تو اُن لوگوں سے بہت میل ملاقات تھی، چونکہ پاریش بابو اپنے گھر کی عورتوں کو علیحدہ زنانے میں نہیں رکھتے تھے اس لئے صاحب اور میم صاحب ان کی بہت عزّت کرتے تھے، صاحب ہر سال اپنی سالگرہ کے موقع پر ایک زراعتی میلہ کیا کرتے تھے ـــــ اس طرف برودا دیوی کئی بار مسز براؤنلو کے یہاں آ گئیں اور حسبِ دستور ان پر اپنی لڑکیوں کی انگریزی دانی کو خوب اچھی طرح واضح کیا۔ اس پر میم صاحب نے بڑے شوق سے ایک تجویز پیش کی اور وہ یہ تجویز تھی کہ چونکہ اس سال لفٹنٹ گورنر صاحب بھی اپنی میم صاحب کے ساتھ میلے میں شریک ہونے آ رہے ہیں اس لئے اگر پاریش بابو کی لڑکیاں ان کے سامنے انگریزی میں ایک چھوٹا سا ڈرامہ پیش کر سکیں تو بہت اچھا رہے گا۔ اس تجویز کو برودا دیوی نے نہایت خوشی کے ساتھ قبول کیا اور آج وہ تینوں لڑکیوں کو لے کر کسی دوست کے یہاں ریہرسل کرانے گئی تھیں۔

جب گورا سے پوچھا گیا کہ وہ میلے میں چل سکے گا تو اس نے نہایت زور سے کہا

"نہیں"

اس "نہیں" میں بیجا غصہ تھا، چنانچہ گرماگرم بحث چل پڑی کہ انگریزوں اور بنگالیوں کے سماجی تعلقات میں کیا مشکلات حائل ہیں وغیرہ۔ ہرن بابو نے کہا "یہ سب ہماری قوم کا قصور ہے، ہمارے یہاں ایسی بڑی بڑی رسمیں اور توہمات ہیں کہ ہم کسی لائق ہی نہیں ہیں"۔ اس پر گورا نے جواب دیا "اگر یہ بات واقعی سچ ہے تو پھر ہم جیسے برے ہیں وہ ہیں لیکن انگریزوں کی سوسائٹی میں گھسنے کے لئے خوشامدیں کرتے پھرنا تو ہمارے لئے اور بھی شرمناک بات ہے"۔

"لیکن جو لوگ لائق اور روشن خیال ہیں وہ انگریزی سوسائٹی میں بیحد قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، جیسے ہمارے یہ دوست ہیں"۔

ان کا مطلب پاریش بابو کے خاندان سے تھا۔!

"میرا تو خیال ہے کہ چند لوگوں کی اس طرح کی عزت افزائی تو ان کے باقی تمام ہموطنوں کی ذلت اور حقارت کو اور بڑھا دیتی ہے"۔

ہرن بابو بہت جلدی غصے سے بے قابو ہو گئے اور گورا نے ان کو اشتعال دے دے کر خوب رندے پر چڑھالیا، خوب تپایا، خوب تڑپایا، جب بحث ہو رہی تھی تو سچاریتا پنکھے کی آڑ سے بار بار گورا کو دیکھتی تھی، اور ایسا کھو جاتی تھی کہ بحث کے الفاظ اسکے ذہن پر کوئی نقش نہیں چھوڑتے تھے۔ اس کا یہ دیکھنا بھی ایک بیخودی کی کیفیت تھی ورنہ اگر اس کو خود پتہ چل جاتا کہ وہ اس طرح دیکھ رہی ہے تو شرما کے رہ جاتی۔ گورا اس کے بالکل سامنے ہی بیٹھا تھا، میز پر جھکا، اپنے دونوں طاقتور بازو آگے کو پھیلائے، لیمپ کی روشنی اس کی صاف شفاف پیشانی پر پڑ رہی تھی۔ کبھی وہ حقارت سے ہنستا، کبھی غصے سے ماتھے پر لکیریں پڑ جاتیں، لیکن اس کے چہرے کے نقوش ایک ایسا وقار ظاہر

کرتے تھے کہ جن سے پتہ چلتا تھا اس کی بات صرف الفاظ کی شعبدہ بازی نہیں ہے، مدتوں، برسوں کے سوچے سمجھے خیال اور عمل کا نتیجہ ہے۔ اس کی صرف آواز نہیں بول رہی تھی دل صدا دے رہا تھا۔ چہرے کے اُتار چڑھاؤ میں جسم کی ہر حرکت میں گہرے یقین کے آثار تھے۔

سچاریتا حیران ہو کر اسے تکے جا رہی تھی! ایسا لگتا تھا کہ زندگی میں پہلی بار کسی مرد کو دیکھا! ایک ایسا مرد جسے معمولی مردوں کی صف میں نہیں کھڑا کیا جا سکتا تھا۔ اس کے مقابلے میں ہرن بابو ایسے پھیکے لگتے تھے کہ اُن کا نقشہ، اُن کی حرکتیں یہاں تک کہ اُن کا لباس بھی کچھ مضحکہ خیز سا معلوم ہوتا تھا۔ سچاریتا نے اتنی بار نبوئے بابو سے گورا کے متعلق گفتگو کی تھی وہ اُسے کسی خاص پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے ہی دیکھنے لگی، جو اپنے مستقل خیالات رکھتا ہے اور زیادہ سے زیادہ یہ کہ کسی طرح وہ ملک کے لئے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ اس وقت جو اس کی صورت کو تکے جا رہی تھی تو اس کی نظروں کے سامنے پارٹی کے خیالات یا ملک کا مفاد نہیں ـــــــ بلکہ صرف گورا تھا، گورا ایک شخصیت! گورا ایک مرد! آج اُسے زندگی میں پہلی بار یہ احساس ہوا کہ اس کی شخصیت کیسی مردانہ وار تھی اور اس کی روح کس قدر مجذوب! اور اس انوکھے تجربے میں وہ ایسی کھوئی کہ اپنے آپ کو بھی بھول گئی!

سچاریتا کی یہ بیخودی ہرن بابو کی نظروں سے بھی چھپی نہ رہ سکی! اور وہ جو اپنا پورا زور نہیں لگا پا رہے تھے اس کی ایک بہت بڑی وجہ یہ بھی تھی! آخر کار وہ زیادہ برداشت نہ کر سکے۔ ایک دم کرسی سے اُٹھے اور اس طرح سچاریتا سے مخاطب ہوئے جیسے وہ اُسکی بڑی بہت قریبی رشتے دار تھی "سچاریتا تم ذرا اِدھر آؤ" اس کمرے میں! مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

سچاریتا جھجک کر پیچھے ہٹی، جیسے کسی نے اُسے ایک چابک ماردی ہو! اگرچہ

ہرن بابو کے اور اس کے تعلقات اتنے بے تکلف تھے کہ وہ اسے اس طرح بلا سکتے، کوئی اور موقع ہوتا تو اسے کچھ خیال بھی نہ آتا لیکن آج، اس وقت اگرا اور بنو ئے کی موجودگی میں یہ بات اسے اپنی ہتک محسوس ہوئی، اس لئے اور بھی کہ گدا نے ایک بار اس کی طرف کچھ ایسی نظروں سے دیکھا کہ جس کے بعد ہرن بابو کی یہ حرکت معاف نہیں کی جا سکتی تھی۔

پہلے تو اس نے سُنی اَن سُنی کر دی ——— لیکن پھر جب ہرن بابو نے ذرا اور جھنجھلا کے کہا "میری بات نہیں سن رہی ہو سجاریتا، مجھے تم سے کچھ کہنا ہے، اسی لئے تم سے کہہ رہا ہوں کہ ساتھ والے کمرے میں چلو" تو اس نے آنکھیں چار کئے بغیر جواب دیا "بابوجی کے آنے تک ٹھہر جایئے۔ پھر آپ مجھے بتا دیجئے گا"۔

جب یہ نوبت پہونچی تو بنوتے اٹھ کھڑا ہوا "بھئی مجھے بہت افسوس ہے، غالباً ہم لوگوں کی وجہ سے رکاوٹ ہو رہی ہے، اب تو ہم لوگوں کے چلنے کا بھی وقت آ گیا"۔

سجاریتا جلدی سے بولی "نہیں بنوتے بابو، اتنی جلدی آپ نہ جائیں، بابوجی تو کہہ گئے تھے کہ ان کے آنے تک ٹھہریں، وہ بس اب آتے ہی ہوں گے" ——— اور اس کی آواز میں ایسی پریشانی اور منت تھی کہ گویا بنوتے نے ہرن کو شکاری کے حوالے کر دینے کی تجویز کی تھی۔

ہرن بابو پیر پٹختے کمرے سے باہر نکل گئے "میں اب زیادہ انتظار نہیں کر سکتا، اب مجھے جانا ہی چاہئے"۔

باہر نکل کر وہ پی اس جلد بازی پہ پچھتائے تو بہت مگر اب واپس جانے کا بہانہ بھی کیا کرتے۔ ان کے جانے کے بعد سجاریتا شرمندگی سے لال ہو گئی، سر جھکا کے بیٹھی رہی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کہے ——— اور اس بار گدا نے اس کے نقوش کو پہلی بار گہری نظر سے دیکھا! تعلیم یافتہ لڑکیوں کے خیال کے ساتھ اس کے ذہن میں جو تیزی اور بے حیائی کے تصورات تھے وہ کہاں تھے؟ بیشک اس کے چہرے پر ایک تابناک ذہانت تھی لیکن اس

ذہانت کو اس کے شرمیلے پن نے کس قدر ملاحت بخش دی تھی، خزاں کے صاف شفاف آسمان کی طرح چمکتی ہوئی پاکیزہ اور بے داغ پیشانی، خاموش لب، جیسے کسی نوخیز کلی کے خم جن میں ان کہی بات چھپی ہو! گورا نے کبھی کسی تعلیم یافتہ عورت کے لباس پر غور نہیں کیا تھا۔ بغیر دیکھے ہی اس سے نفرت کرنے لگا تھا۔ لیکن اس وقت نئے فیشن کی یہ ساڑی جو سچاریتا کے جسم پر لپٹی ہوئی تھی، اسے بہت بھلی معلوم ہوئی!

اس کا ایک ہاتھ میز پر رکھا ہوا تھا۔ اور بلاؤز کے چُنٹ دار ہوئے کف میں سے جھانکتا ہوا وہ گورا کو ایک ایسے دل کا باوقار پیغام محسوس ہوا جو محبت کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو ——— کیسی پرسکون شام تھی۔ اور اس میں لیمپ کی وہ ہلکی ہلکی روشنی جو سچاریتا کے چاروں طرف سے ہالہ کئے تھی لیکن اچھی لگ رہی تھی، ——— کمرے میں چاروں طرف سے بکھری ہوئی پرچھائیاں، دیواروں پہ لگی تصویریں، صاف ستھرا فرنیچر۔ پورا کمرہ خود ایک تصویر سا لگتا تھا ——— ایک ایسی تصویر جس کے یہ مادی نقوش اہم نہ تھے بلکہ یہ بات اہم تھی کہ کسی عورت کی سگھڑ انگلیوں نے اُسے ایک گھریلو فضا بخش دی تھی۔ اور یہ گھریلو پن گورا کے دل میں یکایک گھر کر گیا تھا۔

آہستہ آہستہ دیکھتے ہی دیکھتے، وہ اسے ایک گہری حقیقت نظر آنے لگی، اُس کا وجود اہم ہوتا چلا گیا، ——— پورا وجود ——— کنپٹی سے لپٹتے ہوئے، ادھر ادھر بکھرے ہوئے بالوں سے لے کر ساڑی کے بارڈر میں بنے ہوئے گُل بوٹے تک! اب ایک ہی نظر میں سچاریتا کی شخصیت کی تکمیل کو بھی دیکھ سکتا تھا اور ہر ایک تفصیل کو بھی!

ذرا دیر ہر ایک کو یہ خاموشی بڑی عجیب لگتی رہی، سب ہی گھبرائے ہوئے تھے پھر بنوئے نے سچاریتا کی طرف دیکھا اور ایک ایسا موضوع چھیڑ دیا جس پر یہ لوگ چند دن پہلے گفتگو کر چکے تھے۔ کہنے لگا جیسا کہ میں اُس دن آپ سے کہہ رہا تھا، میں کسی زمانے میں یہ سوچا کرتا تھا کہ ہمارے ملک اور ہماری سوسائٹی کے لئے اُمید کا کوئی راستہ نہیں ہے

انگریز جو ہیں، وہ ہمیشہ ہمارے سرپرست کی حیثیت سے رہیں گے اور ہم ہمیشہ نابالغ۔
اسی طرح آج بھی ہمارے مُلک کے بہت سے لوگ سوچتے ہیں؛ اور جب ایسی ذہنی حالت ہوتی ہے تو لوگ یا تو اپنے ذاتی مفاد میں کھو جاتے ہیں یا اپنی تقدیر کے بارے میں غور ہی نہیں کرتے ——— میں نے بھی ایک بار گورا کے والد صاحب کے ذریعہ ایک سرکاری نوکری حاصل کرنے کے متعلق سوچا تھا مگر گورا نے مخالفت کر کے میری عقل ٹھکانے کر دی"

گورا نے جب دیکھا کہ اس بات پر سُچاریتا کے چہرے پر تعجب کے آثار پیدا ہوئے تو وہ بولا " دیکھئے یہ نہ سمجھئے گا کہ میں نے جو کچھ کہا اس میں گورنمنٹ سے نفرت کرنے کا کچھ ہاتھ تھا؛ جو لوگ سرکاری نوکر ہوتے ہیں، وہ عام طور پر سرکاری قوّت پر ایسا اتراتے ہیں جیسے وہ ان کی اپنی ہی قوّت تو ہے۔ اور اس طرح وہ اپنے باقی ہموطنوں سے الگ ایک طبقہ بن جاتے ہیں۔ مجھے یہ دن بدن زیادہ صاف نظر آتا جاتا ہے۔ ایک زمانے میں میرے ایک رشتے دار ڈپٹی مجسٹریٹ تھے، اب تو وہ ریٹائر ہو گئے لیکن جب سروس میں تھے تو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اکثر اُن پر اعتراض کیا کرتا تھا؛ "بابو صاحب، آپ کی کچہری سے اتنے آدمی کیوں بَری ہوتے ہیں؟" وہ جواب دیتے "صاحب اس کی تو ایک بہت بڑی وجہ ہے؛ آپ جن لوگوں کو جیل بھیجتے ہیں وہ آپ کے کُتّے اور بلیوں کی طرح ہیں مگر مجھے جن کو بھیجنا ہوتا ہے وہ میرے ہی بھائی بند ہیں" اس زمانے میں ہمارے بہت سے ہموطنوں کے مُنہ سے ایسے شریفانہ الفاظ نکل سکتے تھے اور ایسے شریف انگریزوں کی کمی بھی نہ تھی جو اُن کو سُنتے تھے! لیکن اب تو غلامی کی زنجیروں کو زیور سمجھ کر کے پہنا جاتا ہے ——— اور آج کل کے ڈپٹی مجسٹریٹ تو آہستہ آہستہ ایسے ہو گئے ہیں کہ اپنے ہموطنوں کو کُتّوں سے کچھ بہتر نہیں سمجھتے تجزیہ یہ بھی بتاتا ہے کہ ایسے لوگ سروس میں جتنے اونچے ہوتے جاتے ہیں ذہنیت اتنی ہی ذلیل ہوتی جاتی ہے۔ اگر آپ کسی کے کندھے پر چڑھ کر اونچے ہو گئے ہیں تو آپ کو اپنی جنتا کو حقارت کی نظر سے دیکھنا لازمی ہو جاتا ہے۔ اور جہاں آپ نے اُن کو حقیر سمجھا کہ آپ نے

اُن سے بے انصافی کی ـــــ اس طرح تو بہتری کی کوئی صورت نکل سکتی تھی؟"

گورا نے بات ختم کرتے ہوئے نہایت جوش میں آکر میز پر مُکّا مارا، لیمپ ہلنے لگا۔

"گورا بھوئے نے مُسکرا کر کہا" یہ میز سرکاری ملکیت نہیں ہے اور لیمپ پارش بابو کا ہے:" اس بات پر گورا قہقہہ لگا کے ہنسنے لگا۔ اس کی معصوم مُسرت سارے کمرے پر چھا گئی۔ سُچاریتا کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا اور خوشی بھی کہ اپنا مضحکہ اُڑنے پر گورا بڑکوں کی طرح کھلکھلا کے ہنس بھی سکتا ہے! غالباً یہ بات اس نے اب تک کبھی نہیں سوچی تھی کہ جی جان سے وہی شخص ہنس سکتا ہے جس کے خیالات، عملی ہوں!۔

اسی شام گورا نے کئی موضوعات پر باتیں کر ڈالیں۔ سچاریتا ویسے تو خاموش رہی لیکن اس کے چہرے پر پسندیدگی کے ایسے آثار تھے جن سے گورا کا کلیجہ باتھ بھر کا ہو گیا۔ آخر کار سچاریتا سے ہی خاص طور پر مخاطب ہو کر بولا: "میں چاہتا ہوں آپ ایک بات یاد رکھیں۔ اگر ہم اس غلط فہمی میں مبتلا رہیں کہ انگریز ہم سے زیادہ طاقتور ہے اور ہم جب تک اس جیسے نہ ہو جائیں گے اس کا مقابلہ نہیں کر پائیں گے تو یہ ایک ایسی ناممکن بات ہے جو کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ گورا نہ تقلید کرکے نہ ہم اِدھر کے رہیں گے نہ اُدھر کے ـــــ آپ سے تو میری بس ایک ہی درخواست ہے، ہندوستان کو سمجھئے ـــــ اس کی تمام خامیوں، تمام خوبیوں کو دل میں جگہ دیجئے، اگر کوئی خرابی ہے تو اُس کو اندر سے ٹھیک ضرور کیجئے۔ پر اسے اپنی آنکھوں سے دیکھئے تو سہی، اس کو سمجھئے تو سہی، اس کے بارے میں سوچئے تو سہی، اس کی نگاہوں سے نگاہیں تو ملائیے، اسے اپنا تو بنائیے۔ مخالف صف میں کھڑے رہیئے گا تو کیا جانیئے گا؟ انگریزی قسم کے خیالات اپنا کر باہر سے رائے دیجئے گا تو کیا کر لیجئے گا۔ اس سے تو صرف آپ زخم لگا سکتی ہیں کوئی خدمت تو نہیں کر سکتیں!"

اس بات کو گورا نے اپنی درخواست کہا تھا لیکن دراصل یہ حکم تھا۔ اس کے الفاظ میں ایسی زبردست قوت تھی کہ دوسری طرف سے ہاں کہے جانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

سچاریتا سر جھکا کے سُن رہی تھی۔ گورا کو اس قدر اشتیاق کے ساتھ اپنے سے مخاطب پاکر اُس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ شرم و حیا پر بمشکل قابو پاکر اس نے بڑی سادگی سے کہا "میں نے پہلے کبھی اپنے وطن کے بارے میں اتنی سچی اور اونچی طرح سے نہیں سوچا، لیکن میں بھی آپ سے ایک سوال کرنا چاہتی ہوں۔ مذہب اور وطن کا آپس میں کیا رشتہ ہے، کیا مذہب وطن سے بالاتر نہیں ہے؟"

اس کی نازک آواز میں کہے ہوئے اس سوال نے گورا کے کانوں میں شہد ٹپکا دیا؛ سوال کرتے وقت آنکھوں میں جو کیفیت تھی اُس نے اور بھی مٹھاس گھول دی ——— اس نے جواب دیا "اگر کوئی چیز وطن سے بالاتر، وطن سے عظیم تر ہے تو وہ وطن کی محبت کے ذریعے ہی ظاہر ہو سکتی ہے۔ بھگوان نے اپنے واحد اور باقی وجود کو مختلف صورتوں میں ظاہر کیا ہے؛ لیکن جو لوگ کہتے ہیں کہ صداقت واحد ہے اس لئے کہ وہ صرف کسی ایک مذہب میں سچائی بن سکتی ہے وہ گویا یہ تو مانتے ہی ہیں کہ صداقت واحد ہے مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ صداقت لامحدود ہے۔ خدا کی ذات لامحدود ہے، اسی طرح بہت سی لامحدود صورتوں میں اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے۔ میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے پار بھی آپ سورج کی روشنی دیکھ سکتی ہیں اس لئے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ سات سمندر پار کے عیسائی کلیسا کے روزن سے ہی جھانکا جائے۔"

"تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان کے پاس ایک خاص راستہ ہے جو خدا تک پہنچا سکتا ہے۔ وہ خصوصیت کیا ہے؟"

گورا نے جواب دیا "وہ خصوصیت یہ ہے کہ یہاں پر مانا گیا ہے کہ ایک قوت سب سے بالاتر ہے اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی، لیکن وہ کسی حد تک ہر شے میں نمایاں ہے۔ دُنیا کے ہر جُزو کل میں اُسی کا ظہور ہے؛ وہ بیک وقت، بے انتہا صفات کا بھی ظاہری اور اشاری مالک ہے اور لاصفت بھی ہے۔ بے حد صورتوں کا رُوپ بھرتا ہے اور

واصورت بھی ہے۔ اور ملکوں میں لوگوں نے خدا کو اس کی کسی ایک مخصوص خصوصیت کے ذریعے پہچانا ہے لیکن ان کوششوں کو کبھی انتہا نہیں سمجھا گیا۔ اور نہ ان میں کسی ایک کو سب کچھ مان لیا گیا ہے۔ کسی بڑے سنیاسی نے اس بات کو ماننے سے انکار نہیں کیا کہ خدا کی ذات ہمیشہ اسی مخصوص دائرے سے قریب تر ہوتی ہے جو پرستش کرنے والے کو اپنی ذاتی توفیق کے حساب سے صداقت نظر آتی ہے۔"

"یہ تو پہنچے ہوئے عقلمند سنیاسیوں کی بات ہوئی نہ ـــــ مگر باقی لوگوں کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں:" سچاریتا نے پوچھا:

"میں ہمیشہ سی بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ ہر ملک میں جاہلوں کے ہاتھوں سچائی مسخ کی جاتی ہے۔"

"لیکن کیا یہ واقعہ نہیں کہ جتنی توڑ موڑ یہاں ہوتی ہے، یہ اور ملکوں سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی ہے؟"

"ہاں ہو سکتا ہے۔" گورا نے جواب دیا۔ "وجہ صرف اتنی ہے کہ ہندوستان نے ہمیشہ مکمل عرفان حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ظاہری اور اشاری ہر ایک کے متضاد پہلوؤں پر غور کیا ـــ داخلی اور خارجی، روحانی اور جسمانی ـــــ اور ہوا یوں کہ جو لوگ اشاری پہلوؤں کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے وہ ظاہری کو جھپٹ لیتے ہیں۔ اور پھر ان کی جہالت اس میں طرح طرح کے تفرقات کر کے یہ غیر معمولی توڑ مروڑ پیدا کرتی ہے۔ پھر بھی ہمارے لئے یہ کسی طرح مناسب نہ ہوگا کہ ہم اس عظیم اور گوناگوں اور حیرتناک راستے سے اپنے آپ کو بالکل علیحدہ کر لیں جو راستہ ہندوستان نے دوسری جسمانی، روحانی عمل اور حیثیتوں میں تلاش حق کی کوشش کے واسطے تجویز کیا ہے۔ جس میں وہ کلی صورت اور بے صورت، مادی اور روحانی ہر کیفیت میں ظاہر ہوتی ہے، مشاہدے اور مراقبے دونوں میں یکساں محسوس ہوتی ہے۔ اس کے بجائے، اگر اٹھارویں صدی کے یورپ نے جس خشک اور محدود طریقے سے

ایمان اور الحاد کو ملا یا ہے اگر ہم اسے ہی ایک واحد مسلک تسلیم کر لیں تو یہ ہماری بے دقعتی ہو گی۔"

سچارِتا ایک منٹ کے لیے خیالات میں گم ہو گئی۔ اُسے خاموش دیکھ کر گورا نے پھر اپنی بات جاری کی "دیکھئے مہربانی کر کے مجھے متعصب نہ سمجھئے گا۔ ورنہ یہ سوچئے گا کہ میں ان لوگوں میں ہوں جو یکایک پرانی باتوں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ میرے الفاظ پر نہ جائیے گا۔ ہندوستانی فلسفہ نے جو مختلف کوششیں کی ہیں اور جس طرح ان کو ظاہر کیا ہے ان سب کے درمیان ایک گہرا اور عظیم الشان اتحاد میں نے پایا ہے اور اس اتحاد نے میرے ذہن کو ایک مخصوص کیفیت بخشی ہے۔ اور اسی کی وجہ سے میں آج اپنے وطن کے مفلس ترین اور جاہل ترین انسانوں کے ساتھ مل کر خاک پر کھڑے ہونے سے ہچکچاتا نہیں ہوں۔ ہندوستانی فلسفہ و فکر کا یہ پیغام کون سمجھتا ہے، کون نہیں سمجھتا۔ اس بات سے میرے احساسات میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں کُل ہندوستان کا ایک جز ہوں۔ یہاں کی سب رہنے والی جنتا میری عزیز ہے اور مجھے اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان ہی لوگوں کے ذریعہ ہندوستان کی روح آہستہ آہستہ خاموشی کے ساتھ سرگرم عمل ہے اور بیدار ہو رہی ہے۔"

گورا کی بات اور پھر اس کی تنومند آواز ——— ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دیواروں اور کمرے کے فرنیچر تک میں سما کر تھر تھرا رہے ہیں، وہ الفاظ چاروں طرف سے گونج رہے ہیں یہ ایسے الفاظ نہیں تھے جن کو سچارِتا پوری طرح سمجھ سکتی لیکن انسان کے ذہن پر جب حقیقتیں روشن ہونے لگتی ہیں تو ان کے پہلے دھاوے بڑے زوردار ہوتے ہیں زندگی صرف خاندان کے رشتوں یا ذات برادری تک محدود نہیں ہے۔ یہ صداقت آج اس پر بنی اور کھلی تو اس پر ایک دُکھ بھرا احساس شدت کے ساتھ حاوی ہو گیا۔

لیکن اب کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہ تھی کیونکہ زینے سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آہٹ اور لڑکیوں کے ہنسنے کی آواز آ رہی تھی۔ پاریش بابو اپنی بیٹیوں کو لے کر واپس آ گئے

تھے اور ستیش حسبِ دستور لڑکیوں کو چھیڑ رہا تھا۔

کمرے میں گھستے ہی گورا کو دیکھ کر لولتا اور ستیش سنجیدہ ہو گئے۔ اور اپنی جگہ رُک سے گئے مگر لبونیا بل کھاتی، لُبھاتی نکل گئی، پھر ستیش بنوئے کی کرسی کے پاس گھس گیا اور اس سے کھُسر پھُسر کرنے لگا۔ لولتا نے سچاریتا کے پیچھے ایک کرسی کھینچ لی اور بیٹھ گئی۔ وہاں سے وہ پوری طرح دکھائی نہیں دے سکتی تھی۔

پاریش بابو کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولے "مجھے واپس ہونے میں ذرا دیر ہو گئی، غالباً پنو بابو تو چلے گئے؟"

جب سچاریتا نے کوئی جواب نہیں دیا تو بنوئے نے کہا "جی ہاں۔ وہ انتظار نہیں کر سکے۔ کوئی ضروری کام رہا ہوگا۔"

گورا اٹھ کھڑا ہوا اور پاریش بابو کی طرف تعظیماً جھک کر بولا "اب ہم لوگوں کو بھی چلنا چاہئے۔"

"بھئی میں آج تم لوگوں سے کچھ بات چیت نہیں کر سکا۔ پھر آنا۔ جب فرصت ملے چلے آیا کرو۔"

گورا اور بنوئے کمرے سے باہر نکلنے ہی والے تھے کہ برودا دیوی آ گئیں، دونوں جھک کر تعظیم بجا لائے۔ "کیا؟ ابھی سے چلے؟" انھوں نے زور سے کہا۔

"جی ہاں" گورا نے کچھ بوکھلا کر کہا۔ اس پر برودا دیوی بنوئے سے مخاطب ہو گئیں "لیکن بنوئے بابو آپ کو تو میں نہیں جانے دوں گی، آپ کو تو ٹھہرنا ہوگا، ہمارے ساتھ کھانا کھانا ہوگا، اس کے علاوہ مجھے آپ سے کچھ بات بھی کرنی ہے۔"

ستیش اس دعوت نامے پر اچھل پڑا۔ اور بنوئے کے بازو میں جھولتا ہوا بولا "ہاں! ہاں بنوئے بابو کو مت جانے دیجئے ماں۔ ان کو آج رات یہاں میرے ساتھ رہنا پڑے گا۔"

ننو ے کو ہچکچاتا دیکھ کر بردوا دیوی گورا کی طرف مڑیں۔ "کیا آپ ننو ے بابو کو لے ہی جائیں گے؟ کوئی خاص ضرورت ہے؟ کوئی کام ہے!"۔

"جی نہیں تو ــــــ بالکل نہیں" ــــــ گورا نے جلدی سے جواب دیا۔ "تم ٹھہرو ننو ے میں چلا" ــــــ اور وہ تیزی سے باہر نکل آیا۔ جب بردوا دیوی نے ننو ے سے رُکنے کو کہا تھا تو وہ لولتا کی طرف ایک نظر ڈالے بغیر نہ رہ سکا تھا، لولتا نے مسکرا کر دوسری طرف مُنھ پھیر لیا تھا، ننو ے سے لولتا کی ان ننھی اور معصوم شرارتوں کے بغیر رہا بھی نہیں جاتا تھا اور پھر وہ شرارتیں کانٹے کی طرح چبھتی بھی تھیں!

جب وہ پھر بیٹھ گیا تو لولتا آہستہ سے بولی "ننو ے بابو آپ آج تو اپنے دوست کے ساتھ نکل ہی بھاگتے تو زیادہ عقلمندی کرتے!"

"کیوں؟"

"بات یہ ہے کہ اماں نے آپ کو پھنسانے کا ایک پلان تیار کیا ہے مجسٹریٹ والے میلے میں ہم لوگ جو ڈرامہ کر رہے ہیں اس میں ایک ایکٹر کی کمی پڑ رہی ہے۔ اور ماں نے یہ طے کیا ہے کہ آپ اس جگہ کو بھریں گے۔"

"ارے توبہ ــــــ ارے بھئی نہیں۔ میں تو کبھی بھی یہ نہیں کر سکوں گا!"

لولتا ہنسنے لگی "میں نے تو پہلے ہی ماں سے کہہ دیا تھا کہ آپ کے دوست صاحب آپ کو کبھی اجازت نہیں دیں گے کہ اس ڈرامے میں آپ حصّہ لیں۔"

ننو ے اس ذرا سے تلملا گیا "تم لوگوں کو میرے دوست کی رائے پر بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے! ــــــ میں نے زندگی میں کبھی ایکٹنگ نہیں کی ہے مجھ پر کیوں یہ پارٹ لادا جا رہا ہے۔"

"تو ہم لوگوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کہ ہم لوگ تمام زندگی ایکٹنگ ہی کرتے رہے ہیں۔"

اس بات پر برودا دیوی نے مُڑ کر دیکھا اور دلتا بولی "ماں ـــــ نبوتے بابو کو اپنے ڈرامے میں شریک کرنے کی کوشش بالکل بیکار ہے، جب تک کہ آپ ان کے دوست سے بھی حامی نہ بھروائیں کیونکہ ... ..."

نبوتے عاجز ہو کر بولا "اوہو۔ میرے دوست کی اجازت کا بالکل کوئی مسئلہ نہیں ہے، مجھے ایکٹنگ کرنا آتی ہی نہیں ہے۔"

برودا دیوی نے چلّا کے کہا "ارے! اِس کی فکر تم مت کرو، ہم لوگ بہت جلدی تم کو سکھا لیں گے، ـــــ تمھارا مطلب ہے، جو کام یہ لڑکیاں کر سکتی ہیں وہ تم نہیں کر سکتے کیا بیکار بات ہے یہ۔"

ظاہر ہے کہ اس کے بعد نبوتے کے واسطے بھاگ نکلنے کو کوئی راستہ باقی نہیں رہ گیا۔

اکیسواں باب

پاریش بابو کے یہاں سے نکل کر گورا اپنی معمولی رفتار سے چلنے کے بجائے آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ اور سیدھے گھر جانے کے بجائے بھٹکتا ہوا دریا کی طرف جا نکلا۔ اس زمانے میں گنگا اور اس کے کنارے صاف ستھرے ہوا کرتے تھے۔ کارخانوں کی لانچ نے جو بد صورتی اس حسین دریا کے اطراف پھیلائی ہے اس سے وہ ہنوز آزاد تھی۔ اس کے آس پاس ریلوے لائن نہیں تھی، اوپر سے کوئی پُل نہیں گزرتا تھا۔ اور جاڑے کی شاموں کو بکھرے ہوئے شہر کی دھواں بھری پھنکاروں سے آسمان دھندلاتا نہیں تھا۔ اس وقت یہ دریا کلکتہ شہر کی خاک آلودہ بھیڑ میں رہنے والوں کے لئے دور دراز ہمالیہ کی بے داغ چوٹیوں سے سکون کا پیغام لاتا تھا۔

اب سے پہلے مناظرِ فطرت کو کبھی یہ اجازت نہ تھی کہ وہ گورا کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ سکیں۔ اس کا ذہن اپنی کوششوں میں الگ ہی مصروف رہتا تھا۔ اور اپنے ماحول کے وہ حصے جو اس کی ان کوششوں کے دائرے سے باہر تھے۔ اور اس کو کبھی نظر ہی نہ آتے تھے۔ لیکن آج شام دھکتے ستاروں کی دھند سے گزر کر آسمان کی بلندی نے اس سے کچھ کہا اور طرح طرح سے اس کے دل کو چھوا۔ گنگا خاموش تھی جیسے تصویرِ آب، ساحل سے بندھی کشتیوں کی روشنیاں جھلمل جھلمل کر رہی تھیں، اس پار گھنے درختوں پر اُداسی چھائی تھی، اور اس تمام منظر پر ملکۂ شب زہرہ کی حکومت تھی، روشن اور تابناک جیسے رات کا ضمیر جاگ اٹھا ہو!

گورا نے ابھی تک اپنی الگ دنیا بسا رکھی تھی، خیال اور عمل کی دنیا پر اب اسے کیا ہوا تھا! وہ یکایک قدرت سے کیسے آملا، کس طرح ہوا یہ تصادم؟ اور پھر لطف یہ کہ دریا کے تاریک پانی نے، گہرے اندھیرے ساحلوں نے، لامتناہی اندھیارے آسمان نے اسے

خوش آمدید کہی ـــــ گورا کو آج یہ محسوس ہوا جیسے وہ قدرت کے سامنے جھک گیا ہے!

سڑک کے پاس کوئی کاروباری دفتر تھا؛ اس میں سے کسی خوشبودار پھولوں والی بیل کی مہک ایک دم گورا کے بیقرار دل پہ اپنا نازک ہاتھ رکھ اُسے تسلی دینے لگی۔

دریا کا اشارہ تھا کہ انسان کی ان تھک محنت کے میدان سے نکل کر کسی دھندلے نامعلوم خطے میں چل کر، جہاں حسین پھولوں سے لدے ہوئے تودے، ان جانے چشموں کے آئینوں میں پُراسرار عکس پھیلاتے ہوں۔ جہاں کھلے پاک و صاف آسمان تلے دن کی چمک ایسی لگتی ہو جیسے حیران آنکھوں کا پر خلوص تعجب، راتیں ایسی معلوم ہوتی ہوں جیسے شرمیلی نظروں میں تھرتھراتی کانپتی شرمیلی پرچھائیاں!

گورا خوشی کے ایک گرداب میں چکر کھا رہا تھا؛ ایک ایسا گرداب جو اُسے مسرت ازلی کی کسی گہرائیوں میں کھینچے لئے جاتا جو آج تک گورا نے محسوس نہیں کی تھی! اس کا پورا وجود جیسے پھنس گیا تھا۔ درد و درماں دونوں کا احساس بیک وقت اس کے دل کو چٹکیے دے رہا تھا ـــــ ستاروں کی مبہم روشنی اس کی آنکھوں میں جھانک جھانک کر کھیل رہی تھیں کا زن میں شہر کی آہٹیں تیر رہی تھیں، ایسی آہٹیں جن کے متعلق کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا کہ وہ ہیں کیا۔ آج وہ کائنات کی پراسرار کیفیت سے سامنے کھڑا تھا جس پر ہمیشہ نقاب پڑی ہوتی ہے۔ جو ہمیشہ پہونچ سے باہر ہوتی ہے ـــــ خزاں کی وہ رات، دریا کا وہ کنارا اور اس پہ طاری ہوتا ہوا بے خودی کا وہ عالم! گورا نے اب تک فطرت کی قوت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ تو آج فطرت نے اسے اپنے طلسمی پھندے میں پھانس کر اُسے زمین اور پانی اور آسمان کی رسیوں سے جکڑ دیا تھا؛ اس کی روزانہ زندگی کی تمام طنابیں کاٹ دی تھیں۔

گھاٹ پر سناٹا تھا؛ گورا اپنی حالت پر خود حیران، گھاٹ کی ویران سیڑھیوں پر ڈھے پڑا۔ بڑی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا اور بیٹھے بیٹھے بار بار اپنے آپ سے پوچھتا رہا کہ یہ دکھ اور اچانک تجربہ آخر تھا کیا؟ ـــــ اس کے لئے کیا معنی رکھتی تھی یہ چیز! اپنی زندگی

کا جو نظام اُس نے ترتیب دیا اس میں اس کی کیا جگہ تھی؟۔ اور تھی بھی کہ نہیں؟ کیا اس سے جنگ کرنی ہوگی۔ کیا اس جذبہ کو، اس احساس کو کچل دینا چاہیے!

لیکن جب بھی زور سے مٹھیاں کھینچتا تو اُسے وہ جادو بھری آنکھیں یاد آنے لگتیں جو اس سے کچھ پوچھنا چاہتی تھیں۔ جن میں نسائیت کی چمک تھی اور حیا کی نرمی ـــــ خیال ہی خیال میں اسے وہ گداز ہاتھوں کی سڈول انگلیوں کا لمس محسوس ہونے لگتا۔ مسرت سے اس کے کل وجود کے تمام تار جھنجھنا اُٹھتے، اندھیرے میں اس احساس کی گہرائی اس کے کان میں کہتی کہ اس کے تمام شکوک غلط ہیں۔ تمام شبہ بیجا ہیں۔ گھاٹ کی سیڑھیوں پر سے اُٹھنے کو اُس کا جی نہیں چاہ رہا تھا۔ کہیں یہ احساس، یہ بیخودی، یہ کیف اس سے چھن نہ جائے!

اس رات جب وہ گھر واپس آیا تو آنند موئی نے اس سے پوچھا "اتنی دیر میں کیسے آئے بیٹا؟ تمھارا کھانا سب ٹھنڈا ہو گیا۔"

"کچھ خبر نہیں ماں ـــــ ذرا دریا پر چلا گیا تھا وہاں بڑی دیر تک بیٹھا رہا۔"

"کیا بنوئے تمھارے ساتھ نہیں تھا؟"

"جی نہیں میں ـــــ میں ـــــ اکیلا تھا"

آنند موئی کو بڑا تعجب ہوا کیونکہ اس سے پہلے کبھی گورا نے ایسا نہیں کیا تھا۔ گنگا کے کنارے اتنی دیر بیٹھا کیا سوچتا رہا؟ اس کی تو یہ عادت نہیں تھی کہ خاموش بیٹھا دیر تک کسی بات پر غور کیا کرے اور وہ بھی اتنی رات گئے تک ـــــ گورا ایک کھوئے کھوئے انداز میں بیٹھا کھانا کھاتا رہا اور وہ اسے دیکھتی رہیں، آج اس کے چہرے پر ایک عجیب قسم کی بیتابی کے آثار تھے! ذرا رک کر آنند موئی نے نرمی سے پوچھا "آج تم بنوئے کے یہاں گئے تھے نا؟"

"جی نہیں آج ہم دونوں پاریش بابو کے یہاں گئے تھے۔" اس بات سے آنند موئی کو سوچنے کے لئے مصالحہ مل گیا ـــــ ذرا دیر بعد انھوں نے دوسرا سوال کیا۔ گھر کے

سب لوگوں ہی سے ملاقات ہوئی ہوگی ؟"

"جی ہاں سب سے، کوئی تکلف نہیں کیا گیا۔"

"میں سمجھتی ہوں ان کی لڑکیوں کو ہر ایک کے سامنے آنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے ؟"

"جی نہیں ! کوئی اعتراض نہیں ہے۔" گورا نے سادگی سے کہا۔ اور کوئی وقت ہوتا گورا کے لہجے میں درشتی اور سختی ہوتی لیکن اس وقت وہ سختی غائب دیکھ کر آنند موئی کی حیرت اور بڑھ گئی۔!

دوسرے دن صبح گورا اتنی جلدی روزانہ کے کاموں کے لئے تیار نہیں ہو پایا جتنی جلدی وہ ہمیشہ تیار ہو جاتا تھا۔ کافی دیر تک وہ کھویا ہوا سا اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا رہا۔ کھڑکی پورب کی طرف کھلتی تھی، گلی کے اس سرے پر جو بڑی سڑک پر نکلتا تھا، ایک اسکول تھا، اور اسکول کے میدان میں ایک پرانا جیسولن کا پیڑ، جس کے گھنے پتوں پر صبح کی کہر، باریک نقاب کی طرح جھلکی ہوئی تھی اور ابھرتے ہوئے سورج کی لال لال کرنوں کی ہلکی روشنی چھن رہی تھی گورا کے دیکھتے ہی دیکھتے یہ کہر کھل گئی اور تیز شعاعیں پتوں کی جالی سے چمکتی سنگینوں کی طرح ابھرنے لگیں، نیچے گلی سے لوگوں کے چلنے پھرنے اور سواریوں کے آنے جانے کی آوازیں آنے لگیں۔

یکایک گورا نے دیکھا کہ بھیناش اور اس کے کچھ ساتھی طالب علم گلی سے اس کے مکان کی طرف آرہے ہیں، یک بارزور لگا کر اس نے بیخودی کے اس جال کو توڑ دیا جو اسے اپنی طلسمی لپیٹ میں لئے تھا۔ "نہیں اس طرح کام نہیں چل سکتا" اس نے اس قوت کے ساتھ اپنے آپ سے کہا کہ اس کے دماغ پر ایک چوٹ سی لگی۔ تیزی سے وہ اپنے کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ اپنے آپ کو تلخی کے ساتھ سخت ملامت کر رہا تھا کہ اپنے ساتھیوں سے ملنے کے لئے بروقت تیار نہ ہو سکا۔ اور یہ ایسی بات تھی جو اس نے پہلے کبھی نہیں ہونے دی تھی۔ اس نے

ارادہ کیا کہ اب پارتش بابو کے گھر نہیں جائیگا اور کوئی ایسی ترکیب کرے گا کہ اُس خاندان کو بالکل بھلا دے چاہے اس مقصد کے لئے کچھ دنوں شہر سے ہی علیحدہ کیوں نہ رہنا پڑے۔

پھر وہ اپنے ساتھیوں سے بات چیت کرنے لگا اور گفتگو کے دوران اِن لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ گرانڈ ٹرنک روڈ پر پیدل ایک یاترا کی جائے۔ اپنے ساتھ پیسے نہیں لیجائیں گے بلکہ راستے میں جو کچھ مہمان داری نصیب ہو جائے اسی پر بسر کی جائے۔ اس فیصلے پر گورا نے خوب جوش و خروش ظاہر کیا! ان تمام جنجالوں سے چھوٹ کر کھلی سڑک پر چل پڑنے کے خیال سے وہ خوش ہو گیا۔ اور محسوس کرنے لگا کہ اس سفر کے تصور ہی نے دل کو اس جال سے آزاد کر دیا جس میں وہ پھنس گیا تھا۔ اسکول سے چھٹے ہوئے بچّے کی طرح گورا تقریباً دوڑتا ہوا گھر سے باہر نکلا اور اس سفر کی تیاری کرنے لگا۔ اس کے دماغ میں یہی خیال کھل بھل ہو رہا تھا کہ دنیا میں صرف کام ایک ایسی چیز ہے جو حقیقت ہے باقی سب جذبات خام خیالی ہیں۔ وہم ہیں۔ خوش فہمیاں ہیں، اور کچھ نہیں!

جیسے ہی کرشن دیال بابو گھر میں گھسے گنگا کے پوتر پانی کا لوٹا لئے، کاندھے پر وہ چادر ڈالے جس پر دیوتاؤں کے نام چھپے ہوتے تھے؛ مقدس منتر بدبداتے ہوئے تو گورا اس جلدی میں یکایک اُن سے ٹکرا گیا۔ اپنی اس حرکت پر معافی مانگنے کے لئے فوراً جھک کر باپ کے پیر چھوئے، لیکن کرشن دیال بچک کر اس سے دُور ہٹ گئے۔ اور جلدی سے بولے "کوئی بات نہیں، جانے دو، رہنے دو۔" اور پھر وہ اس طرح اس سے کترا کر نکل گئے جیسے اُورا سے چھو جانے پر گنگا کا صبح کا اشنان بالکل بیکار ہو گیا ہو!

گورا نے کبھی یہ غور نہیں کیا تھا کہ کرشن دیال کی ساری احتیاط خصوصیت کے ساتھ یہ ہوتی تھی کہ وہ اس سے بچے رہیں! وہ ان کے اس طرح کترانے سے یہی سمجھا کہ یہ تو ذرا سا بھی کسی سے چھو جانے سے بچتے ہی ہیں، اپنی بیوی آنند موئی تک کو دُور رکھتے ہیں جیسے وہ کوئی غیر ضروری ہوں۔ اور موہم کے پاس بھی شاذ ہی کبھی جاتے ہیں، ——— ویسے موہم اور

کو بھی اُن کے پاس جانے کی فرصت کہاں تھی۔ گھر بھر میں وہ صرف اپنی پوتی شاشی سے کوئی واسطہ رکھتے تھے، اسے سنسکرت کے اشلوک یاد کراتے اور ٹھیک سے پوجا پاٹ کرنے کے طریقے سکھایا کرتے!

اس لیے کرشن دیال کے یوں کترانے پر گورا بس اپنے باپ کے طور طریقوں پر مُسکرا کر رہ گیا؛ ان باتوں کی وجہ سے وہ اُن سے بہت دُور ہٹ گیا تھا۔ یہاں تک کہ آنند موئی کی غیر مذہبی عادتوں کو پسند نہ کرتے ہوئے بھی ان کی محبت اور عقیدت اپنی بس ماں ہی کے چاروں طرف لپٹی رہتی تھی۔ جو رسم ورواج کی نہ پروا کرتی تھی نہ اُن کی پابند تھی!

ناشتہ ختم کر کے گورا نے کپڑوں کا ایک جوڑا چادر میں لپیٹا اور اسے انگریز مسافروں کی طرح کندھے پر لٹکائے آنند موئی کے پاس پہنچا "ماں ـــــ میں کچھ دنوں کے لیے باہر جانے کی سوچ رہا ہوں، ـــــ آپ اجازت دیں تو چلا جاؤں۔"

"پر کہاں جا رہے ہو بیٹا" ـــــ انھوں نے پوچھا۔

"یہ تو ابھی میں خود بھی ٹھیک سے نہیں جانتا" اس نے جواب دیا "کوئی کام ہے؟ اس طرح کا کام تو کوئی نہیں ہے جیسے کام کے معنی ہوتے ہیں۔ یہ سفر ہی بجائے خود ایک کام ہے۔"

آنند موئی خاموش ہو گئیں۔ اُن کو چُپ دیکھ کر گورا نے گھبرا گھبرا کے اُن کی خوشامد شروع کر دی: "دیکھیے ماں ـــــ آپ انکار مت کر دیجیے گا۔ آپ اتنا تو مجھے جانتی ہی ہیں۔ آپ کو میرے بارے میں یہ تو نہیں سوچنا چاہیے کہ میں جوگی ہو جاؤں گا اور پھر سڑکوں ہی پر مارا مارا پھروں گا۔ آپ کو تو معلوم ہے کہ میں زیادہ دن آپ سے الگ نہیں رہ سکتا۔ ہے نا ـــــ"

گورا نے پہلے کبھی اتنی صفائی سے ماں کے لیے اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن اب کہنے کے فوراً ہی بعد اس کو عجیب سا لگنے لگا: گھبرا کے چُپ ہو گیا! آنند موئی دل میں

تو خوش ہوتیں۔ لیکن سمجھ گئیں کہ یکایک اپنے ایک جذبے کا اظہار کر دینے سے گورا کو گھبراہٹ ہو رہی ہے اس کو تسلی دینے کے لئے بولیں "بنوتے تو تمھارے ساتھ جا ہی رہا ہو گا؟"

"آپ تو بس ایسی ہی باتیں کرتی ہیں ماں ——— آپ سمجھتی ہیں کہ اگر بنوتے چوکیداری کرنے کے لئے موجود نہ ہوا تو آپ کے گورا کو کوئی اٹھا لے جائے گا۔ بنوتے نہیں جا رہا ہے۔ اور میں صحیح سلامت واپس آ کر یہ ثابت کر دوں گا کہ آپ بلا وجہ بنوتے پر اتنا بھروسہ کرتی ہیں۔ اور میں اس کی حفاظت کے بغیر بھی واپس آ سکتا ہوں ———"

"پر کبھی کبھار خیر خبر تو بھیجو گے؟"

"بہتر تو یہی ہے کہ آپ خیر خبر ملنے کی امید نہ رکھیں، ایسی صورت میں اگر کوئی خبر ملے گی تو آپ زیادہ خوش ہوں گی، آپ گھبرائیے نہیں آپ کے گورا کو کوئی نہیں چرائے لئے جا رہا ہے۔ وہ کوئی ایسا انمول خزانہ نہیں ہے جیسا آپ اس کو سمجھتی ہیں ——— اگر یہ ایک جوڑا کپڑا، یہ حقیر سامان کسی کو پسند آ جائے گا تو تحفہ کے طور پر اس کی خدمت میں پیش کر دوں گا اور خالی ہاتھ لوٹ آؤں گا۔ اس کے لئے اپنی جان تو دوں گا نہیں۔ اس کا آپ کو یقین دلاتا ہوں۔"

گورا نے جھک کر آنند موئی کے پیروں کی دھول لی اور انھوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اپنی انگلیاں چوم لیں ——— لیکن اس کو اپنے ارادے سے باز رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

آنند موئی کبھی کسی ہوتے کام کو اس لئے نہیں روکتی تھیں کہ اس سے ان کو خود کو دقت ہو گی۔ نہ کبھی ان کو یہ ڈر رہتا تھا کہ نہ جانے۔ اس میں کیا کیا خرابی پیدا ہو جائے، اپنی زندگی میں انھوں نے بہت سی مشکلات جھیلی تھیں، گھر سے باہر کی دنیا کو بھی دیکھا اور جانا تھا لیکن انھیں کبھی کسی چیز سے ڈر نہیں لگا۔ اور اس وقت ان کی پریشانی یہ نہیں تھی کہ گورا جا رہا تھا۔ یا اسے کچھ ہو نہ جائے بلکہ پچھلی رات وہ یہ سمجھ گئی تھیں کہ گورا کسی ذہنی کشمکش میں

مبتلا ہے۔ اور یکایک اس طرح سفر پر نکل کھڑے ہونے کی اصل وجہ وہی ہو سکتی ہے!

گوڈ پیٹھ پر بنڈل باندھے گلی میں نکلا ہی تھا، کہ بنوے آتا ہوا ملا۔ وہ دو گلاب کے پھول بہت احتیاط سے سنبھالے، آہستہ آہستہ چلا آ رہا تھا۔

"بنوے   تم منحوس ہو یا مبارک اس کی آزمائش ہونے والی ہے۔ روانہ ہوتے ہی تم سامنے پڑ گئے!"

"تو کیا کہیں سفر پر جا رہے ہو؟" بنوے نے پوچھا

"ہاں"

"کہاں؟"

"گوبخ سنائی نہ دی گی، کہاں؟" گوڈا کھسیا کر ہنس پڑا۔

بنوے چڑ گیا "اس سے بہتر کوئی جواب نہیں دے سکتے ہو؟"

"نہیں ـــــ ماں کے پاس جاؤ۔ وہ تمھیں سب کچھ بتا دیں گی۔ مجھے تو اب چلنا چاہیے۔" اور یہ کہہ کر گوڈا تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا چلا گیا۔ آنند سوئی کے کمرے میں داخل ہو کر بنوے تعظیماً جھکا، اور دونوں گلاب ان کے قدموں میں رکھ دیے۔ انھوں نے پھولوں کو اٹھایا، اور بولیں "یہ گلاب کہاں سے لائے بنوے؟"

بنوے نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا اور دوسری بات کہی "ماں ـــــ زندگی میں جہاں بھی مجھے کوئی بھی چیز ملتی ہے تو میرا جی چاہتا ہے کہ سب سے پہلے لا کر اُسے آپ کے قدموں میں نذر چڑھاؤں ـــــ پر ماں ـــــ آپ ـــــ آپ ـــــ کچھ فکر مند نظر آتی ہیں کچھ پریشان ہیں آپ؟"

"تمھیں یہ خیال کیسے ہوا؟"

"کیونکہ آپ نے حسبِ دستور مجھے پان نہیں دیا۔ بھول گئیں۔"

جب آنند سوئی نے اس کمی کو پورا کر دیا۔ تو دونوں خوب گھل مل کر دوپہر تک باتیں کرتے

رہے، بنوے بھی گوراکے اس نامعلوم سفر پر کچھ روشنی نہیں ڈال سکا، لیکن جب دورانِ گفتگو میں آنند موئی نے بنوے سے پاریش بابو کے یہاں جانے کا تذکرہ کیا تو اُس نے کُل داستان کہہ سُنائی، جس کا ایک ایک لفظ انھوں نے غور سے سُنا۔

جاتے وقت بنوے نے کہا "ماں میری پوجا تو قبول ہوگئی۔ اب جبکہ آپ نے ان پھولوں کو متبرک بنا دیا ہے، اجازت دیجیے تو انھیں لے جاؤں؟"

آنند موئی نے ہنس کر بنوے کو گلاب دے دیے! یہ اُن کو صاف نظر آرہا تھا کہ صرف خوبصورتی کی وجہ سے اُن پھولوں کی یہ قدر نہیں ہو رہی ہے بلکہ یقیناً نباتاتی دلچسپی سے بالاتر بھی کوئی جذبہ ہے جو اِن کی آڑ میں چھُپا ہے۔

بنوے کے جانے کے بعد جو کچھ انھوں نے سُنا تھا اس پر بڑی دیر تک غور کرتی رہیں دل سے دعا مانگی کہ گورا کو کوئی دُکھ نہ پہنچے اور کوئی ایسی بات نہ ہو جو اس کی اور بنوے کی دوستی کو مجروح کر دے!

———— (۷) ————

بائیسواں باب

اُن دنوں گلابوں کی بک بک رہی تھی! اُسی رات جب گورا پریش بابو کے یہاں سے اکیلا نکل گیا تھا تو اس نے بیچارے بنوئے کو ایک بڑی مصیبت میں پھنسا دیا تھا! مجسٹریٹ کے بیٹے والے ڈرامے میں پارٹ لینے کے متعلق بنوئے کچھ طے ہی نہیں کر پا رہا تھا۔ ویسے تو للتا کو بھی اس ڈرامے سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی بلکہ حقیقتاً تو وہ اس سارے معاملے سے بیزار ہو رہی تھی۔ لیکن اسے کچھ ضد سی ہو گئی کہ بنوئے کو اس میں پھنسا کر رہے گی۔ گورا کی وجہ سے اُسے اور اشتعال ہوا اور اس بات پر تل گئی کہ بنوئے سے ہر وہ کام کرا دے گی جو گورا کی مرضی کے خلاف ہو ـــــــ اس کے خود سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ بنوئے پر گورا کا اس قدر حاوی رہنا ـــــــ آخر اس کو کیوں برا لگتا تھا لیکن وجہ جو کچھ بھی رہی ہو احساس بہرحال تھا کہ جب تک وہ بنوئے کو ہر قسم کی تمام زنجیروں سے آزاد نہ کرا لے گی اس وقت تک اطمینان کا سانس نہیں لے سکتی۔

اس نے شرارت سے مسکرا کر کہا "کیوں جناب ـــــــ ڈرامے میں آخر کیا خرابی ہے؟"

"خود ڈرامے میں کوئی خرابی نہ ہو لیکن مجسٹریٹ کے گھر ڈرامہ کرنے پر مجھے اعتراض ہے۔"

"یہ آپ کی اپنی رائے ہے یا کسی اور کی؟"

"میں دوسروں کی رائے کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔ اور پھر دوسرے کی بات بھانی بھی شامل ہے۔ آپ شاید مشکل سے یقین کریں گی۔ مگر میں ہمیشہ اپنی رائے بیان کرتا ہوں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کبھی الفاظ میرے ہوں اور کبھی کسی اور کے۔"

ولتا سنِٹ کر رہ گئی۔ بولی کچھ نہیں! ذرا دیر بعد کہنے لگی "آپ کے دوست گوردھن بابو سوچتے ہوں گے کہ مجسٹریٹ کے بُلاوے کو کوئی اہمیت نہ دینا بڑی بہادری ہے کیا یہ بھی انگریزوں سے لڑنے کا کوئی خاص طریقہ ہے؟"

بنوئے کو غصّہ آ گیا "میرا دوست اس طرح سوچتا ہو یا نہ سوچتا ہو مگر میں ضرور اس طرح سوچتا ہوں ——— اور کیا واقعی یہ لڑنے کا ایک طریقہ نہیں ہے؟ یہ لوگ کیا سمجھتے ہیں کہ وہ چھنگلیا سے اشارہ کریں گے اور ہم سے بڑی عزت افزائی سمجھ کر دوڑ پڑیں گے؟ جب تک ہم ان کے سامنے اس طرح جھکنا نہیں چھوڑیں گے تب تک ہم اپنی خودداری کو کیسے قائم کر سکیں گے۔"

ولتا فطرتاً خوددار تھی۔ بنوئے کو اس طرح خودداری پر زور دیتے دیکھ کر خوشی تو ہوئی لیکن اپنی دلیلوں کو کمزور پا کر وہ بیکار بنوئے کا مذاق اُڑا اُڑا کر اس کو ستاتی رہی۔

آخر کار بنوئے نے کہا "دیکھیے ——— آپ یہ بحث مباحثہ تو رہنے دیجیے آپ یہ کیوں نہیں کہتی ہیں کہ "میری خواہش ہے کہ آپ اس ڈرامے میں پارٹ کریں" ـ تب اپنی رائے کو قربان کر کے میں آپ کی بات رکھوں گا کہ کم از کم مجھے کچھ خوشی ہی ہو گی۔"

"واہ" ولتا نے کہا "میں ایسا کیوں کہوں؟ اگر آپ کوئی صحیح رائے رکھتے ہیں تو میرے کہنے سے اس کے برخلاف کیوں کریں؟ لیکن وہ رائے سچ مچ آپ کی رائے ہو!"

"ایسا سمجھنا چاہتی ہیں تو یہی سمجھیے" بنوئے نے کہا۔ "مان لیجیے میری اپنی رائے کوئی نہیں ہے! اگر آپ کی درخواست پر میری قربانی قبول نہیں تو مجھے یہی تسلیم کر لینے دیجیے کہ میں بحث میں ہار گیا اور ڈرامے میں پارٹ کرنے پر تیار ہوں ——— بس۔"

اسی وقت بروداسندری کمرے میں داخل ہوئیں ——— بنوئے کھڑے ہوتے ہوئے ایک دم بولا "کیا آپ مہربانی کر کے مجھے بتائیں گی کہ مجھے ڈرامے میں پارٹ کے سلسلہ میں کیا کرنا ہے۔"

برونا دیوی فاتحانہ خوشی کے ساتھ چہکیں "آپ کو اس کے متعلق فکر کرنے کی ضرورت نہیں، آپ کی ٹریننگ کا ہم باقاعدہ انتظام کریں گے، وہ ہماری ذمّہ داری ہے، آپ بس ٹھیک وقت سے باقاعدہ طور پر ریہرسلوں میں آجایا کیجیئے گا۔"

"اچھی بات تو پھر اب مجھے اجازت ہے؟"

"ارے نہیں ——— وہ ——— آپ کو کھانے کے لئے کہا نہ میں نے؟" برونا دیوی اصرار کرنے لگیں

"تو آج رات مجھے سچ مچ معاف نہیں کریں گی۔"

"نہیں ——— نہیں ببوئے بابو ——— آپ کو ٹھہرنا ہی پڑے گا۔" برونا دیوی کا اصرار بڑھتا گیا۔

ببوئے کو ٹھہرنا پڑا لیکن اب اُسے اتنا اچھّا نہیں لگ رہا تھا جتنا ہمیشہ لگتا تھا۔ بیچاری بھی اپنے خیالات میں کھوئی ہوئی خاموش بیٹھی تھی، جب لوتا ببوئے سے بحث رہی تھی تب بھی اس نے گفتگو میں کوئی حصّہ نہیں لیا تھا بلکہ اُٹھ کے برآمدے میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی تھی۔ بہرحال ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یگانیت کے رشتے کچھ ٹوٹ گئے ہیں۔ لوتا سے رخصت ہوتے وقت ببوئے نے اس کے سنجیدہ چہرے کو غور سے دیکھا اور آہستہ سے بولا

"واہ رے ہماری تقدیر ——— ہار تک مان لی پر آپ خوش نہ ہوئیں۔

لوتا نے منھ پھیر لیا اور کچھ جواب نہیں دیا۔ وہ جلدی رو پڑنے والی لڑکی نہیں تھی۔ لیکن آج رات آنسو تھے کہ زبردستی اُمڈے چلے آتے تھے۔ بات کیا تھی؟ کیوں وہ ببوئے کو نشتر لگاتے رہنا چاہتی تھی اور پھر بھی اسی نشتر سے خود کیوں مجروح ہو جاتی تھی! جب تک ببوئے ڈرامہ میں پارٹ لینے سے انکار کرتا رہا تب تک لوتا کا اصرار بڑھتا رہا لیکن جب وہ راضی ہو گیا تو اس کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ ببوئے نے پارٹ نہ کرنے کے سلسلے میں جو دلیلیں پیش کی تھیں اب وہ سب ایک ایک کر کے لوتا کے دماغ پر ہجوم کر آئی

اور اسے اس بات سے سخت کوفت ہونے لگی کہ صرف اس کی درخواست پر ننوٹے کو راضی نہ ہونا چاہئے تھا۔

کیا اس کی درخواست واقعی ننوٹے کے لئے کچھ اہمیت رکھتی تھی۔ یا اس نے محض اخلاقاً ایسا کیا تھا۔ اُنہہ! جیسے وہ ننوٹے کے خلوص پر مری ہی تو جا رہی تھی! پھر اب وہ اتنی خالف کیوں ہوتی جا رہی تھی؟ کیا اس نے ہی تو غریب ننوٹے کو اس ڈرامے میں گھسیٹنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا؟ مانا کہ وہ اتفاقاً ہی راضی ہو گیا تو پھر اب اس کو خفا ہونے کا کیا حق تھا؟ یہ بات تو بالکل ظاہر تھی کہ اس سلسلے میں لوتا کا پچھتاوا ذرا غیر معمولی ہی تھا۔

اور موقعوں پر جب بھی وہ پریشان ہوتی تو تسلی کے لئے سُچاریتا کے پاس جاتی پر آج وہاں بھی نہیں گئی۔ اصل میں اس کی سمجھ میں خود کچھ نہیں آ رہا تھا کہ سینے میں دل کیوں اسقدر دھڑک رہا ہے؟ آنسو کیوں روکے نہیں رُکتے۔

اگلی صبح سدھیر لوتا کے لئے ایک پھولوں کا گلدستہ لایا۔ اس میں دو سرخ گلاب بھی تھے۔ لوتا نے فوراً اُن دونوں کو گلدستے سے نکال لیا۔ پوچھے جانے پر بولی "میں تو بالکل یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ ایسے حسین پھولوں کو طرح طرح کے پھولوں کی بھیڑ میں اس طرح کچل کر رکھ دیا جائے۔ بہت پھولوں کو یوں گھسیٹ کر رکھنا تو نہایت وحشیانہ پن معلوم ہوتا ہے۔" پھر اس نے گلدستے کو کھول ڈالا اور پھولوں کو الگ الگ کر کے سب کمروں میں سجا دیا۔

اتنے میں ستیش دوڑا ہوا آیا "دیدی۔ آپ کو یہ پھول کہاں سے ملے؟" لوتا نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے ایک اور سوال کر دیا "آج اپنے دوست صاحب سے ملنے نہیں جاؤ گے؟" ابھی تک تو ستیش کو ننوٹے کا خیال نہیں آیا تھا پر اس کے ذکر پر وہ ناچنے لگا "ہاں ہاں! جاؤں گا! جاؤں گا۔" ——— اور وہ فوراً ہی روانہ ہونے لگا۔

"ارے ٹھہرو تو ——— اچھا یہ تو بتاؤ تم وہاں جاتے ہو تو تم دونوں کیا کیا کرتے ہو؟"

"باتیں کرتے ہیں اور کیا؟"

"انھوں نے کتنی بہت سی تصویریں لا کے دیں۔ تم بھی کچھ کیوں نہیں اُن کو دیتے؟"

ننوئے نے انگریزی رسالوں میں سے بہت سی تصویریں کاٹ کر ستیش کو لا دی تھیں۔ اور ستیش نے ایک البم اُن سے بنانا شروع کر دیا تھا۔ اور اب اسے البم کے صفحے بھرنے کا اس قدر خبط سوار ہو گیا تھا کہ جیسے ہی کوئی تصویر ان کی نظر پڑتی، اُسے پھاڑنے کو انگلیاں کھجلانے لگتیں چاہے کتاب کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہوتی۔ اور اس کی ان حرکتوں پر اُس کی بہنوں کی پھٹکار اس کے سر پر پڑنے لگتی۔!

اب ستیش کو یکایک یہ پتہ چلا کہ اس دنیا میں تحفے صرف لینے نہیں ہوتے، دینے بھی ہوتے ہیں، اور وہ کچھ گھبرا سا گیا۔ اس کے پاس ایک پُرانی سی ٹین کی صندوقچی تھی جس میں جو کچھ بھی چیزیں تھیں وہ ایک خزانہ تھیں۔ اور اس کے لیئے یہ سوچنا آسان نہ تھا کہ اس میں سے کوئی چیز بھی چھن جائے۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ لولتا نے اس کے گال میں چٹکی بھری اور ہنس کر بولی

"کوئی بات نہیں، تم فکر نہ کرو۔ اُن کو بس یہ دو گلاب دے دینا، کافی ہیں۔"

اس مسئلے کے اتنے آسان حل پر ستیش خوش ہو گیا! اور اپنے دوست کا فرشتہ اُترنے جاگا، سڑک ہی پر ننوئے سے ملاقات ہو گئی۔ اور پکارا "ننوئے بابو، ننوئے بابو" اس نے دونوں گلاب کوٹ کے اندر چھپا لیئے۔ "بھلا پوچھیئے تو میں آپ کے لیئے کیا لایا ہوں" جب ننوئے نے حسبِ دستور ہار مان لی تو ستیش نے گلاب کے دونوں ادھ کھلے پھول نکالے اور ننوئے چیخا "ہائے، کتنے پیارے ہیں، لیکن ستیش بابو یہ آپ کے تو نہیں معلوم ہوتے۔ کیوں؟ ہیں آپ کے؟ مجھے اُمید ہے کہ چوری کا مال قبول کرنے کے سلسلے میں پولیس مجھے گرفتار نہیں کرے گی۔"

ستیش ایک دم بوکھلا گیا کہ ان پھولوں کو اپنا کہے یا نہیں۔ اور ایک منٹ سوچ کر بولا۔ "نہیں میرے تو نہیں ہیں۔ میری دیدی جو لولتا دیدی ہیں نا انھوں نے کہا تھا کہ آپ کو دے دوں۔"

اب بات طے ہو گئی تھی۔ بنوئے ستیش سے شام کو آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا۔

پچھلی رات لولتا کے ہاتھوں بنوئے کو جو زخم لگے تھے وہ ابھی تک ہرے تھے؛ وہ شاذ و نادر ہی کبھی کسی سے لڑتا تھا۔ اس لئے اس کو یہ خیال ہی نہیں تھا کہ کوئی اس سے اتنے سخت الفاظ کہہ بھی سکتا ہے۔ پہلے تو وہ سمجھتا رہا کہ لولتا بھی سچاریتا کے نقش قدم پر چل رہی ہے لیکن حال میں تو جہاں تک لولتا کا تعلق تھا بنوئے کی وہ حالت ہو گئی تھی جو ہر بار انکس کی چبھن کھانے والے ہاتھی کی ہوتی ہے کہ وہ کسی وقت بھی اپنے مہاوت کو بھول نہیں سکتا۔

اب اس کی ساری پریشانی یہ تھی کہ لولتا کسی طرح خوش رہے تاکہ کچھ امن رہے!

رات کو گھر واپس آ کر لولتا کے کڑوے بول ایک ایک کر کے یاد آتے رہے، دماغ پریشان ہوتا رہا، نیند آنا مشکل ہو گئی!

"تو میں گورا کی پرچھائیں ہوں؟ تو میری اپنی کوئی رائے نہیں، لولتا یہ سمجھتی ہے اسی لئے مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ پر یہ تو جھوٹ بات ہے۔" اس کے خیالات اس طرح پھیلتے رہے اور وہ اس خیالات کے برخلاف خود ہی دلیلیں پیش کرتا رہا۔ لیکن سب بیکار تھا کیونکہ لولتا نے دراصل تو اس پر کوئی الزام لگایا ہی نہیں تھا۔ اور پھر بحث اور دلیل سے بھی تو کترا گئی تھی: بنوئے کے پاس اس الزام کا جواب تو تھا لیکن اُسے زبان کھولنے کا موقع ہی کب دیا گیا۔ یہ سوچ کر وہ اور بھی جھنجھلا رہا تھا! اور اس پر طرہ یہ کہ ہار مان لی گئی تب بھی خوش نہ ہوئیں! اس سے تو وہ بےحد پریشان ہوا، بےحد غمگین!

"تو کیا میں اس قدر قابل نفرت ہوں؟" وہ بار بار اس تلخ سوال کو اپنے آپ سے دہرائے جا رہا تھا!

اور اس وقت جو اُسے ستیش نے یہ خبر سنائی کہ لولتا نے یہ پھول بھیجے ہیں اور ستیش کو قاصد بنایا ہے تو وہ پھولا نہیں سمایا۔ وہ سمجھا کہ اس نے جو ہار مان لی تو یہ پھول صلح کی علامت بنا کر بھیجے گئے تھے پہلے تو اس نے سوچا کہ گھر لے جائے پھر سوچ ساچ کر یہ فیصلہ کیا کہ

آنند ہوئی کے قدموں پر چڑھا ان کو ذرا تقدیس بخشدی جائے۔

اسی شام جب بنوئے پارتیش بابو کے یہاں پہنچا تو لولتا بیٹھی ستیش کو اسکول کا سبق یاد کروا رہی تھی۔!

قدم رکھتے ہی بنوئے نے پہلی بات اس موضوع سے شروع کی "سرخ تو جنگ کا رنگ ہے، صلح کے پھولوں کو تو سفید ہونا چاہیے تھا۔" حیران ہو کر لولتا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے تکنے لگی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ پھر بنوئے نے اپنی شال میں سے سدابہار کا ایک گچھا نکالا اور اس کی طرف پیش کرتے ہوئے بولا "آپ کے گلاب چاہے جتنے خوبصورت رہے ہوں لیکن ان میں پھر بھی غصّے کا رنگ جھلکتا ہے، حسن میں تو میرے ان پھولوں کا ان سے کوئی مقابلہ نہیں لیکن خاکساری کے اس پاکیزہ سفید لباس میں یہ اس قابل تو ہرگز نہیں ہیں کہ آپ انھیں قبول نہ کریں۔"

حیا کے مارے لولتا کا چہرہ لال ہو گیا، بہکتے لہجے میں بولی "آپ میرے کن پھولوں کا ذکر کر رہے ہیں ـــــ کیسے پھول؟"

"تو پھر کیا مجھ سے غلطی ہوئی۔" بنوئے بوکھلا کر ہکلانے لگا "ستیش بابو آپ نے مجھے جو پھول دیئے وہ کس کے تھے؟"

ستیش بُرا مان گیا "وہ ـــــ لولتا دیدی نے کیا مجھے نہیں دیئے تھے کہ آپ کو دے دوں۔"

"انھوں نے تم سے کیا کہا تھا کہ کیسے دو۔" بنوئے نے پوچھا۔

"آپ کو دینے کے لئے کہا تھا اور ؟"

لولتا کا چہرہ اور بھی سُرخ ہو گیا۔ ستیش کو کہنی مارتے ہوئے بولی "میں نے ایسا گدھا کہیں نہیں دیکھا۔ تم نہیں چاہتے تھے کہ بنوئے بابو نے جو تصویریں تم کو دی ہیں اُن کے بدلے میں اُن کو پھول دو؟"

ستیش بیچارہ حیران رہ گیا۔ "ہاں دیدی میں چاہتا تو ضرور تھا، پر کہا تو آپ ہی نے تھا کہ دے آؤ۔"

اب لولتا پر یہ حقیقت کھلی کہ ستیش سے جتنی ہی بات بڑھائی جائے گی اتنا ہی اُس کا بھانڈا اور پھوٹے گا۔ کیونکہ نبوئے کو صاف معلوم ہو چکا تھا کہ گلاب تو لولتا نے ہی بھیجے تھے پر یہ نہیں چاہتی تھی کہ اُسے معلوم ہو۔ چپ ہو گئی۔!

نبوئے نے سکوت توڑتے ہوئے کہا۔ "اچھا جانے دیجئے آپ کے پھولوں سے میں دست بردار ہوتا ہوں لیکن میرے پھولوں کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ رہنی چاہیے۔ یہ میری طرف سے صلح کی پیشکش ہے۔ ہمارا جھگڑا ختم ہو گیا۔"

سر ہلا کر لولتا نے اس کی بات کاٹی۔ "لیکن ہم لوگ لڑے کب تھے؟ یہ آپ کیسی صلح کی بات کر رہے ہیں؟"

"تو شروع سے آخر تک یہ سب خوش فہمی ہی تھی۔ نہ لڑائی ہوئی، نہ پھول بھیجے گئے، نہ میل ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے چمکتی چیز کو سونا سمجھنے کی غلطی کو کون کہے، چمک ہی سرے سے نہ تھی، صرف نظر کا دھوکا تھا۔ اور ڈرامے میں کام کرنے کی جو تجویز تھی وہ کیا ......"

"اس کے متعلق تو خیر کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔" لولتا نے پھر بات کاٹی۔ "لیکن اس سلسلے میں جھگڑا بھلا کیا ہوا؟ آپ کو یہ خیال کیسے ہوا کہ میں نے آپ کی منظوری حاصل کرنے کے لئے کوئی سازش کی تھی؟ آپ راضی ہو گئے۔ میں نے کہا چلو ٹھیک ہے، بس اتنا ہی تو۔ اگر آپ کو ڈرامے میں پارٹ کرنے میں واقعی کوئی اعتراض تھا تو آپ کیوں راضی ہوئے؟ نہ ہوتے ہوتے چاہے جو بھی آپ سے درخواست کرتا۔"

سب معاملہ اُلٹا ہو گیا!

صبح ہی لولتا نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ نبوئے کے سامنے اپنی شکست تسلیم کرے گی۔ اور اس سے درخواست کرے گی کہ ڈرامے کا خیال ہی چھوڑ دیا جائے۔ لیکن حالات کچھ عجب طرح

سے پلٹے کہ نتیجہ متضاد نکل آیا۔!

بنوئے کو یہ خیال ہونے لگا کہ اس نے شروع میں جو مخالفت کی تھی اس پہ لولتا کو جو خفگی تھی وہ ابھی دور نہیں ہوئی ہے۔ اور وہ ابھی تک یہ سوچ کر ناراض ہے کہ ظاہری طور پر تو بنوئے نے اس کی بات مان لی ہے لیکن دل میں وہ ابھی تک اس ڈرامے کا مخالف ہے۔ اسے اس بات سے سخت کوفت ہو رہی تھی کہ لولتا نے اتنی سی بات کا بتنگڑ بنا دیا ہے اور دل میں فیصلہ کیا کہ اب وہ ہنسی ہنسی میں بھی کسی طرح کی مخالفت نہیں کرے گا۔ ڈرامے میں جو پارٹ اُسے ملا ہے اس کو اتنی تندہی اور خوبی سے ادا کرے گا کہ کوئی اس پر لاپرواہی کا الزام نہیں لگا سکے گا۔

سچاریتا اپنے کمرے میں صبح سے تنہا بیٹھی Imitation of Christ پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ آج صبح اس نے روزانہ کے کاموں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ کبھی کبھی اس کا ذہن بھٹکنے لگتا، کتاب کے صفحے ذہن سے اُڑ جاتے اور پھر وہ دوہرا زور لگا کر کتاب پڑھنے کی کوشش کرنے لگتی۔ وہ اپنی کمزوری کو کسی صورت میں تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھی۔

یک بار اُسے خیال ہوا کہ جیسے اس نے بنوئے کی آواز سُنی، اور اس وقت وہ فوراً ہی کتاب میز پر رکھ کر بیٹھک کی طرف جانے کے لیے کھڑی ہو گئی۔ مگر پھر اُسے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا کہ آخر کتاب کے موضوع میں اس کا دل کیوں نہیں لگ رہا ہے۔ پھر کتاب اٹھائی اور بیٹھ گئی دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے کہ اب کوئی آواز سُنائی نہ دے اور دھیان نہ بٹے۔

ایسا اکثر ہوتا تھا کہ بنوئے آتا تو گورا بھی اس کے ساتھ ہوتا تھا، وہ بے اختیار سوچنے لگی کہ کیا آج بھی وہ آیا ہوگا؟ گورا کے آنے کے خیال سے اُسے گھبراہٹ بھی ہو رہی تھی اور جب سوچتی کہ شاید نہ آیا ہو تو بھی تکلیف سی ہونے لگتی۔ وہ اسی انتشار میں مبتلا تھی کہ لولتا کمرے میں آئی۔ سچاریتا نے اس پر ایک نظر ڈالی اور بولی "کیوں بی بی ——— کیا بات ہے؟"

"کچھ تو نہیں" لولتا نے سر جھٹک کے جواب دیا۔

"اتنی دیر سے تم کہاں تھیں" سچاریتا نے پوچھا۔

"وہ بنوئے بابو آئے ہیں۔ میرا خیال ہے وہ آپ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں"

سچاریتا کو یہ پوچھتے ہوئے ڈر لگا کہ کوئی اور بھی ان کے ساتھ آیا ہے۔ اگر کوئی اور آتا تو لولتا خود ہی بتاتی۔ پھر بھی اس کا ذہن کشمکش میں تھا؛ اب اس نے سوچا کہ تنگ کرنے کی کوشش ختم کردے اور میزبانی کا حق ادا کرے۔ لولتا نے پوچھا "تم نہیں آرہی ہیں" اور یہ کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکلی۔

"آپ پہلے جائیے۔ میں بعد میں آتی ہوں" لولتا نے کچھ جھنجھلائے لہجے میں کہا، سچاریتا بیٹھک میں پہونچی تو اس نے صرف بنوئے اور ستیش کو باتیں کرتے پایا۔ وہ بنوئے سے مخاطب ہوگئی "بابو تو گھر پر نہیں ہیں، پر ابھی آجائیں گے اور ماں لیلا اور لبونیا کو لے کر ہماری ٹیچر کے یہاں گئی ہیں پارٹ سکھوانے آپ کیلئے کہہ گئی تھیں کہ آئیں تو ٹھہریں۔"

"کیا آپ اس ڈرامے میں نہیں ہیں۔؟" بنوئے نے سوال کیا

"ارے آپ سب ہی لوگ اس میں ایکٹ کرنے لگیں گے تو اسے دیکھنے والا کون رہ جائے گا۔؟" سچاریتا نے جواب دیا۔

عام طور پر سچاریتا اور بنوئے بیٹھتے تھے تو گفتگو کی کمی نہیں رہ جاتی تھی۔ لیکن آج ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دونوں طرف سے کوئی رکاوٹ ہے جو انہیں کھل کر بات نہیں کرنے دے رہی ہے۔ سچاریتا پکا ارادہ کرکے آئی تھی کہ گورا کا تذکرہ نہیں ہوگا۔ اور بنوئے کے لئے بھی اس کا ذکر کرنا آسان بات نہ تھی؛ اس کا خیال تھا کہ لولتا اور یہ پورا خاندان اسے اپنے دوست کا غلام سمجھتا ہے۔

بنوئے سے کچھ ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد سچاریتا کو جب اور کوئی بات نہیں ملی تو اس نے ستیش سے اس کے البم کی خوبیوں اور خرابیوں پر بحث کرنا شروع کردیا۔ ستیش نے

جس حساب سے تصویروں کو لگایا تھا اس پر اعتراض کر کے اس نے اُسے بہت جلد غصہ دلادیا۔ اور پھر وہ جوش میں بھر کر اپنی باریک آواز اونچی کر کے سچاریتا سے بحث کرنے لگا۔ اس درمیان اپنے لائے ہوئے سدا بہار کے گچھے کو میز پر پڑے دیکھ دیکھ کر بنوئے بے چین ہو رہا تھا: اس کی مجروح خودداری بار بار اس سے پوچھتی تھی: "ولتا نے میرے ان پھولوں کو کیوں نہیں قبول کیا؟ اسے لے لینے چاہئے تھے یہ پھول۔ کم از کم اخلاقاً ہی لے لیتی"

یکایک قدموں کی آہٹ آئی اور ہرن کو اندر آتے دیکھ کر سچاریتا چونک پڑی، اور اس کی یہ گھبراہٹ اس قدر کھلم کھلا ظاہر ہو گئی کہ ہرن نے اُسے گھور کر دیکھا اور وہ شرما گئی!

ہرن بابو بیٹھتے ہوئے بنوئے سے مخاطب ہو گئے "اچھا ــــــ تو آپ کے گورا بابو آج نہیں آئے۔؟"

"کیوں ــــــ آپ کو ان کی کچھ ضرورت ہے؟" بنوئے اس خواہ مخواہ کے سوال پر چڑھ گیا۔

"نہیں۔ میں نے اس لئے پوچھا کہ آپ اور وہ ساتھ نہ دیکھے جائیں ایسا ذرا کم ہی ہوتا ہے۔

بنوئے کو اور بھی غصہ آیا، اور غصے کو دبانے کے لئے یک دم سے بولا وہ کلکتہ میں نہیں ہیں۔

"کہیں تبلیغ کر رہے ہوں گے" ہرن بابو نے فقرہ کسا

بنوئے کو غصہ اور بڑھ گیا مگر وہ چپ رہا۔

سچاریتا بغیر کچھ کہے سنے کمرے سے باہر چلی گئی ہرن بابو فوراً اُٹھ کے اس کے پیچھے لپکے لیکن وہ اتنی تیز گئی کہ وہ پکڑ نہیں پائے۔ بس آواز دے کر رہ گئے "سچاریتا مجھے تم سے ایک بات کہنی ہے"

اس نے دور سے جواب دیا "بہنی آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور اس نے اپنے

کمرے میں گھس کر اندر سے کمرہ بند کر لیا۔

اب یہ روزانہ کی سی واقعہ واردات پہ نازل ہوگئیں۔ اور نوکرے کو الگ ایک کمرے میں لیجا کر گلدان کے کونے میں دو بتیاں دبے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد نوکرے پھر بیٹھک میں لوٹا تو اس نے دیکھا کہ اسکے لائے ہوئے پھول غائب ہیں۔!

اس شام لوسیتا نے ریہرسل میں حاضری نہیں دی۔!

سپارتیا دیر تک کمرے میں بیٹھی رہی۔ کتاب اس کی گود میں بند پڑی رہی اور وہ ایک کونے میں بیٹھی بیٹھی باہر اندھیرے کو تکتی رہی۔۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک نیا وطن ایک حیرتناک وطن اس کی آنکھوں کے سامنے اُمنڈتا چلا آرہا تھا۔ وہ اس کی زندگی میں گزرے ہوئے تمام تجربات سے مختلف سی کوئی چیز تھا۔ اندھیری رات میں آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں کے جھنڈ کی طرح اس میں روشنیاں دمکتی دکھائی دے رہی تھیں! اور سپارتیا کے ذہن پر چھائی جا رہی تھیں! اور اس کا ذہن کسی نئے دروازے پر اسرار حقیقت کو تلاش کر رہا تھا۔

وہ محسوس کرتی تھی "میری زندگی بھی کیسی بیکار سی گزری، آج تک جن باتوں پر یقین کیا اب اُن پر شک کی پرچھائیاں منڈلا رہی ہیں! روزانہ جو کچھ کرتی رہی تھی وہ سب بے معنی نظر آتا ہے! کاش میں اس روحانی دنیا تک پہنچ سکتی۔ تو شاید میرا علم مکمل ہو جاتا، عمل بلند ہو جاتا، زندگی کی بنیادی اہمیت مجھ پر واضح ہو سکتی۔ اس حیرتناک، اس اجنبی، اس مہیب دنیا کے چور دروازے پر کس نے مجھے چھینک دیا ہے۔ کھڑا کیا؟ آہ   میرا دل کیوں اس طرح کانپتا ہے، بڑھنے کی کوشش کرتی ہوں تو ہاتھ پاؤں کیوں نہیں ساتھ دیتے؟"

تیسواں باب

کئی دن تک سچاریتا زیادہ تر وقت عبادت میں صرف کرتی رہی۔ اس لئے [illegible]
پاریش بابو کے سہارے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔

ایک دن پاریش بابو اپنے کمرے میں اکیلے بیٹھے پڑھ رہے تھے کہ سچاریتا آئی اور چپ چاپ ان کے ساتھ لگ کے بیٹھ گئی۔ انھوں نے کتاب رکھ دی اور بولے "کیوں بیٹی، ——— کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں بابو جی" سچاریتا نے جواب دیا اور پھر اٹھ کر ان کی لکھنے کی میز پر کاغذ اور کتابیں ٹھیک کرنے لگی حالانکہ سب کچھ بالکل ٹھیک تھا۔ پھر چند منٹ بعد وہ بولی "بابو جی اب آپ مجھے کیوں نہیں پڑھاتے؟ جیسے پہلے پڑھایا کرتے تھے؟"

پاریش محبت سے مسکرائے "میرا شاگرد میرے اسکول سے پاس ہوگیا، اب تو تم چیزوں کو خود سمجھ سکتی ہو بیٹی۔"

"نہیں نہیں، مجھے کچھ نہیں آتا" سچاریتا نے احتجاج کیا ——— "میں پہلے کی طرح آپ کے پاس بیٹھ کر پڑھنا چاہتی ہوں بابو جی۔"

"اچھی بات ہے، کل سے [illegible]۔"

سچاریتا ذرا دیر چپ رہی پھر کہنے لگی، "بابو جی، کل ونے بابو جو ذات پات کے بارے میں بات کہہ رہے تھے، وہ آپ نے [illegible] نہیں؟"

"دیکھو بیٹی، تم جانتی ہو کہ میں [illegible] کہ تم لڑکیاں خود سوچنا سیکھو، اور دوسروں کی رائے کو خواہ مخواہ تسلیم کرو، چاہے وہ میری رائے ہو یا کسی اور کی۔ اگر کوئی

سوال ذہن میں خود نہ اُٹھے اور اس پر لکچر اور نصیحتیں شروع کر دی جائیں تو ایسا ہی ہو گا جیسے کسی کو بغیر بھوک کے کھانا ٹھونسایا جائے! پھر تو بھوک مر جائے گی، ہاضمہ بگڑ جائیگا تم اگر مجھ سے کبھی کوئی سوال کرو تو میں ہمیشہ اس کا جواب دینے کے لئے تیار ہوں۔"

"ابھی بات ہے تو لیجئے میں آپ سے پوچھتی ہوں ——— ہم لوگ ذات پات کے فرق کو کیوں بُرا کہتے ہیں۔"

"اگر ایک بلّی تمہارے پاس بیٹھے اور پاس بیٹھ کر کھاتے پیئے تو کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر ایک انسان اتنا بھی کرے کہ صرف کمرے کے اندر آجائے تو کھانا گندا ہو جاتا ہے اور اسے پھینک دینا چاہیئے! ذات پات کی جس تقسیم سے انسان انسان کے درمیان حقارت اور ذلت کے جذبات پیدا ہو جائیں، یہ نتیجہ نکلے تو اس سسٹم کو کیوں نہ بُرا کہا جائے؟ اگر یہ بُرائی اور خرابی نہیں ہے تو میں نہیں جانتا کہ خرابی اور کس بات کو کہیں! جو اپنے ہم جنسوں کو اس بری طرح ذلیل کرتے ہیں وہ کیسے کوئی عظمت محسوس کر سکتے ہیں: ان کی باری بھی آجائے گی؛ دوسرے ان سے اسی طرح نفرت کریں گے، اس طرح حقارت کی نظر سے دیکھیں گے۔"

"ہمارے سماج کے موجودہ انحطاط کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں" سچاریتا نے گورا کی کہی ہوئی بات کو دُہرایا: "اور یہ خرابیاں ہماری زندگی کے ہر پہلو میں داخل ہو گئی ہیں، لیکن اس حالت کی وجہ سے اصل چیز پر الزام لگانے کا کیا حق ہے۔"

"میں تمہاری بات کا اس وقت جواب دے سکتا تھا جب مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ اصل چیز کیا ہے اور کہاں مل سکتی ہے" پریش بابو نے حسب دستور نرمی سے کہا "مجھے تو اپنے سامنے یہ نظر آتا ہے کہ ہمارے ملک میں انسان انسان سے مذاق میں بھی دوست حد تک پرہیز کرتا ہے؛ اور اس سے ہماری جنتا ٹکڑوں میں، بڑے اور ٹکڑوں میں تقسیم ہوتی جاتی ہے۔ اس

صورت میں اگر ہم اپنے ذہن اور تخیل سے کوئی "اصل چیز" پیدا کر لیں اور اسی کو پیش کریں تو حاصل کیا ہوگا؟"

"لیکن بابوجی ہمارے ملک کی اصل صداقت تو یہی تھی نا کہ تمام اشیاء کو غیر جانبدارانہ نظر سے دیکھا جائے؟" سچاریتا نے پھر گورا کی بات دہرائی۔

"وہ غیر جانبدارانہ رویہ صرف دانشورانہ کاوش کا نتیجہ تھا ——— صرف دماغ کی پیداوار دل اور جذبات سے اسے کوئی تعلق، کوئی سروکار نہ تھا۔ اس میں تو نہ محبت کی گنجائش تھی، نہ نفرت کی۔ وہ ان دونوں سے بالاتر تھا۔ ہر پسند و ناپسند سے اونچا تھا، لیکن قلبِ انسان کو ایسے خیالات سے کوئی تسکین نہیں ہو سکتی جس میں دل کے تقاضوں کے لئے کوئی جگہ ہی نہ ہو۔ یہی وجہ ہوئی۔ ہمارے ملک میں اس فلسفہ مساوات کی موجودگی کے باوجود ہمیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ نیچ ذات کے لوگوں کو بھگوان کے کسی مندر میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر بھگوان کی دھرتی پر انسان انسان برابر نہیں ہو سکتے تو پھر اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ برابری کا تصور ہمارے فلسفہ میں پایا جاتا ہے کہ نہیں؟"

سچاریتا نے خاموشی کے ساتھ اس بات کو ذہن میں گھمایا اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی "تو بابو آپ نے یہ بات گورا بابو اور ان کے دوست کو کس طرح کیوں نہیں سمجھائی۔"

پاریش بابو مسکرانے لگے "وہ نہیں سمجھیں گے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان کی ذہانت میں کوئی کمی ہے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ ان کا دماغ تنا ہوا ہے کہ ان معمولی باتوں کو وہ خود سمجھنے کے بجائے دوسروں کو سمجھانا چاہتے ہیں۔ جب ان میں دنیا کی عظیم ترین صداقت کے نقطۂ نظر سے سوچنے کی خواہش ایک بار پیدا ہو جائے گی۔ دیانت داری کے ساتھ غور کریں گے، تو پھر تمہارے بابوجی کے سمجھانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اس وقت تو وہ لوگ ایک بالکل الگ ہی نقطۂ نظر سے سوچتے ہیں۔ اس لئے جو کچھ بھی کہوں ان کے لئے بیکار

ہی ہو گا۔"

سجاریتا نے بیشک گورا کی باتوں کو احترام سے سُنا تھا لیکن یہ بھی واقعہ تھا کہ اپنے اور اس کے معیار کے استفرق سے اس کو رنج تھا۔ اور یہی لیے جو نتائج گورا نے نکالے تھے وہ سچاریتا کو مطمئن نہیں کر سکے تھے۔

پاریش بابو کی گفتگو سے اس کو فی الحال اس اندرونی خلجان سے نجات مل گئی۔ یہ تو وہ کبھی ایک لمحے کے لیے نہ سوچ سکتی تھی کہ بنوئے یا گورا یا کوئی اور دوسرا بھی، پاریش بابو سے بہتر طریقے پر کسی مسئلہ کو سمجھ سکتا تھا۔ بلکہ اُن کی رائے سے جو کوئی اتفاق نہیں کرتا تھا اس پر سچاریتا کو غصہ آنے لگتا تھا۔ ادھر کچھ دنوں سے البتہ وہ گورا کے خیالات کو فوراً اس حقارت کے ساتھ رد نہیں کر پا رہی تھی جیسے پہلے کیا کرتی تھی۔ کہ بچپن کی طرح اس وقت بھی اسے پاریش بابو کے سائے میں پناہ ملے۔!

وہ کرسی سے اُٹھی اور دروازے تک گئی۔ کچھ سوچ کر واپس لوٹی اور پاریش بابو کی کُرسی کی پُشت پر ہاتھ رکھ کر بولی "بابو جی —— آج شام کو جب آپ دھیان کرنے بیٹھیں تو میں آپ کے ساتھ بیٹھ جاؤں؟"

"ضرور بیٹی" —— پاریش بابو نے جواب دیا۔

اس گفتگو کے بعد سچاریتا اپنے کمرے میں چلی گئی۔ دروازہ اندر سے بند کیا، بیٹھی اور گورا کی تمام باتوں کو رد کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن ایک دم گورا کا چہرہ اس کے سامنے اُبھر آیا، یقین کے تمام نور سے دمکتا ہوا —— اور وہ سوچنے لگی۔ گورا کے الفاظ صرف الفاظ نہیں وہ گورا کا وجود ہیں، اس کی ہستی ہیں، اس کی بات مجسم حرکت ہے۔ زندگی اور جولانی سے لبریز، یقین کی قوت سے بھرپور، وطن کا دُکھ درد ہے صرف مخالفت کر کے اس کی بات کو رد نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ وہ بات ہی اس کی شخصیت ہے۔ اور وہ شخصیت معمولی نہیں ہے، معمولی نہیں ہے۔"

اب بیچاری کس طرح گوراکو دور کرنے کے لئے ہاتھ بڑھائے؟ اسے اپنے وجود میں سخت کشمکش محسوس ہوتی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی! آہ ——— اس ظالم نے اسے کس کرب میں مبتلا کر دیا تھا۔ اور پھر اتنی آسانی سے اُسے چھوڑ بھی گیا۔ اس کے دل میں درد تھا، کسک تھی، اور اب درد اس کسک پر شرمندگی! عجیب ۔!

——— ❊ ———

چوبیسواں باب

طے یہ کیا گیا تھا کہ ہنوے ڈرائیڈن کی نظم "موسیقی کی قوت" ترنم کے ساتھ ڈرامائی انداز میں پڑھے گا اور لڑکیاں حسب مناسب لباس پہن کر نظم سے متعلق موضوعات کو ٹیبلو کی شکل میں اسٹیج پر پیش کرتی جائیں گی؛ اس کے علاوہ لڑکیاں الگ الگ، انگریزی گانے اور مترنم نظمیں بھی سنائیں گی؛

برونا دیوی بار بار ہنوے کو یقین دلاتی رہتی تھیں کہ وہ اس دن کے لئے اس کو اچھی طرح تیار کر دیں گی۔ ویسے انھیں خود تو انگریزی واجبی واجبی ہی آتی تھی لیکن ان کے دائرے میں کچھ لوگ ایسے تھے جو اچھی انگریزی جانتے تھے اور وہ ان ہی کے سہارے تھیں؛ جب ریہرسل شروع ہوئی تو ہنوے نے برونا دیوی کی ان اچھی انگریزی جاننے والے ماہر واسولی کو حیران کر دیا۔ اور برونا دیوی کو بھی اس مسرت سے ہاتھ دھونا پڑا کہ وہ اس نووارد کی ترتیب کریں گی۔ اب تک جو لوگ ہنوے کو کچھ نہیں سمجھتے تھے وہ بھی اس کا احترام کرنے پر مجبور ہوئے۔ جب اُن کو یہ پتہ چلا کہ وہ انگریزی میں کس قدر زیادہ دخل رکھتا ہے۔ خود ہرن بابو نے ہنوے سے درخواست کی کہ وہ کبھی کبھی اُن کے اخبار کے لئے مضامین لکھا کرے اور سدہیر اصرار کرنے لگا کہ وہ طالب علموں کی جس سوسائٹی کا ممبر ہے وہاں ہنوے انگریزی پر دو چار لیکچر دے دے۔

جہاں تک لولتا کا سوال تھا اس کی کیفیت عجیب تھی؛ ایک طرف اُسے خوشی بھی تھی کہ ہنوے کو تو اب اپنی قوت کا احساس ہو گیا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہم لوگوں سے کچھ سیکھنا ہی ایک سرے سے ختم کر دے! وہ خود نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ آخر وہ ہنوے سے چاہتی کیا ہے!

اور کس طرح وہ اپنا کھویا ہوا سکون و اطمینان حاصل کرے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی پریشانی اور جھنجھلاہٹ ذرا ذرا سی بات میں ظاہر ہونے لگی اور ہر بار اس کا نشانہ نبوئے ہی بنتا تھا۔ لولتا اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ نبوئے کے ساتھ نہ انصاف ہے نہ اخلاق؛ اِسے خود بھی تکلیف ہوتی تھی؛ اپنے کو روکنے کی کوشش بھی کرتی تھی مگر ذرا سا کوئی بہانہ ملا اور دل کی جھنجھلاہٹ اسکی عقل پر حاوی ہوئی۔ اور پھر تو اس طرح بلاوجہ پھٹ پڑتی کہ خود ہی نہیں سمجھ پاتی! جس طرح اس نے شروع میں نبوئے کو عاجز کیا تھا کہ ڈرامے میں شریک ہو بالکل اسی طرح اب اس کو عاجز کرنا شروع کیا کہ ڈرامے کو چھوڑ دے۔ لیکن اب اتنا آگے بڑھ کر اگر نبوئے ہٹ جاتا تو ظاہر ہے کہ سارا پلان گڑبڑ کئے بغیر ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر غالباً یہ بات بھی تھی کہ نبوئے کو اپنی چھپی ہوئی صلاحیتوں کا بھی احساس ہو گیا تھا لیکن اب وہ خود شوق سے اس میں حصّہ لے رہا تھا۔!

آخر ایک دن لولتا نے اپنی ماں سے کہا "ممی میں تو اب واقعی اس ڈرامے سے عاجز آگئی ہوں، میں اب نہیں کروں گی"

برودا دیوی اپنی اس نخچل بیٹی کو اچھی طرح جانتی تھیں، تنگ آکر پوچھا "کیوں۔؟ اب کیا ہوا؟ ——— کیا پریشانی ہے؟"

"بس، اب مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ ہو ہی نہیں سکتا مجھ سے"

واقعہ ایک یہ بھی تھا کہ جس وقت سے نبوئے نے اپنا پارٹ کیا تھا اور لوگوں پر یہ ثابت ہو گیا کہ اس کی اناڑی نہیں سمجھا۔ اس وقت سے لولتا اس کے سامنے، اپنا حصّہ پڑھنے یا اپنا پارٹ جمانے میں آنا کانی کرنے لگی۔ وہ پریکٹس تو کرتی تھی مگر اکیلے۔ ظاہر ہے اس سے باقی سب کو بڑی پریشانی ہوتی تھی۔ لیکن لولتا کے معاملہ میں کچھ کرنا ناممکن تھا۔ آخر کار سب کو ہار ماننی پڑی اور ریہرسل اس کے بغیر ہی ہونے لگا۔ لیکن ہوتے ہوتے جب تاریخ نزدیک آگئی تو لولتا نے یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ تو بالکل ہی کوئی حصّہ نہیں لے گی۔ برودا دیوی کی کچھ سمجھ میں نہیں

آرہا تھا کہ کیا کریں؛ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ ان کا کچھ بھی کرنا یا کہنا کوئی اثر نہیں ڈالے گا اس لئے وہ پارتش بابو کی مدد لینے پر مجبور ہو گئیں۔

پارتش بابو اپنی بیٹیوں کی پسند یا ناپسند میں کبھی دخل نہیں دیتے تھے۔ لیکن چونکہ پریش سے وعدہ کر لیا گیا تھا اور اب دوسرا کوئی انتظام اتنی جلدی کیسے ہو سکتا تھا! اس لئے انھوں نے ولتا کو اپنے پاس بلایا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے "ولتا، بیٹی، اب اس وقت جو تم الگ ہوئی جا رہی ہو تو کیا یہ غلط بات نہیں ہے؟"

"مجھ سے نہیں ہو گا بابوجی" ــــــ ولتا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "میرے بس کی بات نہیں ہے"

"اگر تم اچھی طرح نہ کر پاؤ تو یہ تو کوئی تمھاری خطا نہیں ہو گی" پارتش بابو بولے "لیکن اگر تم ہاتھ کھینچ لو گی تو یہ تو یقیناً تمھاری غلطی ہو گی"

ولتا نے سر جھکا لیا۔ اور وہ اپنی بات کہتے رہے "دیکھو بیٹی اگر تم نے ایک بار ایک ذمہ داری کو قبول کر لیا تو پھر تمھارا فرض ہو جاتا ہے کہ تم اسے پورا کرو۔ اب تو موقع نہیں ہے کہ تم نکل بھاگنے کی کوشش کرو صرف اس لئے کہ اچھا نہیں کر پا رہی ہو اور تمھارے وقار کو ٹھیس لگ رہی ہے! اگر تمھارے وقار کو ٹھیس لگتی بھی ہے تو کیا تمھیں فرض پورا کرنے کے لئے اس تکلیف کو برداشت نہ کرنا چاہیے؟ بولو! کوشش کرو گی ــــــ کرو گی نہ بیٹی؟"

"کروں گی بابوجی" ولتا نے سر اٹھا کر جواب دیا۔

اسی شام اس نے خاص کوشش کی اور بنوئے کی موجودگی سے جو ہچکچاہٹ تھی اس کو پیچھے رکھ دیا! اس زوروں سے اپنے پارٹ میں جٹ گئی گویا چیلنج کر رہی ہو کہ اب کوئی میدان میں آئے۔! بنوئے نے آج اس کو پہلی بار پڑھتے سنا اور وہ اس کی طرز ادا کی صفائی اور روانی پر حیران رہ گیا۔ کس طرح بے جھجک اُس نے نظم کے معنوں کی وضاحت کی۔! وہ امید کے خلاف بیحد مسرور ہوا۔ اور نظم ختم کرنے کے بعد بھی ولتا کی آواز اسکے کانوں

میں گونجتی رہی۔! نظم کو اچھی طرح پڑھنے والا سننے والے پر ایک عجیب طرح کا جادو کرتا ہے۔
کیونکہ شعر اپنی کشش بھی پڑھنے والے کو بخش دیتا ہے، جیسے پھول ان ٹہنیوں کو بھی خوشنما
بنا دیتے ہیں جن پر وہ کھلتے ہیں۔ اور پھر اس لمحے کے بعد سے لوتا بنوئے کے تصور میں مجسمہ
بن کر رہ گئی۔!

اب تک لوتا بنوئے کو اپنی زبان کی تیزی سے اکساتی رہی تھی، اور جس طرح انسان کا
ہاتھ بار بار لاشعوری طور سے دکھتے مقام پر پہونچتا رہتا ہے۔ اس طرح بنوئے کے نزدیک
لوتا کی شخصیت صرف چبھتے الفاظ اور طنز بھری مسکراہٹوں تک محدود تھی۔ جب بھی وہ لوتا
کے بارے میں سوچتا تو یہی کہ اس نے یہ بات کیوں کہی؛ ایسے کیوں کہا۔ اور جتنا ہی لوتا
کا غصہ پُر اسرار ہوتا جاتا اتنا ہی زیادہ بنوئے اس کے متعلق پیچ و تاب کھاتا جاتا۔ صبح اٹھ کر
سب سے پہلے اسی بات کا خیال آتا اور ہر بار جب وہ پاریش بابو کے گھر چلنے لگتا تو یہ
فکر اُسے کھائے لیتی کہ پتہ نہیں لوتا کا موڈ اس وقت کیسا ہوگا۔ جب وہ مہربان ہوتی تو
بنوئے کے سامنے یہ مسئلہ آتا کہ اب یہ مہربانی مستقل کیسے رہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ ایسا
حل تھا جس کا حل بنوئے کی قوت سے بالکل باہر تھا۔!

یہی وجہ تھی کہ ادھر بہت دنوں کی ذہنی پریشانی کے بعد جو لوتا کی پڑھی ہوئی یہ نظم
اس نے سنی تو ایک عجیب زوردار طریقے سے متاثر ہوا۔ یہاں تک کہ اُسے جو مسرت ہوئی
اس کے بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں مل رہے تھے! لوتا سے تو کچھ کہنے کی اُسے ہمت
نہیں ہوئی کیونکہ یہ پتہ ہی نہیں چل سکتا تھا کہ تعریف سے خوشی ہوگی، سبب اور نتیجہ کا جو معمولی
طریقہ ہے وہ اس کے ساتھ بھی چلے گا کہ نہیں۔؟ زیادہ امکان تو یہ تھا کہ نہیں چلے گا۔ کیونکہ
معمول کے مطابق کوئی چیز اس کو پسند نہیں آتی تھی۔ اس لئے بنوئے برودا دیوی کے پاس
گیا اور لوتا کے اس کارنامے کی خوب تعریفیں کرکے اپنا دل ہلکا کیا۔ ایسا کرنے سے اس کی
ذہنیت اور عقلمندی کے متعلق برودا دیوی کی رائے اور بھی اونچی ہوگئی۔

دوسری طرف جو ردِّ عمل ہوا وہ بھی کچھ عجیب نہیں تھا۔ جیسے لولتا کو محسوس ہوا کہ اس کی نرم ریزی کامیاب ہو گئی اور وہ مشکلات لہروں پر سے اس طرح کھیلتی نکل گئی جیسے کوئی عمدہ کشتی جو واقعی سمندر میں ڈالے جانے کے لائق ہو ــــــ تو ہنوئے پر اس کو جتنی جھنجھلاہٹ تھی وہ سب ختم ہو گئی اور پھر ہنوئے کو تنگ کرنے کی اُسے کوئی خواہش نہ رہی! ریہرسلوں میں بھی اس نے شوق سے حصہ لینا شروع کر دیا اور ایسا کرنے کی وجہ سے وہ اور ہنوئے دن بدن ایک دوسرے سے قریب آنے لگے۔

ہنوئے نے اپنی طرح لولتا کا رویہ اس طرح بدلتا دیکھا تو جیسے کسی نے سینے پر سے سِل سرکا دی! اُسے اپنا دل اتنا ہلکا لگنے لگا کہ اس کا جی چاہنے لگا کہ آنند موئی کے پاس جا کے پھر وہی بچپن کی سی شرارتیں شروع کر دے! ایسے بھی بہت سے خیالات ذہن میں آتے تھے جن کے متعلق سچارِیتا سے بات کرنے کو جی چاہتا لیکن اس سے آج تک ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی!

اب جب کبھی ہنوئے کو لولتا سے بات کرنے کا موقع مل جاتا تو وہ ضرور بات کرتا مگر اُسے یہ احساس پھر بھی رہتا کہ ابھی محتاط رہنے کی بہت ضرورت ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اس پر اور اس کے دوست گورا پر ہمیشہ تنقید اور نکتہ چینی کر کے کوئی فیصلہ کرے گی اس لئے ہنوئے کی گفتگو کا طریقہ ابھی تک معمولی اور فطری نہیں ہوا تھا۔ کبھی کبھار لولتا کہتی "آپ ایسے کیوں بات کرتے ہیں جیسے کتاب سے رٹے ہوں" ہنوئے جواب دیتا "بات یہ ہے کہ میری ساری زندگی کتاب پڑھتے گزری ہے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ میرا دماغ بھی یقیناً ایک چھپا ہوا صفحہ بن گیا ہوگا"

لولتا اس پر بھی اس کو ٹوکتی "بھئی آپ اس قدر نستعلیق طریقے سے بات کرنے کی کوشش نہ کیا کیجیے، بس جو آپ کا خیال ہے وہ سادگی سے کیوں نہیں کہہ دیتے۔ آپ تو اس قدر پُر تکلف انداز میں بات کرتے ہیں جیسے اپنی نہیں کسی مانگے کی بات کر رہے ہیں"

اسی وجہ سے بنوئے کے دماغ میں جب کبھی کوئی خیال آتا تو وہ اُسے لوتا سے بیان کرنے سے پہلے آسان تر بنانے کی کوشش کرتا۔ اتفاق سے کوئی تشبیہ یا استعارہ آپڑتا تو جھینپ جاتا۔ لوتا خود خوب چہکتی پھرتی جیسے بادل چھٹ کر روشنی نکل آئی ہو یہاں تک برودا دیوی بھی اس میں یہ تبدیلی دیکھ کر حیران تھیں۔ اب لوتا پرانے طریقے سے ہر چیز اور ہر بات پر اعتراضات نہیں کرتی تھی۔ بلکہ سب مل کر جو کچھ کر رہے تھے اس میں دل و جان سے شریک ہوتی اور ہونے والے ڈرامے کے لئے اپنی طرف سے طرح طرح کے آئیڈیا اور تجویز پیش کرنے کی بھرمار کئے رہتی۔ اس معاملے میں برودا دیوی سے اس کا تصادم ہوا کرتا کیونکہ وہ ذرا کفایت شعاری کو مدنظر رکھ کر سب کام نپٹانا چاہتی تھیں چنانچہ پہلے برودا دیوی کو لوتا کی بے نیازی کا رونا تھا اور اب اس کے حد سے زیادہ بڑھے ہوئے جوش کی پریشانی تھی۔

اس نئے جوش کے تحت لوتا اکثر سچاریتا کو بھی گھیرتی اور بڑے شوق اور اُمید کے ساتھ اس کی رائے طلب کرتی۔ سچاریتا ہنستی بولتی تو ضرور لیکن لوتا کو اس کی موجودگی میں کچھ گھٹن کا سا احساس ہوتا، ایسا لگتا جیسے وہ رکی رکی سی ہے! لوتا ہر بار اس کے پاس جانے کے بعد مایوس ہو کر لوٹتی!۔

ایک دن وہ پریش بابو کے پاس پہنچی "باوجی، بھئی یہ تو بڑی زیادتی ہے کہ ہم لوگ تو ڈرامے کے لئے مارے پلے چلے جا رہے ہیں اور دیدی ہیں کہ مزے سے کتابیں لے بیٹھی رہیں آخر وہ کیوں ہمارے ساتھ شریک نہیں ہوتیں؟"

پاریش بابو خود بھی دیکھ رہے تھے کہ سچاریتا اپنے ساتھیوں سے ذرا الگ تھلگ رہتی ہے اور یہ سوچ رہے تھے کہ اس طرح فکروں میں مبتلا ہونا اس کے لئے ٹھیک نہیں ہے۔ اب لوتا کے کہنے پر انھیں خیال آیا کہ اگر سچاریتا کو دوسروں کی دلچسپیوں میں گھسیٹا نہ گیا تو یہ صورت کہیں اس کی مستقل عادت نہ بن جائے۔ اس لئے وہ لوتا سے بولے "تم اپنی ماں سے اس بارے میں

کیوں بات نہیں کرتیں؟"

"ماں سے تو میں کہوں گی ہی" لولتا نے کہا "لیکن ڈیڈی کے پیچھے تو آپ ہی کو پڑنا ہوگا ورنہ وہ کبھی راضی نہ ہوں گی۔"

آخر کار جب پارٹنر نے سچاریتا سے بات کی تو وہ یہ معلوم کر کے حیران بھی ہوئے اور خوش بھی کہ سچاریتا نے کوئی عذر نہیں پیش کیا بلکہ فوراً اس کام میں جٹ گئی جو اس کے لئے تجویز کیا گیا۔ جوں ہی سچاریتا نے اپنی علیحدگی ختم کی بنوئے پھر پہلے کی طرح اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرنے لگا لیکن اس درمیان نہ جانے کیا ہو گیا تھا کہ وہ پہلی سی بات نہ پیدا ہو سکی۔ سچاریتا کی آنکھوں میں ایک فاصلہ آ گیا تھا چہرے پر کچھ الگ تھلگ رہنے کے تاثرات رہتے تھے کہ بنوئے اپنے آپ کو اس سے نزدیک نہ کر پاتا تھا۔ ویسے تو وہ پہلے کو ہمیشہ ہی ذرا ہٹ کے رہتی تھی لیکن ریہرسلوں میں شریک ہونے کے باوجود اب وہ کیفیت اور زیادہ واضح اور گہری معلوم ہوتی تھی بس اپنا پارٹ ادا کرتی اور پھر کمرے سے باہر چلی جاتی۔ اس طرح وہ اور بنوئے رفتہ رفتہ ایک دوسرے سے دور ہی ہٹتے چلے گئے۔ عجیب بات یہ تھی کہ سچاریتا کی اس تبدیلی کو لولتا بھی بھانپتی تھی لیکن پہلے کی طرح اس کو شکایت نہ تھی، کیا یہ بات تھی کہ ڈرامے کا جوش اور اپنے پلاٹ کی دھن اس پر بری طرح چھائے ہوئے تھے۔ اور کوئی دوسری بات نہیں سوچنے دیتے تھے؟

ہرن بابو نے جب سچاریتا کو اپنے ڈرامے میں دلچسپی لیتے دیکھا تو وہ بھی اپنی جگہ بڑے خوش ہوئے اور انھوں نے خود بھی یہ پیشکش کی کہ ڈرائیڈن کی نظموں کے سنائے جانے سے پہلے وہ موسیقی کی روشنی پر ایک مختصر لیکچر دیں گے اور "جنت گمشدہ" پر ایک بند سنائیں گے۔ یہ تجویز برودا سندری کو بری لگی اور لولتا کو بھی خوشی نہیں ہوئی لیکن ہرن بابو نے مجسٹریٹ کو اس پروگرام کی تحریری اطلاع دے کر بات طے کر لی تھی۔ چنانچہ جب لولتا نے اشارہ بھی کیا کہ مس ہے مجسٹریٹ کو تناسب پروگرام کھل جائے تو ہرن بابو نے فوراً ایک فاتحانہ انداز سے

مجسٹریٹ کا شکریہ کا خط اپنی جیب سے نکال کر دکھایا اور اسے خاموش کر دیا۔

کسی کو معلوم نہیں تھا کہ گورا کب اپنے سفر سے واپس آ رہا ہے۔ ویسے تو سچاریتا
نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اس خیال ہی کو اپنے دماغ سے نکال دے گی لیکن پھر روز اس کے دل
میں ایک اُمید کروٹ لیتی کہ شاید آج ہی اس کی واپسی کا دن ہو۔ ایک طرف اسے گورا کی
بے نیازی کا احساس کھائے لیتا تھا دوسری طرف اپنے دل کی کیفیت جو بغاوت پر تلی ہوئی تھی
اور عین اس وقت جب کہ وہ اس کشمکش سے کسی طرح آزاد ہونے کا کوئی راستہ ڈھونڈھ رہی تھی
ہرن بابو نے ایک بار پھر پاریش بابو سے درخواست کی کہ وہ خدا کا نام لے کر اُن کے ساتھ سچاریتا
کی منگنی کی رسم ادا کر ہی دیں۔

"لیکن شادی ہونے میں تو ابھی کافی دیر لگے گی" پاریش بابو نے اعتراض کیا۔ "ابھی
سے لوگوں کو اس طرح بندھا دینا کیا تمہارے خیال میں عقلمندی ہے؟"

"میں سمجھتا ہوں یہ ہم دونوں کے لئے اشد ضروری ہے کہ شادی سے پہلے کچھ عرصے
اس طرح منسلک رہیں" ہرن بابو نے جواب دیا۔ "ہماری پہلی ملاقات سے لے کر ہماری شادی
شدہ زندگی کے درمیان ... اس طرح کا روحانی رشتہ قائم رہے تو یہ ہمارے روحانی اتحاد کے
لئے ایک پل کا کام دے گا ——— یہ ایک ایسا تعلق ہو گا جو ہر طرح کی ذمہ داری سے آزاد ہو گا۔"

"بہتر ہے کہ آپ خود ہی سچاریتا سے پوچھیں وہ کیا کہتی ہے" پاریش بابو نے رائے دی۔

"لیکن وہ تو پہلے ہی اپنی مرضی ظاہر کر چکی ہیں۔"

اس بات سے بھی کچھ زیادہ پاریش بابو کو اطمینان نہیں تھا کہ ہرن بابو کے لئے سچاریتا کے
دل میں جذبات کیا تھے۔ اس لئے انھوں نے سچاریتا کو خود بلایا اور ہرن بابو کی تجویز اس کے سامنے
رکھی۔

سچاریتا ایک ایسی ذہنی کیفیت میں مبتلا تھی کہ اس کے لئے مستقل ... تعلق کا بھی سہارا
بہت ہوتا۔ اس لئے بغیر جھجکے اتنی جلدی راضی ہو گئی کہ پاریش بابو کے سب شکوک رفع

ہو گئے۔ انھوں نے ایک بار پھر سچاریتا سے کہا کہ طویل مدت تک جو سلسلیاں چلتی رہتی ہیں ان کی ذمہ داری کو اچھی طرح سمجھ لے اور پھر بھی جب اس نے کوئی اعتراض نہ کیا تو یہ طے کر دیا گیا کہ جیسے ہی پرانو ساد والا ڈرامہ ختم ہو جائے تو کوئی دن منگنی کے لئے مقرر کر دیا جائے۔

اس کے بعد کچھ عرصے تک سچاریتا کو یوں محسوس ہوتا رہا جیسے اُسے کسی دیو کے پنجے سے چھڑا لیا گیا جو آہستہ آہستہ اُسے کھائے جا رہا تھا۔ اور اس نے طے کر لیا کہ ہرن بابو سے شادی کر کے وہ شدت کے ساتھ برہمو سماج کی خدمت میں جٹ جائے گی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ روز ہرن بابو کے ساتھ بیٹھ کر مذہبی مسائل پر وہ انگریزی کی کتابوں سے پڑھائی کیا کرے گی تاکہ اپنی زندگی کو اپنے جیون ساتھی کے معیار پر لا سکے۔ اس مشکل ——— قدرے ناگوار بوجھ کو قبول کرنے کے بعد اب اسے کچھ اپنی عظمت کا احساس ہو چلا تھا۔

ادھر اس نے بہت دنوں سے وہ اخبار نہیں پڑھا تھا جس کے ایڈیٹر ہرن بابو تھے۔ جس دن یہ فیصلہ ہوا اس دن اُسے پریس سے تازہ نکلا ہوا شمارہ ملا، جو غالباً ایڈیٹر نے اپنے دست خاص سے بھجوایا تھا۔ سچاریتا اخبار لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور شروع سے آخر تک پڑھنے کا ارادہ کر کے بیٹھ گئی۔ جیسے یہ بھی کوئی مذہبی فرض ہو جیسے کوئی فرمانبردار اور سعید طالب علم پورا سبق زبانی یاد کرنے پر تل گیا ہو۔!

لیکن اس کے بجائے ہوا یوں کہ جس وقت جہاز اپنے بادبانوں میں پوری ہوا ابھارے ہوئے شدت کے ساتھ دوڑ رہا تھا تو ایک چٹان سے زبردست ٹکر ہوئی ——— اخبار میں ایک مضمون دکھائی پڑا جس کی سرخی تھی "رجعت پسندی کا جنون" ——— اس مضمون میں ان لوگوں پر بڑی تلخی کے ساتھ حملہ کیا گیا تھا، جو رہتے تو ہیں موجودہ زمانے میں لیکن اس کی پروا نہیں کرتے، اور ہیں ہمیشہ پیچھے، ماضی کی طرف گھورتی رہتی ہیں۔! ویسے دلیلیں بڑی پکی تھیں، غلط نہیں تھیں ——— بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ سچاریتا خود اس طرح کی دلیلوں کی تلاش میں تھی۔ لیکن جیسے ہی اس نے وہ مضمون پڑھا یہ بات بالکل صاف ہو گئی کہ اس

مضمون میں گورا پر حملہ کیا گیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ اس کا نام مذکور نہیں تھا، نہ اس کے مضامین
کا حوالہ تھا۔ لیکن یہ بات قطعی طور پر ظاہر تھی کہ جس طرح سپاہی کو خوشی ہوتی ہے کہ اس کی
بندوق سے نکلی ہوئی ہر گولی کسی دشمن کے سینے میں بیٹھے، اس طرح اس مضمون سے ایک
کمینی مسرت کا احساس ہوتا تھا کہ اس کا ہر لفظ کسی زندہ دل انسان کے دل کو دکھ
پہنچائے۔!

پورے اخبار پر جو مقصد اور نیت چھائی ہوئی تھی وہ سچاریتا کے لئے ناقابلِ
برداشت تھی۔ اس کا جی چاہا کہ اخبار کے پرزے پرزے کر کے ہوا میں اچھال دے۔
بے اختیار اس کے دل نے کہا "گورموہن بابو ہوتے تو اس مضمون کو خاک میں
ملا سکتے تھے" اور دل کی یہ آواز سنتے ہی اس کی آنکھوں کے سامنے گورا کا
دلکش چہرہ دکھائی دینے لگا۔ اس کی قوت یہ آواز کانوں میں گونجنے لگی۔ اس تصویر
کے سامنے اس آواز کی غیر معمولی اہمیت اور معیار کے آگے یہ مضمون اور اس مضمون
کا لکھنے والا اتنے حقیر اور اتنے گھٹیا نظر آئے کہ اس نے اخبار اٹھا کر زمین پر
پھینک دیا۔!

آج کئی دن کے بعد سچاریتا خود آ کر بنوئے کے پاس بیٹھی۔ ادھر ادھر
کی باتوں کے بعد بولی "کیوں جی وہ اخبار کیا ہوا جس میں آپ کے اور آپ کے
دوست کے مضامین چھپتے ہیں۔ آپ نے تو مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے پڑھنے کو
لا دیں گے۔؟"

اب بنوئے اس سے کیا کہتا کہ ادھر جو تبدیلی اس میں آ گئی تھی تو کس کی ہمت تھی
کہ اپنا وعدہ پورا کرتا۔ بس اتنا ہی کہہ سکا:

"میں نے آپ کے لئے جمع کر کے رکھے ہیں، لانا بھول گیا، کل ضرور لا دوں گا۔"

دوسرے دن بنوئے ایک بوجھ اخبار اور رسالے لے آیا اور سچاریتا کے پاس چھوڑ دیئے

لیکن اب جو اُسے یہ رسالے اور اخبار ملے تو اس نے پڑھے نہیں بلکہ اٹھا کر ایک بکس میں بند کر دئے۔ صرف اس لئے نہیں پڑھے کہ اس کا دل بیحد بے قرار تھا اور وہ ایک بار پھر اپنے باغی دل سے لڑ کر کسی طرح اپنے لئے امن کی تلاش کر رہی تھی، وہ صاف انکار کر دینا چاہتی تھی کہ وہ دل کے کہے پر نہیں چلے گی؛ نہیں چلے گی۔ اور ہرن بابو کے راستے کو قبول کرے گی ـــــــ صرف اس راستے کو، جہاں کوئی کشمکش نہ تھی۔!

پچیسواں باب

اتوار کی صبح تھی۔ آنند موئی بیٹھی پان بنا رہی تھیں اور شاشی ان کے پاس ہی بیٹھی چھالیاں کتر رہی تھی جو بنوئے کمرے میں داخل ہوا ـــــ شاشی جھینپ کر جو بھاگی تو گود میں رکھی ہوئی تمام چھالیاں زمین پر بکھر گئیں۔ آنند موئی مسکرائیں۔!

بنوئے کی عادت ایسی تھی کہ ہر ایک سے اس کی دوستی ہو جایا کرتی تھی اور شاشی سے تو خاص طور پر اس کا بڑا خوشگوار دوستانہ تھا۔ شاشی بنوئے کے جوتے چھپا دیا کرتی اور جب وہ کہانی کہنے کا وعدہ کرتا تب ہی جاکر جوتے واپس ملتے، بنوئے اپنا بدلہ نکالنے کے لئے شاشی کی ہی زندگی کے واقعات کو بڑھا چڑھا کر، رنگ و روغن دے کر بیان کرتا، تو یہ اس کے لئے ایک اچھی خاصی سزا ہو جاتی، پہلے تو وہ کہانی کہنے والے کو جھوٹا! جھوٹا! کہہ کے اپنی جان بچانے کی کوشش کرتی، پھر جب بنوئے بھی جواب دیتا تو وہ بنوئے سے زیادہ چیخنے لگتی، آخر میں سخت شکست کھا کے کمرے سے بھاگ جاتی۔ کبھی کبھی وہ اسی طرح کی کہانیاں بنوئے کے متعلق گڑھ کر بدلہ لینے کی کوشش کرتی لیکن ظاہر ہے کہ قوت ایجاد و تخلیق میں وہ اپنے حریف کا مقابلہ کہاں کر سکتی تھی۔ بہر حال جب بھی بنوئے اُن کے گھر آتا تو وہ سب کام چھوڑ بنوئے سے ہنسی مذاق اور چھیڑ چھاڑ کرنے آ بیٹھتی اور بعض وقت تو اُس کو اتنا عاجز کرتی کہ آنند موئی کو ڈانٹ کر بھگانا پڑتا۔ ویسے قصور صرف شاشی کا نہیں ہوتا تھا! بنوئے اس خوبی کے ساتھ یہ مصیبت مول لینے کی دعوت دیتا تھا اور شاشی سے بغیر رہا نہیں جاتا تھا۔!

چنانچہ اس وقت وہی شاشی بنوئے کے آتے ہی شرما کر کمرے سے بھاگ گئی تو

آنند موئی مسکرائیں تو ضرور، لیکن وہ خوشی کی مسکراہٹ نہ تھی!

بنوتے بھی اس ذرا سی بات سے اسقدر بوکھلا گیا کہ کئی منٹ بیٹھا رہا مگر اس سے کچھ بولا نہیں گیا۔ اس کو یکایک اس بات کا احساس ہوا کہ شاشی کے ساتھ اس کا یہ نیا رشتہ کس قدر غیر فطری تھا۔ جب اس نے شادی کے لئے حامی بھری تھی تو وہ صرف اپنی اور گورا کی دوستی کے متعلق سوچ رہا تھا؛ یہ اس کے ذہن میں کبھی صاف ہی نہ ہوا تھا کہ اور بھی تو رشتے تھے، اور ان رشتوں کا کیا تعلق تھا! اس کے علاوہ ہمارے ملک کی شادی ایک ذاتی نہیں بلکہ سماجی معاملہ ہے۔ بنوتے خود بھی رسالوں میں اپنے مضامین میں اس پر لکھ چکا تھا؛ اپنے ذاتی معاملے میں بھی اس نے پسند ناپسند سوچا ہی نہیں تھا۔ اسوقت جو اس نے شاشی کو اپنے ہونے والے شوہر سے شرما کر بھاگتے دیکھا تو اسے کچھ اندازہ ہوا کہ ان کے آئندہ تعلقات کس قسم کے ہوں گے۔ اور اب اس کو یہ پتہ چلا کہ گورا اُسے اپنی فطرت کے بالکل برخلاف کتنی دُور تک گھسیٹ لایا تھا؛ اسے اپنے دوست پر غصہ آنے لگا اور اپنے آپ پر بھی لعنت ملامت کرنے لگا۔ پھر اُسے یاد آیا کہ کس طرح آنندموئی نے شروع سے ہی اس رشتہ کی مخالفت کی تھی اور اس کے دل میں ان کے لئے احترام اور اعتراف کے جذبات اور بڑھ گئے، حیرانی بھی ہوئی کہ کس طرح انھوں نے اس معاملے کا بالکل صحیح اور گہرا اندازہ لگایا تھا!

بنوتے کے دل پر جو کچھ گزر رہی تھی، اسے آنندموئی اپنی جگہ پر خوب سمجھ رہی تھیں۔ اس خیال کو ہٹانے کے لئے بولیں "بنوتے، کل مجھے گورا کا ایک خط ملا۔"

"کیا کہتے ہیں؟" بنوتے نے کھوئے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"اپنے بارے میں تو کوئی خاص بات نہیں کہی ہے؛ لیکن ملک کے عوام کی حالت کا نقشہ بڑے درد کے ساتھ کھینچا ہے؛ کوئی گاؤں ہے گھوسی پورہ وہاں کے مجسٹریٹ کی زیادتیوں کا حال تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔"

بنوے کو دل میں تو گورا پر غصّہ آ ہی رہا تھا، کسی قدر تنک کر کہا: "گورا کی نگاہیں ہمیشہ دوسروں کی غلطیوں پر پڑتی ہیں۔ لیکن ہم لوگ دن رات اپنوں پر جو سماجی مظالم توڑتے ہیں ان کو وہ ضرور معاف کر دے گا، بلکہ ان کو خوبیاں کہے گا" گورا پر چوٹ کرنے کے لیے بنوے کو یوں مخالف سمت میں کھڑے ہوتے دیکھ کر آنند موئی مسکرائیں مگر بولیں کچھ نہیں!۔

بنوے کہتا رہا "آپ تو مسکرا رہی ہیں ماں اور سوچتی ہوں گی کہ کیوں مجھے یکایک غصّہ آ گیا؟۔ بتاؤں آپ کو مجھے کیوں غصّہ آیا۔ اس دن سدھیر مجھے ایک دوست کے گھر کلکتہ سے باہر لے گیا۔ جب ہم لوگ کلکتہ سے روانہ ہونے لگے تو بارش ہونے لگی۔ جنکشن پر ٹرین رکی، تو میں نے دیکھا کہ ایک بنگالی بابو، انگریزی لباس پہنے، چھتری اپنے اوپر لگائے، ٹرین سے اپنی بیوی کو اتروا رہے تھے، بیوی کی گود میں ایک بچہ تھا اور شال سے وہ بمشکل بچہ کو بارش سے بچائے تھی۔ وہ خود بالکل کھلے پلیٹ فارم پر کھڑی سردی اور پریشانی سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ شوہر صاحب بے نیازی سے خود چھتری لگائے کھڑے ہیں اور بھیگی ہوئی بیوی بھی کوئی خاص شکایت نہیں کر رہی ہے ـــــ گویا ایسا ہی ہونا چاہیے جیسا ہو رہا تھا ـــــ تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ آج بنگال بھر میں کوئی ایک عورت۔ امیر یا غریب ـــــ ایسی نہیں ہے جو دھوپ یا بارش سے محفوظ ہو! اس وقت سے میں نے قسم کھائی کہ یہ جھوٹ کبھی نہیں بولوں گا کہ ہم اپنی عورتوں کا بہت احترام کرتے ہیں، انھیں فرشتہ سمجھتے ہیں، دیویاں مانتے ہیں ـــــ وغیرہ وغیرہ!"

کہتے کہتے اسے ایک دم سے خیال آیا کہ جوش میں آ کر اس کی آواز بہت اونچی ہو گئی تھی، فوراً رک گیا؛ اور پھر اپنی معمولی آواز میں بولا، "آپ تو یہ سمجھتی ہوں گی ماں کہ میں آپ کو کوئی لکچر دے رہا ہوں جیسے کہ میں اور جگہوں پر کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے میری عادت ہی اس طرح

بات کرنے کی مہ گئی ہو کہ جس میں لکچر کا لہجہ ہو مگر اس وقت تو میں لکچر نہیں دے رہا ہوں۔ اب سے پہلے مجھے کبھی اندازہ نہیں ہوا تھا کہ ہماری عورتیں ہمارے ملک کے لئے کس قدر اہمیت رکھتی ہیں۔ میں نے تو کبھی ان کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا ـــــ اونھ ـــــ خیر۔ اچھا ماں اب میں زیادہ بکواس نہیں کروں گا۔ اتنی بات کرتا ہوں تبھی تو لوگ سمجھتے ہیں کہ میں دوسروں کے خیالات بیان کرتا ہوں۔ اب آئندہ احتیاط کروں گا۔" پھر وہ اٹھا اور اسی طرح یکایک باہر چلا گیا، جیسے آیا تھا۔ اس کے دل میں نتے نئے طوفان امنڈ رہے تھے!

آنند موئی نے موہم داد کو بلوایا اور بولیں "بنوئے اور شاشی کا بیاہ کبھی نہیں ہوگا۔"

"کیوں؟" موہم داد نے پوچھا "کیا آپ اس کے خلاف ہیں؟" "ہاں میں اس رشتے کے خلاف ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے یہ آخر تک نبھے گا نہیں ـــــ ورنہ تو کیوں خلاف ہوتی۔"

"گورا اپنی مرضی دے چکا تھا، بنوئے بھی راضی ہے تو پھر کیوں نہ نبھے گا۔ ویسے یہ تو ظاہر ہے کہ آپ مخالفت کریں گی تب تو بنوئے کبھی شاشی سے بیاہ نہیں کرنے کا۔"

"میں بنوئے کو تم سے زیادہ جانتی ہوں۔"

"گورا سے بھی زیادہ؟"

"ہاں میں اس کو گورا سے زیادہ اچھی طرح سمجھتی ہوں، اور اسی لئے ہر نقطہ نظر سے سوچنے کے بعد میں محسوس کرتی ہوں کہ مجھے حامی نہ بھرتی چاہیے۔"

"اچھا۔ اچھا ـــــ گورا کو واپس آجانے دیجیے۔"

"موہم۔ میری بات سنو، اگر تم اس بات پر اصرار کرو گے اور معاملہ کو زیادہ آگے بڑھاؤ گے تو میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ مشکلیں کھڑی ہو جائیں گی ـــــ میں نہیں چاہتی کہ اس موضوع پر اب گورا اور بنوئے کچھ بھی بات چیت کریں۔"

"اچھی بات ہے ـــــ دیکھا جائے گا، دیکھا جائے گا۔"

موہم نے منہ میں پان کا بیڑا دبایا اور کمرے سے باہر چلے گئے۔

چھبیسواں باب

گورا اپنے سفر پر روانہ ہوا، تو اس کے ساتھ چار ساتھی تھے۔ ابناش، موتی لال، بسنتا اور رام پتی۔ ——— لیکن گورا کا جوش کسی کو نہیں بخش رہا تھا۔ وہ اس جوش کا ساتھ دینا اِن سب کو ہی مشکل ہو رہا تھا چند ہی دن بعد ابناش اور بسنتا بیماری کا بہانہ کر کے واپس کلکتہ بھاگ گئے؛ باقی صرف گورا سے عقیدت کی وجہ سے اپنے لیڈر کو اکیلا چھوڑنے پر تیار نہیں ہوئے۔ واقعہ بھی یہ ہے کہ موتی لال اور رام پتی کو اس وفاداری کا معمولی بھگتان نہیں بھگتنا پڑا کیونکہ گورا کتنا ہی چلتا تھا تھکتا نہیں تھا، کتنی ہی دیر رکنا پڑتا تھا، اُکتاتا نہیں تھا جس سے جو کچھ بھی ہو سکتا اس برہمن مسافر کی خاطرداری کرتا اور گورا اس میزبانی کو قبول کر کے کئی کئی دن لوگوں کے یہاں پڑاؤ ڈالے رہتا چاہے اس میں جتنی بھی تکلیف اور دشواریاں ہوتیں۔ دیہات کے لوگ گورا کے چاروں طرف اکٹھا ہو جاتے بڑے شوق سے اس کی بات سُنتے اور اُسے چھوڑنے پر تیار نہ ہوتے؛

اب پہلی مرتبہ گورا کو پتہ چلا کہ کلکتہ کی مہذب اور کھاتی پیتی سوسائٹی کے باہر ملک کی اصل اور حقیقی حالت کیا تھی۔ ہندوستانی دیہات کی یہ عظیم الشان وسعتیں کس طرح منتشر تھیں کسی کمزور تھیں، ٹکڑے ٹکڑے تھیں۔ یہ اپنی طاقت سے کتنی افسوسناک حد تک بے خبر تھے! جہالت ان پر کتنی بُری طرح چھائی تھی؛ اپنی بہتری سے کس قدر بے نیاز تھے۔ شہروں سے یہ گاؤں چند ہی میل پر تو تھے لیکن سماجی فرق کی کتنی بڑی خلیج ان دونوں کے درمیان منہ پھاڑے ہوئے حائل تھی! دُنیا کے منافع میں جو ان کا حق تھا، جو ان کی جائز جگہ تھی وہ اُن کو کیسے ملتی جبکہ انھوں نے خود ہی بے مطلب خیالی رکاوٹیں درمیان میں کھڑی کر رکھی تھیں، ذرا

ذرا سی اور بیکار باتوں کو وہ اہم سمجھتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی روایت بھی توڑی نہیں کہی جا سکتی تھی، اگر ان باتوں کو خود دیکھنے کا یہ موقع گورا کو نصیب نہ ہوتا تو وہ تصوّر تو کر ہی نہیں سکتا تھا کہ ان لوگوں کے ذہن کتنے محدود تھے، زندگیاں کس قدر تنگ، کوششیں کیسی کمزور اور بے جان!

ایک بار گورا کسی گاؤں میں ٹھہرا ہوا تھا کہ وہاں آگ لگ گئی! اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اتنی بڑی مصیبت پڑنے پر بھی لوگ اپنی کوششوں کو متحد نہ کر سکے، ہر طرف انتشار پھیل گیا، کوئی ادھر بھاگا جا رہا تھا، کوئی اُدھر بھاگا جا رہا تھا، رونا پیٹنا ہو رہا، کسی ترتیب یا منظم کوشش کا کہیں پتہ نہ تھا، گاؤں میں پینے کے پانی تک کا انتظام نہ تھا عورتیں گھریلو کاموں کے لئے دُور کہیں سے پانی بھر کے لایا کرتی تھیں! اچھے کھاتے پیتے لوگ لوگ بھی گاؤں میں تھے لیکن یہ خیال کبھی کسی کو نہ آیا کہ کم از کم اس روزانہ کی مشکل کو دُور کیا جائے! تاکہ سب کے گھروں کو سہولت ہو! پہلے بھی کئی بار آگ لگ چکی تھی لیکن اسے تو قسمت کا ایک پھیر ایک گردش سمجھا جاتا تھا اور یہ کسی نے سوچا ہی نہیں کہ قریب میں پانی کا کچھ انتظام کر لیا جائے۔

اب گورا کو یہ بات مضحکہ خیز معلوم ہونے لگی کہ وہ اُن لوگوں کو وطن کی حالت سے آگاہ کرتا رہے جبکہ وہ اپنے چاروں طرف کی بھی شدید ضرورتوں کو سمجھنے کی اہلیت اور صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ عادتوں، رسموں اور روایتوں نے اُن کی آنکھوں پر سیاہ پردہ ڈال رکھا تھا! لیکن سب سے زیادہ تعجب اُسے اس بات پر ہوتا تھا کہ موتی لال اور رام پتی بھی یہ سب دیکھتے تھے مگر ان کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ وہ تو گورا کی پریشانی کو ایک بیکار اور خواہ مخواہ کی ایک بات سمجھتے تھے۔ آپس میں کہتے "غریب لوگ تو اسی طرح زندگی بسر کرنے کے عادی ہیں جس بات میں ہم تکلیف اور سختی محسوس کریں گے اس کا ان کو کوئی احساس ہی نہیں ہوتا ہے" ان لوگوں کے لئے ایک بہتر زندگی کو تصوّر کرنا

رام بچی اور موتی لال کے خیال میں چند باتیں تھی اور کچھ نہیں۔ لیکن گورا کو روز یہ نظر آتا کہ امیر اور غریب، جاہل اور پڑھے لکھے ہر ایک پر دُکھ، لاعلمی اور بے پرواہی کا بوجھ لدا ہوا ہے اِن ہی باتوں نے وطن کی ترقی کا راستہ روک رکھا ہے، اور یہ چیزیں اس کو بیحد صدمہ پہنچاتیں۔

پھر موتی لال کے پاس اپنے کسی رشتہ دار کی بیماری کی خبر آئی اور وہ واپس چلا گیا۔ اب گورا کے ساتھ صرف رام بچی رہ گیا!

سفر کرتے کرتے یہ دونوں دریا کے کنارے ایک گاؤں میں پہنچے جو مسلمانوں کا تھا۔ بڑی تلاش کے بعد آخر ایک واحد گھر ہندو کا ملا۔ وہ نائی تھا ــــ اس نے برہمن مہمانوں کو اپنے یہاں ٹھہرنے کی دعوت دی، گھر گئے، پتہ چلا کہ گھر والوں میں ایک مسلمان لڑکا بھی ہے جسے نائی اور اُس کی بیوی نے گود لیا ہے۔ رام بچی بے حد مذہبی تھا، اُسے سخت کوفت ہوئی اور جب گورا نے نائی سے اس ہندو وادھرم کی وجہ پوچھ گچھ کی تو نائی نے کہا کہ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے حضور، ــــ ہم لوگ اُسے ہری کہتے ہیں، مسلمان اُسے اللہ کہتے ہیں۔ ہے وہ ایک ہی"

اب سورج خوب چڑھ آیا تھا، دھوپ میں تیزی اور تپش بڑھتی جا رہی تھی۔ دریا بہت دُور تھا، بڑا سا ریتیلا میدان پار کرتے تو وہاں تک پہنچتے ــــ پیاس کے مارے رام بچی کے گلے میں کانٹے پڑ گئے تھے، اور وہ گھبرا گھبرا کر یہ سوچ رہا تھا کہ ہندو کے پینے لائق پانی اب کہاں سے ملے۔ نائی کے گھر کے پاس ہی ایک کنواں تھا، پر اُس ادھرمی کے ہاتھ کا چھوا ہوا، گندہ کیا ہوا ہوگا! وہ رام بچی کے کس کام آسکتا تھا!

"کیا اس لڑکے کے ماں باپ نہیں ہیں؟"

"اس کے ماں باپ دونوں زندہ ہیں مہاراج مگر یہ پھر بھی یتیم اور ناتھ برابر ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

پھر نانی نے اس لڑکے کی داستان سنائی ——

جس زمین پر یہ لوگ رہتے تھے۔ وہ نیل کی کاشت کے لئے دی گئی تھی اور نیل بونے والے برابر ان کسانوں سے جھگڑتے رہتے تھے کہ دریا کنارے کی زمین، ترائی والے حصے پر بھی اُن کا ہی حق ہے، اب ہی کسان ان 'صاحبوں' کے سامنے جھک گئے تھے مگر گھوسی پورہ کے کسانوں نے اُن نئے کاشتکاروں کے ہاتھوں بے دخل ہونے سے انکار کر دیا۔ یہ سب مسلمان تھے اور ان کا رہبر فارو سردار کسی سے نہیں ڈرتا تھا۔ جب سے اُن انگریز کاشتکاروں سے جھگڑا شروع ہوا تھا وہ پولیس سے لڑنے کے جرم میں دو بار جیل بھیجا جا چکا تھا۔ اور اب اس کی یہ نوبت پہونچ گئی ہے کہ فاقوں میں بسر ہوتی ہے مگر برابر ہار ماننے سے انکار کئے جا رہا ہے۔

اس سال کسانوں نے کسی طرح ترائی پر فصل لگا کر وقت سے پہلے ہی کاٹ لی تھی لیکن انگریز کاشتکار بعد کو آ پہونچے —— تقریباً ایک ہی ماہ پہلے اُن کے ساتھ بہت سے لٹھ بند تھے اور وہ زبردستی کاٹا ہوا اناج ان کسانوں سے چھین لے گئے۔ اس موقعہ پر فارو سردار نے اپنے گاؤں والوں کا بچاؤ کرتے ہوئے ایک صاحب کے ہاتھ پر ایک ایسا وار کیا تھا کہ ہاتھ کاٹنا پڑا۔ ایسی ہمت اور ایسی مجال تو اس علاقہ میں آج تک کسی کی نہیں ہوئی تھی!

اس وقت سے پولیس برابر، آگ لگنے کی طرح، اس علاقے کو برباد کر رہی ہے اور لوٹ رہی ہے۔ نہ کوئی گھر اُن کے زیادتیوں سے بچا تھا نہ کسی عورت کی آبرو محفوظ رہی تھی۔ فارو اور اس کے بہت سے ساتھیوں کو جیل میں ٹھونس دیا تھا۔ گاؤں میں جو لوگ بچ رہے تھے، ان میں سے بہت سے بھاگ گئے تھے، فارو کے گھر میں اناج کے دانے کا نام نہیں تھا، اس کی بیوی کے جسم پر ساڑی کے نام صرف ایک چیتھڑا تھا، اور وہ چیتھڑا بھی ایسا کہ اس کو باندھ کر وہ باہر نہیں نکل سکتی تھی؛ ان کا ایک ہی بچہ تھا۔ یہی تمیز

اس نائی کی بیوی کو خالہ کہتا تھا اور جب نائی کی بیوی نے دیکھا کہ وہ بھوکوں مر رہا ہے تو وہ اُسے اپنے گھر لے آئی ـــــــ

گاؤں سے دو تین میل دور نیل کی فیکٹری کا دفتر تھا اور وہیں پولیس، انسپکٹر اُن کے سپاہی ٹھیرے ہوئے تھے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ کب وہ گاؤں پر ٹوٹ پڑیں گے اور تفتیش کے نام پر کیا کیا زیادتیاں کریں گے۔ ابھی ایک ہی دن پہلے وہ نائی کے پرانے پڑوسی ناظم کے یہاں ایک دم وارد ہو گئے ـــــــ ناظم کے یہاں اس کا نوجوان چھوٹا سالا ٹھیرا ہوا تھا جو دور کے کسی اور ضلع سے اپنی بہن سے ملنے آیا تھا، اسے دیکھ کر پولیس انسپکٹر بے بات، بے وجہ کہنے لگا "اچھا ـــــــ یہ تو کوئی لڑاکو مرغا ہمیں نظر آ رہا ہے! بڑا سینہ پھُلا کے مٹکتا چلتا ہے۔" اور یہ کہہ کر اس نے اپنے ڈنڈے سے نوجوان کے منھ پر ایسا ہاتھ دیا کہ کئی دانت گر پڑے اور منھ سے خون جاری ہو گیا۔ اس ظلم پر اس کی بہن بھاگی بھاگی پہونچی اور اپنے بھائی کو سنبھالنے لگی تو اسے بھی ایک دوہتڑ دیا گیا کہ وہ زمین پر گر پڑی۔

پہلے پولیس کی یہ ہمت نہ تھی کہ اس علاقے میں ایسے مظالم ڈھائے لیکن اب چونکہ سب مضبوط اور تندرست مرد یا تو جیلوں میں ٹھونس دئے گئے ہیں یا بھاگ گئے ہیں اس لئے پولیس والے اطمینان سے گاؤں والوں پر اپنا غصہ اُتارتے ہیں؛ اور کون جانے کب تک اس خطّے پر ان کی یہ کالی منحوس پرچھائیاں منڈلاتی رہیں گی۔

گورا تو نائی کی داستان میں ایسا کھویا کہ وہاں سے اُٹھا ہی نہیں۔ سُنے گیا سُنے گیا۔ لیکن بھوک پیاس کے مارے بے چین تھا اس لئے جیسے ہی نائی نے کہانی ختم کی اس نے سوال کر دیا "کسی ہندو کا گھر یہاں سے کتنی دور ہو گا؟"

"نیل کی فیکٹری میں جو شخص لگان وصول کرتا ہے وہ برہمن ہے، مادھو چٹرجی اس کا نام ہے ـــــــ وہی یہاں ایک ہندو ہے جو سب سے پاس ہے۔ وہیں دفتر کی بلڈنگ

میں رہتا ہے ــــــ یہاں سے کوئی دو تین میل دُور"ــــــ

"کیسا آدمی ہے وہ ؟" گورا نے پوچھا

"پکا شیطان کا بھائی۔ ایسا بے ایمان اور ظالم تو کوئی اور آپ کو مل ہی نہیں سکتا۔ اور باتیں ایسی چکنی چپڑی کرتا ہے کہ کیا کہوں ــــــ ان تمام دنوں میں اس نے ہی تو پولیس انسپکٹر کی خاطر مدارات کی۔ ہم لوگوں سے پیسے وصول کرتا ہے اور اس میں اپنا منافع بھی رکھتا ہے۔"

"آئیے گورا بابو ــــــ اب ہم لوگوں کو چلنا چاہیئے" رام پتی بے صبری سے بولا "کبھی اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتی" بات یہ ہوئی کہ نائی کی بیوی حانے میں بنے ہوئے کنویں سے پانی بھر بھر کر گھڑوں سے اس کمبخت مسلمان لونڈے پر ڈال رہی تھی۔ اور وہ نہا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر رام پتی کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا اور دماغ۔ اتنا پریشان ہوگیا کہ اب وہ ایک منٹ بھی اس گھر میں نہیں ٹھہر سکتا تھا۔

گورا نے چلتے چلتے نائی سے پوچھا "ان سب زیادتیوں کے باوجود تم یہاں کیسے ٹھہرے ہوئے ہو۔ کیا تمہارے کوئی اور رشتے دار کہیں اور نہیں ہیں جن کے پاس چلے جاؤ"ــــــ

"میں نے ساری زندگی یہیں بسر کی ہے" نائی نے سمجھایا "مجھے اپنے ہمسایوں سے محبت ہے، اس جوار میں ایک میں ہی ہندو نائی ہوں، زمین سے مجھے کوئی واسطہ نہیں اسی لئے پولیس والے مجھ کو زیادہ پریشان بھی نہیں کرتے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ گاؤں میں اور مرد نہیں رہے ہیں، اگر میں بھی چلا جاؤں تو یہاں کی عورتیں تو ڈر کے مارے مر جائیں گی۔"

اچھا تو پھر ہم لوگ چلیں، گورا نے کہا "لیکن میں کھا پی لوں تو پھر آتا ہوں تمھارے پاس۔"

رام پتی کو سخت بھوک اور پیاس لگی تھی اور اس پریشانی میں یہ بھی داستان سُن کر جس پر یہ ردِ عمل ہوا کہ اُسے گاؤں والوں پر سخت غصہ آنے لگا۔ جنھوں نے خود اپنے سر پر مصیبت

مُول لی تھی! حکومت کی طاقت کے آگے یہ سرکشی اسے اُجڈ مسلمانوں کی سخت حماقت اور خر
دماغی معلوم ہوئی اور اس نے محسوس کیا کہ اچھا ہی ہوا جو اِن کو یہ سبق ملا۔ گستاخی اور شیخی
سب نکل گئی۔ وہ سوچنے لگا کہ اسی طرح کے لوگ ہیں جو پولیس سے بُری بُری حرکتیں
کرواتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اُس کے ذمّہ دار وہ خود ہیں۔ آخر اپنے مالکوں اور حاکموں
کا کہنا مانتے کیوں نہیں؟' اس طرح کی آزادی کا مظاہرہ کرنے کا کیا نتیجہ؟ اب کہاں گئی
ساری احمقانہ اینٹھ؟ —— سچ پوچھئے تو اندر اندر رام جی کی ہمدردی انگریزوں کی
طرف تھی!

دوپہر کا وقت تھا اور دونوں دھوپ میں جلتی ریت پر چلے جا رہے تھے۔ گورا بالکل
خاموش تھا۔ ایک لفظ اس کے منہ سے نہیں نکلا۔ آخر کار جب نیل کی فیکٹری کی چھتیں دور درختوں
کے بیچ میں سے نظر آنے لگیں تو وہ ایک دم رُک گیا اور بولا "رام جی —— تم جاؤ،
کچھ کھا پی لو —— میں تو بس نائی کے یہاں واپس جاتا ہوں۔"

"ارے —— کیا مطلب آپکا؟ آپ کچھ نہیں کھائیں گے؟ ہم لوگ اس برہمن
کے یہاں کچھ کھا پی لیں، تب چلے جائیے گا۔"

"تم فکر مت کرو، میں اپنی دیکھ بھال کر لوں گا، تم کچھ کھانا دانہ کھا لو اور اسکے بعد
انتظام کر کے کلکتے لوٹ جاؤ —— میں سمجھتا ہوں کہ مجھے یہیں گھوسی پورہ میں اب کئی
دن تک رہنا پڑے گا۔ اور تم سے یہ سہے گا نہیں۔"

رام جی کو ٹھنڈے پسینے چھوٹنے لگے۔ اُسے اپنے کانوں پر اعتبار نہیں ہو رہا تھا،
گورا ایک شریف دھرمی ہندو ہو کر اُن ملیچھوں کے یہاں ٹھہرنے کی بات سوچ رہا تھا۔ پاگل
ہو گیا تھا یا بھوکوں مرجانا چاہتا تھا؟ —— لیکن اب سوچنے کی ہمت کہاں تھی؟ ایک
ایک لمحہ ایک عمر معلوم ہو رہا تھا اور کلکتہ بھاگ کے اس موقعے سے فائدہ اٹھانے کیلئے رام جی
کو زیادہ کہنے سننے کی ضرورت نہ تھی! پھر بھی دفتر میں گھستے وقت اس نے مڑ کر گورا کے لیے

چوڑے وجود پر ایک نظر ڈالی، ویران ——— جلتی ہوئی ریت پر وہ تیز تیز قدم اٹھائے چلا جا رہا تھا۔ کتنا اکیلا لگ رہا تھا وہ۔!

گورا بھوک پیاس سے بالکل نڈھال ہو چکا تھا لیکن اپنی ذات کو محفوظ رکھنے کے لئے اس بدمعاش برہمن، مادھو چٹرجی کے یہاں کھانا کھانے کے خیال سے اس کو اب بھی سخت نفرت معلوم ہو رہی تھی۔ جتنا ہی سوچتا اتنا ہی یہ تصور اُسے گھناؤنا اور ناقابل برداشت لگتا، اس کا چہرہ لال تھا، آنکھیں خون کبوتر ہو رہی تھیں۔ دماغ میں بغاوت اور ہلچل کی آگ سی لگی تھی؛ سوچ رہا تھا کہ آچار کو ذات برادری کا روپ دے کر ہم کتنی شدید غلطی کرتے رہے ہیں ——— غریب اور بے گناہ مسلمانوں کو اتنا آزار پہنچانے والے برہمن کے ہاتھ کا کھانا کھا کر کیا میری ذات پاکیزہ رہ سکتی ہے۔؟ کیا اس انسان کے یہاں کھا کر میں گندہ ہو سکتا ہوں جو نہ صرف اپنے پڑوسیوں کی مصیبتوں کا شریک ہے بلکہ ان میں سے ایک کو اپنے یہاں پناہ بھی دئے ہوئے ہے، حالانکہ اس میں اُسے خود برادری باہر کئے جانے کا خطرہ بھی ہے ——— اب آخری حل اس مسئلہ کا جو بھی ہو، لیکن فی الحال تو میں اس نتیجے اور اُس کلیہ کو نہیں تسلیم کر سکتا۔

گورا کو اکیلا واپس آتے دیکھ کر نائی حیران رہ گیا۔ گورا نے پہلا کام یہ کیا کہ نائی کا گگرا لے کر اُسے احتیاط سے مانجھا اور پھر کنویں سے بھرا۔ پانی پی کر وہ نائی سے بولا "اگر تمہارے یہاں دال چاول ہوں تو تھوڑے سے مجھے دے دو۔ پکا لوں گا۔" میزبان کھانا پکانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ جب گورا کھانا پکا کے فارغ ہوا تب اُس نے اپنے میزبان سے کہا کہ وہ چند دن اسی کے ساتھ ٹھہرے گا۔

نائی اس تجویز پر پھولا نہیں سمایا۔ ہاتھ جوڑ کر منت سے بولا "یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ اتنی مہربانی کر رہے ہیں۔ لیکن یہ مکان پولیس کی نگاہ میں رہتا ہے اور اگر اُن لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ یہاں ہیں تو کوئی مصیبت نہ آ پڑے۔"

"جب تک میں یہاں ہوں پولیس کی کیا مجال ہو سکتی ہے کہ وہ تمھیں ٹیڑھی نظروں سے بھی دیکھے۔ اگر کچھ کریں گے تو پھر میں دیکھوں گا۔"

"نہیں، نہیں" نائی نے خوشامد کی "آپ ایسا سوچئے بھی مت، اگر آپ نے میری حفاظت کی تب تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔ یہ لوگ سوچیں گے کہ میں اُن کی آفت بلا رہا ہوں۔ باہر کے ایک آدمی کو بُلا کر اُن کے ظلموں کا گواہ بنا رہا ہوں۔ ابھی تک تو میں کسی نہ کسی طرح اُن سے صاف بچتا رہا لیکن ایک بار انھوں نے مجھے تاڑ لیا تو پھر مجھے بھی یہاں سے بھاگنا پڑے گا، ورنہ گاؤں بالکل ہی تباہ ہو جائے گا۔"

گورا نے اپنی ساری زندگی شہر میں گزاری تھی اس کو اس آدمی کے خوف اور ڈر کی وجہ سمجھ ہی میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ تو ہمیشہ یہ سوچتا تھا کہ انسان سچائی پر پوری قوت سے قائم رہے تو بُرائی پر خود بخود غالب آجائے گا۔ اُسے اپنا یہ فرض محسوس ہو رہا تھا کہ ان بدبخت دیہاتیوں کو ان کی تقدیر کے حوالے کر کے یہاں سے ہٹ جائے۔ لیکن نائی اس کے پیروں پر گر پڑا اور اس کے پاؤں پکڑتا ہوا بولا "مائی باپ ——— آپ تو برہمن ہیں، اور پھر بھی میرے مہمان رہیں۔ آپ سے میں جانے کو کہوں، اس سے بڑا اپراد مجھ سے کیا ہو سکتا ہے ——— پر میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کو سچ مچ ہم لوگوں پر ترس آ رہا ہے۔ اس لئے میں یہ کہنے کی ہمت کر رہا ہوں کہ اگر میرے گھر میں رہ کر آپ نے پولیس کی زیادتیوں کو روکنے کی کوشش کی تو آپ ضرور مجھے مصیبت میں پھنسا دیں گے۔"

گورا کو نائی کی اس بے وجہ بزدلی سے سخت رنج ہوا اور اسی دن وہاں سے روانہ ہو گیا۔ بلکہ اُسے یہ بھی کوفت ہوئی کہ اس نے اس نکمّے آدمی کے یہاں کھانا بھی کیوں کھایا۔ تھکا ہوا اور بالکل عاجز ہو کر وہ شام کے قریب فیکٹری کے دفتر میں پہنچا ——— رام جی نے کھانا کھا کر کلکتے روانہ ہونے میں ذرا سی بھی دیر نہیں کی تھی۔ لہٰذا وہ وہاں نہیں تھا۔

مادھو چٹرجی نے گورا کا بڑے احترام کے ساتھ استقبال کیا اور اُسے اپنے یہاں مہمان

ٹھہرانے کی پیشکش کی۔ لیکن گورا غصّے میں بھرا ہوا تھا، ایک دم پھٹ پڑا "آپ کے ہاتھ کا تو میں پانی بھی نہیں پیوں گا۔"

حیران مادھو نے وجہ پوچھی تو گورا نے اسی جگہ اس کو تلخی کے ساتھ پھٹکارنا شروع کیا کہ وہ غریبوں پر کسقدر ظلم کروا رہا ہے ـــــ اُدھ بیٹھنے تک سے انکار کیا۔ پولیس انسپکٹر صاحب ایک بڑے سے گاؤ تکیے کا سہارا لگائے تخت پر آڑے لیٹے تھے اور حقہ کے کش کھینچ رہے تھے۔ گورا کے اس بپھر پڑنے پر اُٹھ بیٹھے اور بگڑ کر پوچھا "آپ کون ہوتے ہیں یہ کہنے والے، آپ آئے کہاں سے ہیں۔؟"

"اچھا ـــــ آپ غالباً انسپکٹر صاحب ہیں۔" گورا نے ان کے سوال کا جواب دئے بغیر کہا۔ "میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ گھوسی پورہ میں آپ جو کچھ کر رہے ہیں وہ سب میں دیکھ رہا ہوں۔ اگر اب بھی آپ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ـــــ۔"

"تو آپ ہم سب کو پھانسی چڑھوا دیں گے ـ ہیں نہ؟" انسپکٹر نے اپنے دوست برہمن چٹرجی کی طرف دیکھ کر طنزیہ انداز میں کہا ـــــ "یہ تو کوئی بڑے زبردست کھلاڑی معلوم ہوتے ہیں، میں تو سمجھتا تھا کہ بھک منگا ہے۔ ذرا آنکھیں تو دیکھیے کوئی ـــــ سرجنٹ، اِدھر آؤ۔" انھوں نے اپنے ایک سپاہی کو اشارہ کیا۔

مادھو چٹرجی نے گھبرا کر انسپکٹر کا ہاتھ پکڑ لیا اور خوشامد کرنے لگا "ارے انسپکٹر صاحب، میری یہ عرض ہے کہ ذرا آہستہ ـــــ ایک شریف آدمی کی بے عزتی نہ کیجیے۔"

"خوب شریف آدمی ہیں" انسپکٹر نے چمک کے کہا "آخر یہ تم کو گالی دینے والا کون ہوتا ہے۔ یہ بے عزتی ہے یا نہیں ہے۔"

"مجھ سے جو بات انھوں نے کہی وہ کوئی جھوٹ تو نہیں ہے پھر ہم اس پر بُرا کیوں مانیں۔" مادھو نے گڑگڑا کے کہا۔ "میں تو نیل والوں کا ایجنٹ ہوں اور گنہگار ہوں۔ بس مدد اس سے

بدتر کوئی مجھے کیا کہے گا۔ اور بُرا نہ مانیے گا دوست اگر کوئی پولیس انسپکٹر کو شیطان کا بھائی
کہے تو یہ کیا کوئی گالی ہوئی۔ چیتے کا تو کام ہی پھاڑ کھانا ہے۔ پھر اُسے کسی نرم اور ملائم
زم سے پیار کیا جائے تو بھلا کیا بات ہوئی۔ اب وہ تو جو ہے سو تو ہے ہی۔ خیر۔ خیر۔
اب کیا کیا جائے، کسی طرح کمانا کھانا تو ہے ہی۔"

آج تک کسی نے مادھو کو غصہ آتے نہیں دیکھا تھا سوائے جبکہ اُس غصے سے
اس کو کوئی منافع ہوتا نظر آتے۔ کون جانے کس سے مدد ملے اور کون نقصان پہنچا دے۔
اس لئے کسی پر غصہ کرنے یا کسی کی ہتک کرنے سے پہلے وہ ہر پہلو کو اچھی طرح سوچ
بچار لیتا تھا۔ خواہ مخواہ اپنی جان جلانے اپنا خون کھپانے سے کیا فائدہ؟

پھر انسپکٹر گورا سے بولا، "دیکھئے بابوجی، ہم یہاں سرکاری حکم کو پورا کرنے آئے
ہیں۔ اگر آپ اس بیچ میں ٹانگ اڑائیے گا تو پھر بھگتیے گا، یہ میں جتائے دیتا ہوں۔"

گورا نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہاں سے چل پڑا۔ لیکن مادھو اس کے پیچھے
پیچھے آیا۔ "آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ بجا ہے جناب۔ ہم لوگوں کا کام سچ مچ قصائیوں
کا ہے، اور یہ جو بدمعاش انسپکٹر پولیس ہے نہ، اس کے تو پاس بیٹھنا گناہ ہے،
میں نے بھی اس کمبخت کے ذریعے بڑے بڑے گناہ کروائے ہیں۔ اب
کیا آپ کو بتاؤں۔ لیکن اب زیادہ دنوں کی بات نہیں ہے۔ چند برسوں میں اتنا
کما لوں گا کہ [illegible] شادی کر سکوں۔ پھر میں اور میری بیوی سنیاس لے کر کاشی
چلے [illegible]۔ میں ان باتوں سے بہت تھک چکا ہوں، بہت تنگ آ گیا ہوں۔
کبھی کبھی جی چاہتا ہے پھانسی لگا کے مر جاؤں کہ سارا قصہ ہی ختم ہو۔ بہر حال آپ
رات کو یہاں ٹھہرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ میرے ساتھ آپ کیوں نہ بھوجن کیجئے
اور کیوں نہ میرے یہاں سو جائیے۔ آپ کے لئے میں الگ بندوبست کر دوں گا کہ
اس کلوٹے کی پرچھائیں بھی آپ پر نہیں پڑ سکے گی۔"

گورا کو ہمیشہ غیر معمولی بھوک ہوتی تھی۔ پھر آج تو ایسا منحوس دن تھا کہ اُس نے کھایا
بھی بہت کم تھا، لیکن اس کا سارا جسم غصّہ کی آگ سے جھُلس رہا تھا، چاہے کچھ بھی ہو
وہ ہرگز وہاں نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ اس لئے اس نے صاف انکار کر دیا۔

"کم از کم ایک لالٹین تو مجھے بھیج دینے دیجئے آپ کے ساتھ" مادھو نے کہا
لیکن گورا تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھ گیا اور رُک کر جواب تک نہیں دیا۔ مادھو گھر
واپس ہوا اور انسپکٹر سے بولا "یہ شخص ضرور ہماری رپورٹ کرے گا دوست، اگر میں
آپ کی جگہ ہوتا تو پہلے ہی کسی کو مجسٹریٹ صاحب کے پاس بھجوا دیتا"

"وہ کیوں؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"تاکہ وہ ہوشیار ہو جائیں کہ یہاں ایک نوجوان بابو کہیں سے آ گیا ہے اور اِدھر
اُدھر گڑبڑ کر کے مقدمے کے گواہوں کو توڑنے کی کوشش کر رہا ہے"

ستائیسواں باب

مجسٹریٹ براؤنلو صاحب شام کے وقت دریا کے کنارے چہل قدمی کر رہے تھے۔ اُن کے ساتھ ہرن بابو تھے؛ تھوڑی دور پران کی میم صاحبہ پاریش بابو کی لڑکیوں کے ساتھ ٹہل رہی تھیں۔

براؤنلو صاحب کی عادت تھی کہ کبھی کبھار اپنے گھر پر گارڈن پارٹی کرتے تھے اور اس میں اپنے معزز بنگالی ملاقاتیوں کو بھی بلاتے تھے، اس کے علاوہ مقامی ہائی اسکول کے جلسۂ تقسیم انعامات کی صدارت بھی کرتے تھے۔ کسی امیر گھر میں شادی کے موقع کو نوازنے کے لئے اگر ان سے کہا جاتا تو ازراہِ شرافت اسے بھی قبول فرماتے تھے، یہاں تک کہ کوئی جاترا وغیرہ کی محفل ہوتی تو اس میں بھی وہ ایک بڑی سی آرام کرسی پر بیٹھ کر نہایت صبر و استقلال کے ساتھ وہ گانے سنتے رہتے جو اُن کی سمجھ میں نہیں آتے تھے؛ ابھی پچھلے ہی سال، ایک وکیل کے یہاں جاترا پارٹی ہوئی تھی تو وہ دو لڑکوں کی ایکٹنگ پر اس طرح خوش ہوئے کہ ان کی خاص درخواست پر ان لڑکوں نے اُن کے سامنے اپنے ڈائی لاگ دوبارہ سنائے۔

ان کی بیوی کسی مشنری کی بیٹی تھی، اس لئے وہ اطراف کی مشن لیڈیوں کو اکثر اپنے گھر ٹی پارٹی پر بلایا کرتیں ـــــ انھوں نے اس ضلع میں ایک لڑکیوں کا اسکول قائم کیا تھا۔ اور اس میں پڑھنے والی بچیوں کی تعداد بڑھانے کی کوشش برابر کرتی رہتی تھیں ـــــ پاریش بابو کی لڑکیوں کو جب انھوں نے محنت اور شوق سے تعلیم حاصل کرتے دیکھا تو ان کا دل بڑھانے لگیں اور اتنی دور رہ کر بھی خطوں کے ذریعے وہ ان کو

مند نصیحتیں کرتی رہتیں۔ ہر کرسمس پر ان کو مذہبی کتابیں بطور تحفہ بھیجتیں ——

میلہ شروع ہو گیا تھا۔ اور بریڈاڈیوی اپنی لڑکیوں اور ہرن اور سدھیر اور نبو کے لے کر پہونچ چکی تھیں، سرکاری بنگلے میں ان کے ٹھہرنے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ پاریش بابو اس ہنگامے اور جوش وخروش کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اس لئے وہ تنہا کلکتہ میں چھوڑ دیئے گئے تھے۔ سچاریتا نے اپنی سی بہت کوشش کی کہ وہ پاریش بابو کی تنہائی بٹانے کے لئے کلکتہ میں ہی چھوڑ دی جائے لیکن خود پاریش بابو نے مجسٹریٹ کے دعوت نامے کو قبول کرنا ایک فرض کی ادائیگی سمجھا اور اُسے بھی بھیجنے پر اصرار کیا۔

طے یہ ہوا کہ ڈرامے اور نظموں کا پروگرام ایک شام کی پارٹی میں دیا جائے گا۔ جو میلہ ختم ہونے کے دوران بعد مجسٹریٹ صاحب کے مکان پر دی جائے گی۔ ضلع کے کمشنر صاحب اور لفٹنٹ گورنر صاحب بھی اس موقعہ پر موجود رہیں گے! مجسٹریٹ نے اپنے بہت سے انگریز دوستوں کو نہ صرف اسی ضلع سے بلکہ کلکتہ تک سے بلایا تھا کچھ مخصوص بنگالیوں کے لئے بھی انتظام کیا گیا تھا، اور یہ سننے میں آرہا تھا کہ ایک ایک خیمہ لگے گا جس میں مذہبی قسم کے لوگوں کے لئے کھانے پینے کی چیزوں کا انتظام کیا جائے گا۔

ہرن بابو نے بہت جلد مجسٹریٹ کو خوش کر لیا تھا کیونکہ وہ نہایت اعلیٰ معیار کی گفتگو کرتے تھے۔ اور صاحب کو یہ حیرانی تھی کہ عیسائی مذہب کی مقدس کتابوں کا اتنی غیر معمولی علم رکھتے ہوئے بھی ہرن بابو اور آگے کیوں نہیں بڑھے۔ کیوں نہیں وہ عیسائی ہو گئے اور کیسے رک گئے۔!

آج شام کو بھی دریا کے کنارے چہل قدمی کرتے ہوئے ان دونوں میں ایک سنجیدہ بحث اس موضوع پر ہو رہی تھی کہ برہمو سماج کے طریقۂ کار کیا ہیں اور ہندو سماجی نظام کو کس طرح سدھارا جا سکتا ہے!

یکایک اس گفتگو کے درمیان گورا ٹپک پڑا اور اس نے صاحب پر ایک "گڈ ایوننگ سر" پھینکا —— ایک دن پہلے وہ مجسٹریٹ صاحب سے ملنے کی کوشش کر چکا تھا لیکن گورا ہی

اسے یہ پتہ چلا کہ صاحب کی حضوری میں پہنچنے کے لئے ان کے نوکروں کو رشوت دینی پڑے گی۔ اس شرمناک فعل کو انجام دینے یا برداشت کرنے کو اس کا جی نہ چاہا۔ اس لئے اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر صاحب کو سیر کرنے میں جا لیا۔ اس ملاقات میں ہرن اور گورا میں سے کسی نے بھی یہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ ایک دوسرے کو پہلے سے بھی جانتے ہیں۔

مجسٹریٹ صاحب اس عجیب و غریب حلیہ کے آدمی کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہیں کبھی بھی یاد نہیں تھا کہ اتنا لمبا، چھ فٹا قد، چوڑا چکلا بدن اور اس طرح کا بلند و سرکش وجود انھوں نے اس صوبے میں پہلے کبھی دیکھا ہو۔ رنگ بھی معمولی بنگالیوں کا سا نہیں تھا۔ جسم پر ایک خاکی قمیض تھی ایک موٹی، ذرا اونچی سی دھوتی۔ شال سر پر صافے کی طرح لپٹی ہوئی، ہاتھ میں بانس کی لاٹھی!

"میں ابھی گھوسی پورہ سے آ رہا ہوں" گورا نے بات شروع کی۔

مجسٹریٹ صاحب نے گھوسی پورہ کا نام سنتے ہی ایک دبی ہوئی سیٹی بجائی۔ ابھی کل ہی ان کو اطلاع ملی تھی کہ ایک اجنبی نوجوان کہیں سے گھوسی پورہ آ گیا ہے اور وہ پولیس کی تفتیش میں رکاوٹ ڈال رہا ہے۔ ——— تو یہ تھا وہ اجنبی! ———

انھوں نے غور سے گورا کو اوپر سے نیچے تک سوالیہ انداز میں دیکھا اور پوچھا "آپ اس ملک کے کس خطے سے آئے ہیں؟"

"میں بنگالی برہمن ہوں۔"

"اوہ ——— میں سمجھتا ہوں کسی اخبار سے آپ کا تعلق ہو گا۔"

"جی نہیں۔"

"تو پھر آپ گھوسی پورہ میں کیا کر رہے ہیں؟"

"میں نے پیدل سفر کرنے کا ایک پروگرام بنایا تھا، اسی سلسلے میں ادھر سے گزرا اور یہاں ٹھہرا۔ یہاں میں نے پولیس کے مظالم کے آثار دیکھے۔ مجھے ڈر ہوا کہ یہ ظلم اور بڑھیں گے، اور اسی لئے میں یہ امید لے کر آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ اس کا کچھ ازا

کریں گے؟"

"کیا آپ کو معلوم ہے کہ گھوسی پورہ کے لوگ بدمعاشوں کا ایک گروہ ہیں۔؟" مجسٹریٹ نے پوچھا۔

"جی نہیں ـــــ وہ بدمعاش نہیں ہیں، وہ لوگ آزاد طبیعت اور نڈر لوگ ہیں جو بے انصافی کو احتجاج کئے بغیر برداشت کرنے پر تیار نہیں ہیں" ـــــ

مجسٹریٹ کو اس بات پر غصہ آگیا۔ اچھا تو یہ حضرت ان ماڈرن نوجوانوں میں ہیں کہ تعلیم حاصل کرنے سے جن کا دماغ بگڑ گیا ہے۔" ناقابلِ برداشت" انھوں نے غصّے سے پھنکار کے کہا اور پھر آواز بلند کر کے بولے" دیکھئے آپ یہاں کے مقامی حالات سے واقف نہیں ہیں ان کی آواز میں ایسی سختی تھی جس کے آگے اب کچھ اور کہے جانے کی اُمید نہیں ہو سکتی تھی۔

گورا نے بھی اپنی گرج سُنائی" آپ تو ان حالات کو مجھ سے بھی کم جانتے ہیں"

" دیکھئے جناب" ـــــ مجسٹریٹ نے کہا" میں آپ کو خبردار کئے دیتا ہوں کہ اگر اس گھوسی پورہ والے معاملے میں آپ نے اپنی ٹانگ اڑائی تو آپ سستے نہیں چھوٹ سکیں گے"

" چونکہ آپ کو گاؤں والوں کے خلاف تعصب ہے اس لئے میرے واسطے اب یہی راستہ باقی ہے کہ میں گھوسی پورہ واپس جاؤں اور جہاں تک مجھ سے ہو سکے لوگوں کا دل بڑھاؤں کہ وہ پولیس کے مظالم کے سامنے ڈٹے رہیں"

مجسٹریٹ صاحب ٹہلتے ٹہلتے ایک دم رُک گئے اور چیخ کے گورا پر برسے" یہ کیسی کمبخت گستاخی ہے"

گورا نے کوئی جواب نہیں دیا؛ آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہاں سے روانہ ہو گیا۔ مجسٹریٹ نے بڑی حقارت کے ساتھ ہرن بابو سے پوچھا" آج کل آپ کے ہم وطنوں میں کیسے علامات پیدا ہو رہے ہیں؟"

" کچھ نہیں، بس یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ تعلیم نے ان لوگوں پر گہرا اثر نہیں کیا ہے" ہرن بابو

ذرا اونچے سے بولے ــــــ "روحانی اور اخلاقی تعلیم ہے نہیں اور انگریزی تہذیب کے بہترین عناصر کو یہ اپنا نہیں سکے ہیں ــــــ وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے سبق صرف رَٹ لئے ہیں؛ ان سے کوئی اخلاقی نتائج نہیں نکالے، یہی بات ہے جو یہ احسان فروش لوگ ہندوستان میں انگریزی حکومت کی موجودگی کو خدا کی نعمت نہیں سمجھتے۔"

"ایسی تہذیب اور ایسا اخلاق یہ کبھی نہیں پا سکیں گے۔ جبتک عیسائی مذہب اور یسوع مسیح کو قبول نہیں کریں گے۔" مجسٹریٹ صاحب نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"جی ہاں۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو آپ کا فرمانا بجا ہے۔" اور پھر انھوں نے نہایت بلیغ و فنکارانہ طریقے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ــــــ کسی جگہ وہ عیسائی مذہب کے نقطۂ نظر سے اتفاق کرتے تھے اور کسی جگہ اختلاف۔!

مجسٹریٹ صاحب اس سنجیدہ اور عالمانہ مباحث میں اس قدر محو ہوگئے کہ انھیں وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔! وہ تو جب اُن کی بیوی پارسٹی بابو کی لڑکیوں کو بنگلہ چھوڑ کر گاڑی لے آئیں اور اُن کو آواز دی "ہیری ــــــ بھئی چلنے کا ارادہ نہیں ہے" تب اُن کو پتہ چلا کہ کتنی دیر ہوگئی ہے۔

انھوں نے گھڑی دیکھی "اُوہ ــــــ آٹھ بج کے بھی بیس منٹ آگئے۔" گاڑی میں بیٹھتے وقت انھوں نے نہایت گرمجوشی کے ساتھ ہرن بابو کا ہاتھ دبایا اور کہا "آج کی شام آپ کی باتوں میں بڑے لطف سے گزری۔"

ہرن بابو نے بنگلہ پر پہونچ کر اپنی اور مجسٹریٹ کی گفتگو کو خوب تفصیل سے بیان کیا لیکن گورا کے اس طرح یہاں اچانک پہنچ جانے والے معاملے کو صاف گول کر گئے۔

اٹھائیسواں باب

گاؤں کے سینتالیس بدنصیب کسانوں کو بغیر مقدمہ چلائے جیل میں ٹھونس دیا گیا تھا۔ تاکہ ان کی مثال سے اوروں کو عبرت ہو۔

مجسٹریٹ کو چھوڑ کر گورا کسی وکیل کی تلاش میں نکلا اور اسے یہ بتایا گیا کہ اس علاقے میں ست کوڑی ہلدار سب سے اچھے اور مشہور وکیل تھے۔ ان کے گھر پہونچنے پر یہ کھلا کہ یہ وکیل صاحب گورا کے ایک پرانے کلاس فیلو تھے۔

"ارے یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں! ——— گورا ——— تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

گورا نے اُن کو بتایا کہ وہ گھوسی پورہ کے قیدیوں کو ضمانت پر رہائی دلانے کی فکر میں ہے۔

"لیکن کون لے گا ضمانت؟"

"میں لوں گا۔"

"مگر تم اکیلے سینتالیس آدمیوں کی ضمانت لے سکو گے؟"

"اگر مختار لوگ ضمانت لینے پر تیار ہوں تو جو خرچ ہو وہ میں دینے کو تیار ہوں۔"

"کافی خرچ پڑے گا۔"

دوسرے دن مجسٹریٹ کی کچہری میں باقاعدہ طور پر ضمانت کی درخواست داخل کی گئی۔ جیسے ہی مجسٹریٹ کو کل والی شکل دکھائی دی ——— وہی لمبا قد، گرد آلود صافہ اور کپڑے۔ اس نے درخواست قبول کرنے ہی سے صاف انکار کر دیا۔ اس طرح تمام قیدی جن میں اسّی سال کے بڈھے اور چودہ سال کے لڑکے، سبھی قسم کے مرد تھے،

جیل میں سڑنے کے لئے پڑے رہ گئے۔!

گورا نے ست کوڑی سے درخواست کی کہ وہ مقدمہ دائر کریں پر انھوں نے جواب دیا "گواہ کہاں سے ملیں گے؟" جو لوگ موقعۂ واردات پر تھے وہ تو جیل کے اندر ہیں، اس کے علاوہ صاحب کے حکم کی جو تفتیش ہوئی اس کی وجہ سے تمام علاقے میں خوف وہراس پھیلا ہوا ہے؛ اب مجسٹریٹ کو یہ بھی شبہ ہو گیا ہے کہ کچھ پڑھے لکھے لوگ بھی سازش کر رہے ہیں؛ اگر میں اس معاملہ میں زیادہ دھنسنے کی کوشش کروں گا تو ممکن ہے مجھ پر بھی شک کرنے لگیں، اینگلو انڈین اخبارات برابر لکھ رہے ہیں کہ اگر ہندوستانیوں کو اسی طرح ابھرنے اور منھ لگنے کا موقع دیا جاتا رہا تو اس جوار میں انگریزوں کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ دوسری طرف یہ حالت ہے کہ دیسیوں کو اپنے ہی ملک میں زندہ رہنا دشوار ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ مظالم بہت سخت ہو رہے ہیں لیکن ان کا مقابلہ کرنے کی صورت نظر نہیں آتی ہے۔"

"کوئی صورت کیوں نہیں نظر آتی؟ گورا اچھلنے لگا "کیا ہم لوگ ایسا نہیں کر سکتے کہ ......"

ست کوڑی ہنسنے لگا "یار مجھے یہ دکھائی پڑ رہا ہے کہ تم اسکول کے زمانے میں جیسے تھے بالکل ویسے ہی اب بھی ہو؛ زمانہ نہیں بدلے، ہم کچھ نہیں کر سکتے ہیں بھائی کیونکہ ہمارے بھی تو بیوی بچے ہیں، اگر روز کچھ نہ کچھ کما کر ان کا پیٹ نہ بھریں تو وہ فاقوں مر جائیں؛ کتنے آدمی دوسروں کی مصیبتیں اپنے سر پر لے کر اپنے بال بچوں کو موت کے منہ میں دھکیل سکتے ہیں، خاص کر ہمارے ملک میں جہاں خاندان چھوٹے بھی نہیں ہوتے، جن کے کندھوں پر پہلے ہی ایک درجن انسانوں کی دیکھ بھال کا جوا رکھا ہو وہ اور ایک درجن کا درد کیسے پال لیں؟"

"تو پھر تم ان غریب انسانوں کے لئے کچھ نہیں کرو گے؟" گورا اپنی بات پر اڑا رہا

کیا تم ہائی کورٹ میں ایک درخواست داخل کروا سکتے یا پھر......؟

"تم صورتِ حال کو سمجھ نہیں رہے ہو گورا" ست گوری نے بے صبری سے جواب دیا۔ "وہ ایک انگریز ہے جسے چوٹ آئی ہے۔ اور ہر انگریز شاہی نسل کا ہوتا ہے۔ ذلیل سے گورے کو بھی کوئی نقصان پہنچانا انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کے برابر ہے۔ اس نظام کے خلاف جا کر میں مجسٹریٹ سے ناحق بُرا بننا نہیں بننا چاہتا، —— خاص کر جب کہ اس سے کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔"

دوسرے دن گورا نے یہ فیصلہ کیا کہ ساڑھے دس کی ٹرین سے کلکتہ جائے گا تاکہ کلکتہ کے کسی وکیل سے کوئی مدد حاصل کر سکے، اسٹیشن جا رہا تھا جو رستہ میں ایک اور اڑچن پیدا ہو گئی۔

میلہ کے آخری دن کے لئے مقامی کرکیٹ ٹیم اور کلکتہ کی کرکیٹ ٹیم میں ایک میچ ہونا طے ہوا تھا۔ یہ دونوں ٹیمیں طالب علموں کی تھیں، کلکتہ کی ٹیم یوں ہی پریکٹس کر رہی تھی جو ایک کھلاڑی کے پاؤں میں گیند سے بُری طرح چوٹ آ گئی۔ فیلڈ کے کنارے ایک بڑا سا تالاب تھا۔ دو طالب علم چوٹ کھائے ہوئے کھلاڑی کو لے کر اس کے کنارے گئے اور پانی میں کپڑا بھگو کر اس کی چوٹ پر باندھ ہی رہے تھے کہ یکایک ایک پولیس کانسٹبل نہ جانے کہاں سے وارد ہو گیا اور بلا وجہ ان طالب علموں کو گالیاں دے دے کر پیٹنے لگا۔ اوّل تو کلکتہ کے طالب علموں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ تالاب ریزرو ہے اور اگر معلوم ہوتا تو بھی وہ اس طرح بے سبب پولیس کی گالیاں اور مار کھانے کے عادی نہیں تھے۔ پھر وہ تگڑے بھی تھے، انھوں نے اس ہتک کا اسی طرح جواب دینا شروع کیا جیسا کہ چاہیے تھا۔ شور سُن کر اور کچھ کانسٹبل بھی دوڑ آئے اور گورا بھی اسی وقت وہاں پہونچا۔ وہ ان طالب علموں کو اچھی طرح جانتا تھا۔ کیونکہ اس نے اکثر ان کی ٹیموں کو کھلایا تھا اور جب اس نے دیکھا کہ لڑکوں کو اس طرح کچلا جا رہا ہے تو اس سے اُن کی طرف سے کھڑے ہوئے بغیر کیسے رہا جا سکتا

ستارہ نہ سے گرج کر پولیس کو آواز دی "خبردار سنبھلے رہیے گا" خبردار جو لڑکوں پہ ہاتھ اٹھایا"
اس بات سے پولیس والے اس پر اُلٹ پڑے اور اُسے گالیاں دینے لگے، دیکھتے دیکھتے
باقاعدہ لڑائی ہونے لگی،

چاروں طرف بھیڑ اکٹھی ہو گئی۔ پلک جھپکنے میں بیسوں طالب علم اس جگہ جمع ہو گئے۔
گورا کے ساتھ اور رہبری کی وجہ سے ان کے دل اتنے بڑھ گئے تھے کہ انھوں نے
بڑی کامیابی کے ساتھ پولیس کو خوب پیٹا۔ اور پھر منتشر کر دیا۔ دیکھنے والوں کو بھی بڑا
لطف آیا البتہ یہ کہنا تو بیکار ہے کہ گورا کے لئے یہ واقعہ کوئی ہنسی کھیل ثابت نہ ہوا۔

تین یا چار بجے بنوئے، ہرن بابو اور لڑکیاں بنگلے میں بیٹھی ڈرامے کی ریہرسل کر رہے
تھے کہ دو طالب علم بنوئے کے پاس پہونچے۔ وہ بنوئے کو جانتے تھے، انھوں نے آتے
ہی خبر دی کہ گورموہن بابو اور کچھ طالب علم گرفتار کر لئے گئے ہیں اور مقدمے کے ہونے تک
کے لئے پولیس کے حوالات میں بند ہیں۔ مقدمہ کل مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہو گا۔!

گورا حوالات میں! اس خبر سے سب چونک کر پریشان ہو گئے، سوائے ہرن بابو
کے، بنوئے دوڑا ہوا اپنے پرانے کلاس فیلو ست کوڑی ہلدار کے پاس گیا اور اُسے لیکر
پولیس حوالات پہنچا۔ ست کوڑی نے ضمانت کی تجویز پیش کی لیکن گورا نے کوئی وکیل
کرنے یا ضمانت کی درخواست دینے سے انکار کر دیا۔

ستکوڑی نے حیران ہو کر بنوئے کی طرف دیکھا "اُو وہ بھئی، کون سوچ سکتا ہے
کہ گورا اسکول سے نکل چکا ہے، ارے اس وقت جتنی عقل اس کو تھی اس سے رتی برابر
بھی زیادہ نہیں حاصل کی ہے"

"اگر میرے پاس روپیہ ہے یا میرے جان پہچان کے لوگ یہاں موجود ہیں تو
صرف اس بنا پر میں کیوں چھوڑا جاؤں؟" گورا نے کہا "ہمارے شاستروں کے مطابق
نیائے کرنا راجہ کا کام ہے اور انیائے کا جرم اور الزام اس پر لگتا ہے۔ لیکن اس حکومت

ہیں اگر لوگ روپے سے اپنی رہائی خرید سکتے ہیں تو ایسا انصاف خریدنے کے لئے کم از کم میں تو ایک پائی خرچ کرنے کو تیار نہیں ہوں۔"

"مسلمانوں کی حکومت میں تو رشوت دینے کے لیے اپنا سر تک گروی رکھنا پڑتا تھا جناب۔"

"وہ قانون کی خرابی تھی حاکم کی نہیں! آج بھی ذلیل جج لوگ رشوت لے سکتے ہیں لیکن موجودہ نظام میں تو بدبخت انسان چاہے بد ہو، چاہے مظلوم، چاہے معصوم، چاہے مجرم؛ جو بھی انصاف کے لئے حکومت کا دروازہ کھٹکھٹائے، پھر بھی اس کی مشکل ہے۔ اس کے علاوہ جب حکومت خود ہی مدعی ہو اور مجھ جیسے انسان اپنا بچاؤ کرنا چاہیں تو سارے وکیل اور مختار حکومت ہی کی طرف سے بولتے ہیں، میرا ساتھ کون دے گا سوائے میری قسمت کے ـــــ اگر مقدمہ ٹھیک ہے تو پھر وکیل سرکار کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور دوسری طرف اگر وکیلوں کی پیروی ایسی ہی ضروری چیز ہے تو مخالف کو کیوں نہیں وکیل مہیا کیا جاتا؟ یہ حکومت کرنے کا طریقہ ہے یا رعایا پر دھاوا بولنے کا بہانہ۔؟

"ارے بھئی اتنے گرم کیوں ہوتے ہو" سکوڈی نے ہنس کر کہا "تہذیب کوئی منہ کا نوالہ نہیں ہے۔ گر باریکی کے ساتھ انصاف کرنا ہے تو پھر باریک قانون بھی تو ہونے چاہئیں، اور اگر قانون میں باریکی آئے گی تو پھر قانون ایک کاروباری چیز بن جائے گا۔ جس میں تول مول آجانا لازمی ہے۔ اسی لئے تو مہذب عدالتوں میں انصاف کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ اور جن کے پاس روپیہ نہیں ہے وہ تو غچا کھائیں گے ہی۔ میں پوچھتا ہوں اگر تم حاکم ہوتے تو کیا کرتے؟"

"اگر میں اپنے قانون بناتا کہ بڑی بڑی تنخواہیں پانے والے ججوں کی ذہانت بھی ان کے اسرار کو سمجھ نہ پاتی تو پھر میں دونوں طرف کے لئے ہوشیار وکیلوں کا سرکاری

خرچے پر بندوبست کرتا۔ بہرحال اس بات پر نہ اترتا پھرتا کہ میں پٹھان یا مغل حاکموں سے بہتر حاکم ہوں جبکہ میری غریب رعایا پر انصاف خریدنے کا بھی سارا بار پڑتا ہے"

"اچھا بھئی ——— اب ہم سمجھے۔ لیکن خیر ——— چونکہ ابھی وہ مبارک وقت نہیں آیا ہے، آپ حاکم نہیں ہیں بلکہ ایک مہذب شہنشاہ کی عدالت کے نزدیک صرف ایک قیدی ہیں اس لئے یا تو آپ پیسے خرچئے اور یا پھر کسی دوست وکیل کی مہربانی قبول کیجئے اس کے علاوہ جو کچھ ہوگا اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا"

"بری انجام میرا ہونے دیجئے۔ میں کچھ نہیں کروں گا" گرا نے زوردار لہجے میں کہا "میں چاہتا ہوں کہ میرا بھی وہی مقدر ہو جو اس شہنشاہیت میں رہنے والے ان باقی لوگوں کا ہے جن کے پاس انصاف خریدنے کے لئے ذرائع نہیں ہیں"

بنوتے نے بہت خوشامد کی کہ گرا کچھ تو مصلحت سمجھے لیکن گرا نے صاف انکار کر دیا اور بنوتے سے پوچھا "تم یہاں کیسے پہنچے؟"

بنوتے شرمندگی سے لال ہو گیا۔ اگر گرا جیل میں نہ ہوتا تو شاید وہ اپنے یہاں ہونے کی وجہ بتا ہی دیتا۔ اور ممکن ہے اس کے لہجے میں کچھ حرارت بھی ہوتی لیکن اس صورت میں وہ صحیح جواب نہیں دے پایا۔ بس اتنا ہی کہا "میں اپنے بارے میں بعد کو بتاؤں گا۔ اس وقت تو تمہارا ...."

"آج تو میں بادشاہ کا مہمان ہوں" گرا نے بات کاٹی "بادشاہ خود میری دیکھ بھال کر رہے ہیں، تم میں سے کسی کو میرے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے" بنوتے جانتا تھا کہ گرا کے ارادے کو توڑنا ناممکن ہے۔ اس لئے اس نے کسی وکیل کو پیروی کے لئے مقرر کرنے کا خیال چھوڑ دیا البتہ یہ ضرور بولا "میں جانتا ہوں کہ تم جیل کا کھانا نہیں کھا سکو گے اس لئے میں تمہارے لئے باہر سے کھانا بھجوانے کا انتظام کرتا ہوں"

"بنوتے ——— گرا نے تنک کر جواب دیا "تم خواہ مخواہ اپنی جان کھپا رہے ہو۔

مجھے باہر سے کچھ نہیں چاہیے ـــــ جیل میں ہم لوگوں کی جو عام تقدیر ہے اس سے بہتر میں کچھ نہیں چاہتا۔"

بنوتے سخت پریشانی کے عالم میں بنگلے پر واپس آیا۔ سچاریتا اپنی خواب گاہ کی کھلی کھڑکی سے اس کا رستہ دیکھ رہی تھی؛ اس نے اپنے تئیں کو کمرے میں بند کر لیا تھا کیونکہ اُس وقت اس کے لئے کسی کے پاس بیٹھنا یا کسی سے بات کرنا ناممکن تھا۔ جب اس نے بنوتے کو بنگلے میں داخل ہوتے دیکھا اور اس کے چہرے پر رنج، اور پریشانی کے آثار دیکھے تو خوف کے مارے اس کا دل دھڑکنے لگا؛ بڑی کوشش سے اس نے اپنے جذبات پر قابو حاصل کیا، ہاتھ میں ایک کتاب اٹھائی اور کمرے سے باہر نکلی؛ لولتا ڈرائنگ روم کے ایک کونے میں کچھ سلائی لئے بیٹھی تھی حالانکہ ویسے اس کو سلائی سے سخت نفرت تھی، لبونیا سدھیر کے ساتھ اطمینان سے تاش کھیل رہی تھی۔ اور لیلا ان دونوں کو کھیلتے دیکھ رہی تھی۔ ہرن بابو آنے والے ڈرامے کے انتظامات کے متعلق برودا دیوی سے کچھ بات چیت کر رہے تھے۔

بنوتے نے گورا کا حال بیان کیا کہ کس طرح آج ہی صبح اُن کی اور پولیس کی جھڑپ ہوئی۔ سچاریتا خاموش بیٹھی سنتی رہی، جیسے اُسے سانپ سونگھ گیا ہو، مگر لولتا کا چہرہ لال ہوتا گیا۔ اور سلائی اس کی گود سے پھسل کر زمین پر گر پڑی؛ برودا دیوی بولیں "آپ پریشان نہ ہوں بنوتے بابو، میں گورا بابو کے متعلق آج شام ہی کو مجسٹریٹ کی میم صاحب سے ذکر کروں گی۔"

"ایسا کیجئے گا بھی مت۔" بنوتے نے خوشامد کی۔ "اگر گورا کو یہ پتہ چل گیا تو آخری سانس تک مجھ کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔"

"لیکن اُن کی پیروی کرنے اور ان کو بچانے کے آخر کچھ تو کرنا ہی چاہیے۔" سدھیر نے کہا۔

اس پر بنوتے نے سب کو بتایا کہ کس طرح اس نے گورا کو ضمانت پر رہا کروانے کی تو

کوشش کی تھی لیکن گورا نے وکیل کئے جانے پر اعتراض کر کے اس تجویز کو رد کر دیا تھا۔

"اوہ ــــــ کس قدر بیتا ہے یہ آدمی!" ہرن بابو گورا کی داستان سنتے سنتے اکتا کے بیقرار ہو رہے تھے۔

ہرن بابو کی طرف ولتا کے جس جذبات جو کچھ بھی رہے ہوں لیکن ولتا ظاہری طور پر ان کا احترام کرتی تھی۔ اور ان سے کبھی منھ در منھ بحث نہیں کرتی تھی۔ لیکن اس وقت اس نے اپنا سر بڑی زور سے جھٹکا اور پھٹ پڑی "اس میں بننے کی کیا بات ہے۔ گورموہن بابو نے جو کچھ کیا وہ بالکل ٹھیک کیا آخر ہم کیا اس مجسٹریٹ کے ذلیل ہیں کہ ہم اپنی پیرویاں کراتے پھریں؟ پہلے تو ہم ان افسروں کو موٹی موٹی تنخواہیں دیں اور اوپر سے وکیلوں کو فیس بھی دیں کہ وہ ہمیں ان کے پنجے سے رہائی دلوائیں ــــــ بہت صحیح بات ہے کہ اس طرح سے انصاف مول لینے سے تو جیل میں رہنا ہیں اچھے؟"

ہرن بابو نے حیران ہو کر ولتا کو گھورا۔ وہ اسے بچہ سمجھتے تھے اور انھیں گمان بھی نہیں تھا کہ وہ بھی ہی ایک نک راے اور کافی زوردار راے رکھتی ہے۔ انھوں نے اس پھٹ پر سنجیدگی سے اُسے ڈانٹا "تم ان معاملات کو کیا سمجھتی ہو؟ کالج کے ان کچے دماغ کے نوجوانوں کی بکواس سنتے سنتے تمھارا بھی سر پھر گیا ہے۔ ارے ان لوگوں نے تو بس چند کتابیں رٹ ڈالی ہیں، ان کے اپنے تو نہ کوئی خیالات ہیں، نہ کوئی تہذیب نہ تمدن۔

پھر انھوں نے پچھلی شام گورا اور مجسٹریٹ کی مٹھ بھیڑ کا حال سنایا اور یہ بھی بتایا کہ گورا کے چلے جانے کے بعد مجسٹریٹ نے ان سے کیا باتیں کی تھیں۔ گھوسی پور کے اس واقعہ کی ونوے کو مطلق خبر نہ تھی۔ اس کے لئے تو یہ ایک نئی بن گیا اور یہ سب معلوم کر کے وہ اور بھی پریشان ہو گیا۔ کیونکہ ظاہر ہے ایسی صورت میں مجسٹریٹ گورا کو آسانی سے چھوڑنے والا نہ تھا۔

اس واقعہ کو بیان کرنے سے ہرن بابو کا جو اصل مقصد تھا وہ بالکل فوت ہو گیا۔ بیچارہ شاکر

اس کمینے پن سے گہرا دھکا لگا جس کی وجہ سے ہرن بابو ابھی تک اس معاملات کا حال چھپائے رہے تھے۔ اور ہر ایک پر یہ ظاہر ہو گیا کہ ہرن بابو گورا سے جلتے ہیں اور اس بنا پر سب کے ہی دل میں ہرن بابو کی طرف سے نفرت کا جذبہ پیدا ہوا۔

سچاریتا پورے وقت خاموش رہی۔ ایک آدھ بار تو ایسا لگا جیسے وہ بھی پھٹ پڑے گی۔ لیکن اس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا، صرف کتاب کے صفحے کانپتی انگلیوں سے الٹتی پلٹتی رہی ——— اور بالکل چپ رہی۔!

لولتا نے آخر میں بھڑک کر کہا "مجھے آپ کی پرواہ نہیں ہے کہ ہرن بابو مجسٹریٹ کی طرف ہیں ——— ہیں تو ہوں ——— مجھے تو اس سارے معاملے سے گورموہن بابو کی سمجھ اور شریف طبیعت ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔"

انتیسواں باب

چونکہ لفٹننٹ گورنر اس دن آنے والے تھے اس لیے مجسٹریٹ صاحب ٹھیک وقت پر ساڑھے دس بجے کچہری پہنچے تاکہ انصاف بانٹنے سے جلد فراغت حاصل کر سکیں۔

سنکوڑی بابو جو طالب علموں کی طرف سے پیروی کر رہے تھے انھوں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر اپنے دوست کی مدد کرنی چاہی۔ کل حالات کا جائزہ لینے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ بہترین طریقہ یہ ہے کہ اقبال جرم کر لیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور طالب علموں کی کمسنی اور اپنے موکل کی ناتجربہ کاری کو عذر بنا کر رحم کی درخواست کی۔!

مجسٹریٹ نے لڑکوں کو بیس سے لے کر پچیس بید تک کی سزا دی۔ عمر اور جرم کے حساب سے۔ گورا کا وکیل کوئی نہیں تھا اس نے خود ہی بیان دیا کہ پولیس کی حرکتیں کس قدر ناجائز اور ذلیل تھیں، لیکن مجسٹریٹ نے اس کو ڈانٹ کر خاموش کر دیا اور اس جرم میں ایک ماہ قید سخت کی سزا دی کہ اس نے پولیس کو اپنا فرض انجام نہیں دینے دیا۔ اور اس میں مداخلت کی۔ آخر میں انھوں نے گورا سے یہ بھی کہا کہ اتنا سستا چھوٹنے پر اس کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے!

سدھیر اور بنوئے عدالت میں حاضر تھے لیکن بنوئے گورا سے آنکھیں چار نہیں کر رہا تھا۔ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا جب وہ عدالت سے باہر نکلا تو ان سے ایک گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔ سدھیر نے اس سے بہت کہا کہ بنگلے چلا چلے اور نہا دھو کر کچھ کھا پی لے، لیکن اس نے ایک نہ سنی ——— عدالت کے احاطے کو پار کر کے وہ

ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور سدھیر سے بولا "تم بنگلے واپس جاؤ، میں ابھی واپس آتا ہوں۔"

سدھیر کے چلے جانے کے بعد بنوئے کتنی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا، یہ اسے خود ہی پتہ نہ چل سکا۔ جب سورج نصف النہار سے گزر گیا تو ایک گاڑی آئی اور عین اس کے سامنے آ کے رکی۔ اس میں سے سچاریتا اور سدھیر اترے اور اس کی طرف آئے۔ ان لوگوں کو آتے دیکھ کر وہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔ پھر اس کے کان میں سچاریتا کی بھرائی ہوئی آواز آئی "بنوئے بابو ——— کیا چلیے گا نہیں؟"

بنوئے کو یکایک احساس ہوا کہ وہ لوگ اس طرح وہاں کھڑے ہوئے راہگیروں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ اس لیے وہ فوراً ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ لیکن واپسی میں راستے بھر کوئی ایک لفظ نہیں بولا۔

بنگلے پر پہنچے تو بنوئے کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ ایک سخت قسم کا تنازعہ پیدا ہو گیا ہے۔ لولتا نے اپنے اس ارادے کا اعلان کر دیا تھا کہ آج شام وہ ہرگز ہرگز مجسٹریٹ کے یہاں نہیں جائے گی۔ اور برودا دیوی سخت مخمصے میں پھنسی ہوئی تھیں۔ ہرن بابو اس ذرا سی چھوکری لولتا کے اس بے وجہ باغیانہ رویہ پر بے حد برافروختہ تھے۔ بار بار وہ اس خیال کا اظہار کر رہے تھے کہ ان ماڈرن لڑکے لڑکیوں کو نہ جانے کیا مرض لاحق ہو گیا ہے جو کسی قسم کا ڈسپلن ان میں باقی نہیں رہ گیا ہے۔ ہر قسم کے لوگوں سے ملنے جلنے اور ان سے ہر طرح کی بکواس کرنے کا یہی تو نتیجہ ہو گا۔

جب بنوئے پہنچا تو لولتا بولی "بنوئے بابو، میں آپ سے معافی مانگتی ہوں۔ میں نے آپ کی باتوں کو پوری طرح سمجھا نہیں۔ ان کے ساتھ انصاف کیا نہیں، اس لیے میں نے آپ کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ ہم لوگ اپنے محدود دائرے کے باہر کچھ جانتے نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس بری طرح دوسروں کی باتوں کو غلط سمجھنے لگتے ہیں۔ پنو بابو

کہتے ہیں، اس مجسٹریٹ کی حکومت ہندوستان کے لئے ایک خدا کی بھیجی ہوئی نعمت ہے
میں تو یہ کہوں گی کہ اس حکومت پر لعنت بھیجنا بھی خدا کی مرضی کے عین مطابق ہے۔"

ہرن بابو نے غصّے میں آ کے اس کی بات کاٹی "مولتا ــــــ تم ..... " مگر ولتا
نے اُن کی طرف پیٹھ کر دی اور چیخنے لگی " آپ چپ رہئے میں آپ سے بات نہیں
کر رہی ہوں" ـــــ ہنوتے بابو آپ ہرگز کسی کی منت سماجت میں نہ آیئے گا؛
آج رات یہ ڈرامہ نہیں ہونا چاہئے، کسی قیمت پر نہیں ہونا چاہئے۔"

"ولتا" بروداویوی بیچ میں بولیں "بڑی اچھی لگ رہی ہو! ہنوتے بابو کو
نہانے دو گی، کچھ کھانے پینے دو گی کہ بس یہی سب کہنے بیٹھ گئیں؛ جانتی بھی ہو ڈیڑھ
بجا ہے ...... دیکھتی نہیں ہو وہ کس قدر تھکے ہوئے لگ رہے ہیں؛ رنگ بالکل پیلا پڑ گیا ہے"

"میں اس گھر میں کچھ نہیں کہہ سکتا، یہاں ہم لوگ اسی مجسٹریٹ کے مہمان ہیں" برودا
ویوی نے پہلے تو معاملات کو سلجھانے کی کوشش کی، بڑی منت سے خاکسارانہ طریقے
پر انھوں نے خوشامد شروع کی کہ وہ رک جائے، پھر اپنی سب بیٹیوں کو خاموش دیکھ کر
جھنجھلا پڑیں۔

"یہ تم سب کو ہو کیا گیا ہے؛ سنو جی، تم ہی ذرا مہربانی کر کے ہنوتے بابو کو سمجھاؤ
کہ ہم لوگ زبان دے چکے ہیں، لوگوں کو بلاوا بھیجا جا چکا ہے، اس لئے آج کا دن تو کسی نہ
کسی طرح سنبھالنا ہی ہے۔ ورنہ لوگ ہم کو کیا سمجھیں گے ــــــ میں تو آئندہ
کسی کو اپنا منہ نہیں دکھا سکوں گی۔"

لیکن سچاریتا، نظریں نیچی کئے خاموش بیٹھی رہی۔

ہنوتے اسٹیمر کے اسٹیشن گیا اور وہاں سے معلوم ہوا کہ دو گھنٹے بعد ہی ایک اسٹیمر
روانہ ہونے والا ہے۔ جو دوسرے دن صبح آٹھ بجے کے قریب کلکتے پہنچ جائے گا۔
ہرن بابو گورا اور ہنوتے کو گالیاں دے دے کر خوب دل کا بخار نکال رہے تھے۔ یہ

سب سُن کر سچاریتا فوراً وہاں سے کھسک گئی۔ اور اپنے تئیں کمرے میں بند کر لیا۔ پھر لولتا بھی وہاں پہنچی اور اس نے دیکھا کہ سچاریتا دونوں ہاتھوں سے مُنھ ڈھانپے پلنگ پر پڑی ہے۔ لولتا نے اندر سے چٹخنی لگائی اور سچاریتا کے پاس بیٹھ کر اپنی انگلیاں اس کے بالوں میں پھیرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد جب سچاریتا کی طبیعت ذرا ٹھہری تو لولتا نے خاموشی سے اس کے ہاتھ اس کے چہرے سے ہٹا دیے اور جب اس کا چہرہ پوری طرح نظر آنے لگا تو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی "دیدی، ابھی ہم لوگ یہاں سے چل دیں کلکتے۔ آج رات ہم کسی مجسٹریٹ کے یہاں نہیں جا سکتے۔"

سچاریتا نے دیر تک کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن لولتا نے کئی بار اپنی تجویز اُسکے سامنے رکھی تب وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی اور کہنے لگی "لیکن ہم لوگ ایسا کیسے کر سکتے ہیں بی بی" میں تو آنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ مگر بابوجی نے مجھے بھیجا تو اب جب تک اُن کا حکم پورا نہ کر لوں یہاں سے کیسے ہٹوں؟"

لیکن یہاں جو کچھ ہوا ہے وہ سب بابوجی کو کہاں معلوم" لولتا نے بحث شروع کر دی "اگر ان کو معلوم ہو جاتے تو کبھی ہم لوگوں سے یہاں ٹھہرنے کو نہیں کہیں۔"

"تمھیں اس کا یقین کیسے ہو سکتا ہے بی بی؟" سچاریتا نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

"لیکن مجھے یہ بتاؤ دیدی کہ کیا تم سچ مچ اپنا پارٹ ادا کر سکو گی؟ اس مجسٹریٹ کے یہاں تم سے کس دل سے جایا جائے گا؟ پھر سج بن کر اسٹیج پر کھڑا ہونا اور شعر سنانا۔ میں تو اگر اپنی زبان کاٹ کر خون خون کر دوں تب بھی اس میں سے ایک لفظ نہ نکلے۔"

"میں جانتی ہوں بی بی" لیکن انسان کو جہنم کی سی اذیت بھی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اب ہم اس مرحلے سے بچ نہیں سکتے۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ میں آج کے دن کو کبھی بھی بھول سکوں گی؟"

لولتا کو سچاریتا کے اس دبوپن پر بیحد غصہ آیا، بھناتی ہوئی اپنی ماں کے پاس پہنچی

"آپ نہیں چلیں گی ماں؟"

"یہ اس لڑکی کو کیا ہو گیا ہے۔ ارے وہاں تو نو بجے رات کو چلنا ہے نہ" بروداؔ دیوی حیران ہو کر بولیں۔

"میں تو کلکتہ چلنے کی بات کر رہی تھی۔" لولتا نے کہا۔

"لو اور سنو" بروداؔ دیوی چیخیں۔

"اور سدھیر دادا" لولتا نے سدھیر کو مخاطب کر کے کہا "آپ نہیں ٹھیریں گے"

گورا کو جیل ہو جانے سے سدھیر کو پریشانی تو کافی تھی مگر وہ اتنے مضبوط ذہن کا لڑکا نہیں تھا کہ انگریز صاحبوں کے آگے اپنی وفاداری کا مظاہرہ کرنے کی خوشی چھوڑ سکتا، نہ کچھ بدلا کے رہ گیا۔ کہاں ہچکچاہٹ تو کچھ اسے بھی ہے۔ مگر بہرحال پھر بھی تماشے میں شریک تو ہونا ہی پڑے گا!

"ہم لوگ بیکار اس جھگڑے میں وقت ضائع کر رہے ہیں۔" بروداؔ دیوی بولیں "چل کے دروازہ بند کرنا چاہیے ورنہ رات کو سب اتنے تھکے ہوئے نظر آئیں گے کہ دیکھنے کے قابل نہ ہوں گے۔ ساڑھے پانچ بجے تک کوئی بستر سے نہ ہلے۔" یہ کہہ کر انھوں نے سب کو اپنی اپنی خوابگاہوں میں دھکیلنا شروع کیا۔

سچریتا کے علاوہ سبھی کو نیند آگئی ——— لیکن نہ سچریتا سوئی، نہ ہری مو——
ہنی تو مستقل پلنگ پر بیٹھی نوں نوں کرتی رہی ———

اسٹیمر کا بھونپو بار بار بج رہا تھا اور مسافروں کو اشارہ کر رہا تھا کہ اوپر آجائیں۔ آخر لنگر اٹھنے کا بھی وقت آ گیا، ملاح لوگ سیڑھی کے تختے ہٹانے ہی والے تھے جو بنوئے نے اوپر کے عرشے سے کھڑے کھڑے دیکھا کہ ایک بنگالی عورت تیز تیز چلتی ہوئی اسٹیمر کی طرف آرہی ہے۔ اس کا لباس، جسم اور چال ڈھال سب سے ملتے جلتے تھے: پہلے پہل تو بنوئے کو اپنی آنکھوں دیکھے کا یقین نہیں آرہا تھا لیکن جب وہ اور قریب آگئی تو شبہ کی کوئی

گنجائش نہیں رہ گئی ـــــــ ایک منٹ کو بنوئے کو خیال ہوا کہ شاید وہ اسے لینے آئی ہے، پھر یاد آیا کہ لولتا نے آج رات مجسٹریٹ کے یہاں جا کر ڈرامہ کرنے کی سخت مخالفت کی تھی۔

لولتا نے بس کسی نہ کسی طرح اسٹیمر پکڑ ہی لیا، ملاح سنگ اٹھا چکے تو بنوئے جلدی جلدی بس سے ملنے نیچے اُترا۔ گھبرایا، بوکھلایا ہوا!

"چلئے اوپر والے عرشے پر چلتے ہیں" لولتا نے کہا۔

"لیکن اسٹیمر تو بس اب چلنے ہی والا ہے۔" بنوئے نے پریشان ہو کے کہا۔

"معلوم ہے" لولتا نے جواب دیا۔ اور بنوئے کا انتظار کئے بغیر اوپر والے عرشے کی سیڑھیوں پر چڑھنے لگی۔

اسٹیمر نے زور سے بھونپو دیا اور روانہ ہو گیا!

بنوئے نے لولتا کے لئے عرشے پر ایک کرسی لا کے رکھی اور خاموش سوالیہ انداز سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں کلکتہ جا رہی ہوں کیونکہ میں نے محسوس کیا کہ میرے لئے وہاں ٹھہرنا ناممکن تھا۔" لولتا نے اُسے بتایا۔

"اور لوگ کیا کہتے ہیں؟"

"ابھی تک تو کسی کو کچھ نہیں معلوم۔ میں نے ایک پرچہ چھوڑ دیا ہے جب پڑھیں گے تو آپ ہی پتہ چل جائے گا۔"

لولتا کی اس خود ارادیت کے اظہار پر بنوئے ششدر رہ گیا۔ رُک رُک کر بولا "مگر......" لولتا نے اس کی بات کاٹ دی "اب جبکہ اسٹیمر روانہ ہو گیا ہے تو پھر اگر مگر سے کیا فائدہ؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر میں کیوں کسی بات پر احتجاج نہ کروں، صرف اس وجہ سے کہ میں لڑکی ہوں۔ ہم عورتوں کے لئے

بھی تو یہ الفاظ۔ ممکن اور ناممکن، صحیح اور غلط'______کچھ معنی رکھتے ہیں۔ میرے لئے تو اُن کے ڈرامے میں اس وقت کام کرنے سے کہیں زیادہ آسان یہ تھا کہ میں خودکشی کر لیتی۔"

بنوئے کی سمجھ میں آ گیا کہ اب تو جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا، اور اب یہ سوچنے سے کوئی فائدہ نہیں کہ جو ہُوا وہ اچھا ہُوا یا بُرا ہُوا۔ ! کچھ دیر چُپ رہ کر لولتا نے پھر کہنا شروع کیا " میں نے آپ کے دوست گورموہن بابو کے ساتھ بڑی ہی بے انصافی کی۔ نہ جانے کیوں جب سے میں نے پہلی بار اُن کو دیکھا اور اُن کی باتیں سُنی تھیں تو میرا دماغ اُن کے خلاف ہو گیا تھا______وہ اتنی جوش سے بات کرتے تھے اور آپ سب اتنی مسکینی سے ان کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے کہ مجھے غصہ آنے لگتا تھا۔ مجھ پر زبردستی کسی کی نہیں چل سکتی چاہے بات میں ہو۔ چاہے عمل میں ہو لیکن اب تو مجھے نظر آتا ہے کہ گورموہن بابو اپنے آپ پر بھی اور دوسروں پر بھی کس طرح چھا جاتے ہیں______اسے کہتے ہیں سچا زور۔ میں نے تو ان جیسا کوئی اور دیکھا ہی نہیں______"

لولتا اسی طرح باتیں کرتی رہی ! صرف یہی نہیں تھا کہ وہ اُس رویّہ کی تلافی کرنا چاہتی تھی جو اس نے اب تک گورموہن بابو کی طرف ظاہر کیا تھا بلکہ اس لئے بھی وہ بات کر رہی تھی کہ جو کچھ اس نے کیا تھا اس پر کسی قسم کی ندامت یا پشیمانی کا احساس اس کے ضمیر سے پیدا نہ ہونے پائے۔ وہ اس بات کو پوری طرح نہیں سمجھ رہی تھی کہ اسٹیمر پر بنوئے کا اس کے ساتھ اکیلا ہونا کیا عجیب لگے گا۔ لیکن یہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ شرم کا جتنا بھی اظہار کیا جائے وہ معاملے کو اتنا ہی شرمناک بنا دیتا ہے لہذا وہ بولے گئی ، بولے گئی۔

بنوئے کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ ایک طرف تو وہ اُس ذلت اور اذیت

کے متعلق سوچ رہا تھا جو مجسٹریٹ کے یہاں وہ ڈرامہ کرنے کے لئے پہنچا، اور ان سب پر بڑی آفت کہ لولتا نے اسی اسٹیمر سے سفر کرکے اس کی پوزیشن اور بھی گڑبڑ کردی۔ سب بلا جلا کر اس کے لبوں پر مہر لگ گئی تھی!

پچھلا زمانہ ہوتا تو لولتا کی اس حماقت پر وہ ضرور اُسے بُرا بھلا کہتا لیکن آج اس کے دل پر یہ خیالات نہیں پیدا ہو سکتے تھے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اگر ایک طرف وہ اس کے اس طرح نکل بھاگنے پر حیران رہ گیا تھا تو دوسری طرف اس کی ہمت کے لئے دل میں اعتراف کا جذبہ بھی تھا۔ اس خیال سے بھی خوش ہو رہی تھی کہ پورے گروہ میں دو ہی جری تھے جنھوں نے گورا کی اس تحقیر پر کسی شدید جذبے اور کسی بہادرانہ عمل کا مظاہرہ کیا تھا ــــــ لولتا اور وہ خود!

یقیناً اس باغیانہ حرکت کے عوض دونوں میں سے بنوئے کو کوئی خاص خمیازہ نہیں بھگتنا پڑے گا۔ مگر لولتا کو تو ابھی بہت دنوں اس کے تلخ پھل کو چکھنا ہونا۔ کیسی عجیب بات تھی کہ اسی لولتا کو بنوئے ہمیشہ گورا کا مخالف سمجھتا رہا تھا!۔ وہ جتنا ہی سوچتا اتنا ہی اس کے دل میں لولتا کے لئے عظمت اس لئے بڑھتی جاتی کہ اس نے بے انصافی کو برداشت نہیں کیا، جس بات کو سچ سمجھا اسی پر قائم رہی، مصلحت کے حکم کی اس نے کوئی پرواہ نہیں کی ــــــ یہ سب جذبات اس طرح اس کے ذہن میں گڈمڈ ہو رہے تھے کہ اس کا دل قابو میں نہیں تھا! ــــــ

وہ محسوس کر رہا تھا کہ لولتا نے جو اس کو بزدل سمجھا تھا، یہ سمجھا تھا کہ اس میں ہمت نہیں کہ جس بات کو ٹھیک سمجھے اس پر قائم رہے تو یہ خیال اس کا ٹھیک ہی تھا۔ وہ تو کبھی اپنے خاندان والوں کی تعریف یا الاہنوں کو اس ہمت کے ساتھ بالائے طاق نہ رکھ پاتا، جس راستے کو وہ صحیح سمجھتا تھا اس کو قبول کرنے کے لئے ــــــ

گورا کو ناراض کرنے کے ڈر سے کتنی بار وہ اپنے آپ کو دھوکا دے چکا تھا، اس

خوف سے کر گیا اسے کمزور سمجھے اس نے کتنی بار ایسا کیا تھا اور پھر کس مزے سے اپنے آپ کو فریب دے لیا تھا کہ میرے بھی وہی خیالات ہیں جو گورا کے ہیں!۔

اُسے پتہ چلا کہ لوتا نے، اپنے آپ کو اس سے کتنا بالاتر ثابت کیا تھا جو اپنے آزاد ذہن ہی کی بات مانی۔ اس کے دل میں لوتا کی عظمت بڑھ گئی۔ بُری طرح اس کا دل مچلنے لگا کہ لوتا سے معافی مانگے، کہ اس نے اس کو کتنا غلط سمجھا تھا، دل ہی دل میں، بیتے دنوں میں، اس نے اس پر کتنے الزامات لگائے تھے ——— لیکن ان جذبات کو ظاہر کرنے کے لئے اُسے الفاظ ہی نہیں مل رہے تھے! ——— لوتا کے اس حسین بہادرانہ قدام میں آج بنوئے کو عورت کا ایک نیا روپ دکھائی دے رہا تھا ——— اور ایسا معلوم ہو رہا تھا، جیسے آج اس نے اپنی زندگی کی منزل کو پا لیا!۔

———

تیسواں باب

جیسے ہی یہ دونوں کلکتے پہنچے بنوے لولتا کو لے کر پارسی بوڑھے کے گھر آیا۔ سیٹھ برس طرح سفر کرنے سے پیشتر بنوے کو کچھ اندازہ نہیں تھا کہ لولتا کے لیے اس کے دل میں کن کس طرح کے جذبات ہیں۔ اس سے اور لولتا سے جو جھگڑے ہو کرتے تھے، وہی اس کے دماغ پر حاوی تھے۔ اور روزانہ جب ملاقات ہوتی تو سب سے بڑا سوال یہ ہوتا کہ اس لڑکی سے کس طرح پُرامن تعلقات رکھے جائیں۔ سچ پوچھیے تو اس کا وجود بنوے کی زندگی پر زہرہ کی طرح طلوع ہوا تھا ——— نسائیت کی پاکیزہ و جمیل نور ——— دمکتا ہوا ——— اور اس نے یہ محسوس کیا تھا کہ اس کی اپنی فطرت اس روشنی میں وسیع ہو کر مکمل ہو گئی تھی۔ اس قدر اس حیرتناک ظہور نے اس کو مسرت بخشی تھی! لیکن دوسرے ستارے بھی طلوع ہو گئے اور اب تو اسے ٹھیک سے یاد بھی نہیں تھا کہ وہ پہلا ستارہ جو اس کے لیے کائنات کی چراغاں لے کر طلوع ہوا وہ کب افق کے پار ڈوب گیا!

جس لمحہ باغی لولتا نے اسٹیمر پر قدم رکھا اسی وقت سے بنوے نے سوچ لیا تھا کہ "اب میں اور لولتا ایک دوسرے کے ساتھ ہیں، ایک دوسرے کے پہلو میں کھڑے ہو کر اب ہمیں پورے سماج کا مقابلہ کرنا ہے۔" اور اب وہ اس خیال کو دماغ سے کیسے نکال سکتا تھا کہ آزمائش کے اس موقع پر لولتا نے سب کا ساتھ چھوڑ کر اس کا ساتھ دیا تھا۔ لولتا کے سامنے وجہ اور سبب جو بھی رہا ہو لیکن یہ بات تو صاف تھی کہ اب بنوے اس کے لیے بہت سے دوستوں میں ایک کی حیثیت نہیں رکھتا تھا ——— وہ اس کے لیے ایک خاص ہستی تھا۔ بلکہ واحد ہستی! اس کے رشتہ دار اس سے دور تھے

اور وہ قریب تھا، اور قربت کے اس احساس سے اس کے دل میں ایسی تھرتھری، ایسی پھڑپھڑاہٹ پیدا ہو رہی تھی جیسے بجلی بھرے بادلوں میں بار بار کوندا لپکے! رات ہوئی تو لولتا اپنے کیبن میں سونے چلی گئی، پر بنوئے کو نیند نہیں آئی ـــــ اس نے جوتے اتار دیے اور دبے پاؤں عرشے پر ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ اس سفر میں لولتا کی حفاظت یا چوکیداری کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی لیکن قدرت نے آج ایک ایسی انوکھی ذمہ داری بنوئے پر ڈال دی تھی جس کی اُسے کبھی امید بھی نہیں تھی، خیال بھی نہیں تھا۔ اور وہ اس سے حاصل ہونے والی کسی بھی مسرّت کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس لئے خواہ مخواہ بھی وہ ٹہل ٹہل کر اس کی حفاظت کرتا رہا۔

رات کی تاریکی میں غضب کی گہرائی تھی۔ آسمان پر بادل کا نام و نشان نہ تھا اور سُتھری سطح پر تارے بھرے ہوئے تھے۔ کناروں پر لگے ہوئے سیاہ سیاہ پیڑوں کے جھنڈ آپس میں گتھے ہوئے ایسے لگتے تھے جیسے آسمان کو تھامنے کے لئے کھمبے کھڑے کئے گئے ہوں۔ نیچے چوڑے دریا کا تیز اور خاموش دھارا بہہ رہا تھا اور ان سب کے درمیان لولتا نیند میں غافل سوئی ہوئی تھی۔ بات بس اتنی تھی کہ لولتا نے آج رات اپنی نیند کے پُرسکون حُسن کی حفاظت بڑے بھروسے کے ساتھ بنوئے کے ہاتھ میں سونپ دی تھی ـــــ اور کچھ نہیں! بنوئے نے بھروسے کو قبول کر لیا تھا جیسے وہ دُنیا کا سب سے انمول تحفہ ہو اور اسی ذمہ داری کے ساتھ اس کی حفاظت کر رہا تھا ـــــ

وہاں قریب تھی نہ باپ، نہ کوئی اور رشتہ دار ـــــ پھر بھی لولتا نے اپنا حسین جسم اس بستر کے حوالے کر دیا تھا اور کیا مزے سے سوتی ہوئی تھی جیسے کوئی فکر نہیں، کوئی خوف نہیں۔ اس کی نیند ایک نغمہ تھی، اس کے سانس کا اُتار چڑھاؤ جس کے ساتھ تال دے رہا تھا، سلیقے سے گندھی ہوئی چوٹی کا ایک بال بے جگہ نہ تھا۔

دونوں ہاں جو نسائیت کی نرمی اور شیرینی کے نمونے تھے کس اطمینان سے چادر پر رکھے ہوئے تھے۔ اس کے بیقرار ادھر ادھر پھُدکنے والے تلوے اب آخر کار آرام کر رہے تھے جیسے کسی رسم کی ادائیگی پر بجتی ہوئی موسیقی بالآخر رک جائے۔ اس کی یہ تصویر تھی جو بار بار نبوتے کے تصور میں اُبھرتی تھی۔!

صدف میں پڑے ہوئے موتی کی طرح لولتا کو بھی اس خاموش اندھیرے نے چاروں طرف سے لپیٹ رکھا تھا، ستاروں بھرا آسمان اُسے اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھا اس رات نبوتے کے لئے لولتا کی یہ نیند اور اس کا یہ مکمل حسن ہی سب کچھ تھا۔ اسے یکایک اپنے مرد ہونے کا احساس ہو گیا تھا اور جاگی ہوئی اس مردانگی کی گہرائیوں سے فتح کی شہنائیاں گونج گونج کر بس یہی الفاظ کہتی تھیں ——— "میں جاگ رہا ہوں، میں جاگ رہا ہوں!" اسے اپنا وجود ایک دولہا کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔ دولہا جو سو نہیں سکتا اور جس کی بے خوابی کائنات کا پہرہ دیا کرتی ہے۔!

لیکن اس اندھیری رات میں جب کہ چاند غائب تھا اور آسمان ستاروں سے جڑا ہوا تھا ایک خیال اور تھا جو بار بار نبوتے کے دل کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ "آج رات گورا جیل میں ہے" ——— اب تک نبوتے اپنے دوست کے ہر رنج و راحت کا شریک تھا۔ آج یہ پہلا موقع تھا کہ بات مختلف تھی ——— وہ جانتا تھا کہ گورا جیسا آدمی جیل کی مشکلوں اور مصیبتوں کو کیا خاطر میں لائے گا۔ لیکن دکھ یہ تھا کہ نبوتے اپنے دوست کے ساتھ نہ تھا۔ اور اس میں کسی طرح سے شریک نہ ہو سکا تھا۔ ان کی زندگی کے دھارے الگ ہو گئے تھے ——— جب وہ پھر ملیں گے تو کیا یہ جدائی کی خلیج مٹ سکے گی؟۔ کیا اس کے آئندہ یہ معنی ہوں گے کہ ایسی غیر معمولی دوستی جو کبھی نہیں ٹوٹی تھی ٹوٹ جائے گی؟۔

رات گزرتی رہی، گزرتی رہی اور نبوتے کو یک وقت ایسا معلوم ہوتا رہا کہ

اس نے سب کچھ پا لیا ہے۔ اور بہت کچھ کھو دیا ہے ـــــ جیسے وہ یک نکڑ پر آ پہنچا ہے۔ جہاں سب کچھ مل گیا اور سب کچھ لٹ گیا ـــــ وہ دور اندھیرے میں دیکھتا رہا اور ٹہلتا رہا ـــــ

جب گاڑی پاریش بابو کے دروازے پر پہونچی اور لولتا اتری تو بنوئے نے دیکھا کہ وہ کانپ رہی تھی۔ اور یہ کہ اُسے اپنے آپ کو سنبھالنے میں کافی کوشش کرنی پڑ رہی تھی۔ واقعہ تو یہ تھا کہ اب تک وہ پوری طرح سمجھ نہیں پائی تھی کہ اس نے سماج کا کتنا بڑا گناہ کیا ہے جو اس طرح کا خطرناک قدم اٹھایا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ پاریش بابو الفاظ میں تو کچھ نہیں کہیں گے، زبان سے اس کو نہیں ڈانٹیں گے لیکن یہی وجہ تھی وہ ان کی خاموشی کے خیال سے اور بھی خوف زدہ تھی ـــــ

بنوئے چکر میں تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس صورت میں سب سے بہتر طریقہ کار کیا ہو گا ـــــ اس نے یہ آزمانا چاہا کہ اگر وہ ساتھ رہے گا تو کیا لولتا کو اور زیادہ پریشانی تو نہ ہو گی؟ لہٰذا ہچکچاتے ہوئے بولا "میرا خیال ہے یہ بہتر ہو گا کہ اب میں چلوں"

"نہیں نہیں ـــــ واہ ـــــ آپ کو رُکنا ہو گا۔ بابو جی سے تو ملتے جائیے" لولتا نے جلدی سے جواب دیا۔ اس کے جواب میں جو التجا تھی وہ بنوئے کو اچھی لگی تو گویا صرف گھر پہنچا کر ہی بنوئے کا فرض ختم نہیں ہوا تھا۔ اس حادثہ کی وجہ سے قواب اس کی اور لولتا کی زندگی میں ایک گہرا رشتہ پیدا ہو گیا تھا۔ اور اُسے یہ محسوس ہوا کہ اُسے پورے استقلال کے ساتھ لولتا کے پہلو میں کھڑا ہونا پڑیگا۔ اس خیال سے اس کا دل بھر آیا کہ لولتا نے اس پر کتنا بھروسہ کیا تھا۔ جیسے اُس نے سہارے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہو۔ گو پاریش بابو لولتا پر خفا ہوں گے کہ اُس نے یہ جلد بازی کیوں کی، بے قاعدے کے خلاف قدم کیوں اٹھایا تو پھر اُسے اپنے سر تمام

ذمہ داری لینی ہوگی، تمام الزام لینا ہوگا۔ اور ڈھال بن کر لولتا کو ہر وار سے بچانا ہوگا۔

مگر لولتا کے ذہن پر کیا گزر رہی تھی اس کا ہنوئے کو پورا اندازہ ہی نہیں تھا وہ ہنوئے کو اپنے بچاؤ کا ذریعہ بنانا ہی نہیں چاہتی تھی، اصل بات یہ تھی کہ اُسے چوری چھپے کوئی کام کرنے سے نفرت تھی۔ اور اب پادری پالو کو پوری تفصیل کے ساتھ بتا دینا چاہتی تھی کہ اصل معاملہ کیا تھا۔ باپ وہ جو کچھ بھی فیصلہ کریں کی پوری سختی یا نرمی کو وہ برداشت کرنے پر تیار تھی۔ صبح سے اس ہنوئے پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ زیادتی ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ زیادتی کا احساس ہی اور غصہ دلا رہا تھا۔ بیشتر پر اسکی ذہنی کیفیت اور تھی۔ بچپن سے اس کو بات بات پر غصہ آتا تھا اور اس کے لئے کتنی اس سے معافیاں ہوا کرتی تھیں۔ لیکن یہ اس طرح شکل ہو گئی تو بہت بڑی بات تھی۔ ہنوئے کے بھی اس کے چنگل میں پھنس جانے سے معاملہ اور ٹیڑھا ہو گیا تھا، لیکن پھر اُسے ایک خفیہ مسرت کا احساس ہو رہا تھا جیسے شجرِ ممنوعہ کا پھل اس نے کھا لیا ہو۔

بیشک اس بات سے بڑی نازک صورت پیدا ہو گئی تھی کہ ایک نسبتاً اجنبی کے ذہن میں اس نے بنا دی تھی: دونوں کے درمیان رشتہ دونوں کی سمجھ میں کوئی نہ آ سکتی پھر بھی ہنوئے کی نظری شرافت نے پورے واقعہ پر پاکیزگی کی ایک چادر ڈھانپ دی تھی اور اس شرافت کا احساس اس کو خوشی بخش رہا تھا۔ یہ تو وہ ہنوئے سے معلوم ہی نہیں ہوا تھا جو اس بے تکلفی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اور ہنسی دل لگی اور مذاق میں شریک ہوا کرتا تھا، تو رات تک سے جس کا مذاق ہوتا تھا۔ اس وقت وہ چاہتا تو بڑی آسانی سے اس کی حفاظت کرنے کا بہانہ کر کے اس پر حاوی ہو سکتا تھا —— لیکن اُس نے فاصلہ قائم رکھا اور یہی دوری اُسے لولتا کے دل کے بالکل نزدیک لے آئی ——

اس رات لولتا بھی اپنے کیبن میں جاگتی رہی اور یہی سب خیالات اس کے ذہن میں چکر کاٹتے رہے۔ بڑی دیر تک بستر پر کروٹیں بدلنے کے بعد اُسے محسوس ہوا تھا کہ

آخر کار رات گذر گئی ہے اور پو پھٹنے ہی والی ہے اس نے آہستہ سے کیبن کا دروازہ کھولا
تھا اور باہر جھانکی تھی۔ رات ختم ہو رہی تھی لیکن شبنم کی بھیگی ہوئی اس کی تاریکی ابھی تک
دریا کے کناروں سے گلے مل رہی تھی اور ان درختوں کو لپٹی ہوئی جو سر دریا کھڑے
تھے۔ ٹھنڈی ہوا چلنی شروع ہو گئی تھی اور پانی کی سطح کو جھکورے دے رہی تھی۔
نیچے، انجن والے کمرے سے کچھ آہٹیں سی آ رہی تھیں جن سے صبح ہونے کا پتہ چلتا تھا

لولتا اپنے کیبن سے نکلی تھی اور آگے عرشے پر قدم بڑھایا ہی تھا کہ اس کی نظر
نبوئے پر پڑی۔ وہ ڈیک کی کرسی پر شال لپیٹے سو رہا تھا۔ لولتا کو پتہ چلا کہ وہ رات
بھر اس کی حفاظت کرتا رہا ہے۔ اور یہ سوچ کر اس کا دل دھڑکنے لگا —— آہ
وہ کتنا قریب تھا اور پھر بھی کتنا دور!۔ کانپتے قدم اٹھاتی وہ فوراً کیبن کو لوٹ گئی
اور دروازہ میں کھڑی ہو کر نبوئے کو تکنے لگی۔ رات کی ان تاریک مناظر کے بیچوں بیچ وہ کس
مزے سے سو رہا تھا! اس وقت نبوئے کا وجود لولتا کو کہکشاں کی طرح معلوم ہوا، جو رات
بھر دنیا والوں کا پہرہ دیتی رہتی ہے۔!

وہ تکتی رہی۔ اور اس کا دل ایک ناقابل بیان شیرینی محسوس کرتا رہا، آنکھیں جھپک
آئیں —— ایسا معلوم ہوتا کہ اس کے باپو جی نے اسے جس خدا کی پرستش کرنا سکھایا تھا
آج وہ خود آسمان سے اتر آیا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے لولتا کے سر پہ برکتوں کی بارش
کر دی تھی، اور اس مبارک اور پاکیزہ لمحے میں، دریا کے بند بھرے کنارے، گھنے جنگلوں
کے سبزہ زاری سے لپٹ کر سو گئے تھے۔ ابھرتی ہوئی روشنی اور رخصت ہوتی ہوئی تاریکی
پہلی بار گلے ملیں اور کائنات کی تاروں بھری خواب گاہ میں کسی پُر اسرار دنیا، کسی مقدس
ساز کی جانفزا موسیقی گونجنے لگی۔!

نبوئے نے نیند میں ہاتھ ہلایا۔ لولتا جھٹ اپنے کیبن میں گھس گئی اور دروازہ
بند کر کے لیٹ رہی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوئے جا رہے تھے، دل کی دھڑکن

کسی طرح قابو میں نہیں آ رہی تھی۔!

رفتہ رفتہ اندھیرا چھٹتا گیا، اسٹیمر بھی چلنے لگا۔!

لولتا منہ ہاتھ دھو تیار ہو کر باہر آئی اور عرشے کے جنگلے سے لگ کر کھڑی ہو گئی اسٹیمر کی روانگی کی سیٹی سُن کر بنوئے بھی جاگ پڑا اور پورب کو منہ اٹھائے صبح کی گلابی کرنوں کا منتظر تھا۔

لولتا کو عرشے پر آتے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کیبن میں جانے ہی والا تھا کہ لولتا نے اسے سلام کیا اور بولی "مجھے ڈر ہے کہ رات آپ سو نہیں سکے۔"

"نہیں رات کچھ اتنی بُری تو نہیں گزری" بنوئے نے جواب دیا۔ اس کے بعد دونوں نے ایک دوسرے سے کچھ نہیں کہا۔

صبح اٹھتی ہوئی سورج کی کرنیں دریا کے کنارے لگے ہوئے بانس کی جھاڑیوں پر پڑی ہوئی شبنم کو چمکا رہی تھیں؛ ان دونوں نے ایسی صبح کبھی کاہے کو دیکھی تھی۔ اس سے پہلے روشنی نے نور سے ان کے دلوں کو اس طرح کاہے کو چھوا تھا؛ زندگی میں پہلی بار، آج، دونوں کو محسوس ہو رہا تھا کہ آسمان کوئی خلا نہیں بلکہ وہ جھانک جھانک کر فطرت کی ہر نئی تخلیق کو بڑے شوق اور حیرانی سے تکتا رہتا ہے۔ دونوں کے دلوں میں جذبات اس قدر بھر گئے تھے کہ وہ فطرت اور کائنات کے جذبات کی گونج محسوس کرنے لگے!۔ اور یہی وجہ ہوئی کہ دونوں میں سے کسی نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

اسٹیمر کلکتہ پہنچ گیا بنوئے نے ایک گاڑی کرائے پر لی، لولتا کو اندر بٹھا کر خود کوچوان کے پاس بیٹھا۔ پھر یہ کون کہہ سکتا ہے کہ کلکتے کی گلیوں سے گزرتے وقت کیا ہوا جو لولتا بالکل بدل گئی؟ اور اُسے بنوئے پر غصہ آنے لگا۔ اس مصیبت کے وقت بنوئے آخر اسٹیمر پر کیوں اس کے ساتھ تھا؛ اور اس کے اس معاملے کے ساتھ بنوئے کو کیوں اتنا گہرا تعلق ہو گیا کہ اس وقت وہ اسے گھر لے کر جا رہا تھا۔ گویا وہ کوئی

س کا گنہگار نہیں ہے! لولتا کے دماغ پر ان باتوں کا بڑا بوجھ تھا۔ اُسے یہ بات ناقابلِ
برداشت معلوم ہو رہی تھی کہ حالات نے پلٹا کھایا کہ نبوتے کو اس کا بزرگ بننے کا موقع
مل گیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اب روزانہ کی معمولی زندگی میں، اگرچہ چاہا کہ کل جو موسیقی سُنائی
دے رہی تھی وہ یکایک، ایک چیختا ہوا سُر نکال کر رک گئی!۔

اسی سے جب نبوتے نے اس کے گھر کے دروازے پر کہا کہ "اب میں چلوں؟"
تو لولتا کی جھنجھلاہٹ اور بھی بڑھ گئی!

آخر وہ کیا سمجھتا ہے کہ وہ اس کے رتھ بابوجی کے سامنے جاتے جھینپتی ہے؟
وہ صاف جتا دینا چاہتی تھی کہ اُسے ذرا بھی شرمندگی نہیں ہے اور اپنے باپ
سے وہ سب کچھ خود ہی کہہ دے گی۔ اس لئے وہ نہیں چاہتی تھی کہ نبوتے دروازے
ہی سے کھسک لے جو وہ بالکل ہی مجرم سمجھی جائے!۔

وہ اپنا اور نبوتے کا رشتہ اتنا ہی صاف رکھنا چاہتی تھی جتنا کہ اس واقعے
سے پہلے تھا۔ کل رات کی ہچکچاہٹ اور خوش فہمی کو وہ ان دبارٹے قائم رکھ کر اپنے کو نبوتے
کی نظروں سے گرا نہیں سکتی تھی

———— ❋ ————

اکتیسواں باب

ستیش نے جیسے ہی نبوتے اور لولتا کو دیکھا وہ دوڑا ہوا آیا اور دونوں کا ایک ایک ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا "سچاریتا دیدی کہاں ہیں؟ کیا وہ نہیں آئی ہیں؟"

نبوتے نے جیب میں ہاتھ ڈالا، اِدھر اُدھر چاروں طرف دیکھا "سچاریتا — ارے ہاں ٹھیک تو ہے — ارے توبہ کھو گئیں —"

ستیش نے نبوتے کو ایک دھکا دیا۔ "جائیے بھی۔ بیوقوف بناتے ہیں مجھے، بتائیے نا لولتا دیدی — کہاں ہیں دیدی؟"

"سچاریتا، کل آئیں گی بھیا" لولتا نے جواب دیا اور یہ کہہ کر پاریش بابو کے کمرے کی طرف بڑھ گئی — ستیش نے دونوں کو کھینچنے کی کوشش کی اور بولا "آئیے آئیے دیکھئے تو ہی کون آیا ہے؟"

پر لولتا نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا "بھئی مت ہم لوگوں کو عاجز کرو، مجھے بابو جی سے ملنا ہے؟"

"بابو جی تو کہیں باہر گئے ہیں، اور دیر کو واپس آئیں گے؟"

یہ سُن کر نبوتے اور لولتا دونوں کو ایسا محسوس ہوا کہ سانس لینے کی مہلت مل گئی۔

"کون آیا ہے؟ — کیا کہا تم نے؟" لولتا نے پوچھا

"میں کیوں بتاؤں — نبوتے بابو آپ کوشش کیجئے، شاید آپ بوجھ جائیں پر آپ بوجھ نہیں پائیں گے مجھے یقین ہے کبھی نہیں بوجھ پائیں گے؟"

ننوے نے ہر قسم کے ناممکن نام گنانے شروع کر دیے ——— نواب سراج الدولہ، راجہ نابھ، کرشنا، یہاں تک کہ نذرگار، لیکن ستیش ہر بار چلا کر کہتا "نہیں" جس سے صاف ظاہر ہوتا کہ اس طرح کے مہمانوں کی آمد ناممکن۔

ننوے نے سر جھکا کر ہار مان لی، اور بولا "ہاں ہاں ——— لو میں تو بھول ہی گیا کہ نواب سراج الدولہ کی بھلا یہاں کیا خاطر ہو سکے گی۔ بہرحال آپ پہلے اپنی بہن کو لے جائیے تاکہ یہ اس راز کا پتہ چلائیں پھر ضروری سمجھئے گا تو مجھ خاکسار کو بھی بتا دیجئے گا۔"

"نہیں آپ دونوں ساتھ چلئے" ستیش نے اصرار کیا۔

"کون سے کمرے میں چلیں؟" ولتا نے پوچھا

"سب سے اوپر والی منزل۔"

گھر میں سب سے اوپر بس ایک کمرہ تھا جو چھت کے ایک کنارے پر بنا ہوا تھا، اس کے سامنے تک برآمدہ تھا کہ دھوپ اور بارش سے بچاؤ ہو سکے ستیش کے پیچھے پیچھے چل کر دونوں اوپر پہنچے، برآمدے میں ایک چھوٹی سی چٹائی پر ایک دھیڑ عمر کی بی بی بیٹھی رامائن پڑھ رہی تھیں۔ ان کی عینک کی ایک کمانی ٹوٹی ہوئی تھی اور اس میں بندھا ہوا ڈورا لٹک رہا تھا۔ ان کی عمر کوئی پینتالیس سال کی ہوگی سامنے سے بال ذرا چھدرے ہو گئے تھے۔ لیکن رنگ شگفتہ تھا، اور چہرہ پکے پھل کی طرح گدبد اور رسیلا تھا! ان کی دونوں بھوؤں کے بیچ برہمنیت کا ٹیکہ لگا ہوا تھا لیکن جسم پر جو لباس پہنا ہوا تھا وہ بیواؤں کا سا تھا؛ زیور بھی کوئی نہیں پہنے تھیں۔

ولتا کو دیکھتے ہی انھوں نے جلدی سے عینک اتار دی کتاب رکھ دی اور بڑے شوق سے اس کی طرف تکنے لگیں؛ مگر جب انھوں نے اس کے پیچھے ننوے کو دیکھا تو جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ساری کے پلّے سے سر ڈھانک لیا اور اندر کمرے

میں جانے لگیں۔ لیکن ستیش نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا "خالہ آپ کہاں جا رہی ہیں۔ یہ تو میری بہن ہیں لولتا اور نیموئے بابو ـــــ سچار یتا دیوی کل آئیں گی" اتنا تعارف بس کافی تھا! اور اس میں کوئی شک ہی نہیں تھا کہ ستیش صاحب اپنے دوست کا ایک مخصوص اور مفصل تذکرہ تو پہلے ہی کر چکے ہوں گے کیونکہ جب بھی کوئی ایسا موضوع چھڑتا جس میں اُن کو دلچسپی ہوتی زیادہ کچھ اٹھا نہیں رکھتے تھے۔

ولتا خاموش حیران کھڑی تھی! اُن کی سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا کہ ستیش کی یہ کونسی "خالہ" ہیں۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ نیموئے نے تعارف ہوتے ہی جھک کر اُن کے پیروں کی دھول لی تو وہ بھی جھک گئی۔

خالہ اندر سے ایک بڑی چٹائی لے آئیں اور بچھاتے ہوئے بولیں "آؤ بیٹھو بیٹا ـــــ بیٹھو ولتا" ولتا اور نیموئے کو بٹھا کر وہ خود بیٹھیں۔ ستیش اُن سے ہٹ کر بیٹھ گیا۔ اور اسے بازو میں گھیر کر وہ ان دونوں سے بولیں "تم لوگ تو مجھے نہیں جانتے ہو گے۔ میں ستیش کی خالہ ہوں۔ ستیش کی ماں میری بہن تھیں۔"

اس تعارف میں تو کوئی ایسی بات نہ تھی مگر خالہ کے چہرے اور آواز کے لہجے سے پتہ چلتا تھا کہ ان کی زندگی آنسوؤں سے لبریز ایک کہانی ہے۔

جب انھوں نے ستیش کو اپنے پہلو میں دبا کے کہا "میں ستیش کی خالہ ہوں" تو نیموئے کا دل بھر آیا۔ وہ بولا "مگر آپ صرف ستیش کی خالہ نہیں رہیں گی۔ اگر یہ اس طرح آپ پر قبضہ کئے رہے گا تو میرا اس کا جھگڑا ہو جائے گا! بس اتنا ہی کافی ہے کہ یہ مجھے دادا نہیں کہتا۔ نیموئے بابو کہتا ہے ـــــ اور اوپر سے میری خالہ بھی چھین لیں! یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا۔"

نیموئے کو لوگوں کے دل میں گھر کرتے ذرا بھی دیر نہیں لگتی تھی۔ اور خالہ کے دل پر فوراً اس کا ذہین اور شیریں سخن نوجوان کا قبضہ ہو گیا۔

"اور میری بہن کہاں ہیں بیٹے۔ یعنی تمہاری ماں؟"

"میری ماں تو بہت سال ہوئے مجھے چھوڑ کر چلی گئیں پر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے ماں ہے ہی نہیں" بنوئے نے جواب دیا اور آنند موئی اس کے لئے جو حیثیت رکھتی تھیں اس کا خیال کر کے بنوئے کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔!

پھر خالہ بھانجے اتنی زوروں میں بات چیت کرنے لگے کہ اگر کوئی دیکھتا تو کبھی نہ سمجھ پاتا کہ ابھی کی ملاقات ہے۔ ستیش کبھی کبھی اوٹ پٹانگ باتیں بیچ بیچ میں بول پڑتا لیکن لولتا بالکل خاموش تھی۔

طبیعتاً بھی لولتا ذرا الگ تھلگ ہی رہتی تھی اور نئے ملاقاتیوں سے کھلتے کھلتے تو اسے کافی وقت لگتا تھا۔ پھر اس وقت اس کا ذہن بھی پریشان تھا۔ بنوئے کا اتنی جلد ان اجنبی خاتون سے گھل مل جانا اسے پسند نہیں آیا۔ دل ہی دل میں وہ اس پر ہلکے پن کا الزام لگا رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ وہ جس شدید مرحلے میں پھنس گئی تھی وہ بنوئے کے لئے کوئی بات ہی نہیں تھی! ویسے اگر بنوئے خاموش اور اداس ہو کر بیٹھتا تب بھی وہ کوئی خاص خوش تو ہوتی نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتا تو اس بات پر غصہ آتا کہ اصل بوجھ تو اس کا اور بابوجی کا ہے پھر بنوئے ایسا کیوں بن رہا ہے کہ گویا ساری ذمہ داری اسی پہ آ پڑی۔!

واقعہ تو یہ ہے کہ جو چیز پچھلی رات موسیقی کی طرح حسین اور دلکش لگ رہی تھی اب اس کے اعصاب کو جھنجھنا رہی تھی۔ اس لئے بنوئے چاہے جو کچھ بھی کرتا اسے پسند نہ آتا اور وہ معاملے کو سدھار نہیں سکتا تھا۔ خدا ہی بہتر جانتا تھا کہ پریشانی کی جڑ کاٹنے کی بہترین صورت کیا ہو سکتی تھی۔ عورتوں کی تو زندگی ہی جذبات ہے۔ پھر دل کے ہاتھوں وہ جس رستے چلیں عجیب عجیب رستے، تو یہ کیوں کہا جائے کہ وہ زیادتی کر رہی ہیں۔ اگر محبت کو بنیادی طور پر ایک سچی اور صحیح چیز مان لیا جائے تو پھر دل کے احکامات کتنے بھولے

بہلاوے اور پیارے لگتے ہیں کہ عقل شرمندہ ہو کر سر جھکا لیتی ہے۔ لیکن اگر ان ہی بُنیادوں میں کوئی چپقلش پڑ جائے کوئی کمی ہو جائے تو عقل ہاتھ ملتی رہ جاتی ہے اور اس کے بنائے کچھ نہیں بنتی۔ کس قدر بیکار ہے ایسے موقع پر وجہ اور سبب دریافت کرنے کی کوشش کرنا۔ کیوں دل کھنچ گیا؟ کیوں ہٹ گیا؟ کیوں ہنسی آئی، کیوں آنسو نکلے۔۔؟

دیر ہوتی چلی جا رہی تھی اور پاریش بابو ابھی تک نہیں لوٹے تھے۔ نبوتے کا بہت جی چاہ رہا تھا کہ اُٹھ کے گھر بھاگ جائے لیکن اس خواہش کو دبانے کے لئے وہ برابر اپنی خالہ سے بات کئے جا رہا تھا، ایک پل کو نہیں رُک رہا تھا۔

آخر کار لولتا اپنی جھنجھلاہٹ نہ روک سکی اور ایک دم سے نبوتے کی بات کاٹ کر بولی "بھئی آپ کس کا انتظار کر رہے ہیں اب ۔ نہ جانے باوجی کب آئیں گے۔ بہتر ہو کہ آپ گورموہن بابو کی ماں کے پاس جائیں"

نبوتے نے آنکھیں جھپکائیں! لولتا کے اس جھنجھلاتے ہوئے لہجے کو وہ خوب پہچانتا تھا۔ اس نے بس ایک نظر لولتا کو دیکھا اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے کسی کمان کا تانت ٹوٹ جائے! ٹھیک تو ہے۔ آخر وہ کس کا منتظر تھا؟۔ بس کو یہ خوش فہمی نہیں تھی کہ اس موقعہ پر اس کی موجودگی ناگزیر تھی۔ اسی کو دروازے ہی سے چلا جانا چاہا تھا۔ لولتا نے کہا تبھی تو ٹوکا۔ اور اب یہ سوال اس نے پوچھا اور وہ بھی اس انداز میں!

نبوتے اتنی تیزی سے اُٹھا کہ خود لولتا بھی چونک پڑی! وہ دیکھ رہی تھی کہ اس کے چہرے پر چھائی ہوئی مسکراہٹ یوں اڑ گئی جیسے جلتا ہوا چراغ یکایک پھونک مار کے بجھا دیا جائے۔ اُس نے نبوتے کو اتنا زخمی اور اتنا اداس کبھی نہیں دیکھا تھا؛ اس پر نظر ڈالی تو پشیمانی اور صدمے سے اُسے خود ایسا محسوس ہوا جیسے دل پر کسی نے چابک ماری!

ستیش اپنی جگہ اچھل کر نبوتے کے بازو میں لٹک گیا، اور اس کی منت کرنے لگا۔

"نبوتے بابو ـــــ بیٹھیے نا۔ ابھی مت جائیے ـــــ خالہ آپ نبوتے بابو سے کہتے نا

کہ کھانے پر رُک جائیں۔ لولتا، بھئی تم نے نبوتے بابو سے کیوں کہا کہ جائیے ؟"
"نہیں ستیش بیٹے۔ اب آج نہیں رکیں گے۔" نبوتے نے جواب دیا "اگر خالہ مہربانی کر کے مجھے یاد کریں تو پھر کسی دن آ کے تمہارے ساتھ کھانا کھاؤں گا۔ اب آج تو بہت دیر ہو گئی ہے۔"

اس کی آواز میں جو درد تھا وہ ستیش کی خالہ سے بھی چھپ نہ سکا اُن کا دل نبوتے کے لئے ملنے لگا۔ مسکین نداز میں نبوتے اور لولتا کو باری باری سے تکنے لگیں، اُن کی سمجھ میں کچھ کچھ آ رہا تھا کہ اس منظر کے پس منظر میں کوئی ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے۔

لولتا کوئی بہانہ کر کے ہٹ گئی اور اپنے کمرے میں جا کے پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی —— جس طرح وہ پہلے بھی کئی بار رو چکی تھی۔!

بتیسواں باب

بنوئے یہاں سے نکل کر فوراً آنند موئی کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا، اُسے سخت ذلت اور پشیمانی کا احساس اندر اندر کھائے جا رہا تھا۔ وہ سیدھا ماں کے پاس کیوں نہیں آیا؟ کیسا بیوقوف تھا وہ جو سمجھ بیٹھا کہ لولتا کو اس کی ضرورت تھی! اُسے تو کلکتے پہونچتے ہی سب کام چھوڑ کر آنند موئی کے پاس بھاگنا چاہئے تھا۔ اچھا ہوا جو خدا نے اس کے کئے کی سزا دی! بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ گورا کی ماں کا خیال اور بنوئے کے بجائے لولتا کو آئے، لولتا تو اُن کو صرف گورا بابو کی ماں کی حیثیت سے جانتی تھی لیکن بنوئے کے لئے تو وہ دُنیا کی تمام مادرانہ محبت کا ایک نمونہ، ایک مثال تھیں!

آنند موئی ابھی نہا کر اٹھی تھیں اور اکیلی اپنے کمرے میں بیٹھی کچھ سوچ رہی تھیں، بنوئے ایک دم اندر آ کر اُن کے پیروں سے لپٹ گیا "ماں"

"بنوئے" انھوں نے اس کے جھکے ہوئے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ کیا وہ آواز تھی! دنیا میں کس کی آواز، کس کا لہجہ ماں کا سا ہو سکتا ہے! جس طرح آنند موئی نے اس کا صرف نام لیا تھا اسی انداز نے بنوئے کے دل پر مرہم رکھ دیا، پورے وجود کو ایک سکون ایک تسکین بخشدی۔! اس نے کوشش کر کے اپنے جذبات کو دبایا اور آہستہ سے بولا "ماں ——— مجھے آنے میں بہت دیر ہوئی۔"

"میں سب کچھ سُن چکی ہوں بنوئے ———" وہ مدھم لہجے میں بولیں۔ بنوئے چونک پڑا "تو آپ تک سب کچھ خبر پہونچ گئی؟"

پھر یہ کھُلا کہ گورا نے پولیس اسٹیشن سے ایک خط بھیجا تھا ——— وکیل کے ہاتھ

جس میں اس نے یہ امکان ظاہر کیا تھا کہ غالباً اُسے جیل جانا پڑے گا۔ خط کے آخر میں
لکھا تھا۔

"قید خانہ تمھارے گورا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ماں؛ لیکن اگر تم ذرا بھی دکھی
ہوئیں تو پھر وہ اُسے برداشت نہیں کر سکے گا۔ تمھارا غم میری سب سے بڑی اذیت
ہو سکتا ہے۔ یہ مجسٹریٹ مجھے کیا اذیت دے گا اور کیا سزا دے گا! لیکن ماں تم صرف
اپنے بچے کے بارے میں مت سوچنا! یہاں جیل میں بہت سے مائی کے لال بغیر خطا
بے قصور پڑے ہیں؛ میں اُن کے پہلو میں کھڑا ہوں، اُن کی مصیبت کا شریک ہوں
ہوں؛ کون جانتا ہے قسمت کو یہی منظور ہو کہ میری یہ صدا کی آرزو ——— کہ میں
اپنے سب سے غریب ہم وطنوں کے ساتھ ہوں ——— اسی طرح اور اسی موقعہ پر پوری
ہوئی ہو ——— تم بالکل پریشان نہ ہونا۔"

"تمھیں تو شاید یاد نہ ہو، پر قحط کے زمانے میں ایک بار ایسا ہوا تھا کہ میں اس
کمرے میں جو گلی میں کھلتا ہے، میز پر اپنا بٹوہ بھول گیا تھا۔ چند منٹ بعد واپس آیا تو بٹوہ
چوری ہو چکا تھا؛ اس میں میرے وظیفے کے پچاس روپے جو میں نے ایک ایک کر کے
جمع کئے تھے، تمھارے پاؤں دھونے کے لئے ایک چاندی کی سلفچی خریدنے کے واسطے۔
میں چور پر کھول رہا تھا کہ خدا نے مجھے عقل سمجھائی اور میں نے اپنے آپ سے کہا لیکن
یہ روپیہ تو میں نے ایک قحط زدہ انسان کو بخشا ہے۔ یہ سوچتے ہی وہ بیکار کا غصہ اور
پچھتاوا ختم ہو گیا، میرے ذہن کو سکون مل گیا! اسی طرح آج بھی یہ سوچتا ہوں کہ میں
اپنی مرضی سے جیل جا رہا ہوں، مجھے کچھ پچھتاوا نہیں، کوئی غصہ نہیں، جیل کا سایہ میں نے
اپنے آپ قبول کیا ہے۔ یہ کھانا اور دوسرے انتظامات کی تھوڑی تکلیف ضرور ہے
لیکن جب میں نے پیدل سفر کیا تو ہر طرح کے لوگوں نے میری مہمانداری کی، ہر جگہ
اور ہمیشہ مجھے وہ آرام نہیں نصیب ہوا جس کا میں عادی ہوں۔ لوگوں کے گھروں میں

آسائش تو کیسی ضرورتوں کے پورا ہونے کا بھی انتظام نہیں ہے۔ جب ہم اپنی مرضی سے کسی بات کو اپناتے ہیں تو پھر اس کی سختی اور تکلیف ہمارے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی؛ اس لئے آپ یقین مانیئے کہ کسی نے زبردستی مجھے قید میں نہیں دھکیلا ہے۔ میں خود وہاں جاتا ہوں اور اس لئے مطمئن ہوں۔

جب ہم اپنے گھروں میں آرام دہ زندگی بسر کرتے ہیں تو ہم اس حقیقت کی داد نہیں دے سکتے کہ کھلی ہوا اور روشنی پانے کی آزادی کتنی بڑی نعمت ہے۔ ہم اُن بے شمار انسانوں کے متعلق سوچتے بھی نہیں، جو قصور یا بے قصوری کی حالت میں قید اور ذلت بھگتتے ہیں اور خدا کی اس دی ہوئی دولت سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔ ہمیں ان سے کیا تعلق، ہم ان کی کیوں فکر کریں! میں بھی اب اپنے کلیجے پر وہی داغ لگانا چاہتا ہوں، ماتھے پر وہی کلنک کا ٹیکہ اپنا مقدر بنانا چاہتا ہوں، اب میں سفید پوشوں اور عزت داروں کی صف میں نہیں کھڑا ہو سکتا۔"

"دنیا کے اس تجربے کے بعد میں نے زندگی کو بہت کچھ سمجھا ہے۔ ماں۔ جو لوگ جج بنے بیٹھے ہیں ان میں سے زیادہ تر کی حالت قابلِ رحم ہے۔ جو لوگ جیل خانوں میں پڑے ہیں وہ ان لوگوں کے گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں جو دوسروں کے متعلق فیصلہ کرتے ہیں اور اپنا جائزہ کبھی نہیں لیتے، جرم کی تشکیل میں شریک بہتیرے ہی ہوتے ہیں لیکن خمیازہ بھگتتے ہیں کچھ وہی بدبخت! جیل کی دیواروں کے باہر یہ آرام اور عزت کی زندگی بسر کرنے والے کب اور کیسے اور کہاں اپنے گناہوں کی سزا پائیں گے۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔

لیکن جہاں تک میرا سوال ہے میں ان کی جھوٹی عزت پر لعنت بھیجتا ہوں۔ انسان کی افتادگی ہی اب میرے سینے کی زینت ہے۔ میرے لئے دعا کرنا ماں اور دیکھو روتا نہیں؛ ساری زندگی شرکرشنا سینے پر بھوگو کی ٹھوکر کا نشان لئے

بکھرے، اسی طرح عزم کے حملے بھگوان کے سینے پر بکھرے ــــــ اور گہرے نشان بناتے رہے، اگر بھگوان نے اس نشان کو تحفہ سمجھ کر کلیجے سے لگایا تو پھر تمھیں میرا کیا غم۔ میرے لئے تم کیوں کڑھو اور کیوں پریشان ہو؟"

یہ خط پا کر آنند موئی نے مہم کو گورا سے ملنے کے لئے بھیجنا چاہا تھا لیکن مہم دادا بولے "بھئی دفتر بھی تو ہے ــــــ اور پھر صاحب مجھے تو کبھی چھٹی نہیں دینگے پھر انھوں نے گورا کی جلد بازی اور بیوقوفی پر برسنا شروع کر دیا" دیکھ لیجئے گا اس کی بدولت ایک نہ ایک دن میری نوکری چھوٹ کے رہے گی!

آنند موئی نے کرشن دیال جی کو تو خبر تک کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، کیونکہ جہاں تک شوہر کا تعلق تھا وہ گورا کے معاملے میں بیحد حساس واقع ہوئی تھیں۔ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ انھوں نے گورا کو بیٹا کبھی نہیں سمجھا بلکہ وہ ایک طرح سے اس کے خلاف تھے ــــــ گورا ان دونوں کے درمیان وندھیاچل پہاڑ کی طرح کھڑا تھا جس سے ان کی شادی شدہ زندگی ٹوٹ کر بٹ گئی تھی، دوسری طرف آنند موئی تھیں اور ان کا اچھوت بیٹا گورا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ دو ہستیاں جو گورا کی زندگی کے راز سے واقف تھیں، ایک دوسرے سے بالکل بچھڑ گئی تھیں!

اس طرح آنند موئی کو گورا سے جو محبت تھی وہ ان کا اپنا ہی خزانہ تھی، وہ ہر ممکن کوشش کرتی تھیں کہ اس خاندان میں جہاں گورا کا وجود بس برداشت کیا جاتا تھا وہاں اس کی زندگی کچھ آسان تر بن سکے۔ ان کی مستقل پریشانی یہ بھی کہ گھر میں کوئی انگلی اٹھا کے نہ کہہ سکے کہ آپ کے گورا کی وجہ سے یہ ہوا، آپ کے گورا کی بدولت ہمیں اتنی ذلت اٹھانی پڑی، آپ کے گورا کے کارن ہمیں فلاں نقصان بھگتنا پڑا۔ وہ محسوس کرتی تھیں کہ گورا کے وجود کا سارا بوجھ اکیلے ان ہی کے کندھوں پر تھا۔! اور یہ بھی قسمت کا ایک چکر تھا کہ ان کے اس بیٹے گورا کی حرکتیں کوئی معمولی نہیں تھیں۔

بلکہ نہایت غیر معمولی! اسے بات بے بات ہر معاملے میں پھنس جانے، ہر بات پر اڑ جانے سے روکنا کوئی ہنسی کھیل نہیں تھا۔

ابھی تک وہ اس باب میں کامیاب رہی تھیں کہ چاروں طرف مخالف فضا کے باوجود انھوں نے اپنے دیوانے گورا کو پال پوس کر اتنا بڑا کر دیا تھا۔ رات دن وہ اس کی چوکیداری دیتی تھیں، آٹھوں پہر اس کی خیر مناتی تھیں، اس خاندان میں سب کی مخالفت انھوں نے مول لی تھی، سب کچھ دکھ برداشت کیا تھا، اور کسی سے بھی ہمدردی کی اُمید یا خواہش نہیں کی تھی۔

جب موہم نے اس طرح ان کو صاف جواب دے دیا تو وہ چپ چاپ اکیلی کھڑکی کے سامنے بیٹھی تھیں، جو انھیں کرشن دیال آتے دکھائی دیے۔ وہ گنگا میں سویرے کا اشنان کر کے لوٹ رہے تھے، گنگا کی مٹی ان کے ماتھے، بازوؤں اور سینے پر ملی ہوئی تھی اور وہ مقدس منتر بڑبڑاتے چلے آرہے تھے۔ جب وہ اتنے پاک صاف ہو کر لوٹتے تھے تو کوئی اُن کے نزدیک نہیں پھٹک سکتا تھا۔ آنندموئی بھی نہیں! پرہیز، بس پرہیز! سوائے پرہیز کے اور کچھ نہیں!

ایک ٹھنڈی سانس بھر کے وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئیں اور موہم کے کمرے میں گئیں۔ وہ زمین پر بیٹھے نہانے سے پہلے نوکر سے تیل ملوا رہے تھے اور اخبار بھی پڑھتے جا رہے تھے۔ آنندموئی ان سے بولیں "موہم، تم کسی ایسے شخص کا بندوبست کر دیتے جو میرے ساتھ چلتا، گورا سے ملنے جانا چاہتی ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے اس نے جیل جانے کا ارادہ کر لیا ہے لیکن غالباً تم اسکی تو اجازت دو گے کہ سزا ہونے سے پہلے میں ایک اس سے مل لوں؟"

موہم دادا اُوپر اُوپر چاہے جتنا بگڑتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ محبت اُن کو بھی گورا سے کافی تھی۔ "بدبخت پر خدا کی مار" وہ چیخنے لگے "جانے دو بیہودہ کو جیل میں۔

حیرت ہے وہ اور پہلے کیوں نہیں جیل پہونچ گیا۔" لیکن بہت جلد ہی انھوں نے اپنے معتبر آدمی گھوشال بابو کو بلوایا اور انھیں کچھ روپے دے کر قانونی چارہ جوئی کا انتظام کرنے بھیجا۔ خود بھی انھوں نے سوچا کہ اگر صاحب نے چھٹی نہ دی اور گھر والی نے بھی کچھ نہ کہا تو وہ بھی پہونچ جائیں گی۔ آنند موئی جانتی تھیں کہ سوہم اگر گورا سے ملے گا تو پھر سے بغیر نہیں رہے گا۔ اور جب انھوں نے دیکھا کہ جو کچھ کیا جا سکتا تھا وہ، وہ کر رہا ہے تو پھر آگے کچھ نہیں کہا۔ اس دنیا وی سی خاندان کے کسی آدمی سے یہ امید کرنا تو فضول ہی تھی کہ وہ ان کو جو گھر کی مالکن تھیں، ساتھ لے کے جاتے۔ اور وہ بھی حوالات میں جہاں گورا بند تھا اور چاروں طرف گھور نے اور فقرے کسنے والے مردوں کی بھیڑیں جمع ہوں گی اس لئے انھوں نے اپنی خواہش پر مزید اصرار نہیں کیا، ہونٹ بھینچے اور اپنے کمرے میں واپس آگئیں؛ اُن کی آنکھوں میں البتہ دل میں دبے ہوئے درد کی کالی کالی پرچھائیاں کانپ رہی تھیں۔ لچھمیا زور زور سے رونے لگی تو انھوں نے اس کو ڈانٹ کر کمرے سے باہر نکال دیا۔ ان کی ہمیشہ کی عادت اپنی تمام پریشانیوں کو خاموشی کے ساتھ اپنے دل میں دفن کر دیتی تھیں؛ خوشی یا غم اُن پر یکساں سکون طاری رہتا تھا۔ دل کی بیقراری کا حال صرف خدا جانتا تھا۔!

بنوئے کے بس کی بات نہ تھی کہ آنند موئی کو کس طرح تسکین دے۔ دو چار لفظ کے بعد وہ بھی خاموش ہو گیا۔ واقعہ بھی یہی تھا کہ آنند موئی کی طبیعت کسی کے منہ سے نکلے ہوئے تسکین کے الفاظ کی محتاج نہ تھی۔ بلکہ جن پریشانیوں کا کوئی حل نظر نہ آتا ان کے تذکرے ہی سے وہ پرہیز کرتی تھیں۔ اسی لئے انھوں نے اس بات کا ذکر ہی نہیں کیا۔ بنوئے سے بولیں "تم، ابھی تک نہائے بھی نہیں ہو، جاؤ جلدی سے تیار ہو کر آؤ، کھانے میں دیر ہوتی ہے۔"

بنوئے نہا دھو کر کھانا کھانے بیٹھا، تو اس کے پاس جگہ خالی دیکھ کر آنند موئی

کا دل گورا کے لئے تڑپ اٹھا اور جب انھیں خیال آیا کہ اس وقت اُن کے گورا کے سامنے جیل کا کھانا کھایا گیا ہوگا جس میں ماں کے ہاتھوں کی مٹھاس کا نام بھی نہ ہوگا بلکہ جیل کے قاعدوں کی تلخی ہوگی تو وہ ضبط نہ کر سکیں، اور کوئی عذر کر کے کمرے سے باہر چلی گئیں۔

تینتیسواں باب

پاریش بابو گھر لوٹے اور لتا کو یوں غیر متوقع طور پہ وہاں موجود پایا۔ تو سمجھ گئے کہ اُن کی یہ ضدی بیٹی اب کی بار ضرور کسی غیر معمولی مصیبت میں اپنے آپ کو پھنسا بیٹھی ہے ان کی سوالیہ نظروں کے جواب میں وہ بولی۔

"بابوجی ـــــ میں تو وہاں سے لوٹ آئی" اب وہاں رہنا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ پاریش بابو نے سبب پوچھا کہ کیا ہوا تھا۔ تو اس نے بس اتنا اور کہا

"اس مجسٹریٹ نے گورا موہن بابو کو جیل میں ڈال دیا"

گورا ان معاملات میں کیسے پھنسا یہ معمہ پاریش بابو کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا مگر جب لتا نے تفصیل سے سب کچھ کہہ سنایا تو وہ تھوڑی دیر کے لئے خیالات میں کھو کر بالکل خاموش ہو گئے۔ سب سے پہلی پریشانی انھیں گورا کی ماں کے متعلق ہوئی، اور وہ سوچنے لگے کہ مجسٹریٹ کے لئے یہ کیسی آسان بات تھی کہ گورا کو معمولی چوروں کی طرح سزا دے کر جیل میں بھر دے۔ کیونکہ انصاف سے لاپرواہی برتنا اس کی عادت تھی!

دُنیا میں جتنے مظالم ہیں ان میں سے وہی سب سے زیادہ شدید ہیں جو انسان انسان پر کرتا ہے۔ سوسائٹی اور حکومت کی ملی بھگت اس زیادتی کے پردے میں ہوتی ہے! گورا کے قید ہونے کی پوری کہانی وہ سنتے رہے، اور ساری تصویر اُن کے ذہن پر واضح ہو گئی۔

پاریش بابو کو خاموش دیکھ کر لتا نے بڑے اشتیاق سے پوچھا "کیوں بابوجی۔ یہ انصاف بڑی زیادتی ہے نا۔ بڑا ظلم ہے نا؟"

انھوں نے حسب دستور پرسکون انداز میں جواب دیا "بیٹی" ہم لوگ یہ تو نہیں جانتے کہ گوراء نے خود کتنا آگے قدم بڑھایا تھا لیکن یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اگر وہ اپنے اصولوں کے جوش میں قانونی اختیارات سے آگے بھی نکل گیا تھا پھر بھی اس سے وہ حرکت سرزد نہیں ہوئی ہوگی جسے انگریزی زبان میں مجرم کہتے ہیں! لیکن کیا کیا جائے بیٹی ابھی ہمارے زمانے کا انصاف عقل کی مکمل سطح پر پہنچا ہی نہیں ہے معمولی لغزش کی بھی وہی سزا ہے جو بڑے جرم کی، دونوں کو ایک ہی جیل میں چکی پیسنی پڑتی ہے ——— اس کا الزام کسی ایک آدمی پر نہیں لگایا جا سکتا۔ سبھی کے گناہ اس ظلم کے ذمہ دار ہیں"

پھر یکایک وہ موضوع بدل کر بولے "تم کس کے ساتھ آئی ہو" لولیتا ذرا تن گئی اور معمول سے زیادہ اطمینان سے بولی "بنوئے بابو کے ساتھ" دیسے یہ اطمینان اور قوت ارادی ظاہر کرنے کے باوجود اس کے جواب میں کمزوری کا پرتو تھا۔ وہ سادگی کے ساتھ فطری طور پر یہ بات نہیں کہہ سکی اور کہتے کہتے بھی اس کا چہرہ لال ہوگیا جس سے گھبراہٹ اور بڑھ گئی!

پاریش بابو اپنی اس دیوانی اور نافرمان لڑکی کو، بہت بچوں سے زیادہ چاہتے تھے۔ سچائی کے لئے وہ کسی سے ڈرتی نہیں تھی۔ اور اکثر خاندان میں بڑی بنتی تھی لیکن پاریش بابو کے دل میں اس کے اس رجحان کی قدر تھی۔ اس سے غلطیاں بھی ہوتی تھیں اور پاریش بابو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ان ہی غلطیوں کی وجہ سے اس کی طبیعت کی خوبی لوگوں کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اکثر اس صفت کو اپنے دامن میں پناہ دیتے تھے کہ ظاہری بغاوت اور ضد کے کچلنے میں کہیں فطری شرافت نہ کچل جائے!

ان کی دوسری بیٹیوں کے نین نقش بھی اچھے تھے رنگ بھی صاف تھا اسی لئے سب جلد ہی ان کو قبول صورت تسلیم کر لیتے تھے۔ مگر لولیتا کا رنگ بھی ڈھکتا ہوا تھا اور صورت بھی کچھ ایسی تھی جس پر اختلاف رائے تھا؟ اسی بنا پر برودا سندری اکثر اپنے شوہر

سے گفتگو کرنی بھی کہ اس کے لئے موزوں، دولہا کیوں کر تلاش کیا جائے گا؛ لیکن پاریش بابو کو لولیتا کے چہرے میں جو حسن نظر آتا تھا وہ رنگ یا نقشے کا نہیں تھا، بلکہ وہ روحانی کیفیت تھی۔ جو صرف بے عیب صورت کی شگفتگی میں نہیں بلکہ قوتِ ارادی کی مضبوطی اور آزاد طبعی کی روشنی ظاہر کرتی ہے۔ یہ وہ صفت جنہیں کثرت سے لوگ نہیں سمجھ سکتے ہیں لیکن جو مخصوص چند لوگوں کے لئے بڑی کشش رکھتی ہے۔

پاریش بابو جانتے تھے کہ لولیتا عام طور پر محبوب کبھی نہیں ہو سکے گی۔ لیکن خاص طور پر مخلص ہمیشہ رہے گی۔ اس لئے انھوں نے بڑے درد کے ساتھ اسے اکیلے اپنے سینے سے لگا رکھا تھا۔ اس کی غلطیوں کو معاف کر دیا کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اور لوگ نہیں معاف کریں گے ——— جیسے ہی لولیتا نے ان کو بتایا کہ وہ بنوئے کے ساتھ آئی ہے بس ایک پل میں انھوں نے تصور کر لیا کہ اب کئی دن تک لولیتا کو کیا کیا پریشانی اٹھانی پڑے گی۔ کہ سوسائٹی اس کی اس معمولی سی غلطی پر ایسی سزا دے گی جو اس سے بہت زیادہ سنگین جرم پر ملنی چاہیے۔

وہ یہی سوچ رہے تھے کہ لولیتا نے اپنی بات پھر کہنی شروع کی" بابو جی۔ میں جانتی ہوں کہ میں نے غلطی کی، لیکن اب ایک بات تو بالکل میری سمجھ میں آ گئی کہ مجسٹریٹ صاحب اور ہمارے ملک کے عوام میں ایسا رشتہ ہے۔ کہ ہمیں مجسٹریٹ صاحب کی میزبانی اور مہربانی سے کوئی عزت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور اس بات کو سمجھ لینے کے بعد آپ ہی بتایئے۔ مجھے اُن کی مہربانی بھگتنے کے لئے وہاں ٹھہرنا چاہیے تھا؟"

سوال ایسا تھا کہ پاریش بابو کے لئے بھی اس کا جواب دینا مشکل تھا۔ اس لئے انھوں نے جواب دینے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اور اپنی پگلی لڑکی کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگے۔

اسی دن شام کو پاریش بابو گھر کے باہر ادھر اُدھر ٹہل رہے تھے اور اس معاملہ پر

غور کر رہے تھے کہ بنوئے آیا اور جھک کر آداب کیا۔ پاریش بابو اس سے گورا کے قید ہونے اور ان کے نتائج وغیرہ پر گفتگو کرنے لگے لیکن لولتا جو بنوئے کے ساتھ اسٹیمر پر آ گئی تھی اس کا انھوں نے ذکر نہیں کیا۔ اندھیرا ہونے لگا تو وہ بولے "آؤ ـــــ بنوئے اندر چلیں۔"

لیکن بنوئے اندر نہیں آیا، اور جواب دیا "اب مجھے گھر چلنا ہی چاہیئے۔" پاریش بابو نے پھر اس سے اندر آنے کو نہیں کہا اور بنوئے، اوپر والے برآمدے پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر، آہستہ آہستہ روانہ ہو گیا۔

لولتا نے برآمدے سے بنوئے کو آتے دیکھ لیا تھا، اور جب پاریش بابو اکیلے اندر آئے تو وہ بھی اوپر سے یہ سوچ کر اتری کہ بنوئے بھی آئے گا۔ لیکن جب وہ نہیں آیا تو لولتا کا غذوں، کتابوں میں کچھ ادھر ادھر کیا اور کمرے سے جا ہی رہی تھی کہ پاریش بابو نے اُسے بلایا "لولتا ـــــ ادھر آ بیٹی، مجھے کوئی بھجن گا کر سُنا" ـــــ اور پھر انھوں نے لیمپ کو اس طرح موڑ دیا کہ روشنی اس کے چہرے پر نہ پڑے۔!

ـــــــــ(۹)ـــــــــ

چونتیسواں باب

دوسرے دن بردا دیوی نے اپنی پوری پارٹی کے ساتھ وارد ہوئی! ہرن بابو لتا کے اس رویّہ پر اس قدر بپھرے ہوئے تھے کہ سیدھے گھر جانے کے بجائے وہ پاریش بابو سے ملنے آ گئے۔

بردا دیوی لتا کے پاس سے گزر کر ایک لفظ کہے بغیر اندر چلی گئیں، وہ اتنی خفا تھیں کہ انھوں نے آنکھ اٹھا کر بھی لتا کو نہیں دیکھا، سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

لبونیا اور لیلا کو بھی لتا سے سخت شکایت تھی جلی بیٹھی تھیں، کیونکہ سُچریتا اور لتا کے نکل جانے کے بعد پروگرام کو اتنا کاٹنا پڑا تھا کہ انھیں سخت شرمندگی اٹھانی پڑی۔

جہاں تک سچاریتا کا تعلق تھا وہ نہ ہرن بابو کے غصّے میں شریک تھیں نہ بردا دیوی کے رونے اور بسورنے میں، نہ ہی اسے وہ ذلت کا احساس تھا جو لبونیا اور لیلا کو تھا اس پر تو بس سر بہ خاموشی طاری تھی اور مشین کی طرح اپنے فرائض کو پورا کئے جا رہی تھیں۔ آج بھی وہ سب کے کمرے میں داخل ہوئی جیسے کوئی خود ست چلتی ہنے والی مشین۔

سدھیر نے اپنا پارٹ اس بُری طرح گوڑا تھا کہ وہ اُن سب کے ساتھ اندر آتے ہوئے ہی ہچکچا رہا تھا، لبونیا نے اس سے بہت کچھ کہا اور پھر اُس کے نہ ماننے پر غصّے میں آ کر قسم کھائی کہ اب اُس سے کوئی مطلب نہیں رکھے گی

ہرن بابو اندر آتے ہی زور سے بولے "کتنی بُری بات ہے" اور فوراً پاریش بابو کے کمرے میں گھُس گئے لتا نے دوسرے کمرے میں سے اُن کی یہ بات سُن لی تھی، وہ بھی لپک کے باپ کے کمرے میں پہنچی، دونوں ہاتھ اُس کرسی کے پشت پر

رکھے جس پر پاریش بابو بیٹھے تھے اور ہرن بابو کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُن کو گھورنے لگی۔

"جو کچھ ہوا وہ میں خود لولتا کی زبانی سُن چکا ہوں، اور میں نہیں سمجھتا کہ اب اس پر مزید گفتگو یا بحث کرنے کی ضرورت ہے۔"

ہرن بابو کو پاریش بابو کا حسبِ دستور سکون صرف اُن کے کردار کی ایک کمزوری محسوس ہوئی۔ اس لیئے وہ ذرا طنز کے ساتھ کہنے لگے "جی ہاں ـــــــ وہ جو کچھ ہوا وہ تو ضرور ختم ہو گیا مگر کیرکٹر کی خرابی جو یہ سب کچھ ہونے کی ذمہ دار ہے، وہ ابھی موجود ہے اس لیئے گفتگو اور بحث ضروری ہے۔ اگر آپ لولتا کا اس طرح بیجا لاڈ پیار نہ کرتے تو اس کی مجال تھی کہ یہ حرکت کرتی جو اس نے کی۔! آپ جب اس شرمناک داستان کی تفصیل سُنیں گے تب آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ نے اپنے رویّہ سے کتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے۔"

پاریش بابو کو اس طوفان کے سارے آثار کا احساس ہو رہا تھا جو اُن کی کرسی کے پیچھے سے اُبلا ہی چاہتا تھا، اس لیئے انھوں نے بیٹی کی کمر میں ہاتھ ڈالا، اس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مسکرائے، اور نرمی کے ساتھ بولے "ہرن بابو۔ جب آپ کی باری اولاد پالنے کی آئے گی تب آپ کو معلوم ہو گا کہ بچوں کو پرورش کرنے کے لیئے محنت بھی ضروری ہے۔"

لولتا نے ایک بانہہ باپ کے گلے میں ڈال دی اور جُھک کر اُن کے کان میں بولی "بابو جی ـــــــ نہانے کا پانی ٹھنڈا ہو رہا ہے، آپ نہا تو لیجیئے۔"

"میں ابھی جاتا ہوں ایک منٹ میں" پاریش بابو نے معنی خیز لہجے میں کہا اُن کی مراد ہرن بابو کی موجودگی سے تھی "ابھی کوئی ایسی دیر تو نہیں ہوئی ہے۔"

"آپ فکر نہ کیجیئے بابو جی۔ آپ نہانے جائیے۔ جب تک آپ نہائیں گے ہم

لوگ ہنو بابو کی خاطرداری کریں گے"

جب بارنش بابو کمرے سے باہر چلے گئے تو وستا اُن کی کرسی پر ڈٹ کر بیٹھ گئی۔ اچھی طرح جمنے کے بعد اس نے ہرن بابو سے آنکھیں چار کیں اور بولیں "آپ سمجھتے ہیں کہ اس گھر میں آپ کو یہ حق حاصل ہے کہ آپ جس کو جو جی چاہے کہہ دیں گے اور کوئی آپ کو کچھ نہیں کہے گا؟" سچاریتا لولتا کو خوب جانتی اگر کوئی اور وقت ہوتا تو لولتا کے چہرے پر آتے جاتے رنگ دیکھ کر وہ گھبرا جاتی۔ لیکن اس وقت وہ چُپ چاپ کھڑکی کے پاس بیٹھ گئی اور بڑے اطمینان سے گود میں رکھی کھلی ہوئی کتاب پر نظریں جما دیں۔ وہ فطرتاً ہمیشہ اپنے اوپر قابو رکھتی تھی، اور گذشتہ دنوں میں جو اُسے نشتر پر نشتر لگے تھے انھوں نے اور بھی خاموش کر دیا تھا۔ اب یہ خاموشی اتنی بڑھ گئی تھی کہ پھٹ پڑنے والی تھی، اسی لئے لولتا نے جو اس طرح ہرن بابو کو چیلنج دیا تو وہ بے حد خوش ہوئی اسے اپنے دل کا بوجھ بھی ہلکا ہوتا محسوس ہوا۔

لولتا کہے جا رہی تھی "میں سمجھتی ہوں آپ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم لوگوں کے سلسلے میں جو فرائض بابو جی پر عائد ہوئے ہیں ان کو آپ اُن سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ یہ آخر آپ سارے برہمو سماج کے ہیڈ ماسٹر کیوں بن بیٹھے ہیں؟"

لولتا کی یہ ہمت کہ ان سے اس طرح بات کرے! ہرن بابو پر جیسے بجلی گر پڑی کوئی زوردار جواب سوچ رہے تھے کہ لولتا نے ایک اور چانٹا دیا "بس، ہم لوگ آپ کی یہ ڈینگیں بہت بھگت چکے، پر میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتی ہوں کہ اگر آپ نے بابو جی پر دھونس جمانے کی کوشش کی تو اس گھر کا ایک فرد بھی اس کو برداشت نہیں کرے گا۔ نوکر تک نہیں!"

"لولتا" ہرن بابو زور زور سے سانس لیتے ہوئے بولے "واقعی یہ تو...."

لیکن لولتا نے ان کو اور آگے نہیں بڑھنے دیا "مہربانی فرما کر میری بات سن لیجیے، ہم لوگوں کو تو آپ سے بہت کچھ سننا پڑتا ہے، ایک بار آپ بھی ذرا میری سن لیجیے اور میری نہیں سننا چاہتے تو سوچی دیدی سے پوچھیے۔ جتنا بڑا آپ اپنے کو سمجھتے ہیں، اس سے ہمارے بابوجی کہیں زیادہ عظیم ہیں۔ یہ ہم آپ کو بتا دینا چاہتے ہیں اور اس سے آگے اگر آپ کو صلاح دینا ہے تو آیئے۔ فرمایئے۔"

ہرن۔ بو کا چہرہ تاؤ کے مارے کالا پڑ گیا۔ کرسی سے اٹھتے ہوئے چیخے "سچا ریتا"——— سچا رتبا نے کتاب پر سے نظریں اٹھائیں۔ چپ رہی!

"تم اپنے سامنے لولتا سے میری اتنی ہتک کروا رہی ہو۔؟"

"اس نے آپ کی ہتک کرنے کی کوشش نہیں کی ہے" سچا ریتا نے دھیرے سے جواب دیا" لولتا تو صرف یہ چاہتی ہے کہ آپ بابوجی کا مناسب احترام کریں اور بس۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ ہم لوگ بابوجی سے زیادہ محترم کسی کو نہیں سمجھتے"

ایک منٹ تو ایسا لگا جیسے ہرن بابو فوراً کمرے سے نکل جائیں گے مگر وہ نہیں نکلے۔ نہایت سنجیدہ ہو کر پھر سے کرسی پر بیٹھ گئے جتنا ہی ان کو یہ احساس بڑھتا جا رہا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ اس گھر کے ہر فرد کی نظر سے گرتے جا رہے ہیں اتنا ہی زیادہ بوکھلا بوکھلا کر وہ پیر جمانے کی کوشش کر رہے تھے اور یہ بھول گئے تھے کہ کمزور سہارے پر اگر زیادہ شدت سے لٹکا جائے تو وہ جلد ٹوٹ جاتا ہے!

ہرن بابو کو خاموش اور کھسیایا ہوا دیکھ کر لولتا اٹھی سچا ریتا کے پاس جا بیٹھی اور اس طرح باتیں کرنے لگی، جیسے کچھ خاص بات ہوئی ہی نہیں۔

اتنے میں ستیش دوڑا ہوا کمرے میں آیا اور سچا رتبا کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچنے لگا "آؤ دیدی۔ آؤ تو چلو"

"اوہ تو کہاں چلوں ؟" سچار یتا نے پوچھا۔

"ارے آؤ تو سہی۔ میں تمھیں کچھ دکھاؤں گا۔ لوتا تم نے دیدی کو بتایا تو نہیں؟"

"نہیں" لوتا نے وعدہ کر لیا تھا کہ نئی خالہ کا راز سچار یتا کو نہیں بتائے گی اور اس نے اپنا وعدہ پورا بھی کیا تھا۔

لیکن مہمان کو چھوڑ کے جانے کے خیال سے سچار یتا بولی "اچھا اچھا۔ جناب کنٹرکٹر صاحب، ذرا ٹھہر کر آتی ہوں۔ بابو جی تو نہا کے آجائیں" ستیش بیٹھنے لگا۔ ہرن بابو سے کسی کو الگ کرنا ہو تو وہ کچھ اٹھا نہیں رکھتا تھا۔ لیکن اُن سے ڈرتا بھی بہت تھا۔ اس لئے اُن کے سامنے ضد بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ہرن بابو نے ستیش میں کبھی کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی، سوائے جب کبھی اس کو نصیحت کرنا ہوتا تھا۔ چنانچہ ستیش وہیں ڈٹا رہا اور انتظار کرتا رہا۔ جب پریش بابو نہا کے آگئے وہ دونوں بہنوں کو گھسیٹ لے گیا۔

اب ہرن بابو پھر بولے "وہ سچار یتا سے میری منگنی کی رسم ادا ہونے کی جو بات چیت تھی تو میں چاہتا ہوں کہ اب اس میں زیادہ دیر نہ ہو" اگلے اتوار کو کر دیجئے تو اچھا ہے۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، فیصلہ سچار یتا کو کرنا ہے" پاریش بابو نے کہا۔

"آپ تو اُن کی مرضی معلوم ہی کر چکے ہیں" ہرن نے اصرار کیا "اچھی بات ہے۔ پھر جیسا تم لوگ چاہو۔"

———— ﴿۱۷﴾ ————

پینتیسواں باب

بنوئے سے یہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ بار بار پریش بابو کے گھر جائے اور اس کے اپنے کمرے میں، سفید تنہائی میں گھر کر دم گھٹ جاتا تھا۔ چنانچہ وہ دوسرے دن صبح تڑکے ہی آنند موئی کے پاس پہنچا اور بولا "ماں - میں کچھ دن تمہارے پاس رہنا چاہتا ہوں"

یہ کہنے میں اس کا منشا یہ بھی تھا کہ گورا کی غیر حاضری کی وجہ سے آنند موئی کو جو کچھ دکھ تھا اس کو بھی وہ کچھ بٹا سکے گا۔ آنند موئی سمجھ گئیں۔ انھوں نے محبت سے اس کا کندھا تھپتھپایا مگر بولیں کچھ نہیں۔

سامان ٹھیک ٹھاک کرنے کے فوراً بعد سے بنوئے نے بچوں کی طرح ضدیں شروع کر دیں اور آنند موئی کو کھیل کھیل میں ستانے لگا کہ آپ تو میری کچھ خاطر ہی نہیں کر رہی ہیں"——— یہ سب وہ اس لئے کر رہا تھا کہ آنند موئی کی اور اپنی توجہ اس غم کی طرف سے ہٹا سکے جس میں دونوں ہی برابر کے شریک تھے۔!

دن تو کسی نہ کسی طرح کٹ ہی جاتا تھا لیکن شام ہوتے ہی اداسی بڑھنے لگتی اور بنوئے کسی طرح اپنی طبیعت پر قابو نہ رکھ سکتا تو پھر آنند موئی کا پیچھا لیتا، وہ گھر گرستی کے کام کاج چھوڑ کر اس کے پاس، کمرے کے سامنے والے برآمدے میں جاتی، چٹائی بچھا کر اس پر دونوں بیٹھتے اور پھر بنوئے اُن سے اُن کے بچپن کی کہانیاں سُنتا۔ اُن کے میکے کے قصے، شادی سے پہلے کی باتیں جبکہ منیجر کی نواسی ہونے کی حیثیت سے وہ اپنے نانا کے اسکول میں سب طالب علموں کی دُلاری تھیں۔ جب لوگ اُن بے باپ کی بچی پر محبت اور شفقت کی بھرمار کرتے رہتے تھے اور اُن کی

ماں اُن کے متعلق ہر وقت فکر مند رہا کرتی تھیں۔!

"ماں" بنوئے آخر میں کہتا "میں تو سوچ ہی نہیں سکتا کہ آپ کبھی ہم لوگوں کی ماں کے علاوہ بھی کچھ تھیں، میں سمجھتا ہوں آپ کے نانا کے اسکول میں جو طالب علم تھے وہ بھی آپ کو ایک ننھی سی ماں ہی سمجھتے رہے ہوں گے۔ اور نانا کی پرورش بھی آپ ہی کرتی ہوں گی۔"

اگلے دن بنوئے، آنند موئی کی گود میں سر رکھے چٹائی پر لیٹا تھا اور کہتا جا رہا تھا "ماں، کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ میں نے جو یہ سب کچھ علم کتابوں سے حاصل کیا ہے یہ بھگوان کو واپس دے دوں اور پھر ننھا سا بچّہ بن کر آپ کی گود میں چھپ جاؤں۔ دُنیا میں بس صرف آپ میری ہوں، صرف آپ، دوسرا کوئی نہیں"——

بنوئے کے لہجے میں، تھی تھکن تھی اور اس کا دل اتنا بھرا ہوا محسوس معلوم ہوتا تھا کہ آنند موئی کو اس پر تعجب بھی ہوا اور دُکھ بھی——۔ وہ بنوئے سے اور قریب کھسکیں اور آہستہ آہستہ اس کا سر تھپکنے لگیں۔ کافی دیر چپ رہنے کے بعد وہ یکایک بولیں "بیٹو، پاریش بابو کے یہاں تو سب خیریت ہے نہ؟"

اس اچانک سوال پر بنوئے گھبرا کر چونک پڑا اور سوچنے لگا کہ ماں سے کچھ نہیں چھپایا جا سکتا، یہ تو جیسے انسان کے دل میں جھانک کر دیکھ لیتی ہیں، پھر رُک رُک کے بولا "جی ہاں، سب اچھی طرح ہیں"

"کبھی پاریش بابو کی لڑکیوں سے ملنے کو میرا جی چاہتا ہے، شروع میں تو گورا کی رائے اُن کے متعلق اچھی نہیں تھی لیکن جس طرح سے اُن لوگوں نے گورا کو رام کیا ہے اُس سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ معمولی لوگ نہیں ہیں۔"

میری بھی اکثر یہ خواہش رہی ہے کہ میں اُن لوگوں سے آپ کو ملاتا مگر یہی ڈر تھا کہ کہیں گورا کو اعتراض نہ ہو، اس لئے کبھی یہ تجویز ہی پیش نہیں کی۔

سب سے بڑی لڑکی کا نام کیا ہے ؟ آنند موئی نے موضوع کو آگے بڑھایا۔
اور اس طرح برابر سوال کئے جاتے رہے اور جواب ملتے رہے۔ مگر جب
ولتا کا نام آیا تو بنوئے نے گول گول جواب دینے کی کوشش کی، آنند موئی اس
کی اس کوشش پر دل ہی دل میں ہنسی مگر اس کا پیچھا نہیں چھوڑا "میں نے سنا ہے
کہ ولتا بڑی ہوشیار لڑکی ہے" انھوں نے کہا۔
"آپ سے کس نے کہا !" بنوئے نے پوچھا
"کیوں ؟ تم ہی نے تو کہا "
ایک زمانہ ایسا تھا جب بنوئے کو ولتا کے متعلق بات کرتے ہوئے کوئی
ہچکچاہٹ نہیں ہوتی تھی ؛ وہ بالکل بھول چکا تھا کہ اس دور میں جبکہ اس کے دل
پر کوئی بوجھ نہیں تھا اس نے آنند موئی کو ولتا کی ذہانت کے قصّے سنائے تھے۔
آنند موئی ایک ہوشیار جہاز راں کی طرح تمام رستے کی مشکلات سے پہلو
بچاتی ہوئی موضوع کو اس خوبی سے آگے بڑھائے لئے جا رہی تھی کہ بنوئے اور
ولتا کی دوستی کی ایک بھی تفصیل اُن سے چھپی نہ رہ سکی۔ بنوئے نے یہاں تک بتا دیا
کہ گورا کے یکایک گرفتار اور بند ہو جانے پر ولتا کس قدر پریشان ہو گئی تھی اور
کس طرح وہ اس کے ساتھ اکیلی اسٹیمر پر چلی آئی۔ اور جب وہ اس طرح جوش سے
باتیں کرنے لگا تو اس کی اداسی بالکل ختم ہو گئی۔ یہ کیسی خوش نصیبی تھی کہ وہ کسی سے
اتنی آزادی کے ساتھ ایک ایسی بہترین شخصیت کے بارے میں بات کر سکتا تھا۔!
آخر کار جب کھانا کھانے کی اطلاع آئی اور گفتگو رو کنی پڑی، تو بنوئے کو
ایسا محسوس ہوا کہ وہ خواب سے چونک پڑا، جیسے اس کے دل میں جو کچھ تھا وہ سب
کچھ آنند موئی سے کہہ چکا تھا۔ وہ سب کچھ اس سادگی اور ہمدردی سے سُن رہی تھی
کہ کچھ شرمانے یا گھبرانے کی ضرورت نہ تھی۔

ابھی تک بنوئے نے کبھی پی. سی ماں سے کچھ نہیں چھپایا تھا۔ معمولی باتیں بھی وہ اُن سے آکر کہتا تھا لیکن پاریش بابو کے گھر والوں سے جب سے ملاقات ہوئی تھی، ایک ہچکچاہٹ سی ذہن پر طاری ہو گئی تھی جو یقیناً اس کے لیے صحت مند نہیں تھی۔ اس وقت جو اس نے پھر بدستور سابق اپنی ساری پریشانیاں ماں کے ہمدرد کانوں میں ڈال دیں تو اُسے اپنا وجود بہت ہلکا محسوس ہونے لگا۔ یقیناً اگر وہ اس واقعہ کا بیان آنند موئی کے قدموں میں بیٹھ کر نہ کر سکتا تو اس تجربے میں کوئی خرابی ہوتی کوئی ایسی شرمناک بات ہوتی جو اس کے عشق پر دھبہ ہوتی۔

رات کو آنند موئی بار بار اس معاملے کے متعلق سوچتی رہیں۔ وہ غور کرتی رہیں کہ گورا کی زندگی کا معمہ دن بدن زیادہ الجھتا جا رہا ہے مگر ممکن ہے کہ اس کا حل بھی پاریش بابو کے گھر سے حاصل ہو سکے۔ آخر میں وہ اس نتیجے پر پہونچیں کہ جو کچھ قسمت میں ہوگا وہ ہو کر رہے گا ہی، لیکن پاریش بابو کی لڑکیوں سے جان پہچان پیدا کر کے رہیں گی۔

چھتیسواں باب

موہم اور اُن کے گھر والے اپنی جگہ مطمئن بیٹھے تھے کہ بنوئے کے ساتھ شاشی کا بیاہ طے ہو گیا ہے، شاشی اب اپنی اس نئی شرم کی وجہ سے بنوئے کے سامنے نہیں آتی تھی۔ اور شاشی کی ماں لکشمی کو تو بنوئے نے شاذ ہی دیکھا تھا۔

یہ بات نہیں تھی کہ لکشمی دیوی اُس سے شرماتی بلکہ اُن کی فطرت ہی ایسی تھی کہ اُن کی ہر بات چھپی چھپی ہوتی تھی اور شوہر کے علاوہ ان کی باقی تمام چیزوں میں ہمیشہ کنجی تالا رہتا تھا۔ شوہر بھی بیوی کی حکومت سے اتنے آزاد نہ تھے جتنا وہ چاہتے تھے، ان کی جان پہچان کا دائرہ اور نقل و حرکت کی حدیں بیوی کی مرضی کے مطابق محدود رہتی تھیں، لکشمی دیوی اپنی مختصر دنیا کو سختی کے ساتھ اپنے دباؤ میں رکھتی تھیں، نہ اندر والے باہر نکل سکتے تھے نہ باہر والے اندر جھانک سکتے تھے۔ یہاں تک کہ گورا کا آنا بھی لکشمی کے یہاں کوئی خاص پسند نہیں کیا جاتا تھا۔

لکشمی دیوی کی اس سلطنت میں کوئی قانون یا قانون ساز مجلس یا کابینہ وغیرہ نہیں تھی، خود ہی وہ قانون بناتی تھیں اور خود ہی اس پر عمل درآمد کرتی تھیں، وہی عدالت خفیہ تھیں اور وہی عدالت عالیہ؛ باہر لوگ موہم بابو کو کافی زوردار آدمی سمجھتے تھے، لیکن لکشمی دیوی کے زیرِ نگیں اس زور کو ذرا بھی دخل نہیں تھا؛ معمولی معمولی باتوں میں بھی نہیں!۔

لکشمی دیوی نے پردے کے پیچھے سے بنوئے کو دیکھا، اپنا اندازہ اور حساب کتاب بٹھایا اور اس پر پسندیدگی کی مہر لگا دی۔ موہم بابو نے بنوئے کو بچپن سے گورا

کے دوست کی حیثیت سے دیکھا ہی تھا اور لکشمی دیوی نے ہی دراصل بنوئے کے متعلق اس امکان کا اظہار کیا تھا کہ اس سے رشتہ قائم کیا جائے۔ اور انھوں نے بنوئے کی جو خوبیاں گنوائی تھیں ان میں سے ایک خاص خوبی یہ بھی تھی کہ بنوئے جہیز نہیں طلب کرے گا۔

اس وقت یہ صورت تھی کہ بنوئے گھر میں رہ رہا تھا مگر پھر بھی موہم دادا اس سے شادی کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے تھے کیونکہ گورا نے جو اس طرح گرفتار ہو کے گڑبڑ مچادی تھی۔

آخر جب اتوار آگیا تو لکشمی دیوی عاجز آ کر دوپہر کو ... انہوں نے موہم کو سوتے سے جگا بٹھا دیا اور پان کی ڈبیہ سمیت اس کمرے میں کھوڑ دیا جہاں بنوئے بیٹھا ہوا آنند موئی کو "بنگا درشن" کے پچھلے شماروں سے کچھ پڑھ کر سنا رہا تھا یہ رسالہ ہی میں بنکم چندر جی نے نکالنا شروع کیا تھا۔

موہن بابو نے بنوئے کو ایک پان پیش کیا، اور پھر فوراً ہی گورا کی غیر ذمہ دارانہ حماقت پر اظہار خیال کرنے لگے۔ پھر وہ گورا کی تپسیہ کے باقی دن گننے لگے تو پتہ چلا ... بتایا گیا کہ اگہن کا مہینہ ختم ہو چکا تھا۔ بس وہ فوراً مطلب کی بات پر آگئے۔

"دیکھو بنوئے ــــــ یہ تو ... کہ اگہن میں شادی نہیں ہو سکتی یہ سب بیکار بات ہے، میں تو یہی کہوں گا کہ اگر تم نے قدم قدم پر خاندانی تاریخوں اور دنوں کا خیال کیا تو پھر تو کبھی بھی شادی نہ ہو سکے گی۔"

بنوئے کی گھبراہٹ دیکھ کر آنند موئی نے اس کی مدد کی اور بولیں "بھئی صاف بات یہ ہے کہ بنوئے نے ششی کو بچپنا سے ایک بہن اور بھتیجی کی حیثیت سے دیکھا ہے، وہ اس سے شادی کرنے کا خیال نہیں کر سکتا۔ اگہن کی بات تو صرف ایک عذر تھی۔"

"تو پھر اُن کو چاہیے تھا کہ شروع سے ہی صاف کہہ دیتے" موہم بابو نے

جواب دیا۔

"ارے بھئی ــــــ اپنے ذہن کی حالت کو بھی سمجھنے میں کچھ وقت لگتا ہے آدمی کو" آنند موئی بولیں "یہ تمھیں اتنی پریشانی کیا ہے موہم، بروں کی کوئی کمی تو یقیناً نہیں ہے، گورا کو آجانے دو، وہ بہت سے شادی کے لائق لڑکوں کو جانتا ہے۔ کہیں نہ کہیں طے کرا ہی دے گا۔ گھبراہٹ کیا ہے۔"

"ہوں ــــــ" موہم بابو نے لمبا منھ بنایا ــــــ پھر ذرا دیر بعد بولے "اگر آپ اس میں دخل اندازی نہ کرتیں ماں تو بنوئے تو کبھی کوئی اعتراض نہ کرتا!"

بنوئے نے گھبراکر، احتجاج کرنا چاہا۔ لیکن آنند موئی نے اس کو روک دیا۔ اور کہنے لگیں "تم نے کوئی بہت غلط بات تو نہیں کی موہم۔ اس معاملے میں واقعی میں نے بنوئے کو کوئی بڑھاوا نہیں دیا۔ یہ ابھی کم عمر ہے ہو سکتا ہے وقت کے وقت کسی خاص جذبے کے تحت اس رشتے کے لئے تیار ہو جاتا لیکن اس کا نتیجہ کبھی اچھا نہ نکلتا۔"

اس طرح آنند موئی نے موہم بابو کا تمام غصہ اپنے اوپر اوڑھ کر بنوئے کو صاف بچا لیا۔ حالانکہ بنوئے کو اپنی کمزوری کے احساس سے کافی کوفت ہوتی رہی لیکن موہم بابو نے بنوئے کو اپنی مخالفت بیان کرنے کا موقع ہی نہیں دیا جو وہ کچھ بھی ازالہ کر سکتا، وہ ایک دم خاموش اُٹھے اور کمرے سے باہر چلے گئے جیسے کہتے ہوں "ہاں اور کیا۔ سوتیلی ماں کو کب اپنی ماں کا سا درد ہو سکتا ہے" آنندموئی اچھی طرح جانتی تھیں کہ موہم بابو ضرور ان پر یہ الزام لگائیں گے اور خاندان کے مشکلات کی اصل وجہ سماج کے نزدیک، سوتیلی ماں کا وجود قرار دیا جائے گا، لیکن وہ اپنے رویّے کو کبھی اس خیال کے بدلنے کی عادی نہ تھیں کہ لوگ کیا کہیں گے۔ جس دن سے انھوں نے گورا کو اپنی آغوش میں لیا تھا، اس دن سے، انھوں نے اپنے

آپ کو تمام رسموں روایتوں سے علیحدہ کر لیا تھا بلکہ ایک ایسا راستہ اختیار کیا تھا کہ سماج کے الزامات مسلسل اُن پر لگتے رہتے تھے۔

وہ دوسروں کے کہے کا کیا بُرا مانتیں جبکہ ان کا خود اپنا ضمیر ہی اُن کو اس بات پر مسلسل ملامت کرتا رہتا تھا کہ انھوں نے سچی بات کو ابھی تک چھپا رکھا تھا ــــ جب لوگ ان پر کرشان ہونے کا الزام لگاتے تو وہ گورا کو اپنے کلیجے سے لگا کر کہتیں "ہاں سچ ہے ــــ خدا بہتر جانتا ہے کہ مجھے کرشان کہنا غلط نہیں" ــــ اس طرح سے وہ آہستہ آہستہ اس بات کی عادی ہو گئیں کہ اپنے سماجی دائرے کا حکم پس پشت ڈال وہ صرف اپنے دل کی بات مانیں ــــ اس لئے موہم بابو جو بھی الزام لگاتے چاہے زبان سے کہتے یا نہ کہتے، وہ ان کو اس راستے سے نہیں ہٹا سکتا تھا جس کو وہ صحیح سمجھتی تھیں۔

یکایک وہ بنوتے سے مخاطب ہوئیں "بٹو ــــ تم ادھر بہت دنوں سے پاریش بابو کے یہاں نہیں گئے ہو نہ" ــــ

"جی ــــ کئی دن ...... بہت دن تو اس کو نہیں کہا جا سکتا"

"بہرحال اس دن سے تو نہیں گئے ہو جب سے اسٹیمر پر آئے ہو" وہ بیشک بہت دن تو نہیں ہوئے تھے لیکن بنوئے جانتا تھا کہ پاریش بابو کے یہاں اس کا آنا جانا اس طرف اتنا بڑھ گیا تھا کہ آنند موئی کو وہ بہت کم نظر آتا تھا ــــ اس لحاظ سے یقیناً اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ بہت دن سے پاریش بابو کے یہاں نہیں گیا تھا ــــ وہ اپنی دھوتی میں سے ایک دھاگا نکال کر اُسے ملنے لگا ــــ چُپ رہا۔

اسی وقت نوکر نے آکر اطلاع دی کہ کچھ بیبیاں ملنے آئی ہیں بنوئے جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا کہ اس کی وجہ سے کوئی رکاوٹ نہ ہو لیکن ماں بیٹے ابھی یہ بات

ہی کررہے تھے کہ کون ہوسکتی ہیں کہ سچاریتا اور لولتا کمرے میں داخل ہوئیں اور پھر ظاہر ہے کہ بنوئے کے لئے بھاگ نکلنا ناممکن تھا۔ اس لئے وہ وہیں رُکا رہا لیکن بیحد بوکھلایا ہوا تھا اس لئے بالکل چپ چاپ رہا۔ لڑکیوں نے آنندموئی کے پاؤں کی دھول سر سے لگائی۔ لولتا نے بنوئے کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا لیکن سچاریتا نے اس کی طرف جھک کے پوچھ "آپ کیسے ہیں بنوئے"—— پھر دونوں آنندموئی کی طرف مخاطب ہوگئیں اور اپنا تعارف کروایا "ہم لوگ پاریش بابو کے یہاں سے آئے ہیں۔"

آنندموئی نے بڑی محبت سے ان دونوں کا استقبال کیا، اور تعارف پر احتجاج کرتے ہوئے بولیں "بھلا تم لوگوں کو اپنا تعارف کرانے کی کیا ضرورت ہے بچیو —— یہ تو ٹھیک ہے کہ میں کبھی تم لوگوں سے ملی نہیں ہوں مگر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم لوگ میری ہی بیٹیاں ہو ——" بہت جلد لڑکیاں ان سے گھل مل کر باتیں کرنے لگیں۔ بنوئے چپ چاپ ذرا الگ تھلگ بیٹھا تھا، سچاریتا نے اس کو باتوں میں شامل کرنے کے لئے کہا "آپ کافی عرصے سے ہمارے یہاں نہیں آئے؟"——

بنوئے نے لولتا کی طرف دیکھتے ہوئے سچاریتا کو جواب دیا "میں کسی حرج نہی میں مبتلا ہوکر یہ نہیں چاہتا کہ اب میرے آنے سے جو خوشی ہوتی ہے وہ بالکل ہی ختم کر دی جائے۔"

"میں سمجھتی ہوں آپ یہ نہیں جانتے کہ محبت اور اُنس میں بہت سی خوش فہمیوں کی اُمید کی جاتی ہے؟"

"ارے یہ اور نہ جانے!" آنندموئی ہنس کر بولیں "کیوں۔؟ میں تم کو اگر بتانے لگوں کہ کس طرح یہ دن بھر مجھے ایک ٹانگ پر نچاتا ہے تو بس! اس کے نخروں سے تو

مجھے ایک منٹ چین نہیں ملتا۔" اندرا انھوں نے پیار سے بنوئے کو دیکھا۔

"آپ کو جو خدا نے بے انتہا تحمل بخشا اسے وہ میرے ذریعے آزماتا رہتا ہے۔" بنوئے نے جواب دیا۔

سچاریتا نے شرارت سے لولتا کو کہنی ماری "کچھ سن رہی ہو لولتا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ آزمائش ہماری بھی ہوئی مگر خدا جانے ہم لوگ پورے اُترے کہ رہ گئے!"

لولتا کو اس بات کا کوئی نوٹس نہ لیتے دیکھ کر آنند موئی ہنسنے لگیں "فی الحال تو بینوا اپنے صبر کی آزمائش کر رہا ہے۔ آپ لوگ نہیں جانتے کہ آپ اس کے لئے کتنے اہم ہیں۔ کیوں، شام کو تو کسی پہ بات ہی نہیں کرتا۔ پاریش بابو، کا تو نام لے اسکی باچھیں کھل پڑتی ہیں۔" یہ کہتے وقت آنند موئی کی نگاہیں لولتا پر تھیں۔ لولتا بے حد کوشش کر رہی تھی کہ جیسے ہے ویسی نظر آئے۔ لیکن بار بار وہ شرم سے گلابی ہو ہو جاتی تھی۔

"پاریش بابو کی طرفداری کرنے کے لئے اس نے کس کس سے لڑائیاں مول لیں۔ یہ آپ لوگوں کو کیا معلوم، اس کے سارے پرانے خیالات والے لوگ اس کو برہمو کہہ کر پریشان کرتے ہیں۔ بعض نے تو برادری باہر کر دینے کی بھی دھمکی دی ___ تم اس بات کے ذکر سے اتنا گھبراتے کیوں ہو بیٹا، یہ کوئی شرم کی بات نہیں ہے ___ کیوں تم کیا کہتی ہو۔؟"

اس بار لولتا نظریں اٹھائے ان کی بات سن رہی تھی لیکن جب آنند موئی نے اس سے مخاطب ہو کر آخری فقرہ کہا تو اس نے سر جھکا لیا۔ سچاریتا اس کی طرف سے بولی "بنوئے بابو نے ہمیں اپنی دوستی کا شرف بخشا۔ یہ کوئی صرف ہماری خوبی تھوڑا ہی ہے۔ یہ تو ان کے دل کی بڑائی ہے۔"

"نہیں ____ میں یہ نہیں مان سکتی۔ میں بنوئے کو بچپن سے جانتی ہوں اور

آج تک اس نے گورا کے علاوہ کسی سے دوستی نہیں کی! اپنے ہم عمروں میں بھی کسی سے اسکی بے تکلفی نہیں ہے! لیکن جب سے آپ لوگوں سے میل جول بڑھا تب سے یہ (؟) بالکل ہم لوگوں کی پکڑ میں نہیں آتا! میں تو اس بات پر آپ لوگوں سے لڑنے کو آمادہ تھی لیکن اب تو مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ خود میرا بھی وہی حال ہونے والا ہے، بھلا آپ لوگوں سے محبت کئے بغیر کون رہ سکتا ہے بی بی "۔ یہ کہہ کر آنند موئی نے دونوں لڑکیوں کی ٹھوڑی میں ہاتھ دیا اور پھر اپنی انگلیاں چوم لیں! بنوئے اتنا گھبرا رہا تھا کہ سچا ریتا کو اس پر ترس آگیا اور بولی "بنوئے بابو، ہمارے ساتھ بابوجی بھی آئے ہیں، نیچے کرشن دیال جی سے بات کر رہے ہیں"۔

اس بات پر بنوئے کو موقع مل گیا کہ عورتوں کو ایک دوسرے کے حوالے کر کے بھاگ نکلے۔ اس کے جانے کے بعد آنند موئی ذکر کرنے لگیں کہ بنوئے اور گورا میں کتنی غیر معمولی دوستی تھی۔ اور ان کو جلد ہی یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ ان لڑکیوں کو اس موضوع سے دلچسپی ہے!۔ آنند موئی کے لئے تو دنیا میں ان دونوں لڑکوں سے زیادہ پیارا کوئی نہ تھا جن کو بچپن سے انھوں نے مادرانہ محبت شفقت اور پیار مکمل طور پر بخشا تھا۔ سچ پوچھئے تو انھوں نے گورا اور بنوئے کو اپنے ہاتھوں سے ڈھالا تھا۔ جیسے شیو کی وہ مورتی جسے لڑکیاں اپنے ہاتھوں سے بناتی ہیں اور ان دونوں نے بھی آنند موئی کی محبت کو پوری طور پر اپنایا تھا۔!

آنند موئی کے یہ دو صنم تھے۔ اور ان کی اپنی زبان سے ان دونوں کی کہانی کچھ ایسی پیاری، کچھ ایسی شیریں لگتی تھی کہ سچا ریتا اور لولتا سنے گئیں۔ اور ان کا دل نہیں بھرا۔ گورا اور بنوئے کے لئے ان کے دل میں عزت و احترام تو پہلے ہی سے موجود تھا لیکن ماں کی محبت کا یہ ساحرانہ انداز اس وقت ان دونوں شخصیتوں پر نور کی ایک انوکھی بارش کر رہا تھا؛ دونوں ہستیاں ایک نئی روشنی میں ابھرتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔

آنند موتی سے ملنے کے بعد لولتا کو مجسٹریٹ سے اور بھی نفرت ہو گئی اس پر اور بھی زیادہ طیش آیا۔ لیکن اس کو بُرا بھلا کہتے سن کر آنند موتی مسکرانے لگیں "بی بی۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ گورا کا قید خانہ میرے لئے کیا معنی رکھتا ہے۔ لیکن میں صاحب پر غصہ نہیں کر سکتی! میں گورا کو جانتی ہوں نہ۔ وہ جس بات کو صحیح سمجھتا ہے اس میں انسان کے بناتے ہوئے کسی قانون کے رکاوٹ ڈالنے کو برداشت نہیں کر سکتا گورا نے اپنا فرض ادا کیا۔ حاکم لوگ جو صحیح سمجھتے ہیں وہ بُرا ہے۔ اور اس کشمکش میں جس پر سختی گزر جائے ان کو صبر ہی کرنا پڑے گا۔ تم بس گورا کا خط پڑھ کر دیکھو ـــــ تو تمہیں پتہ چلے گا کہ وہ تکلیف سے گھبراتا نہیں، نہ ہی وہ بچوں کی طرح کسی پر غصہ ہے؛ جو کچھ اس نے کیا ہے، اس کے نتائج سے وہ پوری طرح باخبر ہے، اسے اچھی طرح تول چکا ہے۔"

اور انھوں نے گورا کا خط نکالا جو الگ احتیاط سے ایک بکس میں رکھا ہوا تھا۔ سچاریتا کو دیتے ہوئے بولیں "بی بی ـــــ تم اسے زور سے پڑھو ـــــ میں بھی پھر ایک بار سننا چاہتی ہوں۔"

جب گورا کا خط پڑھا جا چکا تو تینوں کچھ دیر چپ چاپ بیٹھی رہیں۔ آنند موئی نے دو چار آنسو پونچھے ـــــ جو صرف ماں کے دکھ سے پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ ماں کے فخر اور ناز سے بھی! ان کا یہ گورا بھی کیا ہی گورا تھا! کوئی لچا، کوئی گھٹیا، کوئی نیچا انسان نہیں کہ مجسٹریٹ سے معافی مانگ لیتا۔ رحم کی درخواست کرنے لگتا۔ اس نے کتنی بڑی ذمہ داری لے لی تھی، حالانکہ جیل کی تکلیفوں کا اسے اچھی طرح علم تھا۔ اور اس بات کے لئے اسے کسی سے کوئی شکایت بھی نہ تھی؛ اور اگر وہ پلک جھپکائے بغیر اس دکھ کو برداشت کر سکتا تھا تو یقیناً اس کی ماں بھی برداشت کر سکتی تھی،

لولتا آنند موئی کو دیکھتی رہی۔ اور دل ہی دل میں ان کی معترف ہوتی جاتی تھی!

برہمو سماج خاندان کی لڑکی ہونے کے ناتے اس کے دل میں کچھ مخصوص تعصبات سختی سے بیٹھے ہوئے تھے؛ پرانے خیالات کی، توہمات اور کچھ رسومات میں جکڑی ہوئی عورتوں کے لئے اس کے دل میں کوئی خاص عزت نہیں تھی۔ برروداویری کو جب کبھی اس پہ کوئی اعتراض کرنا ہوتا تھا تو ہمیشہ یہی کہتی تھیں کہ تم نے تو ایسی حرکت کی جیسے جاہل ہندو گھرانے کی لڑکیاں ہی کر سکتی ہیں۔ یہ بات وہ بچپن سے سنتی آئی تھی۔ اور سُن کر شرمندہ ہوا کرتی تھی۔

پر آج آنند موئی کے الفاظ اس کو حیرت میں ڈال رہے تھے۔ کتنی سنجیدہ اور پرسکون قوت! کتنی گہری عقل اور سمجھ! کتنا صحیح امتیاز! جب لولتا کو یہ خیال آیا کہ اس عورت کے مقابلے میں وہ خود اپنے جذبات پہ بالکل قابو نہیں رکھ سکی تھی۔ تو اسے اپنی ہستی اس کے مقابلے میں حقیر معلوم ہونے لگی۔ آنند موئی کا سکون اور ان کی سنجیدگی سے خود اس کے اُلجھتے ہوئے پریشان ذہن کو کس قدر اطمینان ہوا! اپنے ماحول اور اپنی دنیا سے وہ سمجھوتے پر مائل ہونے لگی۔ جلدی سے بولی "آپ سے ملنے کے بعد اب میری سمجھ میں آتا ہے کہ گورا بابو کو اتنی اخلاقی ہمّت اور قوّت کہاں سے حاصل ہوئی"۔

آنند موئی بولیں "نہیں بیٹی، میں سمجھتی ہوں؟ اس معاملے کو تم پوری طرح نہیں سمجھیں۔ اگر گورا اسی طرح میرا بیٹا ہوتا جیسے دنیا میں اور سب بیٹے ہوتے ہیں تو مجھے خود یہ ہمّت کہاں سے ملتی؟ اور پھر میں اس مصیبت کو کیسے اس طرح برداشت کر سکتی"؟

———:(۵):———

سینتیسواں باب

آنند موئی سے ملنے کے لئے جاتے وقت لولتا کی مخصوص پریشانی کی وجہ معلوم کرنے کے لئے ہمیں یک نظر پیتے دنوں پر ڈالنی ہوگی:

ادھر کچھ دنوں سے لولتا صبح اٹھتے ہی یہ سوچنے لگتی کہ بنوئے بابو آج نہیں آئیں گے کبھی کبھی خیال ہوتا کہ جیسے آ ہی گئے ہیں لیکن اوپر نہیں آئے، نیچے بیٹھک میں پاریش بابو کے ساتھ بیٹھے ہیں: یہ خیال دل میں سما جاتا تو وہ ہر کمرے میں باری باری سے چکر کاٹتی۔ پھر شام ہو جاتی، رات آجاتی اور سوتے وقت لولتا کی کچھ سمجھ میں نہ آتا کہ اس کے ذہن پر ہجوم کرتے ہوئے ان کھٹکتے خیالات کو وہ کیا کرے کبھی تو نکلتے ہوئے آنسو روکے نہ رکتے، کبھی غصہ آنے لگتا: یہ بھی سمجھ میں نہ آتا کہ کس پر غصہ آرہا ہے: غالباً اپنے اوپر ہی! اپنے دل سے پوچھتی "یہ کیا مصیبت ہے، کسی طرف کو راستہ نہیں دکھائی دیتا، ایسے کب تک ہوتا رہے گا؟ کب تک؟"

لولتا جانتی تھی کہ بنوئے پرانے خیالات کے ماحول سے آیا تھا: وہ اس سے شادی کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا لیکن پھر بھی اس طرح اپنے دل پر کوئی قابو نہ ہونا بڑا عجیب تھا؛ کیسی شرم کی بات، اور کس قدر مخمصے میں جان پھنسی تھی: یہ اسے معلوم تھا کہ بنوئے بھی اس کو چاہتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ دل اور بھی ہاتھوں سے نکلا جاتا تھا: یہی وجہ تھی کہ ایک طرف تو بنوئے کے انتظار میں وہ تڑپتی تھی دوسری طرف اسے یہ بھی خدشہ لگا رہتا تھا کہ اگر وہ واقعی آگیا تو کچھ بناتے نہ بنے گی۔

اتنے دن اس طرح پریشان رہنے کے بعد اسے ایک دن صبح یہ محسوس ہوا کہ

اب وہ زیادہ برداشت نہیں کر سکے گی۔ اور اس نے سوچا کہ اگر بنو تے کی غیر حاضری ہی اس ترطب کا باعث ہے تو شاید اُسے دیکھ کر کچھ تسکین ہو۔ چنانچہ اُس نے ستیش کو الگ لے جا کر کہا "مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ تمھاری اور بنو تے بابو کی لڑائی ہو گئی ہے؟"

ستیش نے بیحد بُرا مان کر اس الزام سے قطعاً انکار کیا۔ ویسے یہ بات ضرور تھی کہ جب سے اس کی خالا آ گئی تھیں وہ بنو تے بابو کی دوستی سے ذرا غافل ہو گیا تھا ——

"تو پھر وہ خوب دوست ہیں تمھارے میں کہتی ہوں —— کبھی تم سے ملنے بھی نہیں آتے۔"

"واہ —— کیسے نہیں؟ آپ کو کیا معلوم آتے ہیں کہ نہیں آتے۔ آتے تو ہیں؟"

ستیش خاندان میں سب سے چھوٹا تھا لیکن اس مخصوص عزت و شان پر اسے بھی ناز تھا کہ بنو تے بابو یہاں صرف اس سے ملنے آتے ہیں! اور اس سلسلے میں یہ ثابت کرنے کے لئے کہ فوراً بلا کر لا سکتا ہے اسے کسی خاص اور زبردست ثبوت کی ضرورت ہوئی لہٰذا وہ فوراً بنو تے کے گھر کی طرف چل پڑا اور فوراً ہی یہ خبر لے کے لوٹا کہ بنو تے بابو گھر پر ہیں ہی نہیں۔ اس لئے نہیں آتے۔

"لیکن تمھارے بلاتے جانے کی ضرورت کیا تھی' وہ خود ہی کیوں نہیں آتے اور پہلے کیوں نہیں آئے؟"

"ارے وہ بہت دنوں سے گھر پر نہیں ہیں اس لئے نہیں آ رہے ہیں آجکل" ستیش نے جواب دیا۔

تب لولتا نے سچاریتا کو گھیرا "دیدی' آپ کا کیا خیال ہے؟ ہم لوگوں کو جاکے گورموہن بابو کی ماں سے ملنا چاہیے نہ؟"

"لیکن ہم لوگ اُن کو کیا جانیں۔ کبھی اُن سے ملے نہیں۔"

"ارے واہ ـــــــ گورا کے والد تو اپنے بابو جی کے پرانے دوست ہیں"

سچاریتا کو بھی یاد آیا کہ یہ بات بالکل ٹھیک تھی؛ وہ راضی ہو گئی اور کافی شوق سے تیاری کرتے ہوئے بولی "بھئی" بابو جی سے ذرا صلاح کر لو ـــــــ "لیکن اس پر لولتا راضی نہیں ہوئی سچاریتا کو ہی پوچھنا پڑا۔

پاریش بابو فوراً راضی ہو گئے بلکہ بولے "ضرور چلو" ـــــــ ہم لوگوں کو اور پہلے جانا چاہیئے تھا"

طے یہ ہوا کہ ناشتے کے بعد چلا جائے گا لیکن یہ طے ہونے کی دیر تھی کہ لولتا نے اپنی رائے بدل دی۔ کچھ ہچکچاہٹ ہوئی کچھ اُن کو ٹھیس لگی اور وہ جھجکنے لگی۔ سچاریتا سے کہا "دیدی، آپ جائیے بابو جی کے ساتھ، میں نہیں جاؤں گی"

"ارے واہ یہ کیسے ہو گا میں اکیلی کیونکر جاؤں گی۔ ارے چلو نہ، میری اچھی بہن، کتنی پیاری ہے! اب خواہ مخواہ کی ضد کر کے بنا بنایا پروگرام نہ بگاڑو"

بڑی خوشامد کے بعد آخر کار لولتا راضی ہوئی ـــــــ لیکن کیا یہ بنوئے کے آگے ہار ماننا نہیں تھا۔ اس نے تو اس مزے میں آنا بند کر دیا، اور وہ اس کے پیچھے بھاگتی پھرے؟ اس شکست کے احساس نے اسے بنوئے پر بے حد غصہ دلایا۔ وہ جھوٹ اپنے آپ کو تسلی دینے لگی جھوٹ تھا کہ وہ آنند موئی کے یہاں صرف بنوئے کو ایک نظر دیکھنے کی غرض سے جانا چاہتی تھی! اسی رویّہ کو برقرار رکھنے کے لئے اس نے نہ بنوئے کی طرف دیکھا نہ اس سے مخاطب ہوئی۔

بنوئے نے اپنی جگہ یہ سمجھا کہ لولتا کا رویّہ اس لئے تھا کہ اُسے بنوئے کے جذبات کا علم ہو گیا تھا۔ اور وہ اُن کو بڑھاوا نہیں دینا چاہتا تھا؛ اس لئے اپنے متعلق اتنی خوش فہمی نہیں تھی کہ ان ہی جذبات کا عکس لولتا کی طبیعت میں بھی دیکھنے کی ہمت یا اُمید کرتا۔

وہ شرمایا ہوا آیا اور وہ اس طرح کھڑا ہوا کہ دروازے کی آڑ تھی اور لوتا اس کو دیکھ نہیں سکتی تھی۔ آہستہ سے بولا "پاریش بابو گھر چلنے کو کہہ رہے ہیں۔"

"کیا؟" آنند موئی نے زور سے کہا "پاریش بابو کیا سمجھتے ہیں کہ میں بچیوں کو بغیر کچھ کھلائے پلائے روانہ کر دوں گی۔ بنوئے یہاں آکر ان لوگوں کے پاس بیٹھو، میں ذرا اندر جا کر ناشتے کا بندوبست کروں ——— یہ دروازے کی آڑ میں کیوں کھڑے ہو ——— ادھر آؤ۔"

بنوئے ہچکچاتا ہوا اندر گیا اور لوتا سے جتنا زیادہ دور ممکن ہو سکتا تھا بیٹھ گیا ———

لوتا اس عرصے میں اپنی گھبراہٹ پر قابو پا چکی تھی؛ معمولی اور فطری طریقے سے بولی "بنوئے بابو، ستیش آج آپ کے گھر گیا تھا۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ آپ نے کہیں اس سے بالکل ہی قطع تعلق تو نہیں کر لیا ہے؟"

بنوئے اس طرح چونک پڑا جیسے یہ آواز اس دنیا سے نہیں بلکہ جنت سے آرہی ہو۔ پھر ذرا جھینپ گیا کیونکہ وہ اس طرح چونک پڑا تھا کہ اس کی بوکھلاہٹ چھپ نہیں سکتی تھی۔ اس کی حاضر دماغی اور خوش رفتاری سب اڑنچھو ہو گئی تھی۔ رک رک کر بولا "ستیش میرے کمرے پر گیا تھا؟ میں تو کئی دن سے وہاں نہیں تھا۔"

بہرحال لوتا کے ان چند الفاظ نے بنوئے کو ایک لمحے ہی میں بیحد مسرت بخش دی اور اُسے ایسا محسوس ہوا کہ بھیانک خواب کی طرح جو شکوک اس کی دنیا پر چھائے ہوئے اس کی خوشیوں کا گلا گھونٹ رہے تھے وہ یکایک چھٹ گئے۔ اب دنیا میں اور کیا چاہئے تھا! اس کے دل نے آواز دی "میں بچ گیا، میں بچ گیا، لوتا مجھ پر شک نہیں کرتی، وہ مجھ سے ناراض بھی نہیں۔"

پھر تو تمام ہچکچاہٹ دور ہو گئی، حجابات ہٹ گئے، سچارتیا ہنس ہنس کر کہہ رہی

تھی" بنوتے بابو نے سمجھا کہ ہم لوگ بڑے بڑے پنجوں یا دانتوں یا سینگوں والے جانور ہیں یا تلوار بندوق لے کر اُن پر حملہ کرنے یہاں آ پہنچے ہیں۔ جبھی تو آڑ میں ہو گئے تھے۔"

"بھئی جو چُپ رہتا ہے نا، تو ہمیشہ ہی گنہگار سمجھا جاتا ہے، اس دنیا میں وہی مقدمہ جیتتا ہے جو پہلے دعویٰ دائر کرے، لیکن دیدی آپ سے تو مجھے یہ اُمید نہ تھی آپ خود ہی دُور ہٹ جاتی ہیں اور پھر دوسروں پہ الزام لگاتی ہیں کہ وہ دُور ہٹ گئے۔"

آج پہلی بار بنوتے نے سچاریتا کو دیدی کہہ کر مخاطب کیا اور اس طرح گویا اس کے بڑی بہن کے رشتے پر زور بھی دیا اور اسے قبول بھی، ——— سچاریتا کو یہ الفاظ اس کے منھ سے بہت پیارا لگا۔ اُسے محسوس ہوا کہ پہلی ہی ملاقات کے بعد اُسے جو اُنس بنوتے سے ہو گیا تھا، اب اس محبت نے ایک باقاعدہ اور خوشگوار صورت اختیار کر لی تھی۔

پھر آنند موئی اندر آئیں اور لڑکیوں کی خاطر میں مصروف ہو گئیں، بنوتے کو انھوں نے باہر بھیج دیا کہ پاریش بابو کو ناشتہ کرواتے۔

آخر کار جب پاریش بابو اپنی لڑکیوں کے ساتھ روانہ ہوئے تو دن ڈھل چکا تھا۔ بنوتے آنند موئی سے بولا "ماں ——— آپ بہت تھک گئیں، اب میں آپ کو کام نہیں کرنے دوں گا ——— آئیے کوٹھے پر چلیں۔"

بات یہ تھی کہ بنوتے سے بولا نہیں جارہا تھا۔ وہ جلدی سے آنند موئی کو چھت پر لے گیا۔ لپک کر اپنے ہاتھ سے چٹائی بچھائی اور ان کو بٹھا دیا۔

آنند موئی بیٹھتے ہوئے بولیں "ہاں تو بینو، پھر کیا کہنا چاہتے ہو مجھ سے؟"

"کچھ تو نہیں آپ کہیے نہ۔" بنوتے کو بے چینی تھی کہ آنند موئی نے پاریش بابو کی لڑکیوں کے بارے میں کیا خیال قائم کیا۔

"ارے واہ ——— یہ خوب رہی" آنند موئی بولیں "بس اتنے کے لئے مجھے کام کرنے سے گھسیٹ کے یہاں لے آئے۔ میں تو سمجھی تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہو۔"

"لیکن ماں دیکھو تو ڈوبتا ہوا سورج کتنا اچھا لگ رہا ہے، اگر میں آپ کو گھسیٹ کر اوپر نہ لاتا تو آپ یہ حسین منظر کیسے دیکھتیں۔"

نومبر کا سورج کلکتہ شہر کے مکانات پر اپنی ڈوبتی ہوئی پرچھائیاں پھیلا رہا تھا لیکن ساری فضا پر کچھ اداسی طاری تھی۔ اس کے رنگوں میں کوئی خاص حسن نہ تھا اور کرنوں کا سونا افق پر پھیلے ہوئے دھوئیں کی سیاہی میں کھویا جا رہا تھا۔ ہاں مگر بنوئے کے لئے ڈوبتے ہوئے سورج کی اس اداسی میں ہزاروں رنگ دمک رہے تھے؛ اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ دنیا نے اُسے بڑی محبت سے اپنے بازوؤں میں لپیٹ لیا ہے؛ آسمان جیسے نیچے اُتر آیا ہے اور بڑی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہا ہے۔

"یہ لڑکیاں تو بڑی پیاری ہیں" آنند موئی نے کہا۔ لیکن بنوئے کے لئے اتنا کافی نہیں تھا؛ اور وہ برابر موضوع کو جاری رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ چھوٹی چھوٹی بہت سی باتیں بیان کر کے اس نے اپنے اور پاریش بابو کے خاندان کی دوستی کی بہت سی تفصیلیں آنند موئی کے سامنے بیان کیں۔ یہ تفصیلیں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی تھیں لیکن اس وقت کی فضا ان باتوں کے لئے بہت سازگار تھی؛ بنوئے کی دلچسپی اور شوق، آنند موئی کی ہمدردی، کھلی ہوئی چھت کا مکمل تخلیہ اور سناٹا اور نومبر کی شام کے گہرے ہوتے ہوئے سائے، ان تمام چیزوں نے ان گھریلو چھوٹی موٹی باتوں کو ایک گہری معنی خیز دولت بخش دی تھی۔!

یکایک آنند موئی نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کے کہا "آہ، میرا کتنا جی چاہتا ہے کہ میرے گورا کی شادی سچاریتا سے ہوتی۔"

بنوتے چونک کے سیدھا ہو بیٹھا "ارے، میں نے تو خود ہی کئی بار یہی سوچا ہے ماں۔ سچارتیا دیوی گورا کے لئے بہت ہی مناسب رہیں گی۔"

"لیکن یہ کبھی ہو بھی سکتا ہے؟" آنندموئی جیسے اپنے آپ سے بولیں "کیوں نہیں" بنوئے نے جلدی سے کہا "میں تو یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ گورا کو سچارتیا اچھی نہیں لگتی ہیں۔"

یہ بات تو آنندموئی سے بھی پوشیدہ نہیں تھی کہ گورا کا دل کہیں نہ کہیں لگ گیا ہے اور کبھی کبھار بنوئے کی ادھر اُدھر کی باتوں سے اُن کو یہ بھی اندازہ تھا کہ یہ کشش سچارتیا کے علاوہ کسی کے لئے نہیں ہے۔ چند منٹ چپ رہ کر بولیں "مجھے جو شک ہے وہ یہ کہ سچارتیا کسی پرانے خیالات والے گھر میں شادی کرے گی بھی کہ نہیں۔"

"نہیں ـــــ بلکہ یہ سوال ہے کہ گورا برہمو خاندان سے رشتہ کرنے پر راضی ہوگا۔ اور آپ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا" بنوئے نے کہا۔

"مجھے ہرگز کوئی اعتراض نہیں قطعی نہیں۔"

"سچ مچ نہیں"

"کہہ تو رہی مجھے بالکل اعتراض نہیں ہے۔ کیوں اعتراض ہو؟ شادی تو دو دلوں کا سودا ہے نہ۔ پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کون سے منتر پڑھے جائیں؟ بس بھگوان کا نام لے کر رسم ادا کر دی جائے اتنا کافی ہے۔"

بنوئے کو اپنے دل پر سے ایک بوجھ کھسکتا ہوا محسوس ہوا۔ بڑے جوش سے کہنے لگا "ماں میں تو آپ کو اس طرح کی باتیں کرتا دیکھ کر حیران رہ جاتا ہوں۔ آپ اتنی آزاد خیال اور اتنی ترقی پسند کیسے ہو گئیں ـــــ یہ روشن خیالی آپ نے کہاں سے لی؟"

"کیوں؟ گورا سے" آنندموئی ہنسنے لگیں

"لیکن گورا تو اس کے بالکل متضاد باتیں کہتا ہے۔ ں؟"

"اس کے کہنے سے کیا ہوتا ہے، میں جو کچھ سیکھتی ہوں وہ تو اسی سے سیکھتی ہوں کہ انسان بجائے خود صداقت ہے اور جو چیزیں انسان سے انسان کو الگ کرتی ہیں وہ کتنی جھوٹی اور غلط ہیں! تم ہی بتاؤ بیٹے کہ آخر برہمو اور ہندو میں فرق ہی کیا ہے؟ انسان کا دل تو ذات پات میں بٹا ہوا نہیں ہوتا اور بھگوان دلوں کو ہی ملاتا اور پھر دلوں میں ہی اپنی جگہ بناتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے کہ بھگوان کو الگ کرے، انسانوں کا اتحاد ذات پات کے ذریعے کیا جائے؟"

بنوتے نے اُن کے پاؤں پکڑ لیے "ماں تمھاری باتیں تو شہد ہیں —— آج تمھارے ساتھ جو دن بھر گزرا اس کا ایک ایک لمحہ وصول ہو گیا۔" ——

اڑتیسواں باب

سچاریتا کی خالہ جب آئیں تو پاریش بابو کے گھر کی فضا میں کافی گڑبڑ پھیل گئی ہوگی۔ اس گڑبڑ کو بیان کرنے سے پہلے یہ مناسب ہوگا کہ پہلے ہری موہنی کے متعلق کچھ بتا دیا جائے ـــــ اور ان ہی کے الفاظ میں بس۔ اسی طرح جس طرح انھوں نے سچاریتا سے سب بات بیان کی ـــــ

"میں تمھاری ماں سے دو سال بڑی تھی اور ہمارے باپ کے گھر ہماری جتنی دیکھ دیکھ اور جتنا لاڈ پیار ہوتا تھا اس کی کوئی انتہا نہ تھی۔ بات یہ تھی کہ گھر میں بس ہم دو ہی بچے تھے اور ہمارے چچا لوگ ہم لوگوں کو اتنا چاہتے تھے کہ ہم زمین پر پیر نہیں رکھتے تھے۔"

"جب میں آٹھ سال کی ہوئی تو رائے چودھریوں کے مشہور پشتینی خاندان میں میری شادی ہوئی۔ لیکن میری قسمت میں خوشی نہیں تھی۔ میرے ماں باپ اور میرے سسر کے درمیان جہیز کے معاملے میں کچھ غلط فہمی ہو گئی اور میرے سسرال والے بہت دنوں تک میرے باپ کے رویہ پر ناراض رہے کیونکہ وہ اسے کمینہ پن کہتے تھے اکثر وہ مجھ کو دھمکیاں دیا کرتے "اگر ہمارا لڑکا دوسری شادی کرے تو ـــــ تب ہم دیکھیں گے ان کی لڑکی کی کیا گت بنتی ہے۔"

"جب میرے باپ نے میری یہ حالت دیکھی تو انھوں نے قسم کھائی کہ اپنی دوسری لڑکی کی شادی امیر گھرانے میں نہیں کریں گے۔ یہی وجہ ہوئی جو تمھاری ماں کے لئے امیر بر نہیں ڈھونڈھا گیا۔"

"میری سسرال میں بہت لوگ تھے، لمبا چوڑا خاندان تھا، نو سال کی عمر سے مجھے ساٹھ ستر آدمیوں کا کھانا پکانے میں مدد دینی ہوتی تھی، جب تک گھر کا ایک ایک فرد کھانا نہ کھا لیتا، میں کھا نہیں سکتی تھی۔ اور اس وقت بھی بچا کھچا مجھے ملتا تھا۔ کبھی کبھی صرف چاول، اور کبھی کبھی اس کے ساتھ ذرا سی دال، دن کا کھانا دو بجے اور کبھی کبھار شام بھی ہو جاتی تھی۔ کھانا کھاتے ہی مجھے دوسرے وقت کا کھانا پکانے میں جتنا پڑتا تھا۔ اور سب کاموں سے نپٹ کر رات کے گیارہ بارہ بجے کھانا نصیب ہوتا تھا۔ میرے سونے کی کوئی خاص جگہ نہ تھی، کوئی اپنے پاس سلا لیتا تو سو جاتی ——— زمین پر، بغیر بستر کے، اکثر مجھے سونا پڑتا تھا۔"

میرے ساتھ اس لاپرواہی کے برتاؤ کا اثر میرے شوہر پر بھی ہوا ——— وہ بہت دنوں تک مجھ سے کھنچے کھنچے اور دُور دُور رہے۔ سترہ سال کی عمر میں میری لڑکی منورما پیدا ہوئی ——— اب میری پوزیشن گھر میں اور بدتر ہو گئی کیونکہ میں نے لڑکی پیدا کی تھی؛ پھر بھی اس ذلت اور خواری کی زندگی میں میری بچی میرے لئے بڑی مسرت اور تسکین کا سامان تھی، اس غریب کو بھی نہ باپ کا پیار حاصل تھا نہ خاندان کی محبت، لیکن مجھے وہ اپنی زندگی سے زیادہ عزیز تھی۔"

"تین سال بعد میرے بیٹا پیدا ہوا؛ پھر میری حالت ذرا بہتر ہو گئی اور گھر کی بہو اور مالکن کا درجہ تھوڑا بہت حاصل ہو گیا۔ ساس تو میرے تھی ہی نہیں، منورما کی پیدائش کے دو سال بعد سسر کا بھی انتقال ہو گیا۔ اُن کے مرنے کے بعد میرے شوہر اور بھائیوں میں جائداد پر کچہری عدالت ہونے لگا آخر مقدمہ میں بہت کچھ بربادی ہوئی، بٹوارہ ہو گیا۔"

"جب منورما شادی کے لائق ہوئی تو میں اُسے اپنی آنکھ سے اوجھل کرنے کے خیال سے اتنا ڈرتی تھی کہ میں نے اُسے پالشا سے دس میل دُور ایک گاؤں میں بیاہا۔"

اس کا دولھا بڑا خوبصورت تھا، بہت حسین ناک نقشہ اور رنگ بھی خوب صاف ستھرا۔ خاندان بھی کھاتا پیتا تھا۔"

"میری مکمل بربادی سے پہلے بھگوان نے مجھے سُکھ کے کچھ دن دکھا دیئے تھے۔ بہت تھوڑے دن، لیکن ایسا لگتا تھا کہ ذلّت اور پریشانی کی زندگی کے پورے عرصے کی تلافی ان دنوں سے ہو گئی۔ آخر میں میرے شوہر بھی مجھ سے بہت محبّت کرنے لگے اور میری اتنی قدر کرنے لگے کہ مجھ سے صلاح کئے بغیر کچھ نہیں کرتے تھے۔ لیکن یہ سب اتنا اچھا تھا کہ وہ باقی رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ ہمارے جوار میں ہیضے کی وبا پھیلی، اور میرے شوہر اور بیٹا چار دن کے اندر اندر ختم ہو گئے۔ ایسا غم تو سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ انسان برداشت کر سکتا ہے لیکن بھگوان نے مجھے یہ سب کچھ دکھانے کے لئے زندہ رکھا۔"

"رفتہ رفتہ مجھے اپنے داماد سے واقفیت ہوئی۔ بھگوان سوچ سکتا تھا کہ اتنے خوبصورت آدمی کے روپ میں وہ ایک زہریلا سانپ تھا۔ میری بیٹی نے مجھے کبھی نہیں بتایا تھا اس کے شوہر کو بُری صحبت میں بیٹھ کر شراب پینے کی لت پڑ گئی ہے۔ میرے پاس آکر وہ طرح طرح کے بہانوں سے روپیہ مانگتا اور مجھے خوشی ہوتی کیونکہ میرا دُنیا میں اور کون تھا جس کے لئے جوڑتی۔"

بہرحال میری بیٹی نے بہت جلد مجھے منع کرنا شروع کر دیا کہ اس کو روپیہ نہ دوں اور مجھ سے برابر کہتی رہتی کہ آپ اس طرح روپیہ دے دے کر اس کو بگاڑ رہی ہیں۔ یہ روپیہ لے کر نہ جانے کہاں برباد کرتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ سونا سمجھتی ہے جو سسرال والوں سے روپیہ لے گا تو اپنے خاندان کے آگے ذلیل ہو گا، اس لئے منع کرتی ہے۔ اس لئے میری حماقت دیکھو کہ میں نے ان کو چھپا چھپا کر پیسے دینے شروع کئے۔ جب میری بیٹی کو اس بات کا پتہ چلا تو اس نے رو رو کر مجھ سے سب کچا چٹھا

کہہ سنایا؛ پھر تم سوچ سکتی ہو کہ میں کس طرح چھاتی پیٹ پیٹ کر روتی ہوں گی۔ اور غضب یہ ہوا کہ میرے شوہر کے ایک بھائی کی دیکھا دیکھی اور بڑھ وا دینے سے ہی میرا داماد تباہی کے راستے پر چلا اور یہ سب کچھ ہوا۔"

جب میں نے اس کو روپیہ دینا بند کر دیا تو اس کو شک ہو گیا کہ میری بیٹی اس کی بنیاد ہے، پھر تو اس نے رازداری بھی ختم کر دی، اور منورما سے اتنا ظالمانہ برتاؤ کرنے لگا کہ کیا کہوں؛ غیروں کے آگے بھی، اُسے ذلیل کرنے سے نہ چوکتا تھا، اور یہ باتیں اتنی بڑھیں کہ میں پھر چوری چھپے اس کو روپیہ دینے لگی۔ حالانکہ میں اچھی طرح جانتی تھی کہ اس طرح وہ جہنم کے راستے پر بڑھتا جا رہا ہے۔ پر میں کرتی بھی کیا؟ منورما کی تکلیفیں مجھ سے دیکھی نہ جاتی تھیں۔"

پھر ایک دن ایسا آیا ـــــ آہ، مجھے وہ دن کتنی اچھی طرح یاد ہے۔ فروری کا آخری ہفتہ تھا، گرمی کا موسم اس سال ذرا جلد ہی شروع ہو گیا تھا۔ ہم لوگ آپس میں باتیں کیا کرتے تھے کہ پائیں باغ کے آموں میں کتنی جلدی بور آ گیا ہے۔ دوپہر کے وقت ایک پالکی آکر دروازے پر رُکی، اس میں سے منورما اتری۔ مسکراتی ہوئی مجھ تک آئی، اور میرے پیروں کی دھول لے کر سر سے لگائی "ارے ـ کیا بات ہے؟ کیا خبر ہے؟" اس نے مسکراتے ہوئے ہی جواب دیا "کیوں؟ کیا بغیر کسی خبر کے میں صرف اپنی ماں سے ملنے کے لئے نہیں آ سکتی؟"

"میری بیٹی کی ساس بری نہیں تھی اور اس نے یہ پیغام بھیجا تھا کہ منورما امید سے ہے اور میرے خیال میں، اس کے لئے سب سے بہتر بات یہ ہو گی کہ ولادت تک اپنی ماں کے پاس رہے۔ ظاہر ہے میں سمجھی کہ منورما کے اس طرح آنے کی اصل وجہ یہی تھی میں کیسے جان سکتی تھی کہ میرا داماد اس حالت میں بھی اس کو مارتا پیٹتا تھا اور اس کی ساس نے صرف اس خوف سے منورما کو بھیج دیا تھا کہ نہ جانے کیا انجام ہو جائے۔" اسطرح

منورما اور اس کی ساس نے اپنے راز کو چھپایا۔ اور مجھ کو اندھیرے میں رکھا۔" اگر میں کبھی اس کو تیل ملنا چاہتی یا نہانے میں مدد دینا چاہتی تو وہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانا کر دیتی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ مجھے وہ نشان نظر آئیں جو اس کے شوہر کی مار سے اس کے جسم پر پڑ گئے تھے۔"

"میرا داماد کئی بار آیا اور بیوی کو لے جانے کے لئے جھگڑا کیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جب تک وہ یہاں رہے گی اس کو روپیہ نہیں مل سکتا۔ کچھ دن بعد اس نے یہ لحاظ بھی اٹھا دیا۔ کھلم کھلا منورما کے سامنے بھی مجھ سے روپوں کا مطالبہ کرنے لگا۔ منورما خود بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم تھی، اور مجھے منع کرتی رہتی تھی کہ اس کی بات نہ سنوں، لیکن یہ خوف کہ وہ میری بیٹی پر غصہ اتارے گا۔ مجھے برابر کمزور کرتا رہتا تھا۔"

آخر کار منورما نے کہا کہ "ماں۔ تم اپنا روپیہ پیسہ میرے حوالے کرو" —— اس نے کیش بکس اور کنجیوں پر قبضہ کر لیا۔ جب میرے داماد نے دیکھا کہ اب مجھ سے روپیہ ملنے کا کوئی امکان نہیں ہے اور منورما کی مستقل مزاجی کو میں توڑ نہیں سکتی تو اس نے یہ اصرار کرنا شروع کیا کہ اس کی بیوی کو بھیج دیا جائے۔ میں نے منورما کی بہت خوشامد کی کہ وہ جو مانگتا ہے وہ اس کو دے دیا جائے، اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے دے دیا جائے ورنہ پتہ نہیں یہ کیا کر بیٹھے۔"

"لیکن منورما بعض باتوں میں جتنی ملائم تھی بعض میں اتنی ہی سخت تھی۔ اس نے کہا "نہیں ماں —— ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔"

"ایک دن اس کا شوہر آیا۔ آنکھیں لال لال اور چڑھی ہوئی۔ اور بولا "کل شام کو میں ایک پالکی بھیجوں گا اور اگر آپ نے میری بیوی کو نہ آنے دیا تو پھر آپ کے حق میں بہت برا ہو گا، میں کہے دیتا ہوں۔"

"دوسرے دن شام ہونے سے پہلے جب پالکی آئی تو میں نے منورما سے کہا "بیٹی
اب تمھارا یہاں رُکنا ٹھیک نہیں ہے، لیکن میں اگلے ہی ہفتہ کسی کو تمھارے لینے کے
لئے بھیج دوں گی۔"

"لیکن منورما بولی 'ماں' مجھے کچھ دن اور رہ لینے دو، آج میرا جانے کو جی نہیں
چاہتا، اِن سے کہو کچھ دن بعد آجائیں۔"

"میں نے کہا" بیٹی اگر اس وقت پالکی واپس کر دی گئی تو تمھارے ضدی شوہر کو
کون سنبھالے گا۔" نہیں منورما بیٹی، آج تجھے جانا چاہئے!

"نہیں ماں آج نہیں، پھاگن میں میرے سسر لوٹیں گے، تب ہی میں جاؤں گی۔"
میں پھر بھی اصرار کرتی رہی کہ اس کے لئے رُکنا ٹھیک نہیں ہے۔ آخر کار منورما
چلنے پر تیار ہوئی، میں نے کہاروں اور نوکروں وغیرہ کے لئے کھانے کا انتظام کیا
اور اتنی مصروف ہوگئی کہ مجھے منورما کو بنانے 'سنوارنے' یا اس کے لئے کوئی خاص
بھی چیز پکانے یا جانے سے پہلے اس سے بات کرنے کی بھی مہلت نہیں ملی ــــ
پالکی میں بیٹھنے سے پہلے اس نے جھک کر میرے پاؤں چھوئے "ماں ـــــ الوداع!"

"مجھے کیا گمان تھا کہ یہ اُن کی آخری رخصتی ہے۔ ہمیشہ کے لئے الوداع ہے
آج تک یہ سوچ کر میرا دل پھٹتا ہے کہ وہ جانے پر راضی نہیں تھی اور میں نے زبردستی
اس کو بھیجا۔ آہ! زندگی میں کبھی یہ زخم نہیں بھرے گا۔ اسی رات منورما کا اسقاط سے
انتقال ہوگیا اور مجھے خبر پہنچنے سے پہلے ہی اس کو چھپا کے جلدی سے پھونک دیا گیا۔"

"جس غم کے بارے میں انسان نہ کچھ کہہ سکے نہ کر سکے، اس کی رُوداد یا حالت
کیا تم سمجھو گی بیٹی؟" یہ دُکھ تو زندگی کھو دینے سے بھی نہیں دُھل سکتا ـــــ سب کچھ
کھو کر بھی میرے دُکھوں کا خاتمہ نہیں ہوا۔ شوہر اور بیٹے کی موت کے بعد دیور لوگ
میری جائداد پر لالچ کی نظر ڈالنے لگے۔ یہ تو اُن کو معلوم تھا کہ میرے مرنے کے بعد

سب کچھ ان ہی کو ملے گا۔ مگر اتنا صبر وہ کہاں کر سکتے تھے۔ میں اُن پر کوئی الزام بھی نہیں لگاتی، کیونکہ میری ایسی عورت کا زندہ رہنا ہی اس کا کافی جرم تھا۔ جن لوگوں کو طرح طرح کی ضرورتیں ہیں وہ کیوں ایک ایسی ہستی کو برداشت کریں جسے اب دُنیا میں کسی چیز کی ضرورت نہیں ——— اور پھر بھی وہ ان کی عزیزیکی اُن کے عیش کے راستے میں رکاوٹ بن رہی ہو؟

"جب تک منورما زندہ رہی، اپنے حق کے لئے استقلال کے ساتھ اپنی جگہ پر جمی رہی اور کسی کے کہنے سننے میں نہیں آئی، کیونکہ میں نے سوچ لیا تھا کہ اپنا سب کچھ اسی کو دے کے مروں گی؛ لیکن میرے دیوروں کو یہ بات پسند نہ تھی کہ میں اپنی بچّی کے لئے روپے جمع کروں، ان کے خیال میں یہ روپیہ اُن کی جیب سے نکلتا تھا؛ میرے شوہر کے ایک معتبر منشی، دوست اور مشیر تھے جن کا نام نیل کانت تھا، وہ میرے طرفدار تھے۔ اگر کبھی میں اپنے دیوروں سے سمجھونے کی بات کرنے کی سوچتی بھی تو وہ بہت بگڑتے اور میری ایک نہ سنتے۔ کہتے "دیکھیں گے، ——— کون ہم سے ہمارا جائز حق چھین سکتا ہے۔"

"یہی جھگڑا جاری تھا جب منورما کا انتقال ہوا۔ اس کے مرنے کے دوسرے ہی دن میرے ایک دیور نے مجھ سے کہا کہ اب میں تمام دنیاوی دولت کا خیال چھوڑ کر سنیاس کی زندگی بسر کروں۔ مجھ سے انھوں نے کہا "بھابی ——— خدا کی مرضی ایسی معلوم ہوتی ہے کہ آپ دنیاداری میں نہ اُلجھیں ——— اب جو کچھ آپ کی زندگی باقی رہ گئی ہے وہ آپ کسی تیرتھ میں بسر کریں، دھرمک کاموں میں دلچسپی لیں، ——— ہم لوگ آپ کے خرچ کا بندوبست کر دیں گے۔"

"میں نے اپنے پروہت کو بُلایا اور اُن سے پوچھا "مہاراج، مجھے اس دکھ سے بچنے، اسے برداشت کرنے کا کوئی راستہ دکھائیے؛ جس طرف بھی دیکھتی ہوں تسکین نہیں ملتی، کلیجے میں ایسی آگ لگی ہے جو میرے سارے وجود کو پھونکے ڈالتی ہے۔"

پروہت مجھے مندر میں لے گیا، اور کرشن کنھیا کی مورتی کی طرف اشارہ کر کے بولا "دیکھ بیٹا!

بیٹا اور تیسری بیٹی سب کچھ یہی ہے اس کی پوجا کر اور تیرا سارا دکھ کٹ جائے گا، تیرے دل میں لگی ہوئی آگ بجھ جائے گی۔"

چنانچہ میں نے سارا وقت مندر میں گزارنا شروع کیا اور بھگوان کی طرف اپنا پورا دھیان لگانے لگی۔ لیکن میں بھگوان کی کیسے ہو سکتی تھی جبکہ وہ مجھے اپنانا ہی نہیں چاہتا تھا ـــــ آہ۔ اس نے اب تک مجھے نہیں اپنانا۔ اب تک نہیں! میں نے نیل کانت کو بلایا اور ان سے کہا "نیل دادا۔ نیل دادا، میں چاہتی ہوں کہ جائیداد سے دست بردار ہو جاؤں وہ اپنے دیور کو دے دوں" میرے لئے تھوڑا سا ماہواری خرچ کافی ہو گا۔ مگر نیل دادا نے جواب دیا "نہیں ایسا کبھی نہیں ہو گا، آپ عورت ہیں، آپ ان کاروباری بکھیڑوں میں پڑ کر پریشان نہ ہوں" ـــــ "لیکن مجھے جائداد کی اب ضرورت کیا ہے" میں نے کہا ـــــ نیل دادا چیخنے لگے "ارے واہ ـــــ کیا بات کہتی ہیں آپ۔ ہم اپنا قانونی حق کیوں چھوڑ دیں، آپ ایسی پاگل پنے کی بات خواب میں بھی نہ سوچئے گا۔"

"نیل کانت کے لئے قانونی حق سے بڑھ کر دنیا میں دوسری کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ لیکن مجھ پر سخت ذہنی کوفت طاری تھی، مجھے ہر دنیاوی چیز زہر لگنے لگی تھی، پھر بھی میں نیل دادا کے خلاف کیسے جاتی، وہ دنیا میں میرے واحد دوست تھے جن پر میں پورا بھروسہ کر سکتی تھی۔"

"آخر کار ایک دن، نیل دادا سے پوچھے بغیر ہی میں نے ایک کاغذ پر دستخط کر دئے۔ مجھے پوری طرح معلوم نہ تھا کہ اس کے معنی کیا ہیں لیکن میں پہلے ہی سوچ چکی تھی کہ اپنے لئے مجھے کچھ نہیں رکھنا ہے۔ اس واسطے دھوکے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا، میں نے یہی سوچا کہ آخر جو کچھ ہے وہ میرے سسر کا ہی تو ہے تو اُن کی اولاد کھائے۔"

"جب اس کاغذ کی رجسٹری ہو گئی تو میں نے نیل دادا کو بلوایا اور اُن سے معافی

ہوگی۔" نیل دادا —— مجھ سے خفا نہ ہو جیے گا، پر میں نے اپنی جائداد لکھ دی آخر اب
مجھے اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔" —— نیل دادا حیران ہو کر چلانے لگے "ارے یہ کیا کیا
تم نے یہ" —— جب انھوں نے کاغذ پڑھا اور ان کو پتہ چلا کہ واقعی میں اپنے
تمام حقوق سے دست بردار ہو گئی ہوں تب تو ان کے غصے کی کوئی حد نہیں رہی۔
کیونکہ جب سے میرے شوہر کا انتقال ہوا تھا اُن کا ایک مقصد زندگی یہ بن گیا تھا کہ
اپنے مالک کی جائداد کی حفاظت کریں۔ وکیلوں کے یہاں ایک ٹانگ سے کھڑے رہنا،
قانونی نکتے نکالنا، گواہیاں ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر لانا، یہ سب انھوں نے کیا تھا یہاں تک
کہ ان کو اپنے سونے تک کے لئے وقت نہیں ملتا تھا لیکن یہ سب ضرور کرتے تھے
جب انھوں نے یہ دیکھا کہ ایک بیوقوف عورت نے ایک بار قلم چلا دیا، اور ان کے سارے
کئے کرائے پر پانی پھر گیا تو یہ بات ان سے برداشت نہ ہو سکی۔ بولے "خیر —— مجھ
سے جو کچھ ہو سکا وہ میں نے آپ کے لئے کیا۔ —— اب خدا حافظ۔"

"نیل دادا ایسے دوست کا یوں غم اور غصے کے عالم میں مجھے تنہا چھوڑ کر چلا جانا
میری بدقسمتی کی انتہا تھی۔ میں نے ان کی بہت خوشامد کی کہ "اس طرح میرا ساتھ
نہ چھوڑئیے، میرے پاس کچھ روپے میرے اپنے جمع کئے ہوئے ہیں، کم از کم یہ پانچ سو
روپے تو لے لیجئے۔ آپ کے بیٹے کی شادی ہوگی تو اس کی دلہن کو کوئی زیور خرید کر میری
دعاؤں کے ساتھ دے دیجئے گا" لیکن وہ چیختے ہی رہے کہ اب وہ روپے لے کر کریں گے
کیا؟ جب اپنے مالک کی ساری دولت لٹ گئی تو پانچ سو روپوں سے کیا آنسو پونچھیں گے؟
رہنے دیجئے" اور یہ کہہ کر میرے شوہر کا آخری وفادار دوست رخصت ہو گیا۔

"میں نے سندر کی پنڈولی میرے اور بہو بھی مجھے پریشان کرتے رہتے تھے کہ تیرتھ
پر چلی جاؤں میں ان سے کہتی تھی کہ میرے شوہر کا گھر ہی میرے لئے سب سے بڑا
تیرتھ ہے۔ خاندان کا جو بھگوان ہے، اُس کے قدموں میں میری پناہ ہے۔" لیکن ان دونوں

کو یہ بھی کھلتا تھا کہ میں گھر کے کسی کونے میں پڑی رہوں۔ ان لوگوں نے سب کر کے بانٹ
بونٹ کر ان میں اپنا اپنا سامان رکھ لیا تھا۔ آخر کار وہ مجھ سے بولے کہ آپ کا جی چاہے
تو بھگوان کی مورتی ساتھ لیتی جایئے ہم لوگوں کو کوئی اعتراض نہ ہو گا ۔۔۔۔۔ اس کے
بعد میں پس و پیش کرتی رہی تو انھوں نے کہا کہ اگر میں گھر میں رہوں گی تو میرے خرچے کا
کیا ہو گا" میں نے کہا کہ آپ لوگوں نے جو روپیہ میرے خرچ کے لئے دینے کو کہا تھا
وہ میرے لئے کافی ہو گا" یہ بات جیسے ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔ بولے "کیا مطلب ہے
خرچے کا تو کوئی مذکور کہیں نہیں ہے۔" اس طرح اپنی شادی کے چونتیس سال بعد، ایک
دن، میں اپنے بھگوان کی مورتی کو گلے سے لگا کے، اپنے شوہر کے گھر سے نکل کھڑی
ہوئی۔ نیل داد کو تلاش کیا تو پتہ چلا کہ وہ پہلے ہی ورندا ون جا چکے ہیں؛

"ہمارے گاؤں سے یاتریوں کی ایک ٹولی بنارس جا رہی تھی میں اس کے ساتھ ہو لی۔
لیکن میرے گناہوں نے مجھے وہاں بھی چین نہ لینے دیا۔ روز میں اپنے بھگوان کے سامنے
بیٹھ کر اس کی منتیں کرتی "بھگوان میرے لئے ایسے ہی بن جاؤ جیسے میرا شوہر تھا، بیٹا تھا،
جیسی میری سندر ماتھی"۔۔۔۔۔ پر بھگوان نے میری پرارتھنا نہیں سُنی۔ اب تک میرے دل کو
سکون نہیں ملا ہے؛ اور میرا دل اور میرا جسم ابھی تک آنتوں میں لپٹا ہوا ہے ۔۔۔۔۔ آہ!
بھگوان! آدمی کی زندگی بھی کتنی سخت ہے، اس کی تقدیر کتنی مشکل!"

"میں آٹھ برس کی عمر سے بیاہ کر سسرال گئی تھی تو پھر ایک دن کے لئے بھی
مجھے اپنے باپ کے گھر جانا نصیب نہیں ہوا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی تھی کہ تمھاری
ماں کی شادی میں مجھے بھی جانا مل جائے مگر سب کوشش بیکار گئی، پھر مجھے تمہاری پیدائش
کی خبر ملی اور اس کے بعد اپنی بہن کے مرنے کا حال سُنا لیکن اب تک بھگوان نے مجھے
کوئی ایسا موقع نہیں دیا جو میں تم بے ماں کے بچّوں کو اپنے گلے لگا کے اپنا کلیجہ
ٹھنڈا کر سکتی۔"

"جب تیرتھ کی بہت سی جگہوں پر گھومنے اور یاترا کرنے کے بعد بھی مجھے یہ پتہ چلا کہ میرا دل ابھی تک محبّت کا بھوکا اور کسی سے پیار کرنے کے لئے پیاسا ہے تو پھر میں نے تمہاری تلاش کی؛ میں نے سُنا کہ تمہارے پتا جی نے پرانے مذہب اور ریت رسم کو چھوڑ کر کسی نئے دھرم کو اپنا لیا تھا، پر میرے لئے اس سے کیا فرق پڑتا۔ تمہاری ماں تو آخر میری مانجائی تھیں۔"

"آخر کار مجھے پتہ چلا کہ تم یہاں رہ رہی ہو، اور بنارس کے ایک دوست کو ساتھ لے کر میں یہاں آئی۔ میں نے سُنا ہے کہ پاریش بابو ہمارے دیوتاؤں کو نہیں مانتے لیکن ان کو ایک نظر دیکھنے سے ہی یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دیوتا ضرور اُن کو مانتے ہوں گے۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ صرف پوجا کے علاوہ بھی بہت کچھ کرنا ہوتا ہے تب کہیں بھگوان ملتے ہیں ——— اور اب تو مجھے یہ جاننا ہے کہ پاریش بابو نے کس طرح یوں مکمّل طریقے سے بھگوان کو اپنا بنا لیا ہے۔"

"جو کچھ بھی ہو بیٹی، میرے لئے ابھی دُنیا چھوڑنے کا زمانہ نہیں آیا، ابھی میں اکیلی نہیں رہ سکتی، جب بھگوان چاہیں گے تو ویسا بھی ہوگا لیکن اس وقت تو میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ یہ بچّے جو مجھے پھر سے ملے ہیں اُن کو چھوڑ کر کہیں اور چلی جاؤں۔"

انتالیسواں باب

پارش بابو نے برود ابوبی کی غیر حاضری میں ہری موہنی کو اپنے یہاں بلا لیا تھا اور چھت پر جو ایک اکیلا الگ تھلگ کمرہ تھا، اس میں اُن کے رہنے کا اس طرح بندوبست کر دیا تھا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق پوجا پاٹ کر سکیں۔ اور اس میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

جب برودا ابوبی گھر واپس آئیں اور بن بلائے مہمان کی وجہ سے اپنی گھرستی میں خلل پڑتے دیکھا تو ساری جان سے آگ بھبوکا ہو گئیں اور انھوں نے پارش بابو سے صاف صاف کہہ دیا کہ یہ سب برداشت کرنے کی اُمید ان سے نہ رکھی جائے۔

"مگر تم آخر ہم سب کو برداشت کر سکتی ہو تو اس ایک بدنصیب بیوہ کا کتنا بوجھ ہے"

برودا ابوبی کا خیال تھا کہ پارش بابو ہر قسم کی دنیاداری سے قطعی بے بہرہ ہیں اور ہوشیاری اور سمجھداری تو ان کے پاس سے ہو کر نہیں گزری ہے۔ ان کو کیا معلوم گھرداری میں کیا مناسب ہے، کیا نہیں، اس لئے اپنی عقل سے جو قدم بھی وہ اٹھاتے ہیں وہ غلط ہی ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی وہ جانتی تھیں کہ ایک بار اگر وہ کوئی قدم اٹھا لیتے ہیں تو پھر آپ بحث کیجئے خفا ہوجیے، روئیے پیٹیے وہ پتھر کی طرح، چٹان کی مانند اپنی جگہ پر قائم رہتے ہیں۔ اب ایسے آدمی سے کیا سر پھوڑا جائے۔ ایسے مرد کا کوئی عورت کیا کرے جو لڑتا بھی نہیں ——— برودا ابوبی کو ایسا محسوس ہوا کہ ہار ماننی ہی پڑے گی!

سچاریتا کی عمر تقریباً اسی کی تھی جو مرنے والی منورما کی تھی۔ ہری موہنی کو اس کی صورت بھی منورما سے کافی ملتی جلتی نظر آتی تھی۔ طبیعتیں بھی دونوں کی ایک سی تھیں، نیک مگر مستقل مزاج! کبھی کبھی سچاریتا کو پیچھے سے دیکھ کر ہری موہنی ایک دم چونک پڑتیں۔ اور

اُن کا دل اچھل کر منھ میں آجاتا۔!

ایک روز شام کو ہری موہنی اندھیرے میں اکیلی بیٹھی رو رہی تھیں کہ سچاریتا آئی اور اُن کے پاس بیٹھ گئی۔ ہری موہنی نے بھانجی کو کلیجے میں دبا لیا اور آنکھیں بند کر کے کہتی جا رہی تھیں "آہ ـــــ وہ آگئی، وہ آگئی میرے دل میں بسنے۔ آہ ـــــ وہ نہیں جا رہی تھی، میں نے اس کو زبردستی بھیجا، زندگی بھر میں اس گناہ کو بھگتوں گی، مجھے جتنی بھی سزا ملے کم ہے۔ آہ ـــــ پر شاید اب میں کافی سہہ چکی ہوں جو وہ میرے پاس واپس آگئی۔ یہی تو وہ ہے، ـــــ وہی صورت وہی مسکراہٹ، آہ! میری ماں میری دولت، میرا ہیرا" وہ سچاریتا کے بالوں پر ہاتھ پھیر پھیر کر اُسے چومتی جاتی تھیں اور اپنے آنسوؤں سے اس کا منھ دھوتی جاتی تھیں۔

سچاریتا بھی ہچکیاں لے لے کر رونے لگی اور گھٹی ہوئی آواز میں بولی "خالہ ـــ مجھے بھی ایک عرصے سے ماں کا پیار نہیں ملا، اور اب میری بھی کھوئی ہوئی ماں مجھے مل گئی ـــ کتنی بار، ایسا ہوا کہ میری روح بھینچ کر ٹھٹھر کر رہ گئی، ـــــ بھگوان کو بھی مجھ سے پکارا نہیں گیا، میں نے اپنی ماں کو آواز دی۔ آج جو کر میری ماں نے میری صدا سُنی اور میرے پاس آئی ہے۔"

لیکن ہری موہنی کہنے لگیں "ایسا نہ کہہ، ایسا نہ کہہ میری بچی، تجھے ایسا کہتے سُن کر مجھے اتنی خوشی ہوتی ہے کہ اس خوشی سے مجھ کو ڈر لگنے لگتا ہے۔ میں نے تو اپنے سب ناتے توڑ ڈالنے کی کوشش کی تھی، اپنا دل پتھر کر لینا چاہا تھا، پر مجھ سے نہ ہو سکا ـــــ میں بہت کمزور ہوں، ـــــ آہ بھگوان! مجھ سے میری خوشی نہ چھین لینا، ـــــ مجھ پر دیا کرو، اب مجھ پر وار نہ کرنا! اٹھا رانی بیٹیا، میری جان، مجھے چھوڑ دے، مجھ سے مت لپٹ بیٹی، آہ! بھگوان! کرشن گوپال، اب تم میرے اُوپر کیا مصیبت ڈالنا چاہتے ہو، تم مجھے کیا دکھانا چاہتے ہو؟"

"خالہ" سجاریتا نے کہا "آپ کچھ بھی کہیں، آپ مجھے اپنے سے الگ نہیں کر سکیں گی، میں آپ کو کبھی نہیں چھوڑوں گی، کبھی نہیں، میں ہمیشہ آپ کے پاس رہوں گی" ——— اور وہ اپنی خالہ کی گود میں گھس کر لپٹ گئی۔!

چند ہی دنوں میں سجاریتا اور اس کی خالہ کی محبت اتنی بڑھ گئی کہ مدت سے اس کو ناپا نہیں جا سکتا تھا۔ اس بات سے بردرا دیوی کو بھی کوفت ہوتی تھی!

بڑبڑا کر کہتیں "ذرا اس لڑکی کو دیکھو، جیسے ہم لوگوں نے تو اسے کوئی پیار و محبت کبھی دیا ہی نہیں، میں پوچھتی ہوں آخر یہ اس کی خالہ جان اتنے دن سے کہاں تھیں، ہم نے تو مصیبت بھگت کر بچپن سے پالا پوسا، اور اب خالہ خالہ کے سوا دوسری بات نہیں! میں ہمیشہ کہتی تھی کہ سجاریتا جس کی تعریف میں لوگ زمین آسمان ایک کیے رہتے ہیں اور جسے لوگ سمجھتے ہیں کہ منھ سے بولنا نہیں جانتی یہ کسی کی نہیں ہے۔ ہم نے جو کچھ اس کے لئے کیا وہ سب پانی میں گیا!"

بردرا دیوی اچھی طرح جانتی تھیں کہ اُن کی شکایتوں سے پاریش بابو کو کوئی ہمدردی نہیں ہوگی، بلکہ اگر وہ ہری موہنی سے بگڑیں گی تو خود اپنا وقار کھو بیٹھیں گی۔ اس احساس سے ان کو اور بھی غصہ آتا تھا۔ اور یہ ثابت کرنے کا ہر ممکن طریقہ اختیار کرتی تھیں کہ سب سمجھدار لوگ اُن کے ہم رائے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے برہمو سماج کے ہر معمولی اور ہر اہم ممبر سے ہری موہنی کا قصہ دوہرانا شروع کر دیا تاکہ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا سکیں۔ ان کی شکایتوں کی کوئی حد ہی نہیں تھی۔ طرح طرح کے گلے ہوتے تھے، مثلاً بچوں کے لئے کتنی بری بات تھی کہ ایک توہم پرست، بے وقوف، بدبخت مورتیوں کی پوجا کرنے والی عورت کا سایہ ہر وقت گھر پر منڈلاتا رہے۔ اُن کا یہ دبا ہوا غصہ صرف باہر ہی نہیں نکلتا تھا بلکہ گھر میں بھی اس کے نتائج ظاہر ہوتے رہتے تھے جس سے ہری موہنی کی زندگی عذاب تھی۔ برہمن جس سے ہری موہنی کا پانی بھرنے کے

لئے کہا گیا تھا اس کو عین کام کے وقت کسی دوسرے کام میں لگا دیا جاتا تھا۔ اگر کہا جاتا، تو بروداد یوی پھٹ سے کہتیں "ارے کیا ہوا ــــــ کیا مصیبت ہے؟ آخر رام دین تو موجود ہے" حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ رام دین کے ہاتھ کا پانی ہری موہنی استعمال نہیں کریں گی کیونکہ وہ نیچ ذات تھا۔ اگر کوئی یہ بات کہتا تو جواب ملتا "ہاں ہاں ــــــ اگر ایسی ہی اونچ ذات تھیں تو یہاں برہمو گھر میں رہنے کو کیوں آئیں۔؟ ہم یہاں یہ سب چھوت چھات نہیں کر سکتے اور میں تو کبھی بھی ایسا نہیں ہونے دوں گی"

ایسے موقعوں پر ان کا مذہبی فرض نہایت شدت کے ساتھ جاگ پڑتا تھا۔ کہیں سماجی معاملات پر برہمو سماج میں کافی ڈھیل آگئی ہے، یہی تو وجہ ہے کہ پہلے کے جوش کے ساتھ وہ سماج سدھار نہیں کر رہا ہے" اور پھر نہایت جوش و خروش کے ساتھ اس موضوع پر اظہار خیال کرتیں کہ کم از کم وہ خود تو اس قسم کی ڈھیل کو برداشت نہیں کرینگی جس تک ان میں ذرا بھی دم باقی ہے وہ ایسا ہونے نہیں دیں گے۔ اگر لوگ اُن کو غلط سمجھیں تو مجبوری ہے، اگر اُن کے اپنے رشتہ دار اُن کے مخالف ہو جائیں تو وہ یہ بھی بھگتنے کو تیار ہیں؛ آخر میں وہ اپنے سننے والوں کو یہ بھی یاد دلایا کرتی تھیں کہ دُنیا میں جتنے اولیاء گزرے ہیں جنھوں نے کوئی درجہ حاصل کیا ہے انھوں نے مخالفت اور حقارت کا سامنا کیا تھا۔

لیکن ان تمام تکلیفوں کا ہری موہنی پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا بلکہ ایسا لگتا تھا کہ وہ ان باتوں کو اپنے گناہوں کی سزا سمجھ کر اُن پر خوش ہو رہی ہیں؛ اِن کے اپنے ذہن میں جو ایک مستقل پشیمانی اور اس سے پیدا ہونے والی مستقل مصیبت کا احساس تھا، وہ اس بیرونی پریشانی کے ساتھ نہایت عمدگی سے میل کھاتا تھا۔ اب ایسا لگتا تھا کہ دُکھ کو خوش آمدید کہنا ان کا طرہ بن گیا، کچھ اس طرح انھوں نے غم کو اپنایا ہے کہ ساری

مشکلیں آسان ہو گئیں۔ !

جب ہری موہنی کو یہ پتہ چلا کہ ان کا کھانا پکانے کے لئے جو پانی آتا ہے اُس کی وجہ سے گھر میں جھگڑا ہو رہا ہے تو انھوں نے کھانا پکانا ہی چھوڑ دیا۔ اور پھل اور دودھ پر بسر کرنے لگیں جیسے پہلے وہ بھگوان کو چڑھا دیتیں، تب کھاتیں۔ سچاریتا کو اس بات سے بہت صدمہ ہوا، پر اس کی خالہ نے اسے سمجھایا کہ "بیٹی میرے لئے تو پھل اور دودھ پر گزر کرنا بہت اچھا ہے۔ اس سے تو مجھے بہت خوشی ہوتی ہے، کوئی دکھ نہیں ہوتا۔ یہ تو ایک ضروری چیز ہے میری تپسیا کے لئے۔"

"خالہ اگر میں بھی ان نیچ ذات لوگوں کے ہاتھ کا چھوا ہوا کھانا چھوڑ دوں تو آپ مجھے اپنی خدمت کرنے دیں گی؟" سچاریتا نے پوچھا۔

"نہیں بیٹی، تجھے تو ویسا ہی کرنا چاہئے جیسے تجھے سکھایا گیا ہے جس طرح تیری تعلیم تربیت کی گئی ہے۔ میری وجہ سے تو کیوں اپنا راستہ بدلے؟ تو میرے پاس ہے، میری گود میں ہے، بس، اتنی ہی خوشی میرے لئے کافی ہے۔ پاریش بابو تیرے باپ ہیں، تیرے گرو اور استاد ہیں، تجھے اُن کے پڑھائے ہوئے سبق کا احترام کرنا چاہئے خدا اسی سے خوش ہو گا۔"

بردا زندری کے ڈھائے ہوئے ہر ظلم اور ان کی کی ہوئی ہر بے انصافی کو ہری موہنی اس سادگی کے ساتھ برداشت کرتی تھیں کہ جیسے ان کو خبر ہی نہیں ہوئی کہ کیا ہوا اور کیوں ہوا؟ —— پاریش بابو، دن میں ایک بار صبح کے وقت ان کی خیریت لو چھنے اوپر آتے تھے: "کہئے —— آج آپ کیسی ہیں، کوئی تکلیف تو نہیں ہے آپ کو ——" وہ کہتیں "جی نہیں، —— بالکل نہیں، میں تو بہت آرام سے ہوں، بہت خوش ہوں، بھگوان آپ کو اور آپ کے بچوں کو سکھی رکھے۔"

لیکن سچاریتا کو برابر اپنی خالہ کی تکلیفوں کو دیکھ دیکھ کر رنج پہنچتا رہتا تھا —— وہ

شکایت کرنے والی لڑکی نہیں تھی، خاص کر وہ اس بات کی احتیاط کرتی تھی کہ برودا دیوی کی حرکتوں کا کوئی تذکرہ پاریش بابو تک پہنچنے نہ پائے۔ مگر ظاہرا خاموشی سے برداشت کرنے کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ذہنی طور پر وہ اپنی خالہ سے نزدیک ہوتی چلی گئی اور آخر کار برودا دیوی کے احتجاج کے باوجود سچاریتا نے اپنی خالہ کی ساری خدمت اپنے ذمہ لے لی۔

ہری موہنی نے دیکھا کہ وہ سچاریتا کے لئے کسقدر مشکل کا سبب بن گئی ہیں تو بیچاری پھر اپنا کھانا خود پکانے لگیں؛ اس پر سچاریتا نے کہا "خالہ میں وہی کروں گی جو آپ کہیں گی لیکن آپ مجھے کم از کم پانی تو بھر نے دیا کریں، میں 'نہیں' کبھی نہیں سنوں گی"۔

"دیکھو بیٹی تمھیں ناراض نہ ہونا چاہئے؛ بات یہ ہے کہ یہ پانی میرے بھگوان پر چڑھایا جاتا ہے" ہری موہنی بولیں۔

"لیکن خالہ آپ کا بھگوان کیا اتنے پرانے خیالات کا ہے کہ وہ ذات پات کے فرق کو مانے ——— کیا چھونے سے بھی روگ نہ ہو سکتا ہے"۔

آخر کار ہری موہنی کو سچاریتا کی محبت کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے اور اپنی بھانجی کی خدمات انھوں نے بغیر کسی چون چرا کے قبول کر لیں۔ ستیش بھی اپنی بہن کی دیکھا دیکھی خالہ کے کھانے میں شریک ہونے لگا اور اس کا شوق کرنے لگا۔ آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ پاریش بابو کے گھر کے ایک کونے میں ان تینوں کی ایک الگ فیملی بن گئی۔ لولتا ان دو حصوں کے درمیان ایک پل کے مانند تھی کیونکہ برودا دیوی اپنی باقی دونوں لڑکیوں میں سے کسی کو ہری موہنی والے کونے میں جانے کی اجازت نہیں دیتی تھیں۔ ان کا بس چلتا تو لولتا کو بھی روک لیتیں، لیکن لولتا کو روکنے کی ہمت کون کر سکتا تھا۔!

چالیسواں باب

برو داولوی اکثر اپنی برہمو خواتین دوستوں کو اپنے یہاں دعوت دیا کرتی تھیں۔ کبھی کبھی یہ لوگ چھت پر، ہری موہنی کے کمرے کے سامنے، اکٹھی ہوا کرتیں، ایسے موقعوں پر ہری موہنی، اپنی سادہ طبیعت کی بنا پر ان لوگوں کی خاطر تواضع کرنے کی کوشش کرتیں لیکن وہ لوگ اپنی حقارت کو ظاہر کئے بغیر نہ رہتیں۔ برو داولوی پرانے رسوم و خیالات پر کڑوی کڑوی باتیں کہتیں، اور بیویاں بھی اس میں شریک ہوتیں اور ہری موہنی کی طرف گھورتی جاتیں"۔۔۔۔۔

سچاریتا جواب تقریباً سارے وقت اپنی خالہ کے پاس رہتی تھی ان تلخ حملوں کو خاموشی کے ساتھ برداشت کرتی۔ وہ بس اتنا ہی کر سکتی تھی کہ اپنی حرکات و سکنات سے ظاہر کردے کہ یہ باتیں اس کو بھی بری لگ رہی ہیں کیونکہ اب وہ بھی اپنی خالہ کے طور طریقوں کو اختیار کرتی جا رہی تھی۔ جب کھانے پینے کی چیزیں پیش کی جاتیں تو سچاریتا کچھ لینے سے انکار کرتے ہوئے کہتی "شکریہ۔ میں تو یہ سب نہیں کھاؤں گی"۔

اس پر برو داولوی پھٹ پڑیں "کیا؟ کیا تمھارا مطلب ہے کہ اب تم ہمارے ساتھ کھا بھی نہیں سکتی ہو؟"

جب سچاریتا جواب دیتی کہ ہاں وہ یہی بہتر سمجھتی ہے کہ نہ کھائے تو برو داولوی طنز کی بوچھار کرتے ہوئے کہتیں "آپ لوگوں کو معلوم ہے ہماری یہ نوجوان خاتون صاحبہ اب اونچی ذات کی ہوتی جا رہی ہیں۔ ہمارے ہاتھ کا چھوا کھانے سے وہ گندی ہو جائیں گی"۔

"کیا سچاریتا اور مذہبی رسوم! عجائبات دنیا سے کبھی ختم نہ ہوں گے!"۔۔۔۔۔ مہان

بیویاں کہتیں۔

ہری موہنی پریشان ہونے لگتیں: "بیٹی راھا رانی، اس طرح تو ٹھیک نہیں لگتا، تم جا کر ان لوگوں کے ساتھ کچھ کھاؤ پیو۔" اُن کو یہ بہت کھلتا تھا کہ اُن کی وجہ سے سچاریتا کو یہ طعنے تشنے برداشت کرنے پڑیں۔ لیکن سچاریتا اپنی جگہ اٹل رہی۔

ایک دن ایک برہمو خاتون، غالباً کچھ یوں ہی تفتیش کے موڈ میں، جوتا پہنے، ہری موہنی کے کمرے میں آنے لگیں، سچاریتا ان کا راستہ روک کے کھڑی ہو گئی۔

"دیکھئے ——— اس کمرے میں نہ آیئے گا مہربانی کر کے۔"

"کیوں ——— کیا بات ہے؟"

"یہاں میری خالہ کے بھگوان کی مورتی رکھی ہے۔"

"اوہ مورتی ——— تو وہ مورتی پوجا کرتی ہیں؟"

"ہاں ماں ——— کرتی تو ضرور ہوں" اب ہری موہنی خود بولیں۔

"آپ مورتیوں پر کیسے ایمان لے آئی ہیں؟"

"ایمان ——— مجھ جیسے بدبخت انسان کو کہاں ایمان نصیب ہو سکتا ہے؟ ایمان ہوتا تو میرے کام آتا، میرا بچاؤ کرتا۔"

اس وقت اتفاق سے لتا بھی موجود تھی، اس کا چہرہ لال ہو گیا، سوال کرنے والی کی طرف مخاطب ہو کر بولی "آپ جس خدا کو مانتی ہیں، اس پر ایمان ہے آپ کو؟"

"یہ کیا بیہودہ سوال ہے۔ ایمان ہے نہیں تو پھر کیا؟" لتا نے حقارت سے سر ہلایا "آپ کو نہ صرف یہ کہ ایمان حاصل نہیں ہے بلکہ آپ کو یہ علم بھی نہیں ہے کہ آپ ایمان سے قطعی عاری ہیں۔"

اس طرح سچاریتا اپنے خاندان والوں سے بالکل کٹتی چلی گئی حالانکہ ہری موہنی برابر اس بات کی کوشش کرتی تھیں کہ پرواہ، یوری کو جو بات ناپسند ہو وہ سچاریتا نہ کرے۔

بروندا دیوی اور ہرن کی کبھی کوئی خاص دوستی نہیں تھی لیکن اب، باقی خاندان کے خلاف ان دونوں نے محاذ بنالیا۔ بروندا دیوی اکثر یہ خیال ظاہر کیا کرتیں کہ چاہے کوئی کچھ بھی کہے اگر کوئی ایک آدمی ایسا تھا جو برہمو سماج کے مقاصد کو پاک و پاکیزہ رکھنے کی مخلص کوشش کر رہا تھا تو وہ پنتو بابو تھے۔ دوسری طرف ہرن بابو ہر کہیں اور ہر کسی سے یہ کہتے تھے کہ بروندا دیوی برہمو خاتون کی ایک تابناک مثال تھیں جو نہایت ایمانداری اور سچائی کے ساتھ برہمو سوسائٹی کی نیک نامی کو برقرار رکھنے اور اسے ہر طرح کے کلنک سے بچانے کی کوشش کرتی رہتی تھیں۔"

ایک دن ہرن بابو نے پاریش بابو کی موجودگی میں سچاریتا سے کہا "میں نے سُنا ہے کہ آپ آجکل صرف وہ کھانا کھاتی ہیں جو مورتیوں پر چڑھا کر پاک کیا گیا ہو۔ کیا یہ سچ ہے؟"

سچاریتا کا منھ لال ہو گیا، اس نے ایسا ظاہر کرنا چاہا کہ جیسے سُنا ہی نہیں، میز پر قلم دوات وغیرہ ٹھیک کرنے لگی۔ پاریش بابو نے ہمدردی سے اس کی طرف دیکھا اور بولے "پنتو بابو ——— جو کچھ بھی ہم کھاتے ہیں وہ ہمارے خدا کا ہی دیا ہوا ہوتا ہے۔"

"لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سچاریتا تو ہمارے خدا کو چھوڑنے پر تیار ہیں۔" ہرن بابو بولے۔

"اگر یہ بات ممکن بھی ہے تو اس بیچاری کو پریشان کرنا تو کوئی علاج نہیں ہے۔" پاریش بابو نے پوچھا "جب ہم کسی کو بھنور میں پھنس کر ڈوبتے دیکھیں تو کیا اسکو کنارے پر کھینچ کر لانا ہمارا فرض نہیں ہے" ہرن بابو نے جواب دیا۔

"کنارے پر کھینچ کر لانا اور بات ہے اور دور سے اس پر پتھر اؤ کرنا دوسری بات ہے۔ لیکن آپ فکر نہ کیجئے پنتو بابو، میں سچاریتا کو اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ ننھی بچی تھی۔ اگر وہ پانی میں ڈوبنے کو ہوتی تو مجھے آپ سب سے پہلے معلوم ہوتا اور پھر میں اسکی

طرف لاپرواہی کبھی نہ برتتا۔"

سچاریتا یہاں جواب دینے کو خود ہی موجود ہیں" ہرن بابو بولے "میں نے سُنا ہے کہ اب یہ ہندوؤں کے ساتھ کھانا کھانے سے انکار کرتی ہیں۔ پوچھئے تو سہی کہ کیا یہ ٹھیک ہے؟"

سچاریتا نے دوات قلم کی طرف سے اپنی توجہ ہٹاکر جواب دیا "بابوجی کو یہ بات معلوم ہے کہ میں نے ہر کسی کے ہاتھ کا چھوا ہوا کھانا کھانا چھوڑ دیا ہے۔ اگر آپ میں سے کسی کو یہ بات ناپسند ہے تو آپ مجھے جو چاہیں کہہ لیں مگر بابوجی کو یہ سب کہہ کہہ کر کیوں پریشان کرتے ہیں۔؟ کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ کتنی رو، داری برتتے ہیں؟۔ ان کی برداشت اور رو، داری کا یہی صلہ آپ لوگ دے سکتے ہیں؟"

ہرن بابو اس صاف جواب پر حیران رہ گئے! اور سوچنے لگے کہ اب تو سچاریتا کو بھی جواب دینا آگیا ہے!

پریش بابو ایک امن پسند اور مرنجان مرنج قسم کے آدمی تھے؛ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے متعلق یا دوسروں کے متعلق ہر وقت بحث کیا کریں، انھوں نے اپنی زندگی لگ بھگ سکون سے گزاری تھی اور برہمو سماج میں کبھی کسی اونچی پوزیشن کیلئے کوشش نہیں کی تھی۔ ہرن بابو ان کے اس رویہ کو برہمو سماج کے لئے جوش کی کمی سے تاویل کرتے تھے، پریش بابو سے انھوں نے یہ موضوع چھیڑا بھی تھا لیکن انھوں نے بس اتنا ہی کہا "بھئی خدا نے دو قسم کے جاندار پیدا کئے ہیں، 'ساکن اور متحرک' میں اوّل الذکر میں ہوں؛ ہم جیسی لائق بھی ہوں وہ فرائض خدا ہم سے پورے کروا تے گا؛ جو ہم سے ہو نہیں سکتا اس کے لئے بےچین ہو کر کے خواہ مخواہ اضطراب اور انتشار سے فائدہ؟ پھر میں اب بوڑھا ہوا، میں کیا کر سکتا ہوں کیا نہیں یہ طے کئے مدّت گزری۔ آپ مجھے دوڑانے کی بیکار

کوشش کر رہے ہیں؟

ہرن بابو اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ ٹھنڈی سے ٹھنڈی طبیعت میں بھی گرمجوشی پیدا کر دینے کا طرۂ امتیاز ان کو حاصل ہے۔ انھیں یقین تھا کہ وہ نچلے لوگوں کو بھی درشاد دینے کی ایسی صلاحیت رکھتے ہیں کہ کوئی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا؛ ہر گناہگار کو پشیمانی کا احساس کر سکتے ہیں؛ وہ ایک راستہ نکال لیتے ہیں تو وہ اس قدر زوردار ہوتا ہے کہ کوئی بھی ہو، زیادہ دیر اس میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا ــــــ اور یوں وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ برہمو سماج کے ہر ممبر کی طبیعت میں جو بھی خوش آئند تبدیلیاں اور اصلاحات ہوئی تھیں ان سب کا سہرا اُن کے سر ہے۔!

انھیں اس بات میں ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ ہر بات کے پس منظر اور بنیاد میں اُن کا ہاتھ تھا۔ اور خاص کر جب کوئی سچاریتا کی تعریف اُن کے سامنے کرتا تو وہ پھولے نہ سماتے، اور اپنے آپ پر نہایت فخر کرتے، کیونکہ وہ محسوس کرتے تھے کہ انھوں نے اپنے مشورے اپنی مثال اور اپنی رفاقت سے اس کے کردار کو ایک خاص قسم کے سانچے میں ڈھالا تھا اور یہ امید کر رہے تھے کہ سچاریتا کی زندگی ان کی فتوحات میں سب سے بڑی اور شاندار مثال ہوگی۔ آج بھی سچاریتا کے اس طرح پھیل جانے سے اُن کے غرور کو کوئی دھکا نہیں لگا تھا۔ کیونکہ وہ اس رجعت کا پورا ذمہ اور الزام پاریش بابو کے سر تھوپتے تھے۔

ہر شخص کی زبان پر پاریش بابو کی جو تعریف ہوتی تھی اس میں ہرن بابو کبھی دل سے شریک نہیں ہوتے، اور اب تو وہ اپنے کو بہت ہی مبارکباد کے لائق سمجھنے لگے تھے کہ اُن کی خاموش ذہانت نے پاریش بابو کتنا صحیح سمجھا تھا۔!

ہرن بابو ہر بات معاف کر سکتے تھے لیکن جن لوگوں کو وہ صحیح راستے پر لاتے تھے اُن کا کوئی آزادانہ رویہ اختیار کرنا یا اپنی عقل و سمجھ سے کوئی فیصلہ کرنا، یہ اُن کے لئے ناقابلِ برداشت تھا! وہ اپنے شکار کو آسانی سے، بغیر جدوجہد کیے، اپنے ہاتھ سے نکل

جانے دیں، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا تھا اور جتنا ہی صاف ان کو یہ نظر آتا کہ اُن کی صلاح کچھ کام نہیں کر رہی ہے اتنا ہی زیادہ وہ اپنے مشورے پر اصرار کرتے!

اُن کی حالت ایک ایسی مشین کی تھی جس میں جب تک بھری ہوئی کنجی ذرا سی بھی باقی رہتی ہے، وہ برابر یکساں چلتی جاتی ہے۔ اپنے آپ کو وہ کبھی روک نہیں سکتے اور ایک ہی لکیر کو پیٹے جاتے ــــ سُننے والے سُن رہے ہیں یا نہیں ان سے اُن کو کوئی مطلب نہ تھا۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اُن کو اپنی شکست تک کی خبر نہ ہوتی ......"

اُن کی اس عجیب طبیعت سے سچاریتا کو سخت کوفت ہوتی تھی؛ اپنے لئے تو اتنی نہیں جتنی پاریش بابو کے لئے۔ ہرن بابو کی حرکتوں سے پُورے برہمو سماج میں پاریش بابو بحث و مباحثہ کا ایک موضوع بن گئے تھے۔ اس تکلیف دہ صورت کو کیونکر ختم کیا جائے؟ کیسے اس کو رد کیا جائے؟ کس طرح اس کا مقابلہ کیا جائے.؟

پھر ہری موہنی بھی تھیں۔ وہ دن بدن یہ سمجھتی جا رہی تھیں کہ وہ جتنا ہی پیچھے ہٹتی جاتی ہیں، کسی بات میں دخل نہیں دیتیں اتنا ہی زیادہ ان کی وجہ سے خاندان میں جھگڑا بڑھتا جاتا ہے؛ اُن کو جو ذلّت ہوتی ہے اس سے سچاریتا کا غم بڑھتا جاتا ہے ــــ اور اس سب کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔

مزید برآں برودا دیوی تھیں جو سچاریتا کی شادی کے لئے برابر پاریش بابو پر زور دے رہی تھیں "بھئی اب ہم لوگ سچاریتا کی ذمہ داری زیادہ دن نہیں لے سکتے۔ اگر اس کی شادی میں دیر ہوئی تو میں تو اپنی بچیوں کو لے کر کہیں اور چلی جاؤں گی کیونکہ اس کی صحبت میری لڑکیوں کے لئے مضر ہے۔ میں کہے دیتی ہوں کہ آپ نے جو اسے اتنا بے لگام کر رکھا ہے تو پچھتایئے گا ایک نہ ایک دن۔ لولتا کو ہی دیکھئے! ایسی تو پہلے کبھی نہ تھی۔ آپ کے خیال میں اس کے باغیانہ رویّہ کی تہہ میں کس کا ہاتھ ہے کسی کی نہیں سنتی، ہر کوئی اس کی وجہ سے پریشان ہے۔ اب اسی دن کی بات لیجئے!

میں تو شرمندگی سے مر گئی ——— آپ کا خیال ہے سچاریتا کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ آپ سچاریتا کو اپنی بیٹیوں سے زیادہ چاہتے ہیں۔ اسی لئے میں اتنے دن کچھ نہیں بولی پر اب میں صاف کہے دیتی ہوں، یہ سب نہیں چلے گا۔"

پاریش بابو نہایت متفکر تھے۔ سچاریتا کے متعلق ان کو کوئی پریشانی نہ تھی لیکن گھر میں یہ گڑبڑ ان کو بیحد عاجز کئے تھی۔ اس میں انھیں کوئی شک نہ تھا کہ برودا دیوی ایک بار کسی بات پر اڑ جائیں تو اسے کر کے ہی چھوڑیں گی اور اگر ان کا ارادہ پورا ہوتا نظر نہ آئے تو انکی کوشش دُگنی تگنی ہو جاتی تھی وہ خود بھی یہ سوچتے تھے کہ اگر سچاریتا کی شادی ہو جائے تو خود اس کو بھی ذہنی سکون ملتا اور ان پریشانیوں سے نجات مل جاتی ——— چنانچہ انھوں نے کہا" ——— اگر پنو بابو سچاریتا سے بات کر کے اسکی مرضی معلوم کر لیتے اور کوئی دن مقرر ہو جاتا تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟"

"میں پوچھتی ہوں کتنی بار اس کی مرضی معلوم کی جائے گی۔ آپ تو بڑی عجیب باتیں کرتے ہیں۔! آخر یہ سچاریتا کی مرضی کا اتنا بڑا سوال کیا ہے۔ آخر ایسا اچھا شوہر اس کو ملیگا کہاں یہ آپ مجھے ذرا بتایئے۔ اب آپ چاہے خوش ہوں چاہے ناراض، پر سچی بات تو یہ ہے کہ پنو بابو کے لائق تو وہ ہے بھی نہیں۔"

"بھئی مصل بات یہ ہے کہ اب تک میں یہ نہیں سمجھ سکا ہوں کہ سچاریتا کے خیالات و جذبات پنو بابو کے متعلق کیا ہیں؟ اس لئے اگر وہ دونوں آپس میں کچھ طے نہیں کرتے تو میں کس طرح دخل اندازی کر سکتا ہوں۔؟"

برودا دیوی چیخنے لگیں "ہاں ہاں آپ تو کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں بیچارے آخر کو آپ نے بھی مان ہی لیا نہ کہ اس لڑکی کو سمجھنا اتنا آسان نہیں ہے، میں آپ سے کیا کہتی ہوں! میری بات یاد رکھے گا، جیسی وہ دیکھنے میں لگتی ہے ویسی اندر سے ہے نہیں ——— ہاں!"

اکتالیسواں باب

اخبار میں ایک مضمون نکلا ـــــــ اس میں اس موضوع پر روشنی ڈالی گئی تھی کہ برہمو سماج کے رگوں میں جوش و خروش کم ہوتا جا رہا ہے اور ممبر لوگ اپنے مقاصد کی طرف سے ڈھیلا رویّہ اختیار کر رہے ہیں، پورے مضمون میں ایسے حوالے تھے کہ نام بتائے بغیر بھی پاریش بابو کے خاندان پر صاف روشنی پڑتی معلوم ہوتی تھی۔ لکھنے کی طرز سے بھی صاف پتہ چلتا تھا کہ کس نے لکھا ہے۔

سچاریتا نے کسی نہ کسی طرح مضمون کو شروع سے لے کر آخر تک پڑھا اور اب اس وقت وہ بیٹھی اس کے پرزے پرزے کر رہی تھی، جس طرح وہ اس کے ٹکڑے کر رہی تھی اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ذرہ ذرہ کئے بغیر اس کے کلیجے میں ٹھنڈک نہیں پڑے گی۔

اسی وقت ہرن بابو کمرے میں داخل ہوئے اور کرسی کھینچ کر اس کے پاس بیٹھ گئے لیکن سچاریتا اپنے کام میں اسقدر مصروف تھی کہ اس نے آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔

"سچاریتا" ہرن بابو نے بات شروع کی "میں آج تم سے بہت اہم معاملے کے متعلق بات کرنے آیا ہوں۔ تمھیں میری طرف توجہ دینی چاہیئے۔"

سچاریتا اسی طرح کاغذ کے پرزے پرزے کرتی رہی، جب انگلیوں سے پرزے کرنا ناممکن ہو گیا تو اس نے قینچی اٹھا لی اور کاغذ کی کترنیں بنانے لگی۔ ابھی وہ کر نہیں چکی تھی کہ ولتا آ گئی۔

"ولتا" ہرن بابو بولے "مجھے سچاریتا سے کچھ بات کرنی ہے۔"

ولتا جانے کے لئے مڑی تو سچاریتا نے اس کا آنچل پکڑ کے روک لیا، ولتا نے کہا

بھی" اور ے آپ سے تو ہنو بابو کو کوئی خاص بات کرنی ہے۔"

لیکن سچاریتا نے اس کی بات کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ اور اسے کھینچ کر اپنے پاس بٹھالیا۔ ہنو بابو فطرتاً اشارہ تو کبھی سمجھتے نہیں تھے' انھوں نے اپنی بات کہنی شروع کر دی "میں سمجھتا ہوں کہ اب ہم لوگوں کی شادی میں دیر نہ ہونی چاہیئے'' میں نے پاریش بابو سے بات کر لی ہے' وہ کہتے ہیں کہ جیسے ہی تم اجازت دے دو ویسے ہی کوئی دن مقرر کر لیا جائے۔ اس لئے میں نے یہ طے کیا ہے کہ اگلے ہفتے اتوار......."

وہ جملہ ختم بھی نہ کر پائے تھے کہ سچاریتا نے بس اتنا ہی کہا "نہیں"

ہرن بابو اس صاف اور بے جھجک "نہیں" پر چونک پڑے۔

انھوں نے سچاریتا کو مجسّم فرمانبرداری کی صورت میں دیکھا تھا۔ اور کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ ان کی تجویز کو اس طرح بیچ میں کاٹ کر رد بھی کر سکتی ہے۔

"نہیں"؟ انھوں نے تعجب سے پوچھا۔ "نہیں سے تمھارا کیا مطلب ہے کوئی اور تاریخ مقرر کی جائے؟"

"نہیں" سچاریتا نے سادگی سے اپنا کہا ہوا لفظ دوہرا دیا۔

"تم تیار نہیں ہو۔ آخر تمھارا مطلب کیا ہے؟ ہرن بابو نے ششدر ہو کر اپنی بات دوہرائی۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے ہرن بابو آپ اپنی مادری زبان بھول گئے ہیں" لولتا نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔

ہرن بابو نے کھا جانے والی نظروں سے لولتا کو گھورا۔ "ہاں میرے لئے یہ مان لینا آسان ہے کہ میں اپنی مادری زبان بھول گیا ہوں لیکن یہ تسلیم کرنا مشکل ہے کہ اتنے دنوں تک میں ایک ایسی ہستی کی باتوں کو غلط سمجھتا رہا جس کے لئے میرے دل میں احترام کے سوا اور کوئی جذبہ نہیں۔

لوگوں کے سمجھنے میں وقت لگتا ہے۔ ہرن بابو۔ پھر یہ اصول آپ پر بھی تو لاگو ہو سکتا ہے۔

میرے تو قول اور فعل میں شروع سے آخر تک کوئی فرق رہا نہیں۔ ہرن بابو نے جواب دیا۔ میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ میں نے اپنے متعلق غلط فہمی کی کوئی گنجائش پیدا نہیں کی۔ سچاریتا خود ہی بتائیے میں صحیح کہتا ہوں یا غلط۔

لولتا کوئی اور حملہ پھینکنے والی تھی کہ سچاریتا نے اس کو روک دیا اور بولی "آپ جو کچھ کہتے ہیں ٹھیک ہے۔ میں آپ کو کوئی الزام کب لگا رہی ہوں"

اگر تم مجھ پر کوئی الزام نہیں لگا رہی ہو تو پھر مجھے اس طرح ذلیل کیوں کر رہی ہو ہرن بابو پوچھے؟

"آپ اسے ذلت کہیں لیکن اب میں بھی تو ذلت برداشت کرنے پر تیار نہیں ہوں کیونکہ میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ ــــــ

باہر سے ایک آواز آئی دیدی ــــــ میں حاضر ہو سکتا ہوں؟

سچاریتا کو ایسا محسوس ہوا کہ اس کی جان بچ گئی۔ جلدی سے بولی "کون" ــــــ تم بنوئے بابو؟ ہیں! آؤ۔ آؤ ــــــ اندر چلے آؤ۔

آپ غلطی کر رہی ہیں دیدی، بنوئے بابو نہیں۔ صرف بنوئے۔ یہ سب تکلفات آپ مجھ پر تو نہ لادا کیجئے۔ بنوئے اندر آتا ہوا بولا۔ پھر جیسے ہی اس نے ہرن بابو کو دیکھا اور ان کی چڑھی ہوئی تیوریوں پر نظر پڑی تو اسے مذاق سوجھا ہنس کر بولا۔ اچھا آپ مجھ سے ناراض ہیں کہ اتنے دنوں سے حاضری کیوں نہ دی۔

ہرن بابو نے بھی مذاق میں شامل ہونے کی کوشش کی "خفا ہونے کی وجہ بھی ہے۔ آپ اس وقت ذرا بے موقعہ آپڑے۔ میں سچاریتا سے ایک خاص معاملے کے متعلق بات کر رہا تھا۔

"ہائے رے میری قسمت" بنوئے جلدی سے اُٹھتے ہوئے بولا ابھی کسی کو کیا پتہ کہ آنے کا کونسا موقعہ ٹھیک ہے۔ اسی لئے تو انسان کی ہمت نہیں پڑتی کہ یہاں آئے وہ کمرے سے نکلنے ہی والا تھا کہ سچاریتا نے اُسے روک دیا۔ ارے واہ بنوئے بابو۔ آپ کہیں نہیں جائیں گے۔ ہم لوگ جو بات کر رہے تھے وہ ختم ہو چکی۔ آپ بیٹھیے

بنوئے کو یہ صاف نظر آرہا تھا کہ اس کے آنے سے ایک گڑبڑ قسم کی صورت حال ختم ہو گئی ہے۔ اور سچاریتا کو بڑا امن محسوس ہو رہا تھا اس لئے وہ خوشی پھر بیٹھ گیا۔ اور بولا۔ آپ لوگوں کی تو کسی مہربانی سے فائدہ اٹھانے سے آج تک انکار نہیں کیا۔ اگر مجھے کوئی بیٹھنے کو کہتا ہے تو فوراً اُسے قبول کر لینا خاکسار کی فطرت میں داخل ہے۔ اس لئے آپ ذرا ہوشیار رہیئے گا دیدی۔ تکلف میں مجھ سے کوئی ایسی بات نہ کہہ جایئے گا جو دراصل آپ نہیں چاہتیں ورنہ پھر نتائج کی ذمہ داری آپ ہی پر ہوگی۔

ہرن بابو بالکل چپ ہو گئے تھے۔ لیکن ان کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ دل میں کچھ کر گزرنے کا طوفان اٹھ رہا ہے۔ لہٰذا سب کو معلوم ہو جائے کہ وہ آخری نقطہ تک اپنی بات کہے بغیر کمرے سے باہر جانے والے اسامی نہیں ہیں۔

لولتا نے جیسے ہی باہر سے بنوئے کی آواز سُنی اس کا خون تیزی سے گردش کرنے لگا۔ وہ ٹھیک سے بیٹھ نہ سکی۔ پھر بنوئے جب اندر داخل ہوا تو وہ اُس سے ایک معمولی دوست کی طرح مخاطب بھی نہ ہو سکی۔ سارے وقت یہی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو کیا کرے اور کہاں رکھے۔ اپنی نگاہوں کو کیا کرے۔ کدھر دیکھے۔ وہ تو کمرے سے باہر چلی جاتی مگر سچاریتا ابھی تک اس کا پلّہ پکڑے تھی۔

بنوئے بھی آتے ہی سچاریتا سے مخاطب ہو گیا۔ کتنی بھی ہمت کرتا تو لولتا کی طرف مخاطب ہوتے نہ بنتی تھی۔ گھبراہٹ چھپانے کے لئے ہنس ہنس کر مسلسل باتیں کئے جا رہا تھا۔

پھر بھی لولتا اور نبوئے کا ایک دوسرے سے شرماتا چہرہ ہرن بابو کی نظروں سے چھپا نہ رہ سکا۔ وہ یہ دیکھ کر کباب ہو گئے۔ کہ لولتا جو ادھر ایک عرصہ سے ان کی طرف شمشیر برہنہ کا رویہ رکھتی رہی تھی۔ وہ نبوئے کے سامنے اس طرح بھیگی بلی بن جاتے۔ اُن کو پارلیش بابو پر غصہ بڑھنا شروع ہوا۔ ان ہی کے ڈھیل دینے کی وجہ سے برہمو سماج کے باہر کے اُن لوگوں کا گھر والوں پر تصرف ہوا اور یہ خرابیاں پیدا ہوتیں بے اختیار دل میں پارلیش بابو کو کوسنے لگے کہ ان کی حماقت کا خمیازہ جلد ہی اُن کو بھگتنا پڑیگا۔

جب یہ بالکل ظاہر ہو گیا کہ ہرن بابو کمرے سے باہر جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ تو سچاریتا نبوئے سے مخاطب ہوئی۔ نبوئے تم بہت دنوں سے خالہ سے نہیں ملے ہو۔ وہ اکثر تم کو پوچھتی رہتی ہیں۔ اوپر چل کر اُن سے نہیں ملو گے جب سچاریتا نبوئے کو لے کر چلی گئی تو لولتا بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہرن بابو۔ میں سمجھتی ہوں آپ کو مجھ سے تو کوئی خاص بات کرنا نہیں ہے۔

"نہیں" —— ہرن بابو نے جواب دیا۔ اور یہ بھی مجھے نظر آ رہا ہے کہ آپ کی ضرورت کہیں اور ہے۔ اس لئے میری طرف سے اجازت ہے آپ تشریف لے جائیں۔

لولتا ان کے لہجے کی چوٹ سمجھ گئی اور ذرا تن کر کھڑی ہو گئی جس سے ظاہر ہے کہ وہ سمجھ گئی ہے مگر ٹھینگے پر مارتی ہے۔ اور بولی "جی ہاں نبوئے بابو اتنے دن بعد آئے ہیں اس لئے یقیناً مجھے ان کے پاس بیٹھ کر گپ شپ تو کرنا ہی چاہئے! اس درمیان میں اگر آپ اپنی لکھی ہوئی چیز خود پڑھنا چاہیں تو —— مگر میں بھول گئی، وہ مضمون تو سچاریتا دیدی نے پرزے پرزے کر دیا —— خیر —— اگر آپ کسی دوسرے کی لکھی ہوئی کوئی چیز پڑھنا برداشت کر سکیں تو یہ حاضر ہیں —— یہ کہہ کر اس نے کونے میں رکھی ہوئی میز پر سے کچھ اخبارات اٹھا کر جن میں گورا کے مضامین تھے —— ان کو نہایت ادب سے ہرن بابو کے سامنے رکھ کر اوپر کو تھے کی طرف کھسک لی!

ہری موہنی بنوتے کے آنے سے بیحد خوش ہوئیں۔ ایسا نہیں تھا کہ انہیں اس نوجوان سے کوئی خاص محبت ہو گئی ہو۔ بلکہ جو لوگ آیا کرتے تھے اُن سے وہ بالکل مختلف تھا۔ وہ لوگ تو ہری موہنی کو ایک بالکل الگ ہی چیز سمجھتے تھے۔ زیادہ تر کلکتے کے رہنے والے ان کا بنگالی اور انگریزی ملا جلا کلچر ہری موہنی سے بہت بالاتر تھا۔ ان کے طریقے دیکھ دیکھ کر وہ جیسے اپنے آپ ہی جھینپ جاتی تھیں۔

بنوتے میں ان کو ایک یگانگت سی محسوس ہوتی تھی۔ ویسے وہ بھی کلکتے کا ہی تھا اور اس کے پڑھے لکھے ہونے کی خبریں بھی وہ سُن چکی تھیں۔ لیکن اس نے کبھی اُن کی طرف حقارت کا رویّہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ محبّت اور احترام ہی کیا۔ یہی وجہ تھی کہ اتنے کم عرصے میں بنوتے ایک عزیز کی طرح اُن کے دل میں گھر کر چکا تھا۔

لوتا کے لئے بنوتے کے مانند اس طرح ہرن موہنی کے کمرے میں گھس جانا آسان نہ تھا۔ لیکن ہرن بابو نے جو طعنہ دیا تھا اس نے اُسے چڑھا دیا تھا۔ نہ صرف یہ کہ وہ کمرے میں آگئی بلکہ بنوتے سے باتیں بھی کرنے لگی۔ جب اُن لوگوں کے ہنسنے کی گونج نیچے تک پہنچی جہاں ہرن بابو تنہا بیٹھے داغِ مفارقت برداشت کر رہے تھے تو وہ اُٹھے اور اپنے زخموں پر مرہم لگوانے کے خیال سے بروداسندری کے پاس پہنچے۔ جب وہ ملیں اور اُن کو یہ پتہ چلا کہ سچاریتا نے ہرن بابو سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے تو اُن کے غصّے کی انتہا نہ رہی۔ اس لئے ہرن بابو پر برس پڑیں "بنو بابو۔ آپ اس سلسلے میں اتنی سدھائی دکھائیں گے تو بس ہو چکا۔ کتنی بار وہ ہاں کہہ چکی ہے۔ تمام برہمو سماج کو اس بات کا علم ہو چکا ہے۔ اب آج اس نے اپنا سر ہلایا تو کیا آپ تمام معاملے کو اُلٹ پلٹ ہو جانے دیں گے؟۔ آپ کو ایسی آسانی سے اپنا حق نہ چھوڑنا چاہیئے۔ آپ اپنی جگہ جمے رہیئے۔ ہم لوگ دیکھیں گے کیا کرے گی وہ"۔۔۔۔۔۔

ہرن بابو سے جمے رہنے کے لئے کہنا بیکار ہی تھا۔ وہ تو اپنے آپ سے کہہ ہی رہے

تھے: "میں اصولاً" اس بات کو پورا کر کے رہوں گا۔ میرے لئے سجاریتا کو چھوڑ دینا کوئی ایسی اہم چیز نہ سہی مگر برہمو سماج کے وقار کا جو سوال آپڑا ہے اس کو تو قائم رکھنا ہی ہوگا۔

بنوئے نے ہری موہنی کے یہاں تکلفات برطرف کرنے کے لئے ان سے کچھ کھانے کا مطالبہ کیا تھا۔ ہری موہنی اس پر گھبرا گئیں۔ اور جلدی جلدی ادھر ادھر کر کے انھوں نے کچھ مٹھائی، پھل، بھنے دانے وغیرہ ایک پیتل کی رکابی میں رکھے اُس کے ساتھ ایک گلاس دودھ اور سب کچھ بنوئے کے آگے رکھا وہ ہنسنے لگا اس نے تو سوچا تھا کہ اپنے نا وقت خالہ سے بھوک بھوک کر کے ان کو پریشان کروں گا پر یہ تو میری ہی ہار ہو گئی۔ پھر وہ بڑا بھوکا بن کر اس پر ٹوٹنے والا تھا کہ برودا دیوی وارد ہوئیں۔ ان کو دیکھ کر بنوئے سے جتنا جھکا جا سکتا تھا وہ اپنی پلیٹ پر جھک گیا۔ اور جھکے جھکے ہی بولا "آج آپ نیچے نہیں نظر آئیں۔ میں تو وہاں کافی دیر تک بیٹھا رہا۔ تب یہاں آیا۔

برودا دیوی نے کچھ جواب نہیں دیا۔ سُچاریتا کی طرف دیکھ کر بولیں "اچھا ——— تو ہماری یہ نوجوان خاتون صاحبہ یہاں تشریف رکھتی ہیں۔ میں پہلے ہی سمجھی تھی یہ یہاں گپاشک کر رہی ہیں اور نیچے ہتو بابو صبح سے بیٹھے ہیں جیسے وہ ان کے کوئی غلام ہوں۔ میں نے ان لڑکیوں کو بچپنے سے بڑا کیا۔ پر ایسا یہاں کبھی نہیں ہوا۔ میں حیران ہوں کہ آخر یہ کون اس کو بھڑکا رہا ہے۔ ہمارا خاندان اور ایسی باتیں ——— توبہ توبہ ——— آخر ہم لوگ اب برہمو سماج میں کیا منھ دکھائیں گے۔

ہری موہنی اس بات سے پریشان ہو گئیں۔ اور سچاریتا سے بولیں بیٹی مجھے کیا معلوم تھا کہ نیچے کوئی تمھارا انتظار کر رہا ہے۔ میں نے ناحق تمھیں یہاں بٹھایا۔ جاؤ۔ فوراً جاؤ بیٹی۔ میری عقل پر کیا پتھر پڑ گئے تھے۔

للتا پھر نے سی والی تھی کہ ہری موہنی کا اس میں بھلا کیا قصور، لیکن سُچاریتا نے خاموشی سے اس کا ہاتھ دبا دیا کہ چپ رہو اور خود کوئی جواب دیے بغیر نیچے اتر گئی۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح نبوتے شروع میں برو دادیوی کو کافی پسند آیا تھا۔ اُن کو یقین ہو چلا تھا کہ ان کے زیر اثر نبوتے کو برہمو سماج میں داخل ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ اور ان کو ایک ذاتی فخر محسوس ہوتا تھا کہ اتنے اچھے نوجوان کو وہ صحیح راستہ دکھانے کا ذریعہ بنیں گی۔ بلکہ وہ تو اپنے کئی ایک برہمو دوستوں سے اس فتح کا ذکر بھی کر چکی تھیں۔ اَب اُن کو اور بھی زیادہ تلخی اسی بات کی تھی کہ وہی نبوتے دشمن کے محاذ میں چلا گیا تھا۔ اور ان کی اپنی لڑکی لولتا اس بغاوت میں اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

"لولتا، تم کو یہاں کوئی خاص کام ہے؟" انھوں نے کٹتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جی ہاں نبوتے بابو اُدھر آ رہے تھے تو میں ...."

"نبوتے بابو جن لوگوں سے ملنے آئے ہیں وہ ان کی خاطر کریں گے تمھیں کیا کرنا ہے۔ نیچے چلو۔ وہاں تمھاری ضرورت ہے۔"

لولتا فوراً سمجھ گئی کہ نیچے ہرن بابو نے اس کے اور نبوتے کے بارے میں کچھ ضرور ایسی باتیں کی ہیں جسکے کہنے کا انھیں اختیار نہیں تھا۔ وہ اور بھی اکڑ گئی۔ پہلے تو رُک رُک کر بات کرنی شروع کی تھی۔ اَب صاف صاف بولی "نبوتے بابو اتنے دن بعد آئے ہیں۔ میں اُن سے جی بھر کر بات کر لوں گی تب نیچے آؤں گی۔"

برو دادیوی اس کے لہجے سے پہچان گئیں کہ لولتا اس وقت دَبے گی نہیں۔ ہری موہنی کے سامنے منھ کی کھانا انھیں منظور نہ تھا۔ اس لئے نبوتے کا نوٹس لئے بغیر چپ چاپ نیچے چلی گئیں۔

لولتا نے ماں سے تو کہا کہ نبوتے سے باتیں کرے گی لیکن اُن کے جانے کے بعد اس کا سارا جوش پھیکا پڑ گیا۔ ذرا دیر تینوں ایک عجیب سی پریشانی میں بیٹھے رہے پھر لولتا اُٹھی اور اپنے کمرے میں جا کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

ہوتے یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ اس گھر میں ہری موہنی کی کیا پوزیشن تھی۔ اور اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اسے ہری موہنی کی گذشتہ زندگی کے سب حالات معلوم ہو گئے۔

سب کچھ بتانے کے بعد ہری موہنی بولیں: "بیٹا مجھ جیسے بدنصیبوں کے لئے یہ دُنیا نہیں بنی ہے۔ اگر میں کسی تیرتھ پر چلی جاتی۔ اور وہاں بھگوان سے لَو لگاتی تو میرے لئے اچھا ہوتا۔ میرے پاس کچھ تھوڑے پیسے تھے ان سے میں کچھ دن گزر کر سکتی تھی اگر اور زندہ رہتی تو کسی کے گھر میں کھانا پکا کر بھی بسر کر سکتی تھی۔ اس طرح کے بہت لوگ بنارس میں رہتے ہیں۔ پر میرا من اتنا پاپی ہے کہ ایسا مجھ سے ہو ہی نہ سکا۔ اکیلی رہتی ہوں تو تمام زندگی کا دُکھ میرے دماغ پر چھایا رہتا ہے اور بھگوان کی طرف بھی لَو نہیں لگانے دیتا۔ کبھی کبھی تو لگتا ہے پاگل ہو جاؤں گی۔ ستیش اور رادھارانی میرے لئے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہیں۔ ان لوگوں کو چھوڑنے کے خیال ہی سے دم گھٹنے لگتا ہے۔ رات دن مجھے یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں اُن سے بھی نہ جُدا ہونا پڑے۔ ورنہ اپنا سب کچھ لٹانے کے بعد اتنی جلدی مجھے ان دونوں سے کیوں اتنی محبّت ہو جاتی۔ بیٹا میں اپنے دل کا حال تمھیں سُنانے میں کوئی ہرج نہیں سمجھتی۔ اس لئے تمھیں سناتی ہوں کہ جب سے یہ دونوں مجھے ملے ہیں تب سے بھگوان کی پوجا میں بھی میرا دل لگنے لگا اگر یہ دونوں چھوٹ جائیں تو بھگوان بھی صرف پتھر کا رہ جائے گا۔" ان الفاظ کو کہتے کہتے وہ آنسو پونچھنے لگیں۔

بیالیسواں باب

سچاریتا نیچے اُتر کر ہرن بابو کے سامنے جا کھڑی ہوئی: "کہئے۔ آپ مجھ سے کیا کیا کہنے کو مڑ کے ہوئے ہیں؟"

"بیٹھو تو۔" ہرن بابو بولے

لیکن سچاریتا جہاں کی تہاں کھڑی رہی!

"سچاریتا تم نے مجھ پر ایک زیادتی کی ہے" ہرن بابو نے اپنی بات شروع کی۔

"آپ نے بھی تو مجھ پر زیادتی کی ہے۔"

"میں نے تو جو الفاظ کہے تھے ان پر اب تک .... ہرن بابو کہنے ہی لگے تھے کہ سچاریتا نے اُن کی بات کاٹی" کیا انسان صرف الفاظ ہی سے کسی کے ساتھ زیادتی کر سکتا ہے کیا آپ یہ چاہیں گے کہ کسی کہے ہوئے لفظ کی وجہ سے اپنی مرضی کے خلاف کوئی بات کروں۔ بہت سے جھوٹے الفاظ سے ایک سچائی کیا زیادہ بڑی نہیں ہوتی؟ اگر میں غلطی بار بار کروں تو کیا وہ غلطی نہیں رہے گی۔؟ اب میری سمجھ میں آیا ہے کہ میں نے غلطی کی تھی۔ اس لئے میں اپنے گذشتہ فیصلے پر قائم نہیں رہ سکتی۔ ایسا کرنا سچائی کو دھوکا دینا ہوگا۔"

ہرن بابو کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سچاریتا میں یہ تبدیلی ہوئی تو کیسے؟ اتنا تو وہ سوچ ہی نہیں سکتے تھے اور نہ ان میں اتنی خاکساری تھی جو سمجھتے کہ ان کا خواہ مخواہ کا ہر وقت کا اصرار تھا جس نے سچاریتا کو مجبور کیا تھا کہ وہ اپنی فطری خاموشی اور سنجیدگی کو توڑ کر اس طرح صاف صاف بات کرے۔ چنانچہ ان کے دماغ نے فوراً اس کے ساتھیوں کو

موردِ الزام قرار دیا۔ پوچھنے لگے: "اچھا تو وہ کیا غلطی تھی جو اب تمھاری سمجھ میں آ گئی؟"

"یہ آپ مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں؟ کیا میرا اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ میں شادی پر رضامند نہیں ہوں۔"

"لیکن یقیناً ہم لوگوں کو برہمو سماج کو تو کچھ جواب دینا ہوگا۔ اپنے ممبروں سے تم کیا کہو گی۔ اور میں کیا کہوں؟"

"جہاں تک میرا سوال ہے میں تو کچھ نہیں کہوں گی اور اگر آپ کو کچھ کہنا ہی ہے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ سچاریتا ابھی کم عمر ہے۔ یا کم عقل ہے یا دھوکے باز ہے۔ آپ کا جو جی چاہے وہ آپ کہہ دیجئے۔ لیکن میرے اور آپ کے درمیان اب کچھ کہنے سننے کو نہیں رہا۔ یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے۔"

"یہ بات اس طرح نہیں ختم ہو سکتی۔ یقیناً اگر پاریش بابو ......" اسی وقت پاریش بابو خود اندر آ گئے: "کہئے پنو بابو۔ آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں؟"

سچاریتا کمرے سے باہر جانے لگی۔ مگر ہرن بابو نے اس کو آواز دے کر روکا۔ "ٹھہرو سچاریتا۔ اس وقت تم کو نہیں جانا ہے۔ پاریش بابو کی موجودگی میں اس بات کا فیصلہ ہو جائے۔"

سچاریتا مڑ کر کھڑی ہو گئی۔ ہرن بابو نے کہنا شروع کیا: "پاریش بابو۔ اب [illegible] سننے کے بعد سچاریتا کہتی ہیں کہ یہ ہماری شادی پر رضامند نہیں ہیں۔ کیا [illegible] سب [illegible] کر [illegible] ہم معاملے کو یوں تماشہ بنا دیں، کھلواڑ کر دیں؟ کیا اس بیہودگی کی کچھ ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی؟"

پاریش بابو نے سچاریتا کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دکھی آواز میں بولے "بیٹی! تمھارے یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں ہے تم جاؤ۔"

ہمدردی اور سمجھداری کے ان شفیق الفاظ کو سن کر سچاریتا کی آنکھوں میں آنسو

بھر آتے۔ وہ جلدی سے کمرے کے باہر نکل گئی۔

پھر پاریش بابو نے کہنا شروع کیا " آپ نے جو باقاعدہ منگنی کر دینے کا خیال ظاہر کیا تھا اس کو مانتے ہوئے میں اس لئے ہچکچا رہا تھا۔ پنو بابو، کہ میں ڈرتا تھا سچاریتا نے اپنی ذہنی حالت کو پوری طرح سمجھے بغیر ہی ہاں کر دی ہے۔ مجھے پہلے ہی اس بات کا خدشہ تھا "

" آپ کو کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ ہو سکتا ہے جس وقت وہ راضی تھی اس وقت اس کا ذہن صحیح حالت میں رہا ہو۔ اور در اصل اس وقت وہ اپنے آپ کو پوری طرح سمجھ نہ رہی ہوں۔؟"

" ہاں۔ دونوں امکانات ہو سکتے ہیں " پاریش بابو نے تسلیم کیا۔ لیکن اس تذبذب کی کیفیت میں شادی بیاہ کی کوئی بات چیت کیسے ہو سکتی ہے؟"

" کیا آپ سچاریتا کو کوئی ایسی صلاح نہیں دے سکتے جو اس کے واسطے مفید ہو؟"

" یہ تو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں سچاریتا کو جو بھی رائے دوں گا وہ اس کے فائدے کی ہی ہوگی "

ہرن بابو ایک دم پھوٹ پڑے " اگر واقعی ایسا ہوتا تو سچاریتا کی یہ نوبت کبھی نہ پہنچتی۔ یہی آپ کے منہ پر کہتا ہوں کہ اس وقت آپ کے گھر میں جو یہ سب کچھ ہو رہا ہے یہ صرف اس لئے ہے کہ آپ معاملات پر صحیح رائے قائم نہیں کرتے اور ٹھیک فیصلہ نہیں لے پاتے "

پاریش بابو ہنسنے لگے " وہ تو بالکل ظاہر ہے۔ جو کچھ میرے اپنے خاندان میں ہو رہا ہے اس کی ذمہ داری اگر میرے کندھوں پر نہیں ہے اور تو کس کے ہو سکتی ہے؟"

" خیر ــــــ میں اتنا آپ کو یقین کے ساتھ جتائے دیتا ہوں کہ ایک دن آپکو پچھتانا پڑے گا "

"پچھتاوا اور غم تو دینے والے کی مہربانی ہے۔ مجھے گناہ کرتے ڈر لگتا ہے۔ پنتو بابو۔ لیکن پچھتاوے سے میں نہیں گھبراتا۔"

"اسی دم سچاریتا واپس آئی اور پاریش بابو کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ باپو جی۔ آپ کی عبادت کا وقت ہو گیا ہے۔"

"پنتو بابو—— آپ کچھ دیر ٹھہریں گے؟" پاریش بابو نے کہا۔

ہرن بابو ایک دم سے بولے "نہیں۔" اور آخر کار رخصت ہو گئے۔

تینتالیسواں باب

سچاریتا خود اپنی جدوجہد سے قرت کمانے لگی جو وہ خود سے اور اپنے ماحول کے ساتھ جاری رکھے ہوئے تھی۔ ابھی تک وہ اس کشمکش سے بھی بے خبر رہی تھی جو اسکے دل میں گورا کے لئے پرورش پا رہی تھی۔ اس کی گرفتاری کے بعد اس پر عیاں ہو گیا کہ اب اُسے اپنے آپ پر کوئی اختیار نہیں رہا ہے۔ وہ نہیں جانتی کہ اب کیا کرے! کسی پر یہ راز ظاہر نہیں کر سکتی تھی لیکن اکیلی اِس کا مقابلہ کرتے ہوئے جھجکتی بھی تھی۔

اُسے ایسی تنہائی بھی نصیب نہ ہوتی تھی جہاں وہ اپنی اندرونی کشمکش کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کرکے اُسے ختم کرنے میں کامیاب ہو سکتی۔ ہرن نے اپنی چالاکی سے لوگوں کو اس قدر مشتعل کر دیا تھا کہ وہ اس کے چاروں طرف ہجوم کئے رہتے تھے پھر اس بات کا بھی امکان تھا کہ ہرن اخبار والوں کو بھی خبر پہونچا دے گا۔

اس کی خالہ کا بھی ایک مسئلہ تھا جو اسقدر نازک ہو چکا تھا کہ اس کا کوئی فوری حل نہ سوچا جاتا تو کسی مصیبت کا نازل ہو جانا بالکل یقینی تھا۔ سچاریتا سمجھ چکی تھی اس کی زندگی ایک بحران میں پھنس گئی ہے۔ اب ایک جانے پہچانے راستے پر چلے جانا اور پُرانے روایتی انداز میں کچھ سوچنا بھی ناممکن ہے۔

ایسی مصیبت میں اس کا ایک ہی سہارا تھا! پاریش بابو وہ ان کی نصیحت یا مشورے کی طلبگار نہیں تھی۔ اس کے خیالات اتنے آزاد قسم کے تھے کہ اُنھیں پاریش بابو کے سامنے پیش کرتے ہوئے اُسے شرم آتی تھی۔ ان کی زندگی کے طور

طریقوں اور رفاقت کی وجہ سے ہی وہ اُن میں ایک باپ جیسی شفقت اور ماں جیسی ممتا محسوس کرتی تھی۔

موسمِ خزاں میں پاریش بابو شام کے وقت اپنے باغ میں پوجا کے لئے جانے کے بجائے اپنے گھر کے مغربی کونے میں بنے ہوئے ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھ کر پرارتھنا کر لیا کرتے تھے۔ کھلے ہوئے دروازے میں سے سورج کی کرنیں اندر آ کر اُن کے سفید بالوں اور گمبھیر چہرے پر پڑنے لگتی تھیں۔ اُس وقت سُچاریتا چپکے سے اندر آ کر ان کے پاس بیٹھ جاتی۔ محسوس کرتی پاریش بابو کی اس عبادت کو دیکھ کر ہی اس کے اپنے انتہائی طور دُکھی اور بے چین دل کو کافی کچھ صبر اور قرار نصیب ہو سکتا ہے۔

چنانچہ جب پاریش بابو کی سمادھی ٹوٹتی تو وہ عموماً اس لڑکی کو ایک خاموش اور ساکت مُرید کی طرح بیٹھا ہوا پاتے۔ اس کے چہرے پر ایک ناقابلِ بیان مٹھاس چھائی ہوئی نظر آتی۔ جو اُن کے دل کی گہرائیوں میں اُتر کر چپکے چپکے اُس کے لئے آشیرباد کھینچ لاتی تھی۔

مُکتی حاصل کرنے کی مسلسل کوشش کی وجہ سے پاریش بابو کا دل ہمیشہ سچائی اور نیکی سے متاثر ہوتا تھا۔ دنیاوی جھگڑے اُن کے دل پر حاوی نہیں ہو سکتے تھے انھیں اس طرح سے سوچنے اور سمجھنے کی پوری آزادی تھی لیکن اس آزادی کو دوسروں کے خلاف ـــــــ راستے پر لے آنے کے لئے تشدّد استعمال کرنا ان کے لئے ناممکن تھا۔ نیکی پر اُن کا ایک قدرتی اعتقاد تھا۔ ان کے ایسے تحمل ہی کے سبب سے انھیں جوشیلے اور مذہبی جنونیوں سے گالیاں سننی پڑ جاتی تھیں۔ گالیاں بھلے ہی ان کے دل کو زخمی کر دیتی لیکن اُن کے اعتقاد کو کمزور نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ اکثر خود سے کہا کرتے: مجھے کسی سے کیا لینا۔ کچھ لینا ہے تو صرف اپنے خدا سے۔!

پارتش بابو سے اسی پختہ اعتقاد کو حاصل کرنے کے لئے ہی سجاریتا کسی نہ کسی بہانے سے اُن کے پاس جانے لگی تھی۔ جب اس بھولی بھالی لڑکی کا اندرونی اور بیرونی خلفشار کسی قدر کم ہو جاتا تو وہ محسوس کرتی اگر وہ اپنے باپ کے قدموں پر سر رکھ کر روزانہ کچھ دیر تک پڑی رہا کرے تو اس کا دل صبر و سکون کی اُمید کر سکتا ہے۔

یہ تو وہ سمجھتی تھی اگر وہ اپنا وقت سکون کے ساتھ گزارنے میں کامیاب ہو گئی تو اس کی مخالف قوتیں تھک کر پسپا ہو جائیں گی لیکن اس کے مقدر میں ایسا نہیں لکھا تھا۔ اُسے مجبوراً اجنبی راہوں پر چلنے کا خطرہ مول لینا پڑ گیا۔

جب برود ا بلوی نے دیکھا کہ سجاریتا لعنت ملامت کرنے پر بھی نہیں مانی اور پارتش بابو کو بھی اپنا طرفدار بنانے کی اُمید ختم ہو چکی ہے تو اُن کا سارا غصّہ اپنی پوری شدت کے ساتھ ہرن موہنی پر پھٹ پڑا۔ اس خیال سے ہی وہ جل جاتی تھیں کہ ہری موہنی گھر میں موجود تھیں۔

اپنے والد کی یاد میں منائی جانے والی ایک تقریب میں برود ا بلوی نے نبوئے کو بھی مدعو کیا تھا۔ خاندان کے اور دوسرے دوست شام کے وقت عبادت کیلئے جمع ہوئے تھے۔ وہ سجاریتا اور اپنی لڑکیوں کے ساتھ اسی تقریب کے لئے کمرے کو سجانے میں لگی ہوئی تھیں۔ اس مصروفیت میں بھی انھوں نے نبوئے کو اُوپر جانے والی سیڑھیوں پر ہری موہنی کے پاس جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ جب دل میں غبار ہوتا ہے تو کوئی معمولی سی بات بھی بڑی اہمیت اختیار کر لیتی ہے۔ اپنے کام میں برود ا دیوی کا جی نہ لگ سکا اور وہ کمرے تک جا کر نبوئے کا پیچھا کرنے کے لئے بالکل مجبور سی ہو گئیں۔ نبوئے ہری موہنی کے کمرے میں اس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھا بڑی بے تکلفی سے باتیں کر رہا تھا۔

دیکھو! برودا دیوی ہری موہنی سے چلاّ کر بولیں تم یہاں جب تک جی چاہے بیٹھو۔ میں اس بات کی زیادہ پرواہ نہیں کرتی۔ ہم بڑی خوشی سے تمھارا خیال بھی رکھیں گے لیکن تم یہ بھی سُن رکھو کہ ہم کبھی برداشت نہیں کریں گے کہ تم اپنے بھگوان کی مورتی اس گھر میں رکھو۔

ہری موہنی نے آج تک اپنی ساری زندگی گاؤں میں گذاری تھی۔ وہ سمجھتی تھیں کہ برہمو سماج عیسائیوں کا ہی ایک پنتھ ہے۔ یہ سوال آج بھی ان کے دل میں موجود تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ کس طرح تعلق قائم رکھے۔ اور ہو سکتا ہے وہ لوگ اس کے ساتھ کوئی تعلق رکھنا ہی نہ چاہیں۔ دھیرے دھیرے یہ خیال پختہ ہوتا جارہا تھا اور وہ یہ سوچنے لگتی تھیں کہ ایسے حالات میں کیا کرنا چاہیئے۔ برودا دیوی کی باتوں نے یہ بات اُن پر بخوبی واضح کر دی تھی کہ اُسے زیادہ دیر تک گومگو کی کیفیت میں نہیں رہنا چاہیئے۔ اور کوئی فیصلہ جلد ہی کرنا ہوگا۔ پہلے تو انھیں یہ خیال آیا کہ کلکتے میں کسی اور جگہ چلی جائیں۔ تاکہ وہ اپنی سچاریتا اور ستیش کو کبھی کبھی دیکھنے کا موقع ملتا رہے لیکن پھر سوچا کیا۔ وہ اپنے معمولی سے وسائل سے کلکتے جیسے مہنگے شہر میں رہ سکیں گی۔

برودا طوفان کی طرح اچانک آکر چلی بھی جا چکی تھی لیکن بنوئے ابھی تک سر جھکائے ساکت وجامد بیٹھا ہوا تھا ہری موہنی نے یہ کہہ کر اس کی خاموشی توڑی "میں سوچ رہی ہوں یاترا کرنے کے لئے چلی جاؤں۔ میرے بچے! کیا تم میں سے کوئی میرا ساتھ دے سکے گا"

صرف میں ہی آپ کے ساتھ جا کر خوش ہو سکتا ہوں "بنوئے نے جواب دیا۔ لیکن اس کی تیاری کے لئے کچھ روز لگ جائیں گے۔ تب تک کیا آپ میری ماتا جی کے پاس آکر نہیں رہ سکتیں؟"

تمھیں کچھ معلوم بھی ہے بیٹا۔ ہری موہنی نے کہا۔ میں کتنا بڑا بار ہوں۔ بھگوان نے میرے کاندھوں پر گناہوں کی اتنی بھاری گٹھری رکھی ہے کہ کوئی مجھے برداشت ہی نہیں کر سکتا۔ جب میری موجودگی میرے اپنے پتی کے گھر میں ہی ایک بوجھ تھی تو مجھے اس کا احساس کر لینا چاہیے تھا۔ لیکن اب یہ احساس مجھے بہت دیر سے ہوا ہے۔ میں اتنی مدت تک گھوم گھام کر دل پر چھائی ہوئی تنہائی کو بھولنے اس خلا کو پُر کرنے کی کوشش میں لگی رہی۔ جہاں بھی گئی مصیبتیں میرے ساتھ رہیں۔ بس بس میرے بچے۔ اب اس سے زیادہ نہیں دیکھا جاتا۔ کسی دوسرے گھر پر میں نیا حملہ کیوں کروں! اب مجھے بھگوان کے چرنوں میں پناہ لینی چاہیے جو ساری کائنات کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ میں اب اور زیادہ دکھ نہیں سہہ سکتی۔ بولتے وقت ہری موہنی بار بار اپنی آنکھیں پونچھتی جاتی تھی۔

"نہیں خالہ نہیں" بنوے بولا۔ میں آپ کو یہ سب نہیں کہنے دوں گا۔ آپ میری ماں کا مقابلہ کسی سے بھی کر کے دیکھ لیجیے۔ جس نے اپنا سب کچھ بھگوان کو سونپ رکھا ہے وہ کسی دوسرے کی تکلیف کا بوجھ محسوس ہی نہیں کرے گا۔ میری ماں بالکل ایسی ہے جیسے یہاں پاریش بابو کو دیکھتی ہیں۔ میں آپ کی ایک نہیں سنوں گا۔ پہلے میں آپ کو اپنے گھر کی یاترا پر لے چلتا ہوں۔ اس کے بعد میں آپ کی یاترا پر آپ کے ساتھ چلوں گا۔

"لیکن" ہری موہنی نے کہا "پہلے ہمیں تمھاری ماتا کو اطلاع تو کر دینی چاہیے"

"ہمارے وہاں پہونچ جانے سے ہی ان کو اطلاع ہو جائے گی" یہی کافی ہو گا۔ اور یہی سب سے بہتر اطلاع ہوگی۔

"تو پھر کل صبح چلیں گے ——" ہری موہنی کہنے لگی۔ لیکن بنوے نے پھر مداخلت کی۔ کل ہی کیوں؟ کیا آج رات ہی کو چلا جانا بہتر نہیں ہو گا۔؟

اسی وقت سچاریتا بنوئے کو بلانے کے لئے آگئی۔ ماں کہہ رہی ہیں، عبادت کا وقت ہو گیا ہے بنوئے نے جواب دیا "لیکن مجھے افسوس ہے میں اس وقت شامل نہیں ہو سکتا۔ مجھے خالہ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" درحقیقت اس واقعہ کے بعد بنوئے بروداد یوی کی دعوت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ یہ سب کچھ اسے ایک ڈھونگ لگتا تھا۔ لیکن ہری موہنی کو غصہ آگیا۔

"ہم پھر کسی وقت باتیں کر سکتے ہیں۔ وہاں سے ہو۔ آؤ۔ پھر میرے پاس آنا۔"
سچاریتا نے بھی کہا "میرے خیال میں تمہارے لئے چلنا ہی بہتر ہوگا۔"

بنوئے سمجھ گیا کہ اس کے عبادت میں شامل نہ ہونے سے خاندان کے اس جھگڑے کو اور شہ ملے گی۔ ویسے ہی جھگڑا کافی بڑھ چکا تھا۔ اس لئے وہ عبادت کے کمرے میں چلا گیا لیکن اس کی اس خوش سلیقگی سے کوئی مقصد پورا نہ ہو سکا۔ عبادت کے بعد جب پرشاد بانٹا گیا۔ جب بنوئے کو دیا جانے لگا تو اس نے "بھوک نہیں ہے" کہہ کر معافی مانگ لی۔

بروداچلا کر بولی۔ تمھیں بھوک لگ ہی کیسے سکتی ہے۔ جبکہ تم اوپر کمرے میں بہت ہی مزیدار باتیں سن کر اپنا پیٹ بھر چکے ہو۔

بنوئے نے ہنس کر اس الزام کو قبول کیا اور کہا۔ جی ہیں۔ اور لالچی لوگوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ مال کے لالچ میں وہ مستقبل سے کبھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

یہ کہہ کر وہ جانے ہی والا تھا کہ بروداد یوی نے کہا۔ غالباً تم پھر اوپر جا رہے ہو۔
بنوئے نے مختصر سا جواب دیا "جی ہاں۔" اور دروازے سے باہر نکلتے نکلتے سچاریتا کو آہستہ سے کہہ دیا۔ دیدی تم ذرا چاچی سے آکر مل لو۔ ان کو اس وقت تمھاری سخت ضرورت ہے۔

لولتا مہمانوں کی خاطر مدارات میں مصروف تھی۔ جب وہ ہرن کے قریب سے گزری

تو ہرن نے یہ بھی کہہ دیا۔ نبو تے بابو تو یہاں نہیں ہیں اوپر گئے ہوئے ہیں۔
دلتا رک گئی۔ اور ان کے چہرے کو گھورتی ہوئی اور اس کی بات کاٹ کر بولی میں
جانتی ہوں۔ لیکن وہ مجھ سے ملے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے۔ اس کے علاوہ جب
یہاں کا کام ختم کر چکوں گی۔ اوپر بھی جاؤں گی۔

ہرن نے بھی یہ جان لیا تھا کہ نبو تے نے سچاریتا سے کوئی بات کہی تھی اور وہ فوراً
اس کے پیچھے پیچھے اوپر کے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اس نے تھوڑی دیر پہلے سچاریتا سے
گفتگو چھیڑنے کی بھی ایک سے زیادہ بار کوشش کی تھی لیکن سچاریتا ہر بار بات کرنے
سے کترا گئی تھی۔ کمرے میں جتنے لوگ تھے اُن کے سامنے ہرن بابو کی بڑی توہین
ہوئی اور جب وہ دلتا کو بھی بھڑکانے میں ناکام رہے تو اس کے تن بدن میں پہلے
سے بھی کہیں زیادہ آگ لگ گئی۔

سچاریتا اوپر گئی تو ہری موہنی اپنا سامان باندھ کر یوں تیار بیٹھی تھی جیسے فوراً ہی
کہیں باہر جانے والی ہو۔ سچاریتا نے اس کی وجہ دریافت کی۔

ہری موہنی کوئی جواب نہ دے سکی اور رونے لگی۔ بڑی مشکل سے اس نے کہا
ستیش کہاں ہے۔ اسے کہو۔ ذرا مجھ سے مل جائے۔ کیا تم اُسے بلا دو گی۔

سچاریتا نے حیران ہو کر نبو تے کی طرف دیکھا۔ جو کہنے لگا
"اگر خالہ یہاں رہے گی تو حالت بہت ہی گڑبڑ ہو جائے گی۔ اس لئے میں انھیں
اپنی ماں کے پاس لے جا رہا ہوں۔

"میں وہاں سے ہو کر کہیں یاترا کو چلی جاؤں گی" ہری موہنی نے اس کی بات
میں اضافہ کر دیا۔ میرے جیسے لوگوں کا کسی کے گھر میں ٹھہرنا قطعاً مناسب نہیں ہے۔
آخر دوسرے لوگ کیوں ہمیشہ میرے ساتھ بندھے بندھے رہیں؟"

سچاریتا نے بھی یہی سوچ رکھا تھا۔ وہ بھی اس بات کا احساس کرتی تھی۔ کہ خالہ

کے یہاں رہنے سے اُن کی صرف توہین ہی ہوگی۔ اس لئے اس نے کوئی جواب نہ دیا۔
ہری موہنی کے پاس جاکر بیٹھ گئی۔ اس وقت اندھیرا ہو چکا تھا۔ لیکن لیمپ نہیں جلائے
گئے تھے۔ دھندلے خزاں آلود آسمان پر مدھم مدھم ستارے چمکنے لگے تھے۔ اندھیرے
کی وجہ سے یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ ان میں سے کون کون رو رہا تھا۔

اچانک ستیش کی کانپتی ہوئی آواز سیڑھیوں پر سے سنائی دی۔ خالہ خالہ۔
ہری موہنی جلدی سے اُٹھ کھڑی ہوئی "خالہ" سچاریتا نے کہا، "تم آج کہیں نہیں جا سکتیں
کل صبح دیکھا جائے گا۔ پتا جی کی اجازت لئے بغیر تم کیسے چل دو گی۔ کیا اُن کو رنج
نہ ہو گا۔"

بردوا دیوی نے ہری موہنی کی جو توہین کی تھی اس سے مشتعل ہو کر بنوئے نہیں
چاہتا تھا کہ وہ اس چھت کے نیچے ایک رات بھی اور رہے۔ اور وہ بردوا دیوی کو دکھا دینا
چاہتا تھا کہ وہ یہ نہ سمجھتی رہیں کہ ہری موہنی اس کی توہین کو بے بس ہو کر برداشت
کرتی رہے گی یا وہ اور کہیں نہیں جا سکتی تھی۔ اس لئے وہ اس بات پر بیحد مُصر تھا کہ وہ
یہاں سے جس قدر جلد ہو سکے چلی جائیں۔

سچاریتا کی بات سن کر اس نے محسوس کیا اس گھر میں تعلق صرف بردوا دیوی سے
ہی نہیں تھا۔ اس لئے صرف ان کی گالیوں کو ہی اہمیت دینا ٹھیک نہیں ہو گا۔ گھر کے
مالک کی فراخدلی اور شفقتوں کو بھی مدنظر رکھنا ہو گا۔ اس لئے اس نے کہا۔ "یہ صحیح ہے
آپ پاریش بابو سے اجازت لئے بغیر واقعی نہیں جا سکتیں۔"

اسی وقت ستیش چلاتا ہوا اندر آ گیا۔ "خالہ تم جانتی ہو روسی ہندوستان پر حملہ کرنے
والے ہیں۔ کتنا عجیب ہو گا یہ۔"

"اور تم کس کا ساتھ دو گے" بنوئے نے پوچھا

"روسیوں کا" ستیش نے کہا۔

"تب انھیں کس بات کی فکر ہوگی۔ ننھو نے مسکرا کر بولا

سجاد رتنا نے دیکھا کہ تناؤ کچھ کم ہو گیا ہے اور ننھو کے کا موڈ کچھ بہتر ہے تو وہ بیڈ سے کھسک کر نیچے اتر گئی۔

چوالیسواں باب

پاریش بابو سونے سے پہلے اپنے چھوٹے کمرے میں ایک لیمپ کے سامنے بیٹھے ایمرسن کی ایک کتاب پڑھ رہے تھے جب سچاریتا نے اندر آ کر اُن کے پاس بیٹھنے کے لئے دھیرے سے کرسی کھسکائی تو انھوں نے کتاب رکھ دی اور اُس کی طرف دیکھنے لگے۔

سچاریتا اپنے آنے کا مقصد بیان نہ کر سکی۔ وہ کوئی بات زبان پر نہیں لا سکتی تھی صرف اتنا کہا "پتاجی" کچھ مجھے بھی پڑھ کر سنائیے؟

یہاں تک کہ پاریش بابو پڑھ کر اسے سناتے اور معنی سمجھاتے رہے۔ کہ دس بج گئے اس کے بعد وہ اس تکلیف دہ موضوع کے بارے میں کچھ نہ کہہ سکی جس کی وجہ سے اس کے باپ کا سکون درہم برہم ہو سکتا تھا۔ اس لئے جب وہ سونے کے لئے اپنے کمرے میں جانے لگی تو پاریش بابو نے اُسے واپس بلالیا۔ اور پوچھا۔ تم اپنی خالہ کے بارے میں کچھ کہنے آئی تھیں، ہاں! کہو۔

سچاریتا حیران رہ گئی کہ انھوں نے اس کے دل کی بات کیسے مان لی۔ بولی "جی ہاں پتاجی" لیکن اس موضوع کو آج رات نہ چھیڑا جائے۔ کل بات کریں گے۔

لیکن پاریش بابو نے اُسے بٹھالیا اور کہا۔ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تمھاری خالہ یہاں خوش نہیں رہتیں۔ میں اس بات کو نہ سمجھ سکا تھا کہ ان کے اعتقادات اور رسوم ماں کے خیالات اور عادات کی کتنی سخت ٹکر ہو گی۔ میں دیکھتا ہوں تمھاری ماں کو بھی اذیت پہونچتی ہے اور تمھاری خالہ تو یقیناً اسی وجہ سے پریشان ہوتی ہیں۔ سچاریتا نے

کہا۔ خالہ یہاں سے جانے کی پہلے ہی سے تیاری کر چکی ہیں۔

پارتش بابو نے کہا "میں جانتا تھا وہ ایسا ہی کریں گی"۔ لیکن یہ بھی جانتا تھا کہ تم ان کی تنہا رشتے دار ہونے کے ناتے سے انھیں بے گھر نہیں ہونے دو گی۔ میں بہت دن سے یہ بات سوچ رہا ہوں۔

سچاریتا کو بھی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ پارتش بابو نے گھر میں اس کی خالہ کی وجہ سے چھائی ہوئی کیفیت کو جان لیا ہوگا۔ وہ ہمیشہ چوکنی رہتی تھی کہ کہیں اس بات کے انکشاف سے انھیں تکلیف نہ پہونچے۔ لیکن جب اس نے ان کی زبان سے ایسی باتیں سنیں تو احسان مندی کے جذبے سے اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔

"مجھے اُن کے لئے ایک مناسب مکان کا خیال ابھی ابھی سُوجھا ہے" پارتش بابو بولے۔

"لیکن میں ڈرتی ہوں وہ ——— وہ" سچاریتا رُک کر بولی۔

"تم کہنا چاہتی ہو وہ کرایہ ادا کر سکنے کے قابل نہیں ہیں۔ لیکن وہ کرایہ کیوں ادا کریں گی۔ تم ان سے کرایہ تھوڑی لوگی۔ کیوں؟"

سچاریتا حیرانی سے بُت بنی کھڑی رہ گئی۔ کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔ اور وہ مسکراتے ہوئے کہتے رہے۔ انھیں اپنے مکان میں رکھو۔ جہاں کا انھیں کوئی کرایہ نہیں دینا ہوگا۔

سچاریتا کی حیرت کافی بڑھ گئی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ پارتش بابو کو وضاحت کرنی پڑی۔

"کیا تمھیں معلوم نہیں کلکتہ میں تمھارے دو مکان ہیں۔ ایک تمھارا ہے اور دوسرا ستیش کا۔ جب تمھارے پتا جی سورگ باش ہوتے تھے تو انھوں نے میرے پاس کچھ رقم چھوڑی تھی جسے میں نے سُود پر لگا دیا تھا۔ اور جب رقم کافی بڑھ گئی تو میں نے شہر میں دو مکان خرید لئے۔ اتنے عرصے میں اُن کا جو کرایہ وصول کرتا رہا ہوں وہ بھی میرے

پاس جمع ہے تمھارے مکان کا کرایہ دار کچھ عرصہ ہوا چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ اب وہ مکان خالی ہے۔ وہاں تمھاری ماتا کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

"لیکن کیا وہاں وہ اکیلی رہ سکیں گی" سچاریتا نے پوچھا

جب اُن کے پاس تم ہو۔ ان کی اپنی رشتہ دار تو وہ اکیلی کیسے رہیں گی۔ پاریش بابو نے پوچھا۔

میں اسی بات کے بارے میں آج رات آپ سے کچھ کہنے کے لئے آئی تھی سچاریتا نے کہا۔ وہ اس گھر سے جانے کا فیصلہ کر چکی ہیں۔ میں حیران تھی، انھیں اکیلا کیسے جانے دوں۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں اور اب ویسا ہی کروں گی جیسا آپ حکم دیں گے۔

تمھیں معلوم ہے ہمارے مکان کے ساتھ ساتھ جو گلی چلی گئی ہے؟ پاریش بابو اُسے بتانے لگے۔ تمھارا مکان اس گلی سے صرف تین دروازے کے فاصلے پر ہے تم اُسے برانڈے سے بھی دیکھ سکتی ہو۔ اگر تم وہاں رہنے لگو گی تم تنہائی محسوس نہیں کروگی کیونکہ ہم تمھیں ہر وقت دیکھ سکیں گے۔ جیسے تم اسی مکان میں رہتی ہو۔

سچاریتا کے دل پر سے جیسے بہت بڑا بوجھ سا اُتر گیا۔ کیونکہ پاریش بابو کو چھوڑنے کا خیال ہی اس کے لئے سوہانِ روح بن جاتا تھا۔ اگرچہ وہ یہ بھی محسوس کرنے لگی تھی کہ اس کا فرض اسے ایسا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

وہ پاریش بابو کے پاس بیٹھ کر بہت سی باتیں سوچتی رہی۔ پاریش بابو بھی اپنے خیالوں میں کھوئے ہوئے تھے سچاریتا ان کی شاگرد بیٹی اور دوست بھی تھی۔ وہ اُن کی زندگی کا ایک ضروری حصہ بن گئی تھی۔ اس کے بغیر وہ اپنے بھگوان کی تپسیا کو بھی ادھورا سمجھتے تھے۔ جب سے سچاریتا یہاں آئی تھی اور اُن کی تپسیا میں شامل ہونے لگی تھی انھیں یوں لگنے لگا تھا! اُن کی عبادت بہت فائدہ مند تھی۔ ان کی شفقتوں سے سچاریتا کے خیالات نیکی کی طرف مائل کئے جا سکتے تھے۔ اس طرح اُن کی اپنی زندگی

کا درشن اونچا ہو جاتا تھا۔

اتنی عقیدت اور لگن کے ساتھ اور کوئی بھی ان کے پاس نہیں آیا تھا ایسی انکساری صرف سچاریتا کے پاس تھی جیسے کوئی پھول آکاش کی طرف تکتا ہو! اس نے اپنی تمام تر فطرت کا رُخ اُن کی طرف کر لیا تھا۔ اور پوری طرح کھل اٹھا تھا۔ اتنی گمور تپسیا سے خوش ہو کر اس پر پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کی بھانت رحمتوں کی بارش ہی کی جا سکتی تھی۔ اس سے زیادہ سنہری موقع اور کونسا ہو سکتا ہے کہ روزانہ اپنے ایک ایسے حقیقی اور بہترین شاگرد کو فیض یاب کیا جائے۔ جس کی رُوح اسی مقصد کے لئے ہمیشہ تیار رہتی تھی۔ سچاریتا نے پاریش بابو کو ایسا کرنے کے لئے موقع مہیا کیا تھا۔ اسی وجہ سے اُن کا اس کے ساتھ رشتہ بہت گہرا ہو گیا تھا۔

اب وقت آ گیا تھا کہ وہ اپنا بیرونی تعلق توڑ لیتے۔ درخت نے اپنی زندگی کی کونپل سے ایک پھول کو سینچ سینچ کر پوری طرح تیار کر دیا تھا۔ اب وہ اپنے درخت سے جدا کیا جا سکتا تھا۔ پاریش بابو اپنی اندرونی اذیت کو چپکے چپکے اسی کے سامنے پیش کر رہے تھے۔ وہ کچھ عرصے سے دیکھ رہے تھے کہ اپنی زندگی کو خود آگے لے جانے کے لئے سچاریتا کے اندر ایک تحریک پیدا ہو چکی تھی۔ انھیں یقین تھا اپنی جیون یاترا کے لئے اس کے پاس کافی کچھ موجود تھا اور اس کی مدد سے وہ شاہراہِ حیات پر چل کر دُنیا کی مسرتوں اور اذیتوں کے لئے نئے تجربات حاصل کرے گی۔ آزمائشوں میں سے گذر کر وہ دکھ اٹھائے گی اور جدوجہد سے مقصدِ حیات حاصل کرے گی۔

وہ اپنے دل ہی دل میں کہہ رہے تھے آگے بڑھو میری بچی! تم میری رہنمائی کی پرچھائیں سے ایک لمحہ بھی الگ نہیں رہو گی۔ بھگوان تمہیں مجھ سے آزادی دلائیگا۔ اور تمہیں اپنے مفہوم کے مطابق ہر قسم کا تجربہ واقف کرے گا۔ بھگوان کرے تمہاری زندگی کا مقصد پورا ہو۔ ند کس طرح انھوں نے خدا کے حضور میں سچاریتا کے رُوپ میں

ایک بیش قیمت قربانی پیش کی جس کی وہ بس کے بچپن سے ہی اپنی تمام تر محبت کے ساتھ حفاظت اور پرورش کرتے آتے تھے۔

پارش بابو بردوا دیوی سے اُلجھنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اور نہ ہی اس قسم کے اختلافات کو خاندان میں قائم رکھنا چاہتے تھے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ جب بارش کا پانی پُرانے راستے سے داخل ہوتا ہے تو سخت طغیانی آجاتی ہے اور اسی وقت رد کئے کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ پانی کو وسیع میدانوں میں پھیلنے کی آزادی دے دی جائے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ حالات نے اُن کے خاندان میں بڑی بڑی دراریں ڈال دی تھیں۔ غیر متوقع اور وہ حالات سچاریتا کو بھی گھیرے ہوئے تھے۔ اسے تمام رُکاوٹوں سے دور رکھ کر باہر کی دُنیا کے ساتھ اپنا رشتہ قائم کرنے کی آزادی دے کر ہی خاندان کے اندر سکون واپس لایا جا سکتا تھا۔ اسے اپنی زندگی مکمل سکون سے گزارنے کے لئے وہ اُسے آزادی دینے کی تیاریاں چپکے چپکے کرتے رہے تھے۔

وہ دونوں چپ چاپ بیٹھے رہے۔ اچانک گھڑی نے گیارہ بجائے تو پارش بابو اُٹھے اور سچاریتا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اُسے برآمدے کی طرف لے گئے۔

آسمان پر بادل کا نام و نشان نہیں تھا۔ تارے چمکنے لگے تھے۔ سچاریتا کے ساتھ کھڑے ہو کر پارش بابو نے رات کے مکمل سکوت میں دُعا مانگی۔ اے خدا تو ہمیں سب برائیوں سے دور رکھ! ہماری زندگیوں پر ہمیشہ سچائی کی کرنیں برساتا رہ۔

پینتالیسواں باب

دوسرے دن صبح ہری موہنی پاریش بابو سے اجازت لینے کے لئے اُن کے سامنے جھکیں (کیونکہ وہ اس سے عمر میں بڑے تھے) تو انھوں نے جھٹ اپنے پاؤں کھینچ لئے تاکہ وہ انھیں چھو نہ سکے اور گھبرا کر جلدی سے بولے "یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟"

ہری موہنی نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ میں نہ اس زندگی میں ہی نہ ہی کسی دوسری میں آپ کے احسانوں کے بوجھ سے کبھی آزاد ہو سکوں گی۔ آپ نے میرے ایسے بدقسمت انسان کو زندہ رہنے کے قابل بنایا۔ کوئی دوسرا ایسا ہرگز نہ کرنا چاہتا تو بھی نہ کر سکتا۔ لیکن چونکہ بھگوان آپ پر بہت مہربان ہے اسی لئے آپ مجھے بچانے میں کامیاب ہو گئے۔

یہ سُن کر پاریش بابو بیحد متاثر ہوئے۔ میں نے کوئی خاص کام نہیں کیا انھوں نے دھیرے سے کہا۔ یہ سب کچھ سچاریتا نے کیا ہے۔

لیکن ہری موہنی نے انھیں پوری بات نہ کہنے دی۔ میں جانتی ہوں۔ میں جانتی ہوں۔ اس نے کہا۔ لیکن راد ھارانی آپ کی ہے۔ وہ جو کچھ کرتی ہے صرف آپ ہی کی وجہ سے۔ جب اس کی ماں مری اور اس کے بعد اس کے باپ کا بھی انتقال ہو گیا۔ تو میں سمجھی یہ اب اپنی بدقسمتی کے اندھیروں میں ڈوب جائے گی۔ یہ میں کیسے جان سکتی تھی کہ بھگوان ایسی بدقسمت کو بھی سہارا دے دے گا۔ میں گھوم پھر کر جب لوٹ کر یہاں آئی اور آپ کے بارے میں بھی معلوم ہوا تو مجھے احساس

ہوا کہ بھگوان کے دل میں میرے لئے بھی کچھ رحم موجود تھا۔

اُسی لمحے نبوتے نے اندر آکر بتایا۔ خالہ ماتا جی آپ کو لینے کے لئے آئی ہیں۔ کہاں ہیں وہ۔ سچاریتا حیران ہو کر کھڑی ہو گئی۔ نبوتے نے جواب دیا۔ نیچے تمہاری ماتا جی کے ساتھ۔ یہ سُن کر سچاریتا جلدی جلدی نیچے اُتر گئی۔

پاریش بابو نے ہرن موہنی سے کہا۔ مجھے اجازت دو کہ میں آپ کے مکان میں آپ سے پہلے پہونچ کر سب کچھ ٹھیک ٹھاک کر دوں۔

جب وہ چلے گئے تو نبوتے نے حیران ہو کر کہا۔ خالہ۔ میں نے آپ کے مکان کے بارے میں پہلے کبھی کچھ نہیں سُنا تھا۔

میرے بچّے مجھے آج سے پہلے کچھ پتہ نہیں تھا۔ یہ صرف پاریش بابو کو معلوم تھا معلوم ہوتا ہے۔ یہ راز سچاریتا کا ہے۔

جب نبوتے سب کچھ سُن چکا تو بولا۔ میں سمجھتا تھا دُنیا میں نبوتے بھی آخر کسی کے کام آنے کے قابل ہو گیا۔ لیکن اب دیکھتا ہوں کہ میں اس خوشی سے محروم ہو گیا ہوں۔ اب تک میں کسی کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکا تھا۔ اپنی ماں تک کے لئے بھی جو میرے لئے ہمیشہ سب کچھ کرتی رہیں۔ ایسا لگتا ہے اپنی خالہ کے لئے بھی میں کچھ نہیں کر سکتا! لیکن میں اُن کی محبت اور آشیرباد سے محروم رہنا نہیں چاہتا۔ میری قسمت میں ہمیشہ کچھ لینا لکھا ہے، دینا کچھ بھی نہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد للتا اور سچاریتا کے ساتھ آنند موئی وہاں آ گئی۔ ہرن موہنی اُن کا سواگت کرنے کے لئے آگے بڑھ گئی اور کہا۔ بھگوان جب مہربان ہوتا ہے تو اس وقت کسی بات کی کمی نہیں رہتی۔ آج آپ بھی مل گئیں۔ ان الفاظ کے ساتھ اس نے آنند موئی کا ہاتھ تھام کر انھیں اپنے پاس جا بٹھایا۔ پھر کہنے لگیں دیدی۔ نبوتے تو آپ کے سوا اور کسی کی بات ہی نہیں کرتا۔

آنند موئی مسکرا کر بولی۔ یہ تو اس کے بچپن کی عادت ہے وہ کسی بات میں دلچسپی لینا شروع کر دیتا ہے تو پھر اُسے آسانی سے نہیں چھوڑ سکتا۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں۔ اب خالہ کا نام لیسنا بھی جلدی ہی شروع ہونے والا ہے۔

نبوئے بولا بالکل سچ۔ میں پہلے ہی کہے دیتا ہوں۔

آنند موئی لولتا کی طرف دیکھ کر مسکرا کر بولیں۔ نبوئے کے پاس کوئی چیز نہ ہو تو وہ اُسے حاصل کر لینا بھی خوب جانتا ہے۔ اور اس کی حفاظت کرنا بھی کوئی اس سے سیکھے۔ تم لوگوں کو وہ کس نظر سے دیکھتا ہے یہ بھی میں جانتی ہوں۔ آپ لوگوں کا گھرا میل ملاپ دیکھ کر جو خوشی مجھے نصیب ہوتی ہے اُسے بتا نہیں سکتی۔ آپ کے گھر میں جی لگ جانے سے اُسے جو مسّرت ملی ہے اُسے وہ بڑی بھاری سمجھتا ہے اور دل میں اس کا احساس بھی کرتا ہے۔

ونتا نے چاہا کہ جواب نہ دے پر وہ ذرا سی گھبرا گئی۔ اُسے کشمکش میں پھنسا دیکھ کر سچاریتا کہنے لگی۔ نبوئے سب کی عزّت کرتا ہے۔ اس لئے اپنے بہترین دوستوں کی خوشنودی حاصل کرنا بھی اس کا حق ہو جاتا ہے۔ یہ اس کی ایک خاص خوبی ہے۔

نبوئے نے کہا ماں! تم لوگ نبوئے کو جتنا بڑا سمجھتی ہو دنیا میں اس کی اتنی عزّت نہیں ہے۔ ہاں میرے دل میں یہ فخر ضرور ہے کہ اس بات کا احساس کر کے بھی آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا۔ لیکن ماں اب کوئی اور بات کرو۔

اسی وقت اوپر سے بغل میں ایک نیا کتّا اٹھائے ہوئے ستیش آ گیا۔ اُس کے بازوؤں میں لٹکائی ہوئی چیز دیکھ کر ہری موہنی ڈر کر پیچھے ہٹ گئی اور خوشامد کے لہجے میں بولی۔

ستیش میرے بچّے! مہربانی کر کے اس کتّے کو ہٹاؤ یہاں سے۔ کتنا اچھا بیٹا ہے شاباش۔

یہ آپ لوگوں کو کچھ نہیں کہے گا خالہ۔ ستیش نے اُسے سمجھایا۔ یہ آپ کے کمرے میں بھی نہیں جائے گا۔ اگر آپ اسے پیار کریں گی تو بالکل چپ چاپ رہے گا۔

لیکن ہری سوہنی اس ناپاک جانور سے دُور ہی ہٹتی گئی۔ اور ستیش سے منت بھی کرتی رہیں۔ نا میرے بچے۔ بھگوان کے لئے اسے لے جا۔

تب آنند موئی نے ستیش کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور بچی کو اپنی گود میں لیتی ہوئی بولیں۔ تو تم ہی ستیش ہو۔ ہمارے بنوئے کے دوست۔ اس نے ستیش کو بنوئے کا دوست کہلائے جانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ اس نے پورے یقین کے ساتھ کہا جی ہاں اور آنند موئی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے اُسے بتایا کہ وہ بنوئے کی ماں ہے۔

سچاریتا نے اپنے بھائی کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔ مسٹر بابو نی ماں کو پرنام کرو۔ پس مُن کر ستیش نے شرما کر اُن کے سامنے سر جھکا دیا۔

اسی وقت برودا دیوی نے اوپر آکر ہری سوہنی کی طرف بالکل نہ دیکھتے ہوئے آنند موئی سے پوچھا۔ کیا آپ ہمارے گھر کی بنی ہوئی کوئی چیز کھانا پسند نہ کریں گی۔

کیوں نہیں۔ آنند موئی نے کہا۔ مجھے آپ کے یہاں کوئی چیز کھانے پر اعتراض نہیں ہوگا لیکن میں اب وقت کچھ نہیں کھاؤں گی۔ شکریہ۔ گورا آجائے تو پھر ہم آپ کی دعوت بخوشی قبول کریں گے۔

آنند موئی گورا کی غیر حاضری میں اب کوئی کام نہیں کرنا چاہتی تھیں جو گورا کی خواہشات کے مطابق نہ ہو۔

پھر برودا دیوی نے بنوئے کی طرف دیکھ کر کہا اور بنوئے بابو تم بھی یہاں موجود ہو۔ میں تو سمجھتی تھی کہ تم آئے ہی نہیں۔ بنوئے نے جواب دیا۔ میں آپ سے ملنے کے لئے آنے ہی والا تھا۔

کل تو آپ بلانے جانے پر بھی کھانا کھائے بغیر واپس چلے گئے آج بغیر دعوت کے ہی کیا آپ ہمارے ناشتے میں شریک ہو جائیں گے؟" یہ تو دعوت سے بھی بڑھ کر تھا۔ !" بنوئے نے کہا۔ تنخواہ کی نسبت اوپر سے ملا ہوا انعام زیادہ دلچسپ ہوتا ہے۔

ہری موہنی اس گفتگو کو سن کر حیران ہوئی۔ بنوئے تو اس گھر میں کھاتا پیتا رہتا ہی تھا۔ اور آنند موئی کو بھی ذات پات کا کوئی خیال نہیں تھا۔

جب بردا کمرے سے باہر چلی گئی تو ہری موہنی نے آنند موئی سے بڑے شک بھرے لہجے میں دریافت کیا۔ دیدی، آپ کے پتی تو ـــــ؟

میرے پتی کٹر ہندو ہیں۔ آنند موئی نے جواب دیا۔

ہری موہنی بڑی حیران ہوئی۔ اس کی حیرانی دیکھ کر آنند موئی کو بتانا پڑا۔ بہن! جب میں سماج میں سب سے اونچی ذات کی سمجھی جاتی تھی تب اس کا احترام بھی کرتی تھی لیکن جب بھگوان کی مرضی سے مجھے سماج چھوڑ دینا پڑ گیا تب سے میں کسی سے نہیں ڈرتی۔

ہری موہنی نے اس کا مطلب ٹھیک نہ سمجھتے ہوئے پھر پوچھا۔ اور آپ کے پتی ـــــ؟

"وہ میری اس بات کو پسند نہیں کرتے"

"اور آپ کے بچے؟"

"وہ بھی خوش نہیں ہیں۔ لیکن کیا میری زندگی محض پتی اور بچوں کو خوش رکھنے کے لئے ہے! بہن یہ معاملہ ایسا نہیں ہے جسے سب کو بتاتی پھروں۔ بھگوان تو سب کچھ جانتا ہے۔ یہ کہتے کہتے آنند موئی نے بھگوان کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

چھیالیسواں باب

لبونیا، لولتا اور لیلا، سچاریتا کو ایک لمحے کے لیئے بھی الگ نہیں چھوڑتی تھیں اگرچہ انھوں نے اُسے اُس کا نیا گھر سجانے میں مدد کی اور بہت جوش و خروش بھی دکھایا لیکن وہ جوش و خروش محض اُن کے آنسوؤں پر پردہ ڈالنے کے لیئے تھا۔

آج تک کئی برسوں سے کئی موقعوں پر سچاریتا پریش بابو کے چھوٹے بڑے کام کرتی رہتی تھی۔ کبھی جا کر اُن کے کمرے میں پھول سجا آتی۔ کبھی اُن کی کتابیں اور کاغذات ٹھیک کر آتی۔ اپنے ہاتھوں سے اُن کے کپڑوں کو دھوپ اور ہوا میں پھیلاتی۔ اور غسل کے لیئے پانی بھر جاتا تو وہ انھیں جا کر اس کے لیئے یاد دلا دیتی۔ دونوں میں سے کسی نے بھی ان باتوں کو کبھی کوئی خاص اہمیت نہیں دی تھی۔ لیکن اب وہ وقت بہت تیزی سے بڑھتا ہوا آرہا تھا کہ سب کام بند ہونے والے تھے۔ ویسے تو یہ چھوٹے چھوٹے کام کوئی اور بھی آسانی سے کرسکتا تھا۔ اگر کوئی نہ بھی کرتا ہر چیز یونہی پڑی رہ جاتی تو بھی کیا فرق پڑ جاتا۔؟ لیکن وہی فرق دونوں کے دلوں کو ایک دکھ میں مبتلا کیئے ہوئے تھا۔ اب جب بھی سچاریتا، پاریش بابو کے کمرے میں کوئی معمولی کام کرنے کے لیئے بھی آجاتی تو دونوں کی نظروں میں وہ کام بہت اہم ہوجاتا، دل پر پڑا ہوا بوجھ اُن کے اندر سے گہری رنجش بن کر دکھتا اور اُس کے اندر کا کوئی دکھ آنکھوں کو نمناک کر جاتا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد سچاریتا نئے گھر میں جانے والی تھی اس روز پریش بابو نے کمرے میں صبح کی عبادت کے لیئے پہونچے تو وہاں سچاریتا کو پہلے سے ہی اُن کے

بیٹھنے کی جگہ کے سامنے پھول بس کر رکھے ہوئے، اور ایک طرف بیٹھ کر اُن کا انتظار کرتے ہوئے پایا۔ لیوبنا اور لیلا کا ارادہ تھا کہ اس دن صبح کو وہ سب ایک ساتھ پرارتھنا کریں گی۔ لیکن لولتا نے انھیں وہاں نہیں جانے دیا۔ کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ آج کی عبادت سچاریتا اس کے پانچ باب سے اکیلے ہی آشیرواد حاصل کرے۔

ولتا اِن دونوں کی رفاقت میں آج کسی کی مداخلت نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔

عبادت کے بعد جب سچاریتا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تو پاریش بابو نے کہا۔ دیکھو گھوم کر مت دیکھو بیٹی، اور دل میں کوئی بھی جھجک نہ پیدا ہونے دو۔ قسمت جس کا بھی سامنا کرائے اس کا مقابلہ بہادری سے کرو، آگے بڑھو۔ راستے میں جیسے بھی اچھا اور بُرا خدا دکھائے اُن میں سے بہتر کو چُننے کی قوت پیدا کرو۔ خود کو مکمل طور پر خدا کے بھروسے پر چھوڑ دو، سمجھ لو کہ وہی سب سے بڑا مددگار ہے۔ اس کے بعد تم اپنی غلطیوں اور نقصانات کے باوجود ٹھیک راستے پر چلنے کے قابل ہو جاؤ گی۔ لیکن اگر تم نے اپنے ذہن کو دو طرف بانٹے رکھا خدا کی طرف بھی اور کسی دوسری طرف۔ تب ہر بات بہت مشکل ہو جائے گی۔ خدا کرے تمھیں میری کبھی ضرورت بھی نہ پڑے۔

جب وہ عبادت کے کمرے سے باہر نکلے تو انھوں نے ہرن کو انتظار کرتے ہوئے پایا۔ آج سچاریتا نے دل میں کسی کے خلاف کوئی جذبہ پیدا نہ ہونے دینے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ اس لئے اُس نے ہرن کو بہت احترام سے سلام کیا۔

ہرن بابو فوراً کرسی کے اندر سیدھے جسم کر کے بیٹھ گئے۔ اور مضبوط لہجے میں بولے سچاریتا آج تک تم نے صداقت کا دامن تھامے رکھا۔ اب اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹ رہی ہو۔ یہ بات ہم سب کے لئے کس قدر افسوسناک ہے۔

سچاریتا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے دل میں سکون اور محبت کی راگنی جاگ

رہی تھی۔ اس میں یہ بے سرے الفاظ شامل ہو گئے۔ ایک کوفت ہوئی۔

پاریش بابو نے کہا۔ یہ بات صرف انسان کا ضمیر ہی بتا سکتا ہے کہ کون آگے بڑھ رہا ہے اور کون پیچھے ہٹتا جا رہا ہے۔ ہم لوگ باہر کی باتیں سن کر دکھی ہوتے رہتے ہیں۔

کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ کے دل میں مستقبل کے بارے میں نہ کوئی خدشہ ہی ہے اور نہ ہی ماضی کی کسی بات پر پچھتاوا! ہرن بابو نے پوچھا۔

ہرن بابو" انھوں نے جواب دیا" میں کسی تصور یا خدشے کو دل میں جگہ نہیں دیتا اور اگر کوئی ایسا واقعہ ہو گیا ہے جس کے لئے پچھتانا ضروری ہو۔ تو وہ میں نہیں جانتا ہوں کہ انسان کو کب پچھتانا چاہیئے۔

ترکیا یہ محض تصور کی بات ہے کہ آپ کی لڑکی للتا ہوئے بابو کے ساتھ اسٹیمر پر تاکل اکیلی آئی ہے۔

غصّے سے سچاریتا کا چہرہ لال ہو گیا۔

پاریش بابو نے جواب دیا" ہرن بابو" آپ کسی خاص وجہ سے سخت جوش میں آگئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کے دل و دماغ کی جب ایسی حالت ہو تو میں اس معاملے پر بات کیسے کروں۔

ہرن بابو نے اپنا سر اونچا اٹھایا۔ میں جوش میں آکر کوئی بات نہیں کہتا۔ جو کچھ کہتا ہوں پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں۔ میں ذاتی طور پر نہیں برہمو سماج کی طرف سے کہہ رہا ہوں۔ اس معاملے میں میرا خاموش رہنا غلط ہوگا۔ آپ کی للتا ہوئے بابو کے ساتھ اسٹیمر پر اکیلی چلی آئی۔ اس ایک بات نے آپ کے خاندان کو برہمو سماجی ساحل سے ہٹا کر الگ بہا لے جانے کا آغاز کر دیا ہے۔ اس بات سے صرف آپ کو ہی پچھتاوا نہیں ہوگا بلکہ پورے برہمو سماج کے لئے یہ شرم کی بات ہے۔

اگر آپ کا مقصد صرف خدمت ہی کرنا ہے تب تو ظاہری حالات ہی کافی ہیں ورنہ انصاف کرنے کے لئے تو واقعات کی گہرائی تک پہونچنا ضروری ہے کسی ایک واقعہ کی بنا پر ہی ایک شخص کو مجرم قرار دینا مناسب نہیں ہے۔

لیکن جو کچھ ہوتا ہے وہ اپنے آپ نہیں ہو جاتا۔ ہرن بابو نے جواب دیا۔

"کون ایسی خرابی آپ لوگوں کے اندر پیدا ہو گئی ہے جس کی وجہ سے ان سب برائیوں کا پھیلنا ممکن ہوتا جا رہا ہے۔ آپ لوگ اپنے خاندان میں ایسے لوگوں کو داخل کر لیتے ہیں جو آپ کے خاندان کو اس کی روایات سے بہت دور گھسیٹ لے جاتے ہیں۔ کیا آپ خود نہیں دیکھ سکتے کہ وہ لوگ آپ کو کتنی دور کھینچ لے گئے ہیں۔

پاریش بابو نے کسی قدر غصے میں آ کر کہا۔ مجھے افسوس ہے ہم دونوں کا دل صاف نہیں ہے

"تمہارا دل صاف نہیں ہوگا۔ لیکن میں سچاریتا سے یہی گواہی دینے کے لئے کہتا ہوں۔ وہی کہہ دے کہ لولیتا کے ساتھ بنوئے کے تعلقات کیا محض بیرونی ہی ہیں۔؟ یہ تعلقات کیا ان دونوں کی زندگیوں میں بہت گہرائی تک نہیں اُتر چکے ہیں؟ سچاریتا جاؤ سچ جواب دو۔ یہ معاملہ بہت ہی سنگین ہے۔

چاہے کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو لیکن آپ سے مطلب؟ سچاریتا بھڑک اٹھی۔

"اگر مجھ سے مطلب نہ ہوتا تو میں اس کی رتی بھر پرواہ نہ کرتا۔ بالکل ذکر ہی نہ کرتا۔ تم لوگ بھلے ہی سماج کی پرواہ نہ کرو لیکن جب تک اس کے ممبر ہو سماج کو تمہارے بارے میں کوئی نہ کوئی فیصلہ ضرور کرنا پڑے گا۔

اسی وقت بگولے کی طرح کہیں سے لولیتا نمودار ہو گئی اور کہنے لگی: اگر برہمو سماج نے تمہیں اپنا جج مقرر کر دیا ہے تو ہمارے لئے اس سماج سے بالکل باہر رہنا ہی

بہتر ہو گا۔

ہرن بابو نے اپنی کرسی سے اُٹھتے ہوئے کہا میں تمھیں یہاں دیکھ کر خوش ہوا ہوں یہ بالکل صداقت پر مبنی ہو گا کہ تمہاری موجودگی میں تمہارے جرم پر بحث کی بات ہو۔

اب سچاریتا سچ مچ سخت غصے میں آ گئی۔ اس کی آنکھیں آگ کی طرح سُرخ ہو گئیں چلّا کر بولی ——— ہرن بابو۔ اگر آپ عدالت لگانا چاہتے ہیں تو اپنے گھر میں لگائیے کسی کے گھر آ کر اس طرح بڑھ بڑھ کر باتیں کریں۔ یہ ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ آؤ لولتا چلیں۔

لیکن لولتا اپنی جگہ سے نہ ملی۔ اس نے کہا نہیں دیدی۔ میں بھاگنا نہیں چاہتی۔ جو کچھ یہ کہیں گے اسے ضرور سنوں گی۔ بولئے جناب آپ کیا کہہ رہے ہیں۔

ہرن گھبرا گیا کہ کیا کہے۔

پاریش بابو بولے۔ لولتا میری بچی آج سچاریتا ہمیں چھوڑ کر جا رہی ہے۔ ہمیں آج صبح صبح کوئی جھگڑا نہیں کرنا چاہیے۔ ہرن بابو، ہمارا کیسا بھی کوئی قصور کیوں نہ رہا ہو۔ اس وقت تو ہمیں معاف ہی رکھیے۔

ہرن گہری خاموشی میں ڈوب گیا۔ لیکن سُچاریتا خود کو اس سے جسقدر دور رکھنا چاہتی تھی وہ اُسے اتنا ہی اپنے لئے محفوظ کرنا چاہتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سچاریتا اپنی خالہ کے ساتھ جو کہ مذہبی عقائد کی سخت پابند تھی اس گھر سے جا رہی تھی۔ اور وہاں دوسرے گھر میں اس کا بس نہیں چل سکتا تھا۔ یہ بات اُسے بالکل مایوس کئے دے رہی تھی کیونکہ وہاں تک وہ ان کا پیچھا نہیں کر سکے گا۔ اس لئے آج وہ اپنے خطرناک ترین ہتھیاروں سے خوب لیس ہو کر انھیں اپنے سامنے بالکل مجبور کر دینے کے لئے تیار ہو کر صبح ہی صبح آ گئے تھے۔ اُسے یقین تھا وہ اپنی من مانی کر کے ہی رہیں گے لیکن اس بات کی اُمید نہ تھی کہ سچاریتا اور لولتا بھی اپنے

نیز تیز تیروں کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان نکل پڑیں گی لیکن پھر بھی انھوں نے ہمت نہیں ہاری سچائی میں جس کا جیسا بھی معیار اُن کے نزدیک تھا۔ اسکی فتح بالآخر ضرور ہو گی۔ لیکن وہ اس بات کے قائل نہیں تھے انھیں اس کے لئے مرنا ہی پڑے گا۔ اور اسی دن سے انھوں نے خود کو اس کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔

اسی دوران میں سچاریتا اپنی خالہ کے پاس گئی اور اس سے کہہ رہی تھی۔ خالہ اگر میں آج ان سب کے ساتھ کھانا کھاؤں تو آپ بُرا نہ مانئے گا"

ہری موہنی چپ رہی۔ اُسے یقین ہو چکا تھا کہ سچاریتا میرے کہنے پر عمل کرسکے گی اور میرے مذہبی عقائد کا بھی پورا پورا احترام کیا کرے گی۔ لیکن سچاریتا کی آج کسی تجویز اُسے پسند نہیں۔ سچاریتا بھی سمجھ گئی کہ خالہ کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔

اس لئے کہا۔ مجھ پر یقین رکھو۔ خالہ۔ بھگوان اس بات سے خوش ہی ہو گا۔ کیونکہ انھوں نے مجھے سب کے ساتھ آج کھانا کھانے کا حکم دیا ہے۔ اگر میں ان کا حکم نہیں بجا لاتی تو وہ بہت ناراض ہوں گے اور اُن کا غصہ آپ کے غصہ سے کہیں زیادہ ہو گا۔

ہری موہنی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ جب سے برزدا دیوی کے ہاتھوں اس کی توہین ہوئی تھی سچاریتا اس کے عقائد خیالات اور زخمی احساسات کی شریک رہی تھی لیکن اس سے الگ ہوتے وقت سچاریتا انھیں خیالات واحساسات کو کچل رہی تھی۔ ایسا کیوں تھا۔ سچاریتا اُسکے لئے ایک مشکل مسئلہ بن گئی تھی وہ اس کے دل کی گہرائیوں تک نہ پہونچ سکی۔ اگرچہ اس نے سچاریتا کو بالکل منع تو نہیں کیا لیکن ذہنی کوفت ضرور محسوس کی۔ اُسے کھانے چکھنے کا سواد کہاں سے ملا ہے وہ دل ہی دل میں کڑھنے لگی۔ آخر وہ ایک برہمن گھرانے میں پیدا ہوئی تھی۔

کچھ دیر خاموشی کے بعد کہنے لگی میری بچی ایک بات سن لے۔ اگر تم اُن کے

ساتھ کھانا کھانا چاہتی ہو تو تمھاری مرضی۔ لیکن کم از کم ان کے نوکر کے ہاتھ کا بھرا ہوا پانی مت پینا۔

"کیوں خالہ" سچاریتا بہت حیران ہوئی۔ وہی رام دین روزانہ گائے کا دودھ دوہتا ہے اور وہی آپ کے لئے بھی دودھ لے آتا ہے۔

ہری موہنی کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ بولی۔ تم تو میری جان نکالنا چاہتی ہو بیٹی۔ دودھ اور پانی ایک کیسے ہو جائیں گے۔

اچھا خالہ میں آج سے رام دین کے ہاتھ سے پانی نہیں لوں گی۔ لیکن تم نے ستیش سے اگر یہ بات کہی تو وہ اس کا اُلٹا ہی کرے گا۔

"اس کی بات الگ ہے" کہہ کر ہری موہنی چپ ہو رہی۔ وہ سمجھتی تھی کہ مردوں کے لئے قانون قاعدے کی پابندیوں میں کچھ ڈھیل دینی ہی پڑتی ہے۔

———— ❊ ————

سینتالیسواں باب

ہرن بابو نے لڑائی جھگڑے کی ٹھان ہی لی تھی۔!

بنوئے کے ساتھ سٹیمر پر آتے ہوئے للتا کو پندرہ دن ہو چکے تھے۔ اس بات کو دس پانچ آدمی جان بھی چکے تھے۔ اس کے علاوہ اور لوگوں کو بھی یہ بات آہستہ آہستہ معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن اب دو دن کے اندر اندر اسی بات کا ہر طرف جنگل کی آگ کی طرح غل مچ گیا۔ برہمو برادری کے گھرانوں میں ایسی بد مذاقی کو بے عزتی سے روکنے کے لئے ہرن بابو نے بہت سے لوگوں سے درخواست کی تھی۔ یہ کام بہت مشکل نہیں تھا۔ سچائی اور فرض کے نام پر جب کسی کو قانون شکنی کی وجہ سے ملزم ٹھہرانا ہے تو اس وقت لوگ خوشی خوشی اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ سماج کے بیشتر لوگ بے حد شریف اور نیک ہونے پر بھی ہرن بابو کے ساتھ مل کر اس تکلیف دہ کام کو سرانجام دینے کے لئے خود کو باز نہ رکھ سکے۔

برادری کے ان ٹھیکیداروں نے گھر گھر جا کر برہمو سماج کو پیش آنے والے خطرے سے آگاہ کیا اور اس مقصد کے لئے انھیں آنے جانے کا بہت سا کرایہ بھی خرچ کرنا پڑا۔ لیکن اس بات کی بھی انھوں نے پرواہ نہیں کی۔

اس کے علاوہ یہ خبر گھر گھر پہنچنے لگی کہ اب سچاریتا اپنی ہندو خالہ کے ساتھ اس کے گھر میں رہ کر بڑی باقاعدگی سے مورتی پوجا کرنے لگی ہے۔

سچاریتا کے اپنے گھر میں چلے جانے کے بعد للتا کے دل میں ایک بہت بڑی کشمکش پیدا ہو چکی تھی۔ ہر روز رات سونے سے پہلے وہ قسم کھاتی تھی میں کسی سے

شکست قبول نہیں کروں گی۔ صبح اٹھ کر وہ اس قسم کو دُہرائی گئی۔ اُس کی اس ذہنی پریشانی کا تعلق بنوئے سے تھا۔ وہ نیچے کے کمرے سے جب بنوئے کی آواز سن لیتی تو اس کے دل کی دھڑکن بڑھ جاتی تھی۔ اگر وہ اس سے دو تین دن بھی نہ ملتا تو اس کے دل کو بڑی اذیت پہونچتی تھی۔ کبھی کبھی وہ ستیش کو کسی نہ کسی بہانے سے بنوئے کے گھر بھیج کر اس کی خیر خبر معلوم کر لیتی تھی۔ ایک ایک بات پوچھ لیتی تھی کہ بنوئے کیا کہہ رہا تھا اور کیا کر رہا تھا۔

جوں جوں بنوئے کی محبت لوتا کے دل پر غلبہ حاصل کرتی گئی اپنی شکست کے قریب تر آنے کا شدید احساس بھی ہوتا گیا۔ کبھی کبھی تو وہ اس بات پر بھی ناراض ہوا کرتی تھی کہ انھوں نے بنوئے اور گورا کے ساتھ اپنے تعلقات توڑ کیوں نہیں لئے تھے۔ پھر بھی وہ اب آخری دم تک سخت مقابلہ کرنے کے لئے بالکل تیار ہو چکی تھی۔ چاہے وہ مر ہی کیوں نہ جائے۔ لیکن وہ شکست کبھی نہیں قبول کرے گی آنے والے حالات کا دل ہی دل میں اندازہ کرتی۔ کبھی کبھی وہ یورپ کی ان عورتوں کی سنہری زندگی کے بارے میں بھی بہت رشک سے سوچنے لگتی۔ جنھوں نے اپنی زندگی صرف انسان کی محبت کے لئے وقف کر دی تھی۔

ایک دن وہ پاریش بابو کے پاس گئی اور کہا "پتاجی کیا میں کسی پاٹھ شالا میں استانی نہیں بن سکتی۔"

پاریش بابو نے اپنی لڑکی کے چہرے کو گھورا۔ وہ اس بات کو اسکی آنکھوں میں بخوبی دیکھ سکتے تھے کہ وہ دل کے ہاتھوں کس قدر عاجز آچکی تھی۔ انھوں نے بڑی شفقت سے جواب دیا "کیوں نہیں بیٹی! لیکن کوئی کام کا سکول ہے کہاں۔"

اس زمانے میں واقعی کام کے اسکول نہیں تھے۔ اگرچہ لڑکیوں کے دو ایک ابتدائی تعلیم کے اسکول چل رہے تھے۔ لیکن اونچے طبقے کی عورتوں نے پڑھانے

لکھانے کا پیشہ ابھی تک اختیار نہیں کیا تھا۔

لولتا نے بڑی مایوسی سے کہا۔ تو کیا اب کوئی اسکول نہیں ہے۔

کم از کم میرے علم میں تو نہیں ہے۔" پاریش بابو نے اعتراف کیا"

لولتا بولی تو کیا پتا جی ہم خود کوئی اسکول نہیں جاری کر سکتے ؟

"لیکن اس کام کے لئے تو بہت سے روپے کی ضرورت ہوگی اور بہت سارے لوگوں کی مدد کی بھی"

لولتا ہمیشہ سے جانتی تھی کہ نیک کاموں کی تکمیل میں رکاوٹیں حائل ہوتی ہیں۔ جس کے ساتھ ٹکرانے سے حوصلہ بڑھتا ہے لیکن اس سے قبل اُسے ایسی مشکلات کا کوئی احساس نہیں تھا۔ کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد وہ، اٹھی اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

پاریش بابو اپنی بیٹی کے اندرونی کرب کا سبب معلوم کرنے کے لئے خیالوں میں ڈوبے ہوئے بیٹھے رہے۔ اس دن ہرن بابو نوسئے کے بارے میں جو کچھ کہہ گئے تھے وہ بھی انھیں یاد آ گیا۔ ایک لمبی سانس لے کر انھوں نے گویا اپنے آپ سے پوچھا۔ کیا میں نے سچ مچ بھول کی۔ لولتا کے علاوہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو انھیں خاص فکر بھی نہیں ہوتی۔ ان کے نزدیک لولتا کا کردار بہت ہی اونچا اور قابلِ قدر تھا۔ وہ جانتے تھے اس میں جھوٹ یا تصنّع نام کو بھی نہیں تھا۔

اس دن دوپہر کو لولتا سچاریتا کے گھر گئی۔ گھر میں کسی طرح کی سجاوٹ نہیں تھی۔ اندر بڑے کمرے میں ایک دری بچھی ہوئی تھی۔ ایک طرف سچاریتا اور دوسری طرف ہری موہنی کا بستہ تھا۔ ہری موہنی چارپائی پر نہیں سوتی تھیں۔ اس لئے سچاریتا نے بھی زمین پر ہی اپنا بستر لگا لیا تھا۔ کمرے کی ایک دیوار پر پاریش بابو کی تصویر ٹنگی ہوئی تھی۔ برابر والی کوٹھری میں ستیش کی چارپائی لگی ہوئی تھی۔ کونے میں

ایک چھوٹی سی میز پڑی تھی۔ جس پر دوات قلم کاپی سلیٹ اور کتابیں یہاں وہاں بکھری ہوئی تھیں۔ بستیش سکول گیا ہوا تھا۔ مکان پر ایک گہری خاموشی چھائی تھی۔

کھانا کھانے کے بعد آرام کرنے کی نیت سے ہری موہنی چٹائی پر لیٹی ہوئی تھیں۔ سچاریتا ابھی اپنے بستر پر گود میں ایک تکیہ رکھے بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے ایک کتاب تھی جس کے مطالعہ میں وہ ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے کھلے ہوئے کالے بال اس کے کاندھوں پر لہرا رہے تھے اس کے سامنے اور بھی کئی کتابیں پڑی تھیں۔ جب اس نے للتا کو کمرے میں آتے ہوئے دیکھا تو اس نے پہلے تو گھبرا کر کتاب بند کر دی لیکن فوراً ہی اس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا۔ در اصل اُسے شرم آ گئی تھی کیونکہ اس کے سامنے ——— اور کتاب کو پھر اس جگہ سے کھول دیا جہاں سے وہ پڑھ رہی تھی۔ سب گورا کی لکھی ہوئی کتابیں تھیں۔

ہری موہنی بھی اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ بولی۔ آؤ بیٹی! یہاں بیٹھو۔ تمہارا گھر چھوڑنے کے بعد سچاریتا پر جو بیت رہی ہے میں اسے جانتی ہوں۔ یہاں اس کا جی بالکل نہیں لگتا۔ بیٹھی بیٹھی کتابیں پڑھتی رہتی ہے۔ میں سوچ ہی رہی تھی کہ تم میں سے کوئی آ جائیں تو ٹھیک رہتا۔ سو تم آ گئیں۔ تمہاری عمر بہت بڑی ہے۔

للتا نے بیٹھتے ہی اپنے دل کی بات اُن کے سامنے اگل ڈالی سچی دیدی۔

اس محلے میں ہم لڑکیوں کے لئے ایک پاٹھ شالا کھول لیں تو کیسا رہے گا۔

ہری موہنی حیران ہو کر بولی۔ لو اور سنو! بھلا تم اسکول کھول کر کیا کرو گی؟

"ہم اسکول کیسے کھول سکتی ہیں۔ سچاریتا نے پوچھا۔ ہماری کون مدد کرے گا کیا تم نے اس کے متعلق اپنے پتا جی سے بات کی ہے؟"

ہم دونوں مل کر پڑھا دیں گی۔ للتا اُسے بتانے لگی۔ شاید بڑی دیدی لبونیا ہمارے ساتھ شامل ہونے کے لئے تیار ہو جائیں۔

سچاریتا بولی صرف پڑھانے کا ہی معاملہ تو نہیں ہے۔ اسکول کے لئے سب انتظامات کرنے ہوں گے۔ ایک مناسب مکان طالب علم اخراجات کے لئے روپے کی فراہمی۔ یہ سب کام کیا ہم جیسی لڑکیوں سے ہو پائیں گے۔

یہ کہنے سے کام نہیں چلے گا۔ بہن کوشش کرنے پر کونسا کام ہے جو نہیں ہو جاتا۔ عورت ہو جانے کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ ہم منہ چھپا کر گھر میں پڑی رہیں۔ کیا ہم دُنیا کے کسی کام کے قابل نہیں بن سکتے۔

لولتا کے اندرونی کرب کا تار سچاریتا کے دل میں بج اٹھا۔ کوئی جواب دینے کے بجائے وہ دل ہی دل میں سوچنے لگی۔

"اپنے محلے میں کتنی ہی لڑکیاں ہیں" لولتا بولی "اگر ہم انھیں مُفت تعلیم دیں تو اُن کے ماں باپ کتنے خوش ہوں گے۔ کچھ پڑھنے والیوں کے لئے تو اسی تمہارے مکان میں جگہ نکل سکتی ہے۔ کرایہ دینے کا تو کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا۔

اپنے گھر میں محلے کی لڑکیوں کو پڑھانے کی بات سُن کر ہری موہنی فکرمند ہونے لگی۔ کیونکہ اس تنہائی میں وہ اپنے تمام مذہبی عقائد اور رسُومات کی ادائیگی بڑے اطمینان سے کرتی رہتی تھی۔ اب ان میں خلل پڑتے دیکھ کر وہ چپ نہیں رہ سکتی تھیں لیکن سچاریتا نے کہا۔ تم کوئی فکر مت کرو خالہ۔! اگر ہمیں پڑھانے کے لئے واقعی کچھ لڑکیاں مل گئیں۔ تو پھر ہم نیچے کی منزل ہی میں انھیں پڑھا دیا کریں گے۔ لیکن انھیں اوپر نہیں آنے دیا جائے گا۔ لولتا اگر ہمیں پڑھانے کے لئے کچھ لڑکیاں مل سکیں تو میں تمہارے ساتھ اس کام کے لئے بالکل تیار ہوں۔

"کوشش کرنے میں کیا بُرائی ہے" لولتا بولی۔

ہری موہنی ابھی تک کڑھ رہی تھی۔ تم لوگ عیسائیوں کی نقل کیوں کرتی ہو؟ کیا پہلے بھی ہندو گھرانے کی لڑکیوں نے اسکول چلانے کا پیشہ کبھی اختیار کیا ہے۔ میں نے

تو ایسا کبھی نہیں سُنا۔

پاریش بابو کے گھر کے پاس جو مکان تھے ان میں رہنے والی لڑکیاں [illegible]
چھت پر آکر دوسری باتوں کے علاوہ کبھی کبھی پاریش بابو کی لڑکیوں سے [illegible]
بھی غیر شادی شدہ رہنے کے بارے میں حیران کن باتیں کیا کرتی تھیں

لولتا ان باتوں سے دُور رہا کرتی تھی۔ لیکن لبو نیا کو ان لڑکیوں کے پاس بیٹھ کر ان کی باتیں سُننے کا جیسے کوئی مرض سا چسٹ گیا تھا۔ دوپہر کے بعد بہت ساری لڑکیاں کھُلے آسمان کے نیچے چھتوں پر بیٹھ کر بال سکھاتیں اور سنوارتیں اور اونچی اونچی بول کر ایک دوسرے تک اپنی باتیں پہنچاتی تھیں۔

لڑکیوں کے سکول کے لئے لڑکیاں جمع کرنے کا کام لولتا نے لبونیا کو سونپ دیا تھا۔ لبونیا نے اس بات کا ذکر چھت پر ملنے والی لڑکیوں سے کیا۔ تو بہت ساری لڑکیاں پڑھنے کو تیار ہو گئیں۔ اس درمیان میں لولتا نے سچاریتا کے مکان کے نچلے حصے کے کمروں کی صفائی کر ڈالی۔ اور انھیں بہت خوبصورتی سے سجا دیا۔

لیکن اسکول کے کمرے خالی ہی پڑے رہ گئے۔ پڑوسیوں نے جب یہ سُنا کہ ان کے گھر کی لڑکیوں کو پڑھانے کے بہانے سے برہمو سماجی بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے تو وہ غصے سے لال پیلے ہونے لگے۔ انھوں نے اپنے اپنے گھر کی لڑکیوں کو نہ صرف پاریش بابو کی لڑکیوں سے ملنے سے منع کر دیا بلکہ اُن پر چھت پر جانے کی بھی پابندی لگا دی۔ ان بیچاریوں کو برہمو لوگوں کے بارے میں بھی کئی ناشائستہ باتیں سُننا پڑیں۔ دوسرے دن جب لبونیا ہاتھ میں کنگھا لے کر جب چھت پر پہونچی تو وہاں اس نے اپنی عمر سے بڑی بہت سی عورتوں کو اکٹھا دیکھا۔ اس کی ہم عمر لڑکی ایک بھی نظر نہ آئی۔ ان عورتوں نے اسے دیکھ کر کسی خوشی کا اظہار بھی نہیں کیا۔ جیسے اس سے پہلے روزمرہ ہوا کرتا تھا۔

لیکن لولتا نے ہمت نہیں ہاری۔ اس نے کہا غریب برہمو لوگوں کی بہت سی لڑکیاں ہیں جو فیس نہ دے سکنے کے باعث پڑھنے لکھنے سے محروم رہتی ہیں۔ اگر ہم انھیں پڑھانے کی ذمّہ داری اٹھا سکیں تو یہ بہت بڑی خدمت ہوگی۔

وہ نہ صرف خود ہی ایسی لڑکیوں کی تلاش کرنے میں لگ گئی بلکہ سدھیر کو بھی مدد کرنے کے لئے کہا۔

پاریش بابو کی لڑکیوں کی تعلیم و تربیت و سلیقہ مندی کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ غریب لڑکیوں کے ماں باپ اس منصوبے کی خبر سُن کر بہت خوش ہوئے۔ آدھ درجن لڑکیوں کے ساتھ لولتا نے اسکول کھول لیا۔ سکول کے قاعدے قانون بھی اس نے پاریش بابو کے ساتھ صلاح مشورہ کر کے بنا لئے۔ امتحان ہو جانے کے بعد پاس ہو جانے والی لڑکیوں کو انعام دینے کے معاملے پر لولتا اور لبونیا میں بہت کافی بحث و مباحثہ ہوا۔ اور یہ سوال بھی سامنے آیا کہ لڑکیوں کا امتحان کون لے۔

اگرچہ لبونیا ہرن کو پسند نہیں کرتی تھی لیکن اس کے باوجود اس کے دل پر ہرن کی علمی قابلیت کا گہرا اثر موجود تھا۔ اس لئے اس کی تجویز تھی کہ ہرن منتظم یا ممتحن کسی بھی حیثیت سے سکول کے ساتھ وابستہ ہو جاتے تو سکول کی شان اور کامیابی کو چار چاند لگ سکتے ہیں۔ لیکن لولتا ایسی کوئی بات سُننے کے لئے بھی تیار نہ تھی۔ وہ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتی تھی کہ ہرن بابو کا سکول کے ساتھ ذرا سا بھی کوئی تعلق ہو۔

سکول کے جاری ہونے کے کچھ ہی دنوں کے بعد پڑھنے والی لڑکیوں کی تعداد کم ہونے لگی۔ اور کم ہوتے ہوتے ایک دن سکول بالکل خالی رہا۔ کوئی بھی لڑکی نہ آئی۔ لولتا تنہا اور خاموش کمرے میں کسی لڑکی کی چاپ سُننے کی منتظر بیٹھی رہی۔ دو بج گئے اور کوئی بھی لڑکی نہیں آئی۔ وہ سمجھ گئی ضرور کوئی گڑبڑ ہوئی۔ وہ قریب کے ایک مکان

میں رہنے والی لڑکی کے پاس گئی تو اسے روتے ہوئے پایا۔ وہ سسکتی ہوئی بولی۔

"ماں نے مجھے نہیں آنے دیا"

اس کی ماں نے خود بتایا اُسے وہاں بھیجنے میں کئی مجبوریاں ہیں۔ لیکن اس نے ان مجبوریوں کی وضاحت نہیں کی۔ لولتا بہت ہی حساس لڑکی تھی۔ وہ کسی کو بتانے کے لئے مجبور بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ نہ ہی خوشامد کرنا اُسے پسند تھا۔ صرف اتنا کہا "اگر واقعی آپ کو کچھ مجبوری ہے تو پھر کوئی بات نہیں"

ایک دوسرے گھر پہونچی تو اُسے وہاں ایک اور بات سُننے کو ملی۔ سچارتا پھر ہندو ہو گئی ہے۔ وہ لوگ بکنے لگے۔ ذات پات پر دھیان دیتی ہے۔ اپنے گھر کے اندر مورتیوں کی پوجا کرتی ہے۔

لولتا نے کہا۔ اگر صرف یہی ایک اعتراض ہے تو یہ سکول اپنے گھر میں بھی چلا سکتی ہوں۔

لیکن اس پر بھی وہ لوگ راضی نہ ہوئے تو لولتا کو یقین ہو گیا اس کے پیچھے ضرور کوئی اور بات ہے۔ اس لئے اب کسی اور کے ہاں جانے کے بجائے اپنے گھر چلی گئی۔

"شدھیر کو بلا کر پوچھا "ٹھیک بتاؤ اصل واقعہ کیا ہے۔

"بہن بابو آپ کے سکول کی مخالفت کر رہے ہیں"

"کیوں؟ صرف اس لئے کہ دیدی کے مکان میں مورتی پوجا ہوتی ہے"

"صرف اسی ایک بات کے لئے نہیں۔ وہ کہتے کہتے رُک گیا"

"پھر اور کونسی بات ہے؟" کیا مجھے نہیں بتاؤ گے؟

"وہ یہ بھی ایک لمبی کہانی ہے" سدھیر نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

"شاید مجھے کسی معاملے میں قصوروار ٹھہرایا گیا ہے"

سدھیر بھی خاموش رہا تو لولتا کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو گیا۔ بولی میں سمجھ گئی اسٹیمر والے معاملے کے لئے سزا دی جا رہی ہے۔ تب تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے سماج میں کسی حماقت کی تلافی کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ یہی بات ہے نا؟ تب تو میں اپنی قوم کے اندر رہ کر کوئی بھلا کام کر ہی نہیں سکتی۔ تم لوگوں نے میرے اخلاق کے سدھار اور سماج کی ترقی کے لئے راستہ خوب چُنا ہے۔

لوگوں کو یہ ڈر ہے کہ بنوئے اور اس کے دوست اس طرح سکول کے معاملات پر چھا جائیں گے۔ سدھیر نے یہ کہہ کر اس پر لگی ہوئی تہمت کا غصّہ ہلکا کرنا چاہا۔

لیکن یہ سُن کر بھی لولتا کا غصّہ دور نہیں ہوا۔ وہ چڑ کر بولی "ڈر کس بات کا۔ یہ تو سماج کی بہت بڑی بدقسمتی ہو گی۔ کتنے لوگوں میں بنوئے بابو جیسی قابلیت ہے۔

"یہ سچ ہے۔ سدھیر نے اس کا غصّہ دیکھ کر ڈرتے ڈرتے کہا۔ لیکن بنوئے بابو تو۔

ہاں ہاں میں جانتی ہوں وہ برہمو سماجی نہیں ہے۔ لیکن کیا صرف اسی لئے مجرم سمجھے جائیں۔ میں ایسے سماج پر کبھی فخر نہیں کرتی۔

لڑکیوں کے نہ آنے پر سچاریتا بھی اس کے پس منظر کی۔ سازش کی تہہ تک پہونچ گئی۔ لیکن وہ ایک لفظ کہے بغیر ستیش کے امتحان کی تیاری کرانے کے لئے اوپر چلی گئی۔ لولتا سدھیر کے ساتھ باتیں ختم کر کے وہاں پر گئی اور کہا۔ کیا تم نے بھی کچھ سُنا۔

میں نے کچھ نہیں سُنا۔ لیکن سب سمجھتی ہوں

"کیا ہم چپ چاپ برداشت کر لیں"

سچاریتا نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا" جو کچھ بھی ہم پر گذرے اُسے

چپ چاپ برداشت کر لینا ہی مناسب ہے۔ مصیبتیں برداشت کر لینے میں بے عزتی نہیں ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ پتا جی ہر بات کو کس طرح چپ چاپ برداشت کر لیا کرتے ہیں۔

اس کا تو بالکل قلع قمع کر دینا چاہیے" لولتا نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "میں سوچ رہی ہوں کسی غلط بات کے خلاف احتجاج کرنے کے بجائے اُسے چپ چاپ برداشت کر لینا تو بزدلی کو مضبوط کرنا ہوا۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔" پر قلع قمع کرو گی کیسے؟

"اب میں نے ابھی نہیں سوچا۔" لولتا نے جواب دیا "میں نہیں کہہ سکتی اس بات کے لیے میرے اندر کوئی طاقت بھی ہے یا نہیں۔ لیکن کچھ نہ کچھ ہونا ضرور چاہیے۔ جو ہم کمزور لڑکیوں پر ایسے اوچھے ہتھیاروں سے حملہ کر رہے ہیں۔ وہ اپنی نظر میں خود کو کتنا ہی بڑا کیوں نہ سمجھتے ہوں میرے نزدیک بالکل بزدل ہیں۔ لیکن ان سے شکست نہیں کھاؤں گی۔ کبھی نہیں۔ سُن رکھو۔ چاہے وہ ہم پر کتنی ہی آفتیں کیوں نہ ڈھائیں" یہ کہتے کہتے اس نے اپنے پاؤں کو بڑے زور سے زمین پر مارا۔

اسے کوئی جواب دینے کے بجائے سچاریتا نے اس کے ہاتھ کو نرمی سے تھپتھپایا اور پھر بولی۔ "پیاری لولتا پہلے یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ پتا جی کیا کہتے ہیں۔"

"لولتا اُٹھتے ہوئے بولی۔ "میں ان سے ابھی جا کر پوچھتی ہوں۔"

جب وہ اپنے گھر کے دروازے کے قریب پہونچی تو اس کی نظر بنوئے پر پڑ گئی۔ وہ باہر آ رہا تھا اور اس کا منہ اُترا ہوا تھا۔ لولتا کو دیکھ کر ذرا ٹھٹھک گیا۔ جیسے اس بات پر غور کرتا رہا ہو کہ لولتا کے ساتھ بات کرے یا نہ کرے۔ پھر کچھ کہے بغیر مسکرا کر کے اسی طرح سر جھکائے چلا گیا۔

لولتا کے سینے میں جیسے کسی نے برچھی گھونپ دی۔ وہ جلدی سے جا کر

ماں کے کمرے میں گھس گئی۔ وہاں اس نے برددا دیوی کو ایک میز کے سامنے حساب کا رجسٹر کھولے ہوئے دیکھا۔ لوتا کو دیکھتے ہی چونک گئیں لیکن پھر فوراً حساب کتاب میں اس طرح غرق ہو گئیں جیسے انہیں کے حساب کتاب رکھنے کی وجہ سے خاندان کی معاشی گاڑی متوازی طریقے سے چل رہی ہے۔

لوتا اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ لیکن اس کی ماں نے تب بھی اپنا چہرہ اوپر نہیں اٹھایا۔ تب لوتا نے اُن سے کہا۔ "ماں"

ایک لمحہ رکو بیٹی۔! برددا دیوی نے اُسے روک دیا۔ دیکھتی نہیں ہو کہ میں ——— وہ پھر رجسٹر پر جھک گئی۔

"لوتا نے کہا۔ میں آپ کو بہت دیر تک مصروف نہیں رکھوں گی۔ میں صرف ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔ کیا نبوتے بابو یہاں آئے تھے۔

رجسٹر سے نگاہ ہٹائے بغیر برددا دیوی نے جواب دیا۔ "ہاں"

"آپ نے اُن سے کیا کہا"

اوہ۔ یہ تو لمبی کہانی ہے۔

لوتا نے بضد ہو کر پوچھا۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ نے میرے بارے میں کچھ گفتگو کی ہے

اس سے چھٹکارا پانے کی کوئی صورت نہ دیکھ کر برددا دیوی نے قلم ہاتھ سے رکھ دیا اور سر اٹھا کر بولی۔ ہاں بیٹی۔ ہم نے گفتگو کی ہے۔ کیا میں نہیں دیکھتی کہ معاملہ کتنا آگے بڑھ چکا ہے۔ اور سماج میں ہر شخص ہمارے ہی بارے میں باتیں کر رہا ہے۔ اس لئے نبوتے کو منع کر دینا بہت ضروری ہو گیا۔

لوتا کا چہرہ شرم سے بالکل لال ہو گیا۔ بلکہ اس کا خون دماغ پر بھی چڑھ گیا۔ بولی کیا پتاجی نے نبوتے بابو کو یہاں آنے سے روک دیا ہے۔

برہ دوا بولی "تم سمجھتی ہو۔ وہ ایسی باتوں کی کبھی فکر بھی کرتے ہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے تو یہ نوبت ہی کیوں آتی۔"

لولتا اس کے پیچھے پڑ گئی۔ کیا ہرن بابو پہلے کی طرح اب بھی یہاں آتے رہیں گے۔

میری بات تو سنو" وہ یہاں کیوں نہ آیا کرے گا۔"

"تب بنوتے بابو بھی کیوں نہ آیا کریں؟"

برہ دوا نے رجسٹر پھر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور کہا۔ لولتا میں تمھارے ساتھ مغز نہیں مار سکتی۔ مجھے پریشان نہ کرو۔ مجھے بہت سا کام کرنا ہے۔

جب لولتا سکول میں تھی تو اس کی گھر میں غیر حاضری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے برہ دوا دیوی نے بنوتے بابو کو دوپہر کے وقت بلوایا۔ انھوں نے سوچا تھا لولتا کو اس کی کبھی خبر نہیں ہوگی لیکن ان کی قلعی کھل گئی۔ وہ سمجھ گئیں کہ جو سیدھا اور آسان حل انھوں نے سوچا تھا اب نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ بلکہ اب تو ایک نئی مصیبت کھڑی ہو گئی تھی۔ لیکن ان کا تمام تر غصہ اب اپنے غیر ذمہ دار قسم کے شوہر کی طرف پھوٹ پڑا۔ ایسے بیوقوف شوہر کے ساتھ رہ کر عورت کی جو بھی گت بن جائے وہ تھوڑی ہے۔ لولتا اپنے دل میں ایک سخت تباہ کن طوفان لے کر وہاں سے باہر نکلی نیچے جاتے ہوئے اس نے پاریش بابو کو اپنے کمرے میں خط لکھتے پایا۔ اس نے بغیر کسی تمہید کے پوچھ ڈالا۔ "پتاجی" کیا بنوتے بابو ہم لوگوں کی دوستی کے قابل نہیں ہیں؟"

پاریش بابو فوراً معاملے کی نوعیت سمجھ گئے۔ وہ اس پروپیگنڈے سے بے خبر نہیں تھے جو ان کے خاندان کے خلاف سماج میں لیا جا رہا تھا۔ اور اس معاملے پر بہت سنجیدگی سے سوچ رہے تھے۔ اگر انھیں بنوتے کے بارے میں لولتا کے جذبات کا علم نہ ہوتا تو وہ لوگوں کی باتوں کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتے۔ لیکن اگر لولتا کے دل میں بنوتے کی محبت گھر کر چکی تھی تو پھر ایسی حالت میں اُن کا فرض کیا تھا؟ یہ سوال وہ اپنے سے

بار بار کرتے رہتے تھے۔

برہمو سماج میں داخل ہونے کے بعد یہ بالکل پہلا موقع تھا کہ ان کے خاندان میں ایسا بحران پیدا ہو گیا تھا۔ ایک طرف اپنی سماج کا خوف سخت متفکر رہتا تھا تو دوسری طرف سچائی کی آزمائش کے وقت ان کا دل ہر قسم کی بناوٹ اور خوف سے بہت اونچا رہنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ لتا کے سوال کے جواب میں انھوں نے کہا: "بنوتے میرے نزدیک بہت ہی اچھا لڑکا ہے۔ جیسی اس نے اعلیٰ تربیت اور ذہانت پائی ہے ویسے ہی اس نے بلند اخلاق بھی پایا ہے۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد لتا نے کہا "پچھلے دنوں گورا بابو کی ماں ہمارے گھر دو بار آ چکی ہیں۔ آج میں سچاریتا بہن کے ساتھ اُن کے گھر جانا چاہتی ہوں۔

پاریش بابو فوراً کوئی جواب نہیں دے سکے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ گورا کے گھر آنے جانے سے برہمو سماج میں ان کی جو توہین ہو رہی ہے وہ اور بھی بڑھ جائیگی لیکن جب تک وہ اس میں کوئی برائی نہیں دیکھ پاتے تھے وہ اسے کیسے روک بھی سکتے تھے۔ اس لئے انھوں نے کہا ــــــ "اچھا تم دونوں چلی جاؤ۔ اگر مجھے ضروری کام نہ ہوتا تو میں بھی ساتھ چلتا۔

ــــــــــــ :(۴۵): ــــــــــــ

اڑتالیسواں باب

یہ بات بنوئے کے خواب وخیال میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ جس گھر میں وہ مہمان اور دوست کی حیثیت سے، اتنی بے تکلفی سے چلا جاتا تھا۔ وہاں کوئی ایسا جوالا مکھی بھڑک رہا تھا جو کسی وقت سب سے بڑے دھماکے کے ساتھ چھوٹ بھی سکتا تھا۔ جب وہ شروع شروع میں پاریش بابو کے گھر جانے لگا تو وہ بڑی جھجک محسوس کرتا تھا۔ کیونکہ یہ اُسے معلوم نہیں تھا کہ وہاں جانا کس حد تک صحیح ہو سکتا تھا۔ اسی لئے وہ بیحد محتاط رہتا تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ اس کی جھجک دُور ہوتی گئی۔ اور وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہاں اسے کوئی خطرہ بھی پیش آسکتا تھا۔ اب یہ جان کر کہ محض اسی کی وجہ سے برہمو سماج کے اندر لولتا پر تہمت لگائی جا رہی تھی۔ اس کا ماتھا ٹھنک گیا اس کے رنجیدہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کے لولتا کے تعلقات معمولی قسم کی دوستی سے آگے بڑھ چکے تھے۔

جس گھرانے میں وہ اتنے احترام اور عقیدت سے دیکھا جاتا تھا وہاں وہ خود کو کس نظر سے دیکھتا تھا۔ کبھی کبھی یہ خیال بھی اُسے ستانے لگتا کہ وہ دھوکے باز ہے۔ اگر وہ اپنے اندرونی جذبات ان پر ظاہر کر دے تو وہ اُن کی نظروں میں کس قدر گر جائے گا۔

اس کے ذہن میں اسی طرح کی کشمکش رہا کرتی تھی۔ ایک دن دوپہر کو سرندا دیوی نے اُسے بلا بھیجا۔ جب وہ وہاں پہونچا تو اس نے چھوٹتے ہی کہا——

"بنوئے بابو تم ایک ہندو ہو۔ ہو نہ؟

جب اس نے اس حقیقت کا اعتراف کر لیا تو اس سے پھر پوچھا گیا
تم ہندو مذہب چھوڑنے کے لئے تیار تو نہیں ہو گے۔ نہیں نا؟
اس نے جواب میں انکار کیا۔ اس پر بروزا دیوی بولیں۔
"پھر تم کیوں ———— ؟"

اس ادھورے سوال کا وہ کوئی قطعی جواب دینے سے بالکل قاصر تھا۔ ایک مجرم کی طرح اس نے سر جھکا لیا۔ جیسے اس کی چوری پکڑ لی گئی ہو۔ ایک بات جو وہ ہر ایک سے پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا۔ سورج سے، چاند سے، ہوا سے بھی، وہ یہاں ہر ایک کو معلوم ہو چکی تھی۔ وہ دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ پاریش بابو نہ جانے کیا خیال کرتے ہوں گے۔ لولتا نے نہ جانے کیا سوچا ہوگا۔ اور سچاریتا نے کیا سمجھا ہوگا۔ کسی دیوتا کی بھول کی وجہ سے ہی وہ اس گھرانے کی جنت میں کچھ دن کے لئے داخل ہو سکا تھا۔ اور اب یہاں اُسے فوراً ہی بہت بے آبرو ہو کر ہمیشہ کے لئے نکل جانا پڑے گا۔

اس کے بعد جب وہ پریش بابو کے گھر سے باہر آرہا تھا تو اس کی نظر لولتا پر پڑ گئی۔ ایک بار اس کے جی میں آئی کہ وہ لولتا سے آخری بار ملتے وقت اس کے سامنے اپنے جرم کا اقبال کر کے اپنی محبت کی ساری کہانی ختم کر دے۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ایسا کیونکر کرے۔ آخر وہ اُسے محض نمسکار کہہ کر اور اس کے ساتھ نگاہیں ملائے بغیر ہی وہاں سے چلا گیا۔

تھوڑے ہی عرصے پہلے وہ پاریش بابو کے گھر میں ایک اجنبی کی طرح آیا تھا۔ اب پھر وہ اجنبی تھا۔ لیکن دونوں کیفیتوں میں کتنا فرق تھا۔ اب وہ اپنے وجود میں ایک خلا محسوس کر رہا تھا۔ اس سے پہلے زندگی میں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ اسکی زندگی میں گورا اور آنند موئی تھے۔ لیکن اب وہ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ جس

طرف بھی وہ جاتا تھا اسے کوئی سہارا نہیں ملتا تھا۔ شہر کے بھیڑ بھاڑ والے راستوں
پر ہر طرف ڈراونی اور زرنہ زرنہ پرچھائیاں اُسے ڈراتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ وہ
خود اس وسیع خلا اور سُونے پن پر حیران تھا۔ اور بار بار بے رحم اور خاموش آسمان
سے اس کا سبب پوچھتا تھا "ایسا کیوں ہوا؟ ایسا کیوں ہوا؟ ایسا کیوں ہوا؟"
اچانک اس نے کسی کے پکارنے کی آواز سُنی "نبوتے بابو۔ نبوتے بابو!
اس نے سر گھمایا تو ستیش کو اپنے پیچھے دوڑ کر آتے ہوئے دیکھا۔ اُسے گلے سے
لگا کر اس سے جلدی جلدی پوچھا ——— کیا ہوا؟ میرے بھائی! کیا بات ہے
دوست۔

یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور آواز کانپنے لگی۔ پاریش بابو
کے گھرانے کے اس چھوٹے سے بچّے کے ساتھ اس کے کتنے گہرے تعلقات تھے
س کا احساس اسے آج پہلی بار ہو رہا تھا۔

"آپ ہمارے گھر کیوں نہیں آتے؟" ستیش نے پوچھا۔ کل بونیا اور لولتا
دیدی ہمارے گھر، ہمارے ساتھ کھانا کھانے کے لئے آئیں گی۔ خالہ نے مجھے
آپ کو بھی بُلانے کے لئے بھیجا ہے۔"

اس کی بات سنے نبوتے کو اندازہ ہوا کہ ابھی تک خالہ کو پُورے حالات کا
پتہ نہیں چلا ہے۔ اس نے کہا "ستیش بابو۔ خالہ سے میرا پرنام کہنا اور انھیں بتانا
ب میں وہاں نہیں آ سکوں گا۔"

ستیش نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا اور خوشامد کے لہجے میں بولا۔ "آپ
یوں نہیں آ سکیں گے؟ آپ کو آنا پڑے گا۔ ہم آپ کو کسی صورت میں بھی معاف
نہیں کریں گے۔

نبوتے کو گھر جانے کے لئے ستیش اس قدر جو اصرار کر رہا تھا اس کی بھی ایک

وجہ تھی۔ سکول میں اُسے جانوروں کے ساتھ رحم دلی پر ایک مضمون لکھنے کے لئے کہا گیا تھا جس کے لئے اُسے پچاس میں سے بیالیس نمبر ملے تھے۔ وہ اپنا پرچہ نبوتے بابو کو دکھانے کے لئے بےچین تھا۔ اس لئے اس کے دل میں یہ بات مکمل طور پر بیٹھ چکی تھی کہ اس کے مقالے کی صحیح قدر نبوتے بابو جیسا باذوق آدمی ہی کر سکے گا۔ اگر ایک بار اس نے نبوتے سے اپنے مقالے کے لئے تحسین وشاباشی حاصل کر لی تو پھر وہ لوٹتا کو اس کا مضمون پسند نہ کرنے اور اس کی قابلیت کو نہ سراہنے کا خوب مزا چکھا سکتا تھا۔ دراصل اسی نے خالہ کو نبوتے کے مدعو کئے جانے کے لئے تیار کیا تھا۔ کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ اس کی بہنوں کی موجودگی میں ہی نبوتے بابو اس کی تعریف کریں۔

یہ جان کر کہ نبوتے بابو وہاں نہیں جا سکیں گے ستیش کا چہرہ اُتر گیا۔ اس پر نبوتے نے ستیش کی گردن میں اپنا ہاتھ ڈال کر کہا۔ چلو ستیش میرے ساتھ گھر چلو۔

چونکہ مقالہ ستیش کی جیب میں ہی تھا اس لئے وہ اس کے ساتھ چلنے سے انکار نہ کر سکا۔ ایک ادیب کی طرح شہرت کی خواہش دل میں لئے وہ نبوتے کے ساتھ ساتھ اس کے گھر چلا گیا۔ جبکہ یہ قیمتی وقت اسے اپنے نزدیک آتے ہوئے امتحان کی تیاری میں لگانا چاہئے تھا۔

نبوتے نے ستیش کو گھر واپس نہ جانے دیا۔ اس کا مقالہ بھی سُنا۔ تنقیدی اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر اس کی بے حد تعریف کی۔ اس کے علاوہ بازار سے مٹھائی منگا کر ستیش کو خوب کھلائی۔ اس کے بعد ستیش کے ساتھ وہ اسے پارش بابو کے گھر تک چھوڑنے گیا۔ اور بڑی گھبراہٹ کی کیفیت میں اس سے کہا۔

"اچھا بھئی ستیش اب مجھے جانے دو"

لیکن ستیش نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اُسے اندر کی طرف کھینچتے ہوئے بولا نہیں

نہیں۔ آپ کو اندر آنا ہی پڑے گا۔

البتہ آج اس کی کوشش بار آور ثابت نہ ہوئی۔

آنند موئی کے گھر تک وہ جیسے خواب کی حالت میں چلا گیا۔ وہ کہیں دکھائی نہ دیں تو وہ چھت پر جا کر اُن کے کمرے میں چلا گیا۔ جہاں گورا سویا کرتا تھا۔ بچپن میں اس نے اس کمرے میں کتنے سال ہنسی خوشی سے گزارے تھے۔ کیسے کیسے ہنسی مذاق شرارتیں، راز کی باتیں، آپس کے جھگڑے جو بعد میں دوستانہ سمجھوتے پر ختم ہو جاتے تھے بنوئے یہاں پہونچ کر اپنی کھوئی ہوئی جنت میں چلا جانا چاہتا تھا تا کہ حال کی ساری تلخیاں بھول جائے۔ لیکن اس کے تازہ ترین تعلقات اور حالات اس کے راستے کی رُکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے۔ وہ آج اسے اپنی جنت میں بالکل داخل نہیں ہونے دینا چاہتے۔ ابھی تک بنوئے کو اس بات کا صحیح احساس کبھی نہیں ہو سکا تھا۔ کہ اس کی زندگی کا محور کب بدل گیا تھا۔ اب جبکہ اس پر ہر ایک بات ظاہر ہو گئی تھی اس کا دل خوف سے بھر گیا تھا۔

آنند موئی نے چھت پر سُوکھنے کے لئے گیلے کپڑے پھیلا رکھے تھے جب وہ دوپہر کو انھیں اٹھانے کے لئے آئیں تو وہ گورا کے کمرے میں بنوئے کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ جلدی سے اس کے پاس گئیں۔ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ اور پوچھا۔ کیا ہوا، بنوئے "تمھارے چہرے کا رنگ کیوں اُڑا ہے۔؟"

بنوئے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور بولا ماں۔ جب میں پہلے پہل پاریش بابو کے گھر جانے لگا تھا تو گورا مجھ پر ناراض ہوتا تھا۔ اس وقت میں اس کے غصّے کو بے معنی اور غلط سمجھتا تھا۔ لیکن اس کا غصہ کبھی غلط نہیں تھا۔ میری اپنی حماقت ہی غلط تھی۔

یہ سُن کر آنند موئی ہنس دی، بولی "یہ تو میں نہیں کہتی کہ تم بہت زیادہ ہوشیار

لڑکے ہو لیکن اس وقت جو تم نے اپنی حماقت کا ذکر کیا ہے اس کا کیا قصہ ہے؟
بنوئے نے جواب دیا " ماں میں نے کبھی ایک لمحے کے لئے بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ ہم انسانوں کے درمیان ذات پات اور مذہب کی گہری تفریق موجود ہے۔ ان لوگوں سے مل کر مجھے بڑی مسرت ملتی تھی۔ لیکن میں نے ایک بار بھی یہ نہ سوچا کہ ایسی گہری دوستی کبھی میری بہت زیادہ پریشانی کا سبب بن جائے گی۔
" لیکن تیری باتیں سن کر مجھے تو اب بھی کوئی فکر محسوس نہیں ہوئی "
" تم نہیں جانتیں ماں! میں ان لوگوں کے لئے سماج کے اندر ایک بہت بڑی پریشانی پیدا کرنے کا ذمہ دار ثابت ہو گیا ہوں۔ لوگ انھیں اسقدر بدنام کرنے لگے ہیں کہ اب میں وہاں جا ہی نہیں سکتا ــــــــ
آنند موئی بولیں۔ گورا مجھ سے اکثر ایک بات کہا کرتا تھا۔ وہ یہ کہ جہاں اندر ہی اندر کوئی بے انصافی چھپی ہوئی ہوتی ہے وہاں ہر سکون رہنے پر بھی اندر کی آگ سلگتی رہتی ہے۔ اگر ان کے سماج میں کوئی ایسی پریشانی اُٹھ کھڑی ہوئی ہے تو اس کے لئے تمھیں پریشان ہونے کی کیا ضرورت۔ اگر تمھارا کردار بالکل صاف ہے تو اس کا انجام اچھا ہی ہو گا۔
بنوئے کے دل میں ہی کھٹکا تھا۔ اس کا کردار پاک وصاف ہے یا نہیں۔ اس بات کو وہ سمجھ ہی نہیں پایا تھا۔ لولتا ایک دوسرے سماج کی فرد ہے اور اس کے ساتھ اس کی شادی کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔ یہ سوچ کر اُسے اپنی خاموش محبت ایک گناہ لگنے لگی۔
" ماں! " وہ اچانک بول اٹھا۔ " ششی مکھی کے ساتھ میری شادی کا جو معاملہ تھا وہ پورا ہو جاتا تو ٹھیک ہی ہوتا۔ مجھے اپنے حدود کے اندر ہی رہنا چاہیئے۔ اب میں اس طرح بندھ جانا چاہتا ہوں کہ پھر کسی طرح ان بندھنوں سے چھوٹ بھی نہ سکوں۔

آنند موہنی ہنس کر بولی ـــــ اب سمجھی۔ تم سشبشی مکھی کو اپنی بیوی بنانے کے بجائے گھر کی ایک زنجیر بنانا چاہتے ہو۔ کیا یہی اس کی قسمت میں لکھا ہے۔

اسی وقت گھر کے نوکر نے آکر پاریش بابو کی لڑکیوں کی آمد کی اطلاع دی۔ یہ سن کر بنوئے کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ سمجھا کہ یقیناً وہ لوگ آنند موہنی سے اس کی شکایت کرنے کے لئے آئی ہیں۔ اس لئے وہ جلدی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کہا: "اچھا تو ماں میں جاتا ہوں"۔

لیکن آنند موہنی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: "ابھی مت جاؤ بنوئے۔ نیچے جا کر ذرا دیر انتظار کرو"۔

سیڑھیوں سے نیچے اُترتے ہوئے وہ سوچتا گیا ـــــ اب تو ان کے آنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا۔ اب تو میں مر کر بھی اُن کے گھر میں قدم نہیں رکھوں گا۔

جب کسی کے گناہ کی سزا ایک آگ کا روپ دھار لیتی ہے اور گناہگار کو جلا کے بالکل خاک کر ڈالتی ہے تو پھر وہ آگ بجھنے کا نام کیوں نہیں لیتی۔

نچلی منزل میں جب وہ گورا کے کمرے میں بیٹھنے کے لئے داخل ہوا تو اسی وقت موہم بھی اپنی اچکن کے بٹن کھولتا ہوا اپنے دفتر سے لوٹ کر آ رہا تھا ـــــ "خوب خوب۔ بنوئے میں تو تمہیں کئی روز سے ڈھونڈھ رہا تھا"۔ اس نے بنوئے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اُسے کمرے کے اندر لے جاتے ہوئے کہا۔ اور اپنے پاندان میں سے اُسے ایک پان بھی پیش کیا۔ اس نے کچھ تنب کو لے آنے کے لئے پکارا۔ اور پھر بنوئے کے سیدھے سیدھے اس معاملے پر بات کرنے لگا۔

"وہ معاملہ تو قریب قریب طے ہو ہی گیا تھا نہ؟ تمہارا کیا خیال ہے"۔ بنوئے کے چہرے پر پہلے جیسی مخاصمت کی جھلک نظر نہیں آئی۔ یہ بات بھی نہیں تھی کہ اُسکے چہرے

سے اسے کسی قسم کا شوق نظر آنے لگا ہو۔ لیکن اس کی طرف سے اس سوال کو ٹال لینے کی بھی کوئی کوشش نہیں دکھائی دی۔ اور جب موہم نے ایک قطعی تاریخ کے لئے فیصلہ کر ڈالنے پر زور دیا تو بنوئے بولا ——— گورا کو آجانے دیجئے۔ پھر تاریخ بھی مقرر کرلی جائے گی۔

"وہ چند ہی روز میں آجائے گا۔" موہم کو کچھ اطمینان سا مل گیا۔ بولا۔ کچھ مٹھائی اٹھائی کھاؤ گے بنوئے۔ آج تم بہت کمزور دکھائی دے رہے ہو کہیں بیمار تو نہیں ہو۔

جب بنوئے نے مٹھائی کے تکلف سے خود کو آزاد کرلیا تو موہم کچھ کھانے پینے گھر کے اندر چلا گیا۔ بنوئے نے گورا کی میز پر سے ایک کتاب اٹھالی اور پھر کتاب کو رکھ کر کمرے میں ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد کمرے کے اندر نوکر داخل ہوا اور بولا۔ آپ کو اوپر بلایا ہے۔

"کسے"

"آپ کو"

"کیا وہ لوگ سب اوپر ہی ہیں؟"

"جی ہاں"

بنوئے نوکر کے پیچھے پیچھے اس طرح جانے لگا جیسے طالب علم امتحان دینے کے لئے چلا جا رہا ہو۔ دروازے پر پہونچ کر وہ قدرے جھجکا۔ لیکن سچاریتا نے اسے حسب معمول بڑی بے تکلفی سے پکار لیا۔ آئیے۔ بنوئے بابو۔

بنوئے کو یہ محبت بھری آواز سن کر اتنی مسرت نصیب ہوئی جیسے اسے اچانک کوئی دولت مل گئی ہو۔ جب وہ کمرے کے اندر پہونچا تو للیتا اور سچاریتا اس کے اترے چہرے کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ سوچنے لگیں۔ ایسی کیا بات ہوگئی جس کی وجہ سے بنوئے کا چہرہ پھیکا پڑ گیا ہے۔ جیسے سی ہرے بھرے کھیت کو ٹڈی دل

نے چپٹ کر لیا ہو۔ لوتا کے دل پر کچھ چوٹ سی لگی، دُکھ ہوا۔ کچھ خوشی بھی محسوس ہوئی۔ اگر کوئی اور موقعہ ہوتا تو شاید وہ نبوے کے ساتھ اتنی آسانی سے گفتگو شروع نہ کر سکتی لیکن آج اس کے آتے ہی وہ بول اُٹھی۔

"نبوے بابو ایک معاملے میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتی ہیں۔ ان الفاظ سے جیسے نبوے پر اچانک خوشی کی بوچھار کر دی۔ وہ بالکل حیران رہ گیا اور زرد اور اُداس چہرہ چمک اٹھا۔

لوتا بولی۔ ہم تین بہنیں یک چھوٹا سا اسکول کھولنا چاہتی ہیں۔ نبوے بڑے جوش سے بول اٹھا۔ ارے یہ تو میرے دل کی بات کہہ دی آپ نے۔

"آپ کو اس لئے ہماری مدد کرنی ہوگی"

"میرے لائق جو خدمت ہوگی اس سے آپ مجھے باہر نہ پائیے گا۔ لیکن یہ بتا دیجئے مجھے کرنا کیا ہوگا۔

"ہمیں برہمو سماج سمجھ کر ہندو لوگ ہم پر اعتبار نہیں کرتے اس مشکل کو حل کرنے میں ہماری مدد کریں۔"

نبوے پھر جوش کے ساتھ کہنے لگا۔ اس بات کی تو آپ بالکل فکر نہ کیجئے یہ سب میں بخوبی کر لوں گا۔

اس پر آنند موئی بول اُٹھیں "——— یہ سب کام یہ کرے گا۔ میں جانتی ہوں۔ دوسروں کو چکر میں ڈال کر اپنے بس میں کر لینا نبوے کو خوب آتا ہے۔"

لوتا نے کہا۔ "آپ کو ہمیں سکول کے قاعدے قانون۔ پڑھائی کے گھنٹے مضامین درجماعتیں اور سب کچھ سکھانا ہوگا۔

اگرچہ یہ کام نبوے کے لئے بالکل معمولی تھے لیکن پھر بھی وہ کچھ ٹھٹک سا گیا۔ کیا لوتا کو معلوم نہیں تھا کہ پریش داوی نے اُسے اُن کے ساتھ ملنے جلنے سے بالکل منع کر دیا تھا! اور اس مقصد

کے لیے ان کے سماج میں باقاعدہ ایک تحریک بھی چل رہی تھی۔ اس الجھن میں پھنس کر وہ پھر جلدی کہہ گیا۔ کہ کیا اس کے لیے لونا کی یہ تجویز مان لینا ٹھیک ہے۔ خود لولتا کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ مگر یہ بھی سوال تھا کہ اس کے اندر لونا کی ایک ایسی درخواست کو ٹھکرا دینے کی ہمت نہ تھی جس کا مقصد لوگوں کی مفت خدمت کرنا تھا۔

اسی طرح سچاریتا بھی اپنی جگہ پر حیران ہو رہی تھی۔ اس کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ لونا اس طرح بالکل اچانک بنوئے کے سامنے ایسی درخواست رکھ بیٹھے گی۔ بنوئے کے ساتھ اس کے تعلقات پہلے ہی ایک بہت نازک صورت حالات پیدا کئے ہوئے تھے۔ اور اب یہ دوسرا غیر متوقع معاملہ چھڑ گیا ہے۔ اپنے حالات جانتے ہوئے بھی لولتا نے اپنی مرضی سے یہ تجویز کیوں پیش کر دی۔ اس بات نے سچاریتا کو خوف زدہ کر دیا۔ یہ تو وہ سمجھتی تھی کہ لولتا کے سینے میں بغاوت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ لیکن بنوئے کو بھی اس معاملے میں لپیٹ لینا کیا اس کے لیے مناسب تھا۔ سچاریتا نے کسی قدر فکرمند ہو کر کہا۔

"ہم یہ بات پہلے پتا جی سے پوچھیں گے اس لئے بنوئے بابو لڑکیوں کے سکول کا انسپکٹر بن جانے کی خوشی ابھی سے نہ منائیے گا۔"

یہ بات سن کر بنوئے سمجھ گیا کہ سچاریتا بڑی ہوشیاری سے اس تجویز کی مخالفت کر رہی ہے اس سے اسکے شکوک میں اضافہ ہوا وہ سمجھ گیا کہ جو گڑبڑ پیدا ہو گئی ہے اس سے سچاریتا پوری طرح واقف ہے۔ یہ بات لولتا سے بھی چھپی نہیں ہو گی۔ پھر لولتا ایسی باتیں کیوں کرتی ہے۔ اسے وہ نہیں سمجھ سکا۔

لولتا بھی مان گئی۔ پتا جی سے تو پوچھنا ہی ہے۔ لیکن پہلے بنوئے بابو تیار ہو جائیں تب تو ان سے پوچھیں۔ پتا جی بھی اعتراض نہیں کریں گے۔ اس کا مجھے یقین ہے وہ سکول چلانے میں ہماری پوری پوری مدد کریں گے۔ اور آپ کو بھی مدد کرنا ہو گی۔" اس نے آنند موئی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

آنند موئی ہنستی ہوئی بولیں "ہاں میں تمہارے سکول میں جھاڑو لگایا کروں گی۔ اس کے علاوہ میں کر ہی کیا سکتی ہوں!"

بنوے بولا ـــــــ یہ تو بہت بڑا کام ہوگا ماں! کیونکہ اس طرح ہمارا سکول بالکل صاف ستھرا رہا کرے گا۔

جب سچارِیتا اور لولِتا چلی گئیں تو بنوے ایڈن گارڈنز کی طرف پیدل چل دیا۔ اِدھر موہم نے آنند موئی کے پاس جا کر کہا۔ بنوے نے میری بات مان لی ہے۔ اس لئے یہ کام جلدی ہی کر دینا چاہئے، کیا معلوم پھر نیّت بدل جائے۔

آنند موئی حیران ہو کر بولی ـــــــ کیا کہہ رہے ہو؟ بنوے کب تیار ہوا مجھ سے تو اُس نے کچھ بھی نہیں کہا۔

"میری بات چیت آج ہوئی ہے۔ کہتا ہے گورا کے آنے پر مہورت نکلوا لیا جائے"

آنند موئی سر ہلاتی ہوئی بولیں۔ موہم، تم ٹھیک نہیں سمجھے ہو گے۔

"میری عقل چاہے موٹی ہی کیوں نہ ہو، مگر سچ مانئے میری عمر سیدھی اور صاف بات سمجھنے کے قابل یقیناً ہو چکی ہے۔

"میں جانتی ہوں کہ تم مجھ پر ناراض ہو گے لیکن تمہاری اس بات میں روڑا ضرور اٹکے گا"

"تم جو کچھ بھی کہو میں برداشت کروں گی موہم لیکن جس بات میں روڑا پڑا ہی ہوا ہو، اُسے میں نہیں مان سکتی۔ یہ میں تم سب کی بھلائی کے لئے کہہ رہی ہوں"

موہم بہت تیز ہو کر بول اُٹھا۔ ہمارے لئے کس کام میں بھلائی ہے اور کس کام میں نہیں۔ یہ آپ ہم پر چھوڑ دیجئے۔ آپ کے پاس ہم شکایت کرنے بھی نہیں آئیں گے۔ ہماری بھلائی کی کوشش آپ ششی کے بیاہ کے بعد ہی اب کیجئے گا۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟

اس بات کا آنند موئی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک لمبی سانس لی۔ موہم پان ہاتھ میں اچھالتا، منہ میں پان کا بیڑا دباتا ہوا باہر چلا گیا۔

اُنچاسواں باب

لتا نے پارتش بابو کے پاس جا کر کہا" بابو جی ہم لوگ برہمو سماجی ہیں۔ اس سے ہندو لڑکیاں ہمارے پاس پڑھنے کے لئے نہیں آتیں۔ میں سوچتی ہوں اگر ہندو سماج کے کسی آدمی کو اس کام میں شامل کر لیا جائے تو آسانی رہے گی۔ آپ کی کیا رائے ہے۔؟

پارتش بابو نے پوچھا لیکن ہندو سماج آدمی ملے گا کہاں سے۔؟

اس مشکل کام میں بنوئے کا ہاتھ شامل کرنے کے لئے وہ پتاجی سے اُنکی رضامندی حاصل کرنے کے لئے گئی تھی۔ لیکن جب بنوئے کا نام لینے کا وقت آیا تو وہ شرما گئی۔ پھر بھی کسی قدر جرأت کر کے بولی۔

ملے گا کیوں نہیں۔ کام کے آدمی بہت سے موجود ہیں۔ بنوئے بابو ہی کو لے لیا جائے یا ——

لفظ "یا" کا استعمال یہاں کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ اس کا جملہ ادھورا ہی رہا۔

پارتش بابو حیران ہو کر بولے —— بنوئے؟ لیکن بنوئے بابو کیا تیار ہو جائیں گے۔؟

اس بات پر لتا کے احساس کو ایک دھکا سا لگا۔ بھلا وہ راضی کیسے نہ ہوگا۔ یہ وہ نہیں جانتا تھا کہ لتا اُسے مجبور بھی کر سکتی تھی۔ لیکن بس اتنا ہی۔

"ان کے شامل نہ ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی"

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد پارتش بابو بولے —— جب وہ اس بات پر پہلے غور کر چکے گا تو وہ رضامند نہیں ہو سکے گا۔

لتا کے چہرے پر گہری سُرخی نمایاں ہو گئی اور ساڑھی کے پلّو سے بندھے ہوئے چابیوں کے گچھے کو ہلانے جُلانے لگی۔ پارتش بابو اپنی بیٹی کے کرب آمیز چہرہ کو دیکھ کر خود بھی

رنجیدہ ہوئے لیکن اس کی دلجوئی کے لئے ان کے پاس کوئی لفظ بھی نہیں تھا۔ کچھ دیر کے بعد للتا نے آہستہ سے سر اٹھایا اور کہا ——— "بابوجی تو کیا ہمارا سکول کسی طرح بھی نہیں چل سکے گا۔؟"

پاریش بابو نے جواب دیا "فی الحال تو مجھے اس کام میں بہت سی دشواریاں دکھائی دے رہی ہیں۔ تم جتنی بھی کوشش کرو گی اتنا ہی زیادہ لوگوں کی تنقید کا نشانہ بنو گی۔

للتا کے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ بات اور کونسی ہوسکتی تھی کہ وہ اس ناانصافی کو خاموشی سے برداشت کرنے پر مجبور کر دی جائے اور ہرن بابو اپنی حرکتوں میں کامیاب رہیں۔ یہ بات اس کے کسی اور نے کہی ہوتی تو وہ کبھی برداشت نہ کرتی۔ وہ کسی سے ڈرنے والی نہیں تھی لیکن وہ اس ناانصافی کو برداشت بھی کرے تو کیسے۔ وہ چپکے سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔

اپنے کمرے میں پہنچی تو وہاں اُسے ایک خط ملا۔ تحریر سے ہی وہ پہچان گئی کہ وہ اس کی ایک پرانی ہم جماعت شیل بالا کا ہے جسکی شادی ہو چکی تھی، اور اب وہ بانکی پور میں رہتی تھی۔

خط میں لکھا تھا ——— "تم لوگوں کے بارے میں کئی طرح کی باتیں سُن کر دل کو بہت تکلیف پہنچی تھی۔ سوچا تھا تمہیں خط لکھ کر سب بات معلوم کروں گی مگر اس کے لئے وقت نہیں مل سکا۔ پرسوں ایک شخص نے (نام نہیں بتاؤں گی) جو خبر سُنائی تو میرے اُوپر جیسے بجلی سی گر پڑی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کبھی ایسا ہوگا۔ لیکن جو کچھ اس شخص نے مجھے لکھا ہے اس پر یقین بھی نہیں آتا۔ اس نے لکھا ہے تمہاری شادی کسی ہندو کے ساتھ ہونے والی ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو ——— وغیرہ وغیرہ

للتا غصّے سے تھر تھر کانپنے لگی اور اسی وقت خط کا جواب لکھنے کے لئے بیٹھ گئی۔ اس نے کہا۔

"تمہارے اس سوال نے کہ یہ بات سچ ہے یا نہیں، مجھے بہت حیران کر دیا ہے۔ برہمو سماج کے جس شخص نے تمہیں اطلاع دی ہے کیا اس کی سچائی کو بھی پرکھنے کی ضرورت ہے کسی

ہندو کے ساتھ میری شادی ہونے والی ہے" یہ سن کر تمھارے اوپر بجلی سی گر پڑی۔ لیکن میں تمھیں دشوا س کے ساتھ بتانا چاہتی ہوں کہ یہ ہو سماج کے اندر کچھ ایسے شریف اور مشہور و معروف ہستیاں موجود ہیں جن کے ساتھ میری شادی کی محض افواہ سے ہی میری زندگی پر بہت بڑی بجلی گر پڑے گی۔" میں ایک دو ایسے ہندوؤں کو بھی جانتی ہوں جن کے ساتھ شادی برہمو سماج کی ہر ایک لڑکی کے لئے بڑے فخر کی بات ہو سکتی ہے۔ اس وقت اس سے زیادہ میں تمھیں کچھ نہیں لکھ سکتی۔

اُس دن پریش بابو بھی بالکل کوئی کام نہ کر سکے۔ بڑی دیر تک چُپ چاپ بیٹھے سوچتے رہے، پھر سچاریتا کے گھر چلے گئے۔ اُن کا اداس چہرہ دیکھتے ہی سچاریتا کا دل بھی بیٹھ گیا۔ وہ اُن کی اُداسی کا سبب تو جانتی تھی کیونکہ وہ خود بھی اس کے سلسلے میں کئی دنوں سے لگی ہوئی تھی۔

ایک الگ تھلگ کمرے میں سچاریتا کے ساتھ جا کر وہ بیٹھ گئے اور کہنے لگے۔

"بیٹی" لولتا کے بارے میں کچھ سنجیدگی سے فیصلہ کرنے کا وقت آ پہنچا ہے۔

"سماج نے جو تہمت لگا رکھی ہے مجھے اس پر اس کی فکر نہیں ہے بلکہ میں تو حیران ہوتا ہوں کہ لولتا ———"

انھیں بات کہتے کہتے رُک جاتا ہوا دیکھ کر سچاریتا نے اپنے دل کی بات کہنے کی کوشش کی لولتا اپنے دل کی بات مجھے ہمیشہ مکمل کرتی رہی تھی۔ لیکن پچھلے کچھ دنوں سے وہ اپنے دل کا حال نہیں بتانا چاہتی تھی۔ اس کی وجہ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ ———

اس کے دل پر کوئی ایسا بوجھ آ پڑا ہے جس کی موجودگی کو وہ ماننا بھی نہیں چاہتی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ آخر کیا کیا جائے! اچھا تم ہی بتاؤ۔ بنوئے کو اپنے گھر میں آنے کی آزادی دے کر میں نے کیا لولتا کو کوئی دُکھ پہونچایا ہے؟"

پتا جی آپ بھی جانتے ہیں بنوئے بابو میں کوئی نقص نہیں ہے۔ سچاریتا کہنے لگی اُن کا اخلاق بالکل بے داغ ہے۔ ہم جتنے پڑھے لکھے لوگوں کو جانتے ہیں بنوئے بابو جیسی خاصیتیں

کسی میں بھی نہیں پائی جاتیں۔

"تم ٹھیک کہتی ہو رادھا! بالکل ٹھیک کہتی ہو!" وہ اس طرح مطمئن اور خوش ہو کر بول اٹھے جیسے انھوں نے ایک اور سچائی دریافت کر لی ہو۔ ہمیں اس کی ذاتی خوبیوں پر ہی نظر رکھنی چاہیے خدا بھی یہی دیکھتا ہے۔ اگر بنوتے اچھا آدمی ہے اور ہمیں اس میں کوئی برائی دکھائی نہیں دیتی تو ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

پارشٹ بابو کی جان میں جان سی آگئی۔ ایک الجھن جو دور ہو گئی تھی! وہ اپنے خدا کے سامنے قصور وار نہیں تھے۔ اسی احساس سے اُن کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ انھیں حیرت ہوئی وہ اتنی معمولی سی بات کو کیوں نہیں سمجھ سکے تھے۔ خواہ مخواہ کو اتنی اذیت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ سچاریتا کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے ——— "بیٹی آج تم نے مجھے کچھ سکھایا ہے۔"

سچاریتا نے فوراً اُن کے پاؤں چھوتے اور کہا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں پتا جی" مذہب ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے دل سے معمولی سی سچائی بھی بھلا دیتی ہے کہ انسان آخر انسان ہی ہے جو اپنے لیے خود ہی بھول بھلیاں تیار کرتا ہے۔ کسی کو ہندو بناتا ہے کسی کو برہمو سماجی۔ اور اسی بات کو بہت اہم سمجھنے لگتا ہے۔ خدا کو بھول جاتا ہے جس نے سب انسان برابر بنائے ہیں۔ میں بھی آج تک انھیں بھول بھلیوں میں بھٹک رہا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہ کر پارشٹ بابو نے پھر کہا۔

"ولتا اسکول کھولنے کا ارادہ ترک نہیں کر سکتی۔ وہ یہاں آئی تھی میں اُسے اجازت دے دوں کہ بنوتے بابو بھی ساتھ کام کریں۔"

سچاریتا بولی "نہیں، نہیں پتا جی ابھی اجازت نہ دیجیے گا۔"

پارشٹ بابو کے سامنے ولتا کا دکھی اداس چہرہ گھومنے لگا جیسے وہ لے کر اُن کے پاس بنوتے بابو کا معاملہ لے کر پہونچی تھی۔ اس بات کو یاد کر کے وہ بہت دکھی ہو گئے۔ وہ جانتے تھے اُن کی بیٹی سماج کی کرتوتوں کی وجہ سے دکھی نہیں ہو سکتی بلکہ اس وجہ سے اُسے زیادہ چوٹ پہونچی ہو گی کہ اُسے ایک نا انصافی کے ساتھ لڑنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ اور جب منع کرنے والا خود

اس کا باپ تھا۔؟ وہ اس معاملے میں اب اپنا رویہ بدل دینا چاہتے تھے۔ اس لئے انھوں نے کہا۔
"لیکن سچاریتا۔ اجازت کیوں نہ دی جائے؟"
"کیونکہ اس کی ماں بہت ناراض ہوں گی۔"
پاریش بابو نے سوچا سچاریتا ٹھیک کہتی ہے۔ اس کے کچھ بولنے سے پہلے ستیش آپہنچا۔ اور سچاریتا کے کان میں کچھ کہا۔ جس کے جواب میں وہ بولی "نہیں ستر باتی" اس وقت نہیں۔ یہ کام کل ہوگا۔"
ستیش بولا۔ "لیکن کل تو مجھے سکول جانا ہے۔"
پاریش بابو اپنی شفیق مسکراہٹ کے ساتھ بولے "کیا بات ہے ستیش، تو کیا چاہتا ہے؟"
سچاریتا بولی "یہ تو ستیش کی رہی" ——— ستیش نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور اسے منع کرتے ہوئے بولا "نہیں نہیں دیدی! ابھی نہیں، کچھ نہ بتایئے گا۔"
پاریش بابو بولے "اگر کوئی راز کی بات ہے تو تم سچاریتا کو بتاتے ہوئے ڈرتے کیوں ہو؟"
"نہیں پتا جی۔" سچاریتا کہنے لگی "یہ دراصل آپ کو بتانے کے لئے بیتاب ہے۔"
"نہیں نہیں بالکل نہیں" یہ کہتا ہوا ستیش باہر بھاگ گیا۔
اصل واقعہ یہ تھا کہ بنوئے نے اس کے مضمون کی اتنی اونچی تعریف کر دی تھی کہ وہ اسے سچاریتا کو دکھانا چاہتا تھا۔

ہرن بابو نے صاف صاف اس بات کا اقرار کیا اور افسوس بھی ظاہر کیا کہ اب تک اُس نے بردو دیوی کو ٹھیک طرح سے سمجھا ہی نہیں تھا۔ آخر میں پریش بابو کو بلا کر وہ خط اُن کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔

اس خط کو بڑی احتیاط سے دو بار پڑھ کر پاریش بابو نے سر اُٹھایا اور پوچھا۔

"پھر کیا ہوا؟"

بردو دیوی غصے سے بولی "اور کیا ہونا چاہیے۔ گویا اب کچھ ہونے کو باقی بھی رہ گیا ہے؟ آپ کی وجہ سے ہی مورتی پوجا۔ ذات پات۔ ہر بات تو پوری ہو چکی! اب آپ کی لڑکی کا کسی ہندو کے گھر میں شادی ہونا باقی رہ گیا ہے۔ وہ بھی ہو جائے۔ بس! اس کے بعد میرے خیال میں آپ خود بھی ہندو ہو جائیے گا۔ لیکن میں آپ کو بتا دوں کہ ــــــــ"

پاریش بابو ہنستے ہوئے بیچ میں بول پڑے "تم کچھ بھی مت بتاؤ۔ کیونکہ اس کے لئے ابھی وقت نہیں آیا۔ سوال یہ ہے کہ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ لولتا نے ایک ہندو کے ساتھ شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔! اس بات کا تو اس خط میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ کم از کم مجھے تو نظر نہیں آیا"

"آپ کو کیسے نظر آئے گا۔ یہ تو میں آج تک نہیں سمجھ سکی۔ اگر آپ شروع سے ہی کچھ دیکھ سکتے تو اتنا بڑا حادثہ بھی نہیں ہوتا۔ کسی خط میں اس سے زیادہ اور لکھا بھی کیا جا سکتا ہے۔؟"

ہرن بابو نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے بہتر ہوگا اس خط کا ٹھیک ٹھیک مطلب بتانے کے لئے لولتا کو ہی بُلا لیا جائے یا اگر مجھے اجازت دے دی جائے تو میں جا کر انھیں سے پوچھ آؤں؟"

پیشتر اس کے کہ کچھ اور بات چیت ہوئی لولتا وہاں ایک بگولے کی طرح

آ رکھی۔ اور جا کر بولی : بنا جی دیکھئے، اس قسم کے گمنام خطوط ہمیں ہر لمحہ سماج والے بھیجتے رہتے ہیں۔!

"پارش بابو نے اس خط کو بھی دیکھا۔ کچھ اس قسم کی باتیں تھیں۔ بنوئے کے ساتھ لولتا کی شادی چوری چوری طے ہو چکی ہے۔ اس انکشاف کے ساتھ لکھنے والے نے طرح طرح کی تہمتیں لگانے اور دھمکیاں دینے کے علاوہ نصیحتیں بھی کی تھیں اور یہ بھی لکھا تھا کہ بنوئے کی نیت صاف نہیں ہے۔ وہ برہمو سماج کی عورت کو دوسرے ہی دن چھوڑ کر کسی ہندو لڑکی سے شادی کرے گا۔"

اس خط کا مضمون ہرن بابو نے بھی پارش بابو کے ہاتھ سے لے کر پڑھا۔ پھر لولتا کو لوٹاتے ہوئے کہا "تم یہ خط دیکھ کر بہت برہم ہو اٹھی ہو؟ لیکن کیا تم اس خط کے لکھے جانے کے لئے ذمہ دار نہیں ہو۔؟ یہ بتاؤ تم نے یہ خط خود اپنے ہاتھ سے کیسے لکھ دیا ہے۔؟

لولتا اس خط کو دیکھ کر حیران ہوئی۔ پھر بولی سمجھ گئی یہ آپ ہی تھے جو شیل بالا کے ساتھ میرے بارے میں خط و کتابت کر رہے تھے۔!

ہرن بابو نے صاف صاف جواب نہ دیا۔ اور کہا۔ برہمو سماج کے تئیں اپنا ایک فرض سمجھ کر ہی شیل بالا کو تمہارا یہ خط میرے پاس بھیجنا پڑا۔

لولتا تن کے سامنے تن کر بولی "——— آج کہہ ہی ڈالئے۔ برہمو سماج آخر کیا چاہتا ہے۔———

ہرن بابو نے کہا "تمہارے اور بنوئے بابو کے بارے میں جو افواہیں پھیل رہی ہیں ان پر، اگرچہ مجھے یقین نہیں ہے پھر بھی میں اس کی تردید تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔

لولتا کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو اٹھیں۔ اس نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں

سے کُرسی کی پشت کو زور سے پکڑتے ہُوئے کہا ـــــ "مجھے بتائیے کہ آپ وشواس کیوں نہیں کر سکتے ؟"

پارِیش بابو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے "لوتا۔ تم اس وقت بہت غصّے میں ہو۔ اس معاملے پر کوئی بھی بات مت کرو۔ ہم پھر باتیں کریں گے۔ اس وقت چُپ ہو جاؤ۔

ہرن بول اٹھا ـــــ "پارِیش بابو آپ معاملے کو دبانے کی کوشش مت کیجیے"

اس پر لوتا اور بھی کھول اُٹھی۔ اور بولی۔ "پتاجی اسے دبا دینے کی سچ مچ کوشش کریں گے بھی ؟ وہ آپ کی طرح سچائی سے ڈرنے والے نہیں ہیں۔ سچائی کو وہ برہمو سماج سے اونچا سمجھتے ہیں۔ میں آپ کو صاف صاف بتا دوں کہ میں بنوئے بابو کے ساتھ اپنی شادی کو کسی پہلو سے بھی نامناسب یا ناممکن نہیں سمجھتی ہوں۔"

ہرن بابو نے پوچھا ـــــ "لیکن کیا وہ برہمو سماجی بننے کے لیے تیار ہے ؟"

لوتا نے جواب دیا ـــــ "اس بات کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا ہے اور اس میں برہمو سماجی بننے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ !"

ابھی تک بردوا سندری خاموش بیٹھی سُن رہی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں آج ہرن بابو کو جیتنا چاہیے۔ پارِیش بابو اپنی غلطی مان کر اس کی تلافی بھی کریں۔ لیکن اب وہ چُپ نہیں رہ سکیں۔ اور بولیں ـــــ "لوتا پاگل تو نہیں ہو گئی ہو ؟ یہ کیا کہہ رہی ہو۔؟"

لوتا نے جواب دیا ـــــ "نہیں ماں، میں پاگل نہیں ہوتی ہوں۔ جو کچھ میں کہہ رہی ہوں اس پر غور کر لیا ہے۔ اس طرح لوگ چاروں طرف سے باندھنا چاہیں گے تو میں بندھ نہیں سکوں گی۔ میں نے ہرن بابو جیسوں کے سماج سے اپنے آپ کو آزاد کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"تم اس بے شرمی کو آزادی کا نام دیتی ہو !" ہرن بابو نے طنز بھرے لہجے میں کہا۔

لتا نے جواب دیا ـــــــ "نہیں. جھوٹ کی غلامی اور گندے رسموں سے نجات ہی کو میں آزادی سمجھتی ہوں۔ میں جہاں کوئی غلطی یا ناانصافی دیکھتی ہوں وہاں یہ سماج میرے راستے میں روڑے کیوں اٹکاتا ہے؟"

بڑے غرور بھرے لہجے میں ہرن بابو نے پاریش بابو سے کہا: "دیکھ رہے ہیں آپ پاریش بابو! میں جانتا تھا، آخر میں یہی ہوگا۔ میں نے آپ کو سمجھانے کی کتنی کوشش کی تھی لیکن سب بے سود تھا!"

لتا بولی ـــــــ "ہرن بابو سنیئے! میں آپ کو بتائے دیتی ہوں کہ جو لوگ آپ سے ہر لحاظ سے بڑے ہیں انھیں نصیحت کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں ہے۔"

"یہ دھمکی دے کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی"

برو دا دیوی! یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ اب کیا ہونا چاہئے۔ اس پر غور کیجئے۔"

پاریش بابو نے کہا: "ہم اپنے فرض کو پورا کریں گے۔ لیکن یہ کہنا اس حالت میں بہت مشکل ہے کہ ہمارا فرض کیا ہونا چاہئے۔ امید ہے آپ لوگ مجھے معاف رکھیں گے۔ کہ میں اس وقت مزید کوئی گفتگو نہیں کر سکتا اور کچھ دیر کے لئے بالکل تنہائی چاہتا ہوں۔"

اِکیّانواں باب

جب سچارِیتا کو یہ معلوم ہوا تو وہ سوچنے لگی۔ وِنَتا نے یہ سب کیا کیا! کچھ دیر تک خاموش رہ کر اس نے وِنَتا کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے کہا۔ "بہن مجھے ڈر لگ رہا ہے"

"کس بات کا ڈر؟" وِنَتا نے پوچھا۔

"یہی کہ اِدھر تو برہمو سماج کے اندر کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ اُدھر اگر بنوئے بابو تیار نہ ہوئے تو؟"

"وہ یقیناً تیار ہو جائیں گے۔" اگرچہ وِنَتا نے بڑے مضبوط لہجے سے یہ بات کہی مگر اس کا سر جھک سا گیا۔

سچارِیتا بولی "_____ تو تو جانتی ہے کہ ہرن بابو وں سے صاف صاف کہہ گئے ہیں کہ بنوئے بابو اس شادی کے لئے اپنے مذہب کو چھوڑنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوں گے۔ تم نے سب پہلوؤں پر غور کئے بغیر ہرن بابو کے سامنے یہ باتیں کیوں کہہ ڈالیں؟"

وِنَتا نے جواب دیا۔ "اگر کہہ ڈالیں تو مجھے اس پر کوئی پشیمانی نہیں ہو رہی ہے۔ دیدی ہرن بابو وغیرہ ایسے لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ شکاریوں کی طرح مجھے اپنا شکار سمجھ کر پیچھا کرتے کرتے سمندر کے کنارے تک گھیرے آئے ہیں اور اس طرح وہ مجھے قابو میں کر لیں گے تو یہ اُن کی سخت غلطی ہے۔ شاید انھیں معلوم نہیں ہے کہ میں سمندر میں کود پڑنے سے بھی نہیں ڈرتی۔ اِن درندوں کے خونی پنجوں میں پھنسنے کے بجائے ایسا کرنا کہیں بہتر ہوگا۔"

سچارِیتا نے رائے دی "پتا جی سے مشورہ کر لینا چاہیئے۔"

روشنا بولی ——— "میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ پتا جی شکاریوں کی ٹولی میں کبھی شامل نہیں ہوں گے۔ انھوں نے آج تک ہمارے پاؤں میں کوئی زنجیر نہیں پہنائی ہے۔ اگر ہم نے ان کی کبھی کوئی بات نہیں مانی تو کیا انھوں نے غصّہ دکھایا ہے؟ یا کیا کبھی بر ہمو سماج کی دہائی دے کر انھوں نے ہماری آواز کو محدود کرنے کی کوشش کی۔؟ اسی بات کے لئے کتنی بار ماں اُن سے اُلجھی ہیں۔ پتا جی کے دل میں ہمارے لئے صرف ایک ہی خوف پیدا ہو رہا ہے۔ کہ کہیں ہم سوچنے سمجھنے کی طاقت کھو نہ بیٹھیں جب انھوں نے ہماری پرورش اور تربیت اس انداز سے کی ہے تو کیا وہ اب ہرن بابو جیسے سماج کے جیل داروغہ کے ہاتھوں میں ہمیں یوں سونپ دیں گے۔

"مانو کہ پتا جی نے کوئی رکاوٹ نہ ڈالی تو پھر اس کے بعد کیا جائے گا۔؟"

"اگر تم لوگ کچھ بھی نہیں کروگی تو پھر آخر میں میں خود ہی ———"

سچارتیا نے بےچین ہو کر کہا ——— "نہیں نہیں میری بہن: تمھیں اپنے آپ کوئی قدم نہیں، اُٹھانا پڑے گا۔ میں نے ایک بات اور سوچ لی ہے۔"

اُس دن شام کو سچارتیا پاریش بابو کے ہاں جانے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ وہ خود ہی وہاں آ نکلے۔ روزانہ اسی وقت اپنے باغ میں اس کنارے سے اُس کنارے تک سر جھکائے ہوئے ٹہلتے رہنا اُن کی عادت بن چکی تھی۔ جیسے شام کے سنّاٹے میں آنے والی رات کے آرام کے لئے دن بھر کی تکلیف دہ باتوں پر وہ بہت گہرے صبر اور شانتی کے ساتھ غور کر کے انھیں ختم کر لیتے تھے۔ آج رات کو جب سچارتیا کے کمرے میں گئے ان کا چہرہ گہری فکر میں ڈوبا ہوا تھا۔ شام کو تنہائی میں عبادت کرنے سے انھیں جو سکون نصیب ہوتا تھا اس سے بھی وہ محروم ہو چکے تھے۔ انھیں دیکھ کر سچارتیا کے دل میں درد کی ایک لہر اُٹھی۔ بالکل اس طرح جیسے کوئی ماں اپنے بچّے کو ہنستا کھیلتا ہوا دیکھنے کے بجائے بخار اور درد سے کراہتا ہوا پائے۔

پارشی بابو نے پوچھا ——— میرا خیال ہے تم سب کچھ سُن چکی ہو گی۔
"جی ہاں پتاجی۔ میں نے سُن لیا ہے۔ لیکن آپ اتنے گھبراتے ہوئے کیوں

ہیں۔

"مجھے صرف ایک بات کی فکر ہے۔ لولتا نے طوفان کھڑا کر دیا ہے اس کا کیا وہ مقابلہ بھی کر سکے گی۔؟ غصے کی حالت میں انسان جھوٹے فخر و غرور کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر اپنی غلطیوں کی وجہ سے، اس کی طاقت بھی دھیرے دھیرے گھٹنے لگتی ہے۔ آنے والی سب باتوں کو سامنے رکھ کر لولتا نے کیا سوچ رکھا ہے۔؟

سچاریتا نے کہا ——— آپ کو ایک بات پورے وشواس کے ساتھ بتا دوں پتاجی، کہ سماج لولتا کو سبق سکھانے کے لئے چاہے کتنی ہی کڑی سزا کیوں نہ دے وہ اس کا مقابلہ کر سکتی ہے۔

"میں صرف یہی جاننا چاہتا تھا کہ کہیں جذباتی ہو کر تو فیصلہ نہیں کیا۔!

"نہیں پتاجی" اگر یہ بات ہوتی تو میں اس کی بات کبھی سنتی بھی نہیں۔ وہ جس بات پر ایک عرصے سے بہت سنجیدگی سے غور کر رہی تھی اسے اچانک چوٹ کھا کر زبان پہ لے آئی لولتا جیسی لڑکی کو اس وقت سمجھانا یا روکنا ٹھیک نہیں ہو گا۔ اس کے علاوہ پتاجی بنوئے بابو ایک اچھے انسان ہیں۔

"لیکن کیا بنوئے برہمو سماجی بننے کے لئے تیار بھی ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ گورا بابو کی ماں سے جا کر ملنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔؟"

"میں چاہتا تو ہوں، لیکن اب اگر تم جا کر ان سے ملو تو کیا بات اور نہ بڑھے گی۔؟"

———:(٭):———

باونواں باب

بنوئے آنند موہن کے گھر سے ہر روز صبح کے وقت ایک بار اپنے گھر جاتا تھا۔ ایک دن وہاں اس کو اپنے کمرے میں ایک خط ملا۔ خط میں کسی کا نام نہیں لکھا تھا۔ اس میں صرف اسی قسم کی نصیحتوں کی بھرمار تھی کہ بنوئے لولتا سے شادی کسی طور سے خوشحال ثابت نہیں ہوگی۔ اور یہ ان دونوں کے لئے سخت تباہ کن ہوگی۔ اس کے باوجود اگر بنوئے اپنی ضد پر اڑا رہا تو اسے یہ حقیقت بھی اپنے سامنے رکھ لینی چاہئے کہ ڈاکٹر لولتا کے پھیپھڑوں کو کمزور قرار دے کر اُسے دِق کے شبہ میں بھی مبتلا کر چکے ہیں۔

ایسا خط ملنے پر بنوئے حیران رہ گیا۔ اسے یہ خیال کبھی نہیں آسکتا تھا کہ لوگ اتنے بڑے بڑے جھوٹ بول سکتے ہیں! یہ بات تو یقینی طور پر روشن ہو گئی تھی کہ وہ الگ مذہبوں کے ہونے کی وجہ سے اس کی اور لولتا کی شادی نہیں ہو سکتی تھی اسی وجہ سے وہ اپنی محبت کو قصوروار سمجھنے لگا تھا۔ یہ خط پاکر تو اس کا احساس اور بھی شدید ہو گیا تھا کہ محض اسی کی وجہ سے لولتا کے سماج کے لوگ اس بچاری کو ستا رہے ہوں گے۔ سماج کے سامنے لولتا کو اس طرح بدنام ہوتا دیکھ کر بنوئے کا دل درد سے بھر گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ یقینی طور پر اس کے ساتھ بڑھاتے ہوئے تعلقات کی وجہ سے لولتا اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہی ہوگی۔ اور اس دن کو کوستی ہوگی جب ان دونوں کی پہلے پہل ملاقات ہوئی تھی۔ اور شاید اب وہ اس کی شکل تک بھی دیکھنا پسند نہیں کرے گی۔

یہ کیسا دل ہے؟ خود کو اتنا بڑا قصوروار سمجھتے ہوئے بھی اس کے اندر خوشی کے جذبات پھوٹے پڑتے ہیں۔ اس نے ندامت محسوس کی نہ توہین۔ اس قسم کے خیالات سے بچنے کے لئے اس نے تیز تیز برآمدے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ جب صبح کی روشنی پھوٹنے لگی تو اس کے اندر ایک جنون کی سی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ گلی میں سے گذرتے ہوئے پھیری والوں کی آوازیں سُن کر اس کی بے قراری جیسے جاگ اُٹھی۔ لولتا کو اتنی شدید بدنامی اور مذمت میں گھرا ہوا پا کر اس کا دل اُسے اپنی محفوظ پناہ میں لینے کے لئے بے چین ہو گیا۔ وہ اپنے دل پر سے لولتا کی سمائی ہوتی مورتی کو باہر نہیں نکال سکتا تھا۔ بار بار اس کے اندر سے یہی آواز نکلتی تھی، لولتا میری ہے لولتا میری ہے۔ اس سے پہلے اتنے اعتماد کے ساتھ اس نے لولتا کو کبھی آواز نہیں دی تھی۔ آج جب اس نے اپنے وجود سے اتنی واضح اور صاف صدا سن لی تھی تو وہ خود کو کیسے روک سکتا تھا۔

وہ اسی کیفیت میں مسلسل برآمدے میں ٹہل رہا تھا جب اس کی نظر ہرن بابو پر پڑی جو اس کے گھر کی طرف ہی آ رہے تھے۔ وہ فوراً سمجھ گیا اس گمنام خط کے پیچھے کس کا ہاتھ ہو سکتا تھا۔

ہرن بابو کو اس نے کرسی پیش کی لیکن منھ سے کچھ نہ کہا۔ خاموش رہا۔ آخر ہرن بابو ہی بولے ــــــ "نوئے بابو آپ ہندو ہی ہیں نا؟"

"ہاں بیشک۔"

"آپ کو میرے سوال کا بُرا نہیں ماننا چاہئے۔ جب ہماری وجہ سے سماج کے اندر کوئی خطرہ پیدا ہو جاتا ہے تو ہم اپنی بات کو ہر لحاظ سے تولنے کی بجائے بالکل اندھے ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی بیک وقت یہ سوال پوچھے۔ ہمارے اخلاق کا اثر کہاں تک پہونچ سکتا ہے اور ہماری حدود کہاں تک ہیں۔ تو اُسے اپنا ہی دوست

سمجھنا چاہئے۔

"نبو نے ہنس کر کہا تھا" اتنی لمبی تمہید باندھنے کی کیا ضرورت ہے مجھے
کسی غلط قسم کے سوال پر غصّہ نہیں آتا۔ نہ ہی ایسا سوال کرنے والے پر ناراض ہوتا
ہوں۔ آپ کے دل میں جو بھی بات ہے پوچھ ڈالئے۔ ڈریئے مت"

ہرن بابو نے معذرت چاہتے ہوئے کہا: میں آپ کو کسی بات کے لئے
قصوروار نہیں ٹھہرانا چاہتا۔ اور آپ کو یہ بتانا بھی بے معنی ہوگا کہ کسی انجانی غلطی کا
پھل بڑا زہریلا بھی ہو سکتا ہے۔

نبو نے زیچ ہو کر بولا۔ جو کچھ بتانا غیر ضروری ہے۔ اسے مت کہئے جو
بات ضروری ہے بس وہی پوچھئے۔

ہرن بابو نے پوچھا: "آپ چونکہ ہندو ہیں اور اپنے مذہب کو کسی قیمت پر
بھی خیرباد نہیں کہہ سکتے۔ اس صورت میں آپ کا پاریش بابو کے گھر میں آنا جانا
کہاں تک مناسب ہے۔ جبکہ اسی وجہ سے ان کی لڑکیوں کی بدنامی بھی ہوتی ہے؟"

"دیکھئے ہرن بابو۔ سماج کے لوگ کس بات کا کونسا مطلب نکالتے ہیں۔ یہ
بہت کچھ ان کے اخلاق پر منحصر ہے۔ اس بات کے لئے میں کیونکر ذمہ دار ہو سکتا
ہوں؟ پاریش بابو کی لڑکیوں کے متعلق بھی اگر آپ کے سماج میں کوئی ایسی ویسی
بات اٹھتی ہے تو اس میں جتنی شرم اور ذلت کی بات آپ لوگوں کے لئے ہے۔ اتنی
اُن لڑکیوں کے لئے نہیں ہے۔

اگر کوئی لڑکی اپنی ماں کو چھوڑ کر کسی باہر کے مرد کے ساتھ اسٹیمر پر سیر و تفریح کی
غرض سے کہیں چلی جاتی ہے تو اس کے بارے میں کچھ سوچنے کا حق سماج کو ہو سکتا
ہے یا نہیں؟ صرف اس سوال کا جواب دیجئے۔"

"آپ لوگ بھی اگر کسی بیرونی واقعے کو اندرونی جرم کا درجہ دیں تو پھر آپ د

ہندو سماج چھوڑ کر برہمو سماج میں جانے کی کیا ضرورت تھی؟ ان باتوں کے لئے میں کسی بحث میں پڑنا ضروری نہیں سمجھتا۔ مجھے جو کچھ کہنا ہے اس کا فیصلہ میں خود ہی کرونگا اس بارے میں آپ میری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے

"میں بھی آپ سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا" ہرن بابو نے جواب دیا۔ صرف ایک بات کہوں گا۔ اس وقت آپ کو پاریش بابو کے گھر سے دور رہنا چاہیے۔ گر آپ ایسا نہیں کریں گے تو یہ بڑا ظلم ہوگا۔ آپ لوگوں کو یہ پتہ بھی نہیں ہے کہ پاریش بابو کے دل میں ایک شدید بے چینی پیدا کر کے آپ لوگوں نے انھیں کتنا بڑا دکھ پہنچایا ہے۔"

ہرن بابو کے چلے جانے کے بعد بنوئے کے دل کو طرح طرح کے شبہات تکلیف پہنچانے لگے۔ نیک دل مخلص پاریش بابو اُسے اور گورا کو اپنے گھر میں بڑی محبت سے لے گئے تھے۔ یہ ممکن ہے بعض دفعہ بنوئے اُن کے گھر میں اپنی حدود سے آگے ہی بڑھ گیا ہے لیکن اس کے لئے اس گھر میں ایک دن کے لئے احترام اور محبت کی کمی نہیں کی گئی تھی۔ اس برہمو گھرانے میں اسے جس قسم کی پناہ نصیب ہوئی تھی ویسی اور کہیں نہیں ملی تھی۔ وہاں کی فضا اس کے مزاج کے عین مطابق تھی۔ ان لوگوں کے ساتھ تعلقات رکھنے کی وجہ سے ہی اسے جیسے زندگی بھر کے لئے ایک عجیب قوت مل گئی تھی جس گھرانے سے اسے پناہ۔ خوشی اور شفقت ملی تھی وہی گھرانہ اس کی دل کی چوٹ کے لئے بھی ایک یادگار بن رہا تھا۔ وہ پاریش بابو کی لڑکیوں کی بدنامی کا باعث بن گیا تھا۔ اور اسی وجہ سے للیتا کی ساری زندگی داغدار ہو کر رہ گئی تھی۔ کیا اس جرم کی کوئی تلافی بھی ہو سکتی تھی؟ جس چیز کو سماج کہا جاتا ہے۔ وہ سچائی کے راستے کی کتنی بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ بنوئے اور للیتا کے ملاپ کے خلاف جو مخالفت کی جا رہی تھی کسی لحاظ سے بھی معقول نہیں تھی۔ دونوں کا خدا جانتا تھا کہ بنوئے للیتا کے سُکھ کے لئے اپنی ساری زندگی تک قربان کرنے کے لئے تیار تھا۔ بنوئے کو للیتا کے قریب لے جانے میں

کیا خود بھگوان کا ہاتھ نہیں تھا جس بھگوان کی برہمو سماج والے اور ہرن بابو جیسے لوگ عبادت کرتے تھے۔ وہ کیا کوئی الگ خدا تھا؟ کیا وہی سب کے دلوں پر حکومت نہیں کرتا تھا۔ کوئی بہت ہی خوفناک طاقت ذات نکالے، انھیں جدا کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ اگر وہ سماج کی مرضی کے سامنے جھک گیا اور خدا کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھا تو کیا پاپ نہیں کہلائے گا۔ غالباً وہ خوفناک طاقت ونتا کا ساتھ دے رہی تھی۔ شاید ونتا اپنے دل میں بنوئے کے بارے میں یہ سمجھتی ہو کہ ——— اس کے دل میں بھرے ہوئے وہموں اور شکوک کا سلسلہ بہت لمبا تھا۔ بہت طویل۔

———:::———

ترپنواں باب

جب ہرن بابو ہنوئے کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے تو اس وقت ابھناش آنند موئی کے ہاں یہ خبر لے کر پہونچا کہ ہنوئے اور للتا کی شادی طے ہوگئی ہے۔

آنند موئی بولیں۔ یہ بات صحیح نہیں ہوسکتی۔"

کیوں نہیں ہوسکتی کیا ہنوئے کے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے؟"

آنند موئی نے کہا۔ یہ تو میں نہیں جانتی لیکن یہ بات اگر واقعی ہونے والی ہوتی تو مجھ سے چھپی ہوئی نہیں رہتی۔

ابھناش پھر بھی اپنی بات پر اڑا رہا۔ کہ اس نے برہمو سماج کے خاص ذرائع سے یہ خبر سُنی ہے۔ اور یہ یقینی طور پر صحیح ہوگی۔ وہ اس بات کو بہت پہلے سے جانتا تھا کہ ہنوئے کا یہی افسوسناک انجام ہوگا۔ یہاں تک کہ اس نے اس کے متعلق کئی بار گورا کو بھی متنبہ کیا تھا۔ آنند موئی کو یہ خبر سنا چکنے کے بعد نیچے جا کر ابھناش نے مہم کو بھی جا سُنائی۔

صبح کو جب ہنوئے گھر آیا تو آنند موئی نے اس کے چہرے سے اس کی پریشانی بھانپ لی۔ اُسے کھانا کھلانے کے بعد انھوں نے اُسے اپنے کمرے میں بلایا اور پوچھا۔ کیا ہوا ہنوئے۔ مجھے بتاؤ نا؟"

اس نے کہا۔ ماں یہ خط پڑھو۔

جب وہ خط پڑھ چکی تو ہنوئے نے مزید کہا۔ آج صبح ہرن بابو نے میرے پاس آکر مجھے بہت ڈانٹا ہے۔

"کس بات پر؟"

نبوتے نے کہا۔ وہ کہتے تھے میری وجہ سے پارش بابو کی لڑکیوں کی بڑی ہمو سماج میں بدنامی ہوتی ہے۔

آنند موئی بولیں: "لوگ تو کہہ رہے ہیں اس بات کا فیصلہ ہو گیا ہے کہ تم لولتا کے ساتھ شادی کروگے۔ اس میں بدنامی کی کونسی بات ہے؟"

نبوتے بولا۔ اگر شادی کرنا ممکن ہوتا تب تو بدنامی کی بات کی کوئی وجہ ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن جس بات کا ہونا ہی مشکل ہے اس کے بارے میں جھڑپیں اکھاڑ دینا کتنی بری حرکت ہے۔؟ خاص طور پر لولتا کے بارے میں تو یہ سب کہنا بہت ہی کمینگی ہے۔

"اگر تمہارے اندر ذرا بھی مردانگی کا احساس ہے تو تم اُسے ایسی ایسی افواہوں سے بالکل بچا سکتے ہو۔"

نبوتے نے حیران ہو کر پوچھا ——— "وہ کیسے؟"

"وہ کیسے؟ آنند موئی چلا کر بولیں: "اس سے شادی کر کے۔

"ہاں یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔؟ اپنے نبوتے کو تم کیا سمجھتی ہو۔ یہ مجھے نہیں معلوم کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میرے "ہاں" کہہ دینے سے ہی سب کے منہ بند ہو جائیں گے؟ کیا وہ سب لوگ میری ہی طرف دیکھ رہے ہیں؟"

آنند موئی نے کہا ——— "میں اتنی زیادہ بحث کی ضرورت بھی نہیں سمجھتی جو کچھ تمہارے اختیار میں ہے وہ اگر کر ڈالو تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم یقیناً یہ اعلان کر سکتے ہو کہ تم لولتا کے ساتھ شادی کرنے کے لئے تیار ہو۔

نبوتے نے کہا۔ ایسی احمقانہ تجویز سے کیا لولتا کی بے عزتی نہیں ہوگی۔

"تم اسے احمقانہ کیوں سمجھتے ہو؟" آنند موئی نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔

جب تم دونوں کی شادی کی خبر پھیل ہی چکی ہے تو پھر شادی کر لینا بالکل مناسب ہوگا میری خواہش ہے اس معاملے میں تم بالکل کوئی جھجک نہ دکھاؤ۔

بنوئے نے کہا لیکن ماں ہمیں گورا کا بھی تو خیال کرنا پڑے گا۔ نہیں میرے بچے، اس معاملے میں گورا کے مشورے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں وہ بہت ناراض ہوگا۔ اور میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ وہ تم سے ناراض ہو جائے۔ لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں! اگر تمھارے دل میں لولتا کے لئے ذرا سی بھی عزت ہے تو اُسے زندگی بھر کی بدنامی سے بچا لینے کے لئے یہ قدم تمھیں اُٹھانا ہی پڑے گا۔

لیکن یہ کر کے دکھا لینے سے صرف کہہ دینا ہی بہت آسان تھا۔ جب سے گورا جیل گیا تھا اس کے لئے بنوئے کے دل میں محبت دوگنی ہو گئی تھی۔ وہ اسے اتنا بڑا صدمہ کیونکر پہنچا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ مذہب کی پابندی بھی درمیان میں حائل تھی۔ دل ہی دل میں سماج کے خلاف بغاوت کر لینا بہت ہی آسان ہوتا ہے لیکن جب واقعی سر پر آ پڑتی ہے شاذونادر ہی کوئی ثابت قدم رہ سکتا ہے۔

بنوئے نے کہا: "ماں میں تمھیں جسقدر سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں اتنی ہی میری حیرت بڑھ جاتی ہے۔ تمھارا دل اتنا صاف کیوں ہے۔ لگتا ہے تمھیں پاؤں سے نہیں چلنا پڑتا ہے۔ بھگوان نے جیسے تمھیں اُڑنے کے لئے پنکھ دے دئے ہیں اپنے سامنے کی کسی رکاوٹ کی بھی تو پرواہ نہیں کرتیں۔؟"

آنندموئی ہنس کر بولی۔ بھگوان نے میرے راستے میں کبھی رکاوٹ نہیں ڈالی وہ میرا راستہ ایک دم صاف رکھتا ہے۔

لیکن ماں میں جو کچھ زبان سے کہتا ہوں میرا دل اس کا ساتھ نہیں دیتا۔ اپنی تمام تر تعلیم، ذہانت، اور بحث کر لینے کی قابلیت کے باوجود مجھے ایسا لگتا ہے میں بالکل بیوقوف ہوں۔

اُدھر سے موہم اندر آگیا۔ اور اس نے بنوئے کے ساتھ لونا کے بارے میں کچھ ایسے غیر مہذب طریقہ پر گفتگو کی جس سے بنوئے کا دل بہت زیادہ دُکھا۔ لیکن وہ چپ چاپ بیٹھا رہا۔ موہم ان دونوں کو بہت ہی بیہودہ طریقے سے ڈانٹ ڈپٹ کرکے وہاں سے چلا گیا۔ اس نے انھیں یہ بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی کہ پاریش بابو کے گھر میں بنوئے کو بالکل تباہ و برباد کر دینے کی سازش کی گئی ہے اور بنوئے اُن کے جال میں پھنس کر بالکل بیوقوف بن چکا ہے۔ وہ گورا کو اس طرح دھوکا دیتے تو میں دیکھتا۔ وہ ان کے قابو میں آنے والے نہیں۔

ہر طرف سے پھٹکار پڑتی دیکھ کر بنوئے بہت ہی مایوس ہو کر بیٹھ گیا تھا کہ آنند موئی نے یہ کہہ کر اُسے چونکا دیا۔ بنوئے جانتے ہو تمھیں اس وقت کیا کرنا چاہیے۔ تمھیں پاریش بابو سے ملنا چاہیے۔ ایک بار ان کے ساتھ بات کرکے سب معاملہ صاف کرالو۔

———∗∗∗———

چوالیسواں باب

آنند موئی کو اچانک آتا ہوا دیکھ کر سچاریتا حیران ہو کر بولی ـــــ کتنی عجیب بات ہے۔ میں بھی آپ کے ہاں ہی آ رہی تھی۔!

"آنند موئی ہنس کر بولی:" مجھے کیا معلوم، تم بھی آنے کے لئے تیار ہو رہی تھیں۔ لیکن میں جانتی ہوں تم کس کام کے لئے آ رہی تھیں۔ میں بھی اسی کام کیلئے آئی ہوں۔ کیونکہ جب سے میں نے وہ بات سنی ہے میں خود کو روک نہیں سکی۔ فوراً آنے کے لئے مجبور ہو گئی:

آنند موئی کو اطلاع ہو جانے کی بات سن کر سچاریتا حیران ہو گئی۔ اس نے آنند موئی کی بات بڑے دھیان سے سنی وہ کہہ رہی تھی۔

بیٹی بنوئے کو میں نے ہمیشہ اپنا بچہ ہی سمجھا ہے۔ جب اس کی زبانی تم سب لوگوں کی تعریف سنی تو سچ مانو میں نے خوش ہو کر تم سب کو دل ہی دل میں بہت سا آشیرباد دیا۔ اس لئے اب تمہاری مصیبت کی خبر سن کر میں آرام سے کیونکر بیٹھی رہ سکتی تھی! نہیں کہہ سکتی میں تم لوگوں کی کوئی مدد کر سکتی ہوں یا نہیں، لیکن میں اتنی گھبرا گئی کہ یہاں تک مجھے بھاگتے ہوئے آنا پڑا۔ بیٹا تم لوگوں کی مصیبت کیا بنوئے کی وجہ سے ہے؟"

سچاریتا نے حیران ہو کر کہا۔ ہرگز نہیں۔ جو کچھ ہوا ہے اس کے لئے لولتا ذمہ دار ہے۔ بنوئے کو کیا معلوم تھا کہ لولتا کسی کو کچھ بتائے بغیر اچانک اسٹیمر پر پہونچ جائے گی اور لوگ تو خواہ مخواہ کی اڑاتے پھرتے ہیں کہ دونوں نے وہاں ملنے کے لئے پہلے سے سوچ رکھا تھا۔

ادھر ولتا ایسے تیز مزاج کی لڑکی ہے کہ وہ نہ تو افواہ کی تردید کرے گی اور نہ ہی اصل واقعہ کسی سے بتائے گی۔

"لیکن اس کا اب تو کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ جب سے نبوتے کو معلوم ہوا ہے وہ یک لمحے کے لئے بھی آرام سے نہیں بیٹھ سکا ہے۔ بلکہ وہ تو سارا الزام اپنے ہی سر پر لے رہا ہے۔"

سچاریتا نے سر جھکا کر پوچھا۔ "کیا آپ سمجھتی ہیں کہ نبوتے بابو ــــــ"

سچاریتا کو یک ذہنی کشمکش میں مبتلا دیکھ کر آنند موئی نے کہا۔ "دیکھو بیٹا میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ ولتا کی بھلائی کے لئے نبوتے کو جو کچھ بھی کرنے کے لئے کہا جائے گا، وہ اسے ضرور پورا کرے گا۔ میں اُسے بچپن سے جانتی ہوں۔ اور یہ بھی دیکھا ہے کہ وہ جس کا ہوجاتا ہے اس پر اپنا سب کچھ نچھاور کر دیتا ہے۔ اسی لئے میں اس بارے میں ڈرتی بھی رہی ہوں۔ کہ اس کا دل کسی ایسی جگہ کا ہو کر نہ رہ جائے کہ جہاں سے اُسے پھر واپس لایا ہی نہ جاسکے۔

اپنے دل پر پڑے ہوئے بوجھ کو سرکتا ہوا محسوس کر کے سچاریتا نے کہا "ولتا کی رضامندی کے لئے تو آپ کو کوئی فکر کرنی ہی نہ چاہیئے۔ میں اُس کے دل کی حالت اچھی طرح جانتی ہوں۔ لیکن کیا نبوتے اپنا مذہب چھوڑنے پر تیار ہوگا۔

"بیشک اگر ضرورت پڑی تو۔ لیکن تم ابھی سے مذہب چھڑانے کی بات کیوں کرتی ہو؟ کیا اس کی کوئی ضرورت ہے؟"

"کیوں نہیں ماں! کیا وہ ہندو رہ کر بھی ایک برہمو لڑکی سے شادی کر سکتا ہے؟

اگر وہ ایسا ہی کرنا چاہے تو تم لوگوں کو کیا کوئی اعتراض ہوگا؟ آنند موئی نے پوچھا۔

سچاریتا حیرانی سے بولی۔ میری سمجھ میں تو یہ بات نہیں آئی کہ ایسا کیسے ہو پائیگا۔

آنند نے اُسے سمجھایا: بیٹا یہ تو دُنیا کی سب سے آسان بات ہے دیکھو تو ـــــ میں اپنے گھر میں ایسے رسم و رواج پورے نہیں کر سکتی جو گھر کے باقی لوگ نبھاتے ہیں۔ اسی لئے بہت سے لوگ مجھے عیسائی کہتے ہیں۔ خاص خاص رسومات کی ادائیگی کے موقع پر تو میں خود گھر سے بالکل الگ ہو جاتی ہوں۔ تم مسکرا رہی ہو بیٹی۔ لیکن جانتی ہو۔ میرے کمرے سے گورا کبھی پانی لینا پسند نہیں کرے گا۔ لیکن صرف اسی وجہ سے میں یہ تو نہیں کہہ سکتی کہ میرا گھر اپنا گھر نہیں ہے، یا ہندو سماج میرا سماج نہیں ہے! میں ذاتی طور سے ایسا کبھی نہیں کر سکتی۔ میں اسی سماج اور اسی گھر میں رہتی رہوں گی چاہے مجھے کچھ ہی کیوں نہ کیا جائے! یہ بات میرے لئے کوئی بہت بڑی رکاوٹ نہیں ہے۔ اگر رکاوٹیں ناقابلِ عبور بن جائیں گی تب تو میں بھگوان کی رہنمائی چاہوں گی۔

"لیکن ـــــ آپ کو معلوم ہے برہمو سماجی یہ چاہتے ہیں کہ اگر بنوتے بابو۔

آنندموئی نے کہا ـــــ اس کا مذہب بھی تو وہی ہے۔ برہمو سماج کا مذہب کوئی دُنیا کا نرالا مذہب نہیں ہے۔ تمہارے رسالوں میں جو مضامین چھپتے رہتے ہیں، بنوتے انھیں پڑھ کر مجھے سُنایا کرتا ہے۔ مجھے تو ان میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا۔

اسی وقت لولتا سچاریتا کو ڈھونڈتی ہوئی اُوپر کمرے میں آگئی۔ وہاں آنندموئی کو دیکھ کر قدرے شرما گئی۔ کیونکہ اس نے سچاریتا کے چہرے سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اسی کی باتیں کر رہی تھیں۔ وہ چاہتی تھی وہاں سے کھسک جائے لیکن جلدی چلے جانے کے لئے کوئی بہانہ نہیں مل سکتا تھا۔

"آؤ لولتا ـــــ آؤ بیٹھو بیٹا" آنندموئی نے اُسے ہاتھ سے پکڑ لیا اور اپنے پاس یوں بٹھا لیا جیسے لولتا خاص طور پر اُن کی اپنی ملکیت ہو۔

آنندموئی نے اپنی بات کا سلسلہ پھر سے شروع کرتے ہوئے سچاریتا

سے کہا ــــــ "دیکھو بیٹا، بھلے کے ساتھ بُرے کا ملنا ہی مشکل ہوتا ہے مگر پھر بھی تو دُنیا میں انھیں ساتھ ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔ یہی نہیں دُکھ سُکھ میں بھی وہ ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ جب یہ ممکن ہو سکتا ہے پھر جہاں صرف خیالات کا تھوڑا سا فرق ہو وہاں اس تھوڑے سے فرق کی وجہ سے وہ دو انسان جن کے دل آپس میں مِل چکے ہوں کیوں نہیں مل سکتے؟ انسان کا حقیقی ملاپ قیامت پر ہی مبنی ہوتا ہے؟"

سچاریتا اس کے سامنے سر جھکاتے بیٹھی رہی۔ اور آنند موئی کہتی رہی۔ کیا تمھارا برہمو سماج ایسے دو انسانوں کو آپس میں نہیں ملنے دے گا۔ جنھیں ایشور نے اندر سے ایک کر دیا ہو۔ کیا تمھارا سماج انھیں باہر سے الگ رکھ سکے گا۔ کیا دُنیا میں ،دو کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جو ایسی ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر کے صرف اصلی باتوں کو ہی اہمیت دیتا ہو۔ تمام انسانوں کو پھر تو بھگوان کے ساتھ لڑنا چاہیے، نہ کہ آپس میں۔ کیا اسی لئے سماج نام کی چیز بنائی جاتی ہے؟"

اس موضوع پر آنند موئی جس جوش کے ساتھ بول رہی تھی وہ صرف لولتا اور بنوئے کے درمیان شادی کی رکاوٹ دُور کرنے کے لئے نہیں تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ سچاریتا یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ اگر وہ اس قسم کے مسائل میں اُلجھی رہی تو پھر تو کام کسی طور سے بھی نہیں چل سکے گا۔ بنوئے کے برہمو ہونے پر ہی اس کا بیاہ لولتا کے ساتھ ہو سکے گا۔ اگر اس بات پر زور دیا گیا تو آنند موئی نے پچھلے کچھ دنوں سے جو اُمید لگائی تھی وہ بھی مٹی میں مل جائے گی۔

آج بنوئے نے آنند موئی سے یہ سوال کیا تھا "ماں کیا مجھے برہمو سماج میں نام لکھانا ہی پڑے گا۔ اور کیا مجھے ان کے عقائد کو بھی قبول کرنا ہو گا۔ تو اس وقت آنند موئی نے اُسے جواب دیا تھا ــــــ "نہیں تو" اس کی تو میں کوئی ضرورت نہیں سمجھتی۔

پھر جب سنوتے نے پوچھا ـــــ اگر وہ لوگ بضد ہوں' دباؤ ڈالیں ؟

آنند موئی نے کچھ دیر چپ رہ کر کہا تھا۔ یہ دباؤ ڈالا جا سکتا۔ دباؤ چلیگا نہیں۔

آنند موئی کے ان دلائل کے ساتھ سچاریتا متفق نہیں ہو سکی۔ چونکہ سچاریتا نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس لئے آنند موئی کو محسوس ہوا جیسے اُس کا دل ان کی باتوں کو قبول نہیں کر رہا ہے وہ سوچنے لگیں "اس گورا کی محبت کی وجہ سے ہی تو میرا دل سماج کے بندھنوں کو توڑنے کے لئے تیار ہو سکا تھا۔ کیا سچاریتا گورا کو نہیں چاہتی۔؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ چھوٹی سی بات اس کے لئے اتنی بڑی نہ ہو اٹھتی۔

آنند موئی کا دل کچھ اداس ہو گیا۔ گورا کے جیل سے چھوٹنے میں دو تین دن ہی باقی رہ گئے تھے۔ وہ اپنے دل میں سوچ رہی تھی، جیسے اس کی خوشیوں کیلئے ایک میدان ہموار ہے۔ اب تو گورا کو بندھن میں باندھنا ہی پڑے گا۔ لیکن اُسے باندھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ہندو سماج کی کسی لڑکی کے ساتھ گورا کی شادی کرنا اس کے ساتھ انصافی کرنا ہوگی۔ اس لئے انھوں نے کئی شادی کے قابل لڑکیوں کے والدین کی گورا کے ساتھ شادی کی درخواستیں ٹھکرا دی تھیں۔ گورا کہتا تھا "میں شادی نہیں کروں گا۔" آنند موئی اُس کی اس بات کی بھی مخالفت نہیں کرتی تھی۔ یہ دیکھ کر لوگ حیران ہوتے تھے۔ لیکن انھیں دنوں گورا کو ایک طرف جھکا ہوا دیکھ کر اس کا دل خوشی سے بھر گیا تھا۔ اس لئے سچاریتا کی خاموش مخالفت سے اُن کے دل کو بڑی ٹھیس لگی۔ لیکن وہ آسانی سے ہارنے والی عورت نہیں تھی۔ انھوں نے دل ہی دل میں کہا "سب دیکھا جائے گا۔"

ــــــــ

پچپنواں باب

پاریش بابو بولے ـــــ نبوئے میں نہیں چاہتا کہ تم ایک مصیبت سے لولتا کو نکالنے کے لیے جلد بازی کا کام کر بیٹھو۔ آج جو قسم قسم کی افواہیں پھیل رہی ہیں۔ دو دن بعد کسی کو ان کی یاد بھی نہیں رہے گی۔

لولتا کے تئیں اپنے فرض کو پورا کرنے کی خاطر ہی نبوئے بالکل تیار ہو کر آیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سماج میں اس شادی کی مخالفت ضرور ہوگی۔ اس سے بھی زیادہ اسے گورا کی مخالفت کا خدشہ تھا۔ پھر بھی فرض کا خیال کر کے اس نے اپنے دل سے باقی سب ناخوشگوار باتوں کو نکال دیا تھا۔ اس حالت میں جب پاریش بابو نے اس کے محض فرض کے احساس تک سے متاثر ہونا پسند نہیں کیا۔ تو نبوئے بھی پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہوا۔ وہ بولا۔

"میں آپ کی شفقتوں کا احسان تو کبھی اتار نہیں سکوں گا۔ لیکن میری وجہ سے آپ کو ذرا سی بھی پریشانی اٹھانی پڑے یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔"

"تم میری بات کا مطلب ٹھیک طرح سے نہیں سمجھے نبوئے۔" پاریش بابو نے کہا ـــــ "سنو۔ میں یہ دیکھ کر بے حد خوش ہوں کہ تمہارے دل میں میرے لئے بڑی عزت موجود ہے۔ مگر محض اس عزت ہی کی وجہ سے تم میری بیٹی سے شادی کرنا اپنا فرض سمجھتے ہو تو یہ میری بیٹی کے لئے کچھ زیادہ فخر کی بات نہیں ہوگی۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ کوئی ایسی بھاری حقیقت نہیں ہے جس کی خاطر تم کوئی قربانی پیش کرو۔

اس طرح فرض کے بوجھ سے تو نبوتے کو چھٹکارا مل گیا۔ لیکن اس کا دل برابر یہی
کہہ رہا تھا: "تم لوٹنا چاہو تو پہلے ہی لوٹ جاؤ۔ میں تو یہیں رہنا چاہتا ہوں"
پاریش بابو نے جب اُسے دل کی کوئی بات نہ چھپانے دی تو نبوتے بولا۔
"آپ یہ نہ سمجھئے کہ میں کسی فرض کے احساس سے ہی اس مشکل کام کو اپنے سر پر لے رہا
ہوں۔ اگر آپ کی رضامندی ہو تو میرے لئے اس سے بڑی خوش نصیبی اور کیا ہوگی مجھے
اگر سچ مچ کسی بات کا خدشہ ہے تو وہ صرف اس بات کا ہے کہ بعد میں کیا ——"
پاریش بابو فوراً بلا جھجک بول اُٹھے۔ "تمھیں جس بات کا خدشہ ہے اسکی کوئی
بنیاد ہی نہیں ہے اور چونکہ وہ سچائی کو پسند کرتے تھے اس لئے اس بات کا اعتراف
بھی کرلیا۔ مجھے سچاریتا سے معلوم ہوا ہے کہ لوتا تمھیں ناپسند نہیں کرتی"
نبوتے کے دل میں مسرت کی بجلیاں چمک اٹھیں۔ لولتا کے دل کی ایک گہری
بات جو سچاریتا کے منھ سے نکلی تھی وہ کب سُنی گئی۔؟ کیسے کہی گئی۔ اس خیال سے ہی
اس کا دل خوشی سے جھوم جھوم اٹھا کہ وہ دو سہیلیوں کے بیچ بات چیت کا موضوع
بنا تھا۔ اُس نے فوراً کہا۔
"اگر آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں تو میرے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات
اور کیا ہو سکتی ہے؟"
پاریش بابو نے کہا۔ ذرا رکو، میں اوپر سے ہو آؤں"
نھوں نے جاکر بردوا دیوی سے اس کی رائے لی تو وہ بولیں۔ ہاں مگر نبوتے
کو برہمو سماج دھرم قبول ہی کرنا پڑے گا۔
س نے رک رک کر کہا۔ میرے دل میں برہمو سماج کی بڑی عقیدت ہے۔ آج
تک میں نے کوئی ایسا کام بھی نہیں کیا جو اس کے اصولوں کے خلاف جاتا ہو۔ لیکن کیا یہ
بھی ضروری ہے کہ میں اس دھرم کو باقاعدہ قبول بھی کروں؟" بردوا دیوی نے کہا۔ "اگر

تمھیں دونوں کے عقیدوں میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا تو پھر ہمارے دھرم کو قبول کرنے میں تمھیں ہچکچاہٹ کیوں ہوتی ہے؟"

نبوئے بولا: "یہ کہنا تمھارے لئے ناممکن ہے کہ ہندو مذہب میرے نزدیک کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔

پھر تو تمھارے لئے یہ سوال اٹھانا ہی بالکل غلط ہے۔ تب کیا تم نے ہم لوگوں پر رحم کھا کر ہماری لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کیلئے رضامندی دکھائی ہے۔

نبوئے کو یہ بات بہت بُری لگی۔ اس نے دیکھا کہ اصل میں ان لوگوں کیلئے اس کی تجویز بہت ہی توہین آمیز بن گئی ہے۔

سول میرج کا قانون پاس ہوئے تک بھگ ایک سال ہو چکا تھا۔ اس وقت گورا اور نبوئے دونوں نے اس قانون کی مخالفت میں اخبارات میں سخت تنقیدی مضامین لکھے تھے۔ آج اسی سول میرج کو منظور کر کے نبوئے خود کو ہندو نہ ماننے یہ بہت مشکل بات تھی۔

وہ ہندو رہ کر لولتا سے شادی کرے۔ اس بات کو قبول کرنے کی امید پاریش بابو سے نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس لئے وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں کو نمسکار کر کے معذرت چاہتا ہوا بولا: "آپ مجھے معاف کر دیجئے گا۔ اس بات کو اور آگے بڑھا کر میں گنہگار نہیں بننا چاہتا۔ اتنا کہہ کر وہ وہاں سے چلا آیا۔

جب وہ سیڑھیوں سے نیچے اُتر رہا تھا اس کی نگاہ لولتا پر پڑ گئی۔ وہ بیٹھک کے کونے میں ایک چھوٹے سے ڈیسک کے آگے اکیلی بیٹھی تھی۔ کوئی خط لکھنے میں مصروف تھی۔ نبوئے کے پیروں کی آہٹ سن کر اس نے آنکھیں اٹھائیں اور نبوئے کے چہرے کی طرف دیکھا۔ نظریں ملتے ہی نبوئے کا دل جھوم گیا۔ دونوں کی جان پہچان نئی نہیں تھی۔ لولتا نے اس کی صورت کو پہلے بھی کئی بار دیکھا تھا۔ لیکن آج

اس کی نگاہوں میں کچھ اور ہی راز چھپا ہوا تھا۔ لوتا کے دل کا وہ راز آج ہی سچارتیا کو معلوم ہوا تھا اور وہ آج ہی بنوتے کو لوتا کی بے چین آنکھوں میں گھرے ہوئے بادلوں کی صورت میں دکھائی دے گیا۔ نظریں ٹکرانے سے بنوتے کے دل پر پھر یک چوٹ پڑی۔ ایک لفظ کہے بغیر اس نے لوتا کو نمسکار کیا اور پھر نیچے اتر آیا۔

―――――

چھپنواں باب

جب گورا جیل سے رہا ہوا تو پاریش بابو اور بنوئے اُسے لینے کیلئے پھاٹک پر موجود تھے۔ ایک مہینہ کا عرصہ زیادہ نہیں ہوتا جب وہ پد یاترا کیا کرتا تھا تو کبھی کبھی اپنے دوستوں اور رشتے داروں سے ملے اس سے بھی زیادہ وقت گذر جاتا تھا لیکن ایک مہینے کی قید کے بعد جب وہ جیل سے نکلا اور بنوئے اور پاریش بابو کو دیکھا تو اُس نے یوں محسوس کیا، جیسے اپنے دوستوں کی جانی پہچانی دُنیا میں وہ پھر سے پیدا ہوا ہو۔ صبح کی روشنی میں جب اس نے پاریش بابو کے پرسکون چہرے پر محبّت کی جھلک دیکھی تو وہ اُن کے چرنوں کی دُھول لینے کے لئے جس خوشی اور عقیدت سے جھکا وہ اس نے پہلے کبھی نہیں دکھائی تھی۔ پاریش بابو نے دونوں دوستوں کو گلے سے لگا لیا! پھر گورا بنوئے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولا۔

"بنوئے ہم بچپن سے اکٹھے ہی تعلیم حاصل کرتے چلے آئے ہیں لیکن اب کے میں تمہیں ان کے اسکول میں اکیلا ہی چھوڑ آیا تھا۔"

یہ سُن کر بنوئے نہ تو ہنسا نہ ہی کوئی جواب دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دوست جیل کی نامعلوم سختیاں جھیل کر اس کے دل میں دوستی کی قدر بڑھ گئی ہے۔ وہ برابر چُپ رہا۔ یہاں تک کہ گورا نے پوچھا "ماں کا کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہے" بنوئے نے جواب دیا

پاریش بابو نے کہا، چلیے گاڑی آپ کے انتظار میں موجود ہے۔ جب وہ گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے اسی وقت اکبناش کچھ طلباء کے ساتھ وہاں بھاگتا

اور ہانپتا ہوا آپہنچا اُسے دیکھ کر گورا نے جلدی سے گاڑی میں جا کر بیٹھنے کی کوشش کی لیکن ابھناش جلدی سے اس کے سامنے کھڑا ہو گیا اور درخواست کی کہ وہ ایک لمحہ کے لئے رُک جائے۔ جب وہ ایسی درخواست کر رہا تھا تو طلبا اُونچی آواز میں یہ گیت گا رہے تھے۔

"مُصیبتوں کی سیاہ رات کے بعد سویرا ہو گیا ہے"
غلامی کی زنجیریں ٹوٹ کر بکھر گئی ہیں۔
سویرا ہو گیا ہے۔

اور گورا چلا کر بولا خاموش رہو۔ اس کا چہرہ گہرا سُرخ ہو گیا۔ لڑکے فوراً خاموش ہو گئے۔ اس کی طرف حیران ہو کر دیکھنے لگے وہ ابھناش سے کہنے لگا۔ یہ سب کیا ہے۔ کوئی جواب دینے کے بجائے ابھناش نے اوڑھی ہوئی چادر کے نیچے سے پتوں میں لپٹا ہوا، ایک موٹا ہار نکالا۔ اسی وقت ایک نوجوان لڑکے نے اپنی اُونچی آواز سے ایک ایڈرس پڑھا۔ اس کے پڑھنے کا انداز جماعت میں رٹا ہوا سا تھا یہ ایڈریس جلی حروف میں چھپوایا گیا تھا۔ اور اس کا موضوع گورا کی جیل سے رہائی تھی۔

گورا نے ابھناش کے پیش کئے ہوئے ہار کو غصّے میں آکر قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر یہ سوانگ کیوں رچا گیا ہے۔ کیا تم مہینہ بھر سے تیاریاں کرتے رہے ہو کہ سڑک کے کنارے مجھے اس طرح ہار پہناؤ گے؟

ابھناش واقعی اس کی تیاری ایک عرصہ سے کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس بات کا بہت گہرا اثر پڑے گا۔ البتّہ اس نے بنوئے کو اپنے ساتھ شامل نہیں کیا تھا کیونکہ وہ خود شہرت کا بہت ہی بھوکا تھا اور اس طرح کے کارنامے کے بعد شہرت حاصل ہو جانا بہت آسان ہوگا۔ اس زمانے میں ایسے ہنگامے عام نہیں تھے۔ ابھناش نے تو کلکتے کے اخباروں میں شائع کرانے کے لئے اپنے اس ہنگامے کا پہلے سے

آنکھوں دیکھا حال بھی لکھ لیا تھا جس میں صرف دو ایک تفصیلات اور بھرنی باقی تھیں۔

ابھناش نے گورا کے رویّہ کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ آپ کا اس درجے سے کہنا بہت زیادتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک آپ جیل کے اندر پڑے سختیاں برداشت کرتے رہے ہیں، ہم بھی اسی آگ میں جلتے درد سے بلبلاتے رہے اور اس طرح آپ کی تکلیفوں میں برابر شریک رہے ہیں۔

گورا نے کہا۔ تم جھوٹ بولتے ہو ابھناش۔ اگر غور سے دیکھو تو وہ آگ ابھی تک بھڑکی ہی نہیں ہے۔ نہ ہی تم کو کوئی ایسی خاص تکلیف ہی پہونچی ہے۔

ابھناش نے ہار نہیں مانی اور اپنی بات پر اڑا رہا۔ حکومت نے آپ کو بے عزت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن آج ہم آپ کو بھارت ماتا کا ایک نمائندہ سمجھ کر آپ کی خدمت میں یہ ہار ــــــ

"یہ ایک بھدّا مذاق ہے" کہہ کر گورا نے ابھناش اور اس کے ساتھیوں کو ایک طرف دھکیل دیا۔ اور پاریش بابو سے بولا۔ چلئے بیٹھئے گاڑی میں۔ جب پاریش بابو سیٹ پر بیٹھے تو انھوں نے اطمینان کی سانس لی۔ ان کے پیچھے پیچھے گورا اور بنوئے بھی فوراً ہی بیٹھ گئے۔

اسٹیمر سے سفر کرکے گورا دوسرے دن صبح کلکتہ پہنچا۔ اس کے گھر کے سامنے بہت سارے لوگ اُسے مبارکباد دینے کے لئے جمع ہو چکے تھے۔ اُن لوگوں سے کسی طرح چھٹکارا پا کر وہ اپنی ماں آنند موئی سے ملنے کے لئے اندر پہونچا۔ وہ صبح صبح ہی نہا دھو کر اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ جب گورا نے اندر جا کر اُن کے قدم لئے تو آنسو جو آج تک رُکے رہے اُن کو وہ روک نہ سکیں۔

جب کرشن دیال گنگا میں اشنان کرکے واپس آ گئے تو گورا اُن سے ملنے کے لئے بھی گیا۔ ذرا فاصلے سے انھیں پرنام کیا لیکن اُن کے پاؤں نہیں چھوئے۔ کرشن دیال

بھی ذرا فاصلے پر بیٹھے تو گورا نے کہا۔ پتاجی میں پرائچت کرنا چاہتا ہوں۔

لیکن اس کی ضرورت کیا ہے؟ کرشن دیال نے جواب دیا۔

گورا بولا: جیل میں مجھے کوئی سختی نہیں جھیلنی پڑی، سوائے اس بات کے کہ میں وہاں خود کو پاک و صاف نہیں رکھ سکا۔ اس لئے میرا ضمیر مجھے اب بھی ملامت کرتا ہے۔ اس لئے مجھے پرائچت کرنا چاہیے۔

کرشن دیال خوف زدہ ہو کر بول اُٹھے نہیں نہیں۔ بات کو اتنا بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہیں ایسا قدم اٹھانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

گورا نے کہا اچھی بات ہے۔ اس معاملے میں پنڈتوں سے مشورہ کروں گا۔ تمہیں کسی پنڈت سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کرشن دیال نے اعتراض کیا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں اس کام کے لئے تمہیں کوئی پرائچت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

گورا آج تک یہ بات نہیں سمجھ سکا تھا کہ کرشن دیال جو پاک صاف رکھنے والی مذہبی رسومات کے اتنے زیادہ پابند تھے۔ گورا پر ایسا بندھن یا قانون عائد نہیں کرتے تھے۔ اگر گورا ذرا بقصد ہوتا تو وہ نہ صرف اُسے نامنظور کر دیتے بلکہ اس کی سختی سے مخالفت بھی کرتے۔

آنند موئی نے آج کھانے پر بنوئے اور گورا کے آسن پاس پاس رکھے تھے۔ لیکن گورا نے کہا۔ ماں بنوئے کا آسن ذرا دُور کر دو۔

آنند موئی حیران ہو کر بولی "کیوں؟ بنوئے میں کیا خرابی ہے؟"

"خرابی بنوئے میں نہیں مجھ میں ہے" میں پوتر نہیں ہوں۔"

"کوئی حرج نہیں، بنوئے ایسی باتوں کی پرواہ کرنے والوں میں نہیں ہے۔"

گورا نے کہا بنوئے چاہے نہ کرے، میں تو کروں گا۔"

کھانا ختم کر کے جب دونوں دوست اوپر کے سنسان کمرے میں پہونچے تو

دونوں کو کوئی بات نہیں سُوجھ رہی تھی۔ بنوئے کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ گورا سے اس معاملے پر کسی طرح گفتگو شروع کرے جو پچھلے مہینے سے اس کے ذہن پر چھایا ہوا تھا۔ پاریش بابو کے گھر کے بارے میں گورا کے دل میں بھی کچھ سوال اٹھے تھے۔ لیکن اس نے کچھ نہیں پُوچھا۔ چاہتا تھا کہ بنوئے ہی سب کچھ بتلائے۔ پاریش بابو سے اس نے اُن کی لڑکیوں کی خیریت کبھی پوچھی تھی لیکن وہ بھی صرف رسمی طور پر۔ وہ اس اطلاع سے کہیں زیادہ کہ وہ ٹھیک ہے۔ ان کے بارے میں ایک ایک بات جاننے کا خواہش مند تھا۔

اسی وقت موہم دادا آپہنچے۔ سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے وہ آتے۔ جب اُن کے حواس ذرا ٹھیک ہوئے تو بولے "بنوئے۔ بنوئے ——— ہم لوگوں کو گورا کا ہی انتظار تھا نا؟ اب چونکہ وہ آگیا ہے۔ اس لئے زیادہ دیر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ فوراً مہورت طے کرنا چاہیئے۔ گورا تمھارا کیا خیال ہے۔ تمھاری سمجھ میں کچھ آیا۔ میں کیا کہہ رہا ہوں"۔

گورا صرف ہنس پڑا۔ موہم دادا نے اپنی بات جاری رکھی۔ تم ہنس رہے ہو۔ کیوں؟ تم سمجھتے ہو۔ تمھارا ابھی تک کوئی جواب نہیں ملا۔ لیکن ایک ایک بات سُن لو بیٹی خراب نہیں ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں وہ ایک اہم فرض ہوتی ہے جسے آپ آسانی سے ٹھلا نہیں سکتے۔ اب ہنسنا بند کرو گورا تاکہ اس معاملے کو پوری طرح طے کر لینا چاہیئے۔

"جس پر ساری بات کا دارومدار ہے وہ آدمی تو موجود ہی ہے۔ گورا بولا۔ کیا بات کرتے ہو" موہم چلایا۔ جو شخص خود ڈانواڈول رہتا ہے وہ کسی معاملے کو طے کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ یہ ذمّہ داری تو اب تمہیں اٹھانی پڑے گی۔

آج بنوئے نے بالکل خاموشی اختیار کرلی تھی۔ اس کی ہنسی اُڑائی جا رہی تھی۔

لیکن وہ کچھ نہیں بولا۔ یہ دیکھ کر کہ معاملے کے بیچ میں کوئی رُکاوٹ موجود ہے۔
گورا بولا "میں شادی کے لئے دعوت نامے جاری کرنے، مٹھائیاں تیار کروانے کی ذمّہ داری لے سکتا ہوں۔ شادی کے بعد کی دعوت کی ذمّہ داری لینے کو تیار ہوں لیکن بنوئے کو آپ کی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کے لئے راضی کرنے کی ذمّہ داری مجھ سے نہیں اٹھائی جائے گی۔" میں محبت کرنے والوں سے بہت دُور بھاگتا ہوں۔

موہم دادا کہنے لگے۔ اپنے دماغ سے یہ بات بالکل نکال دو کہ چونکہ تم اس سے دُور رہتے ہو۔ اس لیئے وہ تمھیں معاف بھی کر دے گا۔ یہ بات بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ تمھارے پاس کسی بھی وقت پہونچ سکتا ہے۔ میں نہیں جانتا وہ تم سے کیا کیا کہے گا۔

لیکن جہاں تک بنوئے کا تعلق ہے وہ کافی ہنگامہ کرے گا۔ یہ بھی بتا دوں اگر تم اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں نہیں لوگے تو تمھیں بعد میں بہت سی پریشانی اٹھانی پڑ جائے گی۔

گورا ہنس کر بولا کوئی ذمّہ داری جو دراصل میری ہے ہی نہیں اُسے اگر میں نہ اٹھاؤں اور پریشان ہوں تو اس کے لئے میں تیار ہوں۔ کیونکہ اگر میں نے ذمّہ داری اٹھالی تو پھر اور بھی زیادہ پچھتانا پڑ جائے گا۔ ! میں ایسی مصیبتوں سے بالکل دُور رہنا چاہتا ہوں۔

موہم دادا نے سوال کیا ——— کیا تم کسی برہمن لڑکے کو اپنی عزّت اور ذات پات کو مٹی میں ملاتا ہوا دیکھ کر چُپ چاپ برداشت کر لو گے؟ تم لوگوں کو ایک آدرش ہندو بنانے کے لئے بھوکے رہتے ہو۔ اپنا آرام کھوتے ہو۔ لیکن تمھارا سب سے بڑا جگری دوست اپنے دھرم کی قربانی دے کر ایک برہمو سماجی لڑکی

کے ساتھ شادی کرنے والا ہے۔ جس کی وجہ سے تم لوگوں کو اپنا منھ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔ میں جانتا ہوں نبوتے تم مجھ سے ناراض ہو جاؤ گے لیکن ایسے بے شمار لوگ ہیں جو یہی باتیں تمھارے پیچھے کہتے رہتے ہیں۔ در اصل ایسا کرنے میں ایک دوسرے سے بازی بھی لے جانا چاہتے ہیں۔ میں تو تمھارے منھ پر کہہ رہا ہوں اور یہ ان لوگوں کی بھلائی کے لئے ہے جن کا یہ معاملہ ہے۔ اگر افواہ بالکل غلط ہے تو کہو کہ غلط ہے تاکہ معاملہ جہاں ہے وہیں پر ختم ہو جائے۔

"اگر یہ سچ ہے تو اسے طے ہی کر ڈالو"

موہن دادا کے چلے جانے کے بعد نبوتے نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ گورا نے پوچھا۔"نبوتے یہ سب کیا معاملہ ہے۔

نبوتے بولا صرف ایک یا دو باتیں بتا کر سارا معاملہ سمجھا دینا آسان نہیں ہے۔ اس لئے میں نے سوچا تھا تمھیں دھیرے دھیرے ساری کہانی سنا دوں گا۔ لیکن اس دنیا میں کوئی بات اپنی مرضی کے مطابق نہیں ہوا کرتی۔ یہاں تو واقعات چپ چاپ پرورش پاتے رہتے ہیں۔ جنگل کے جانوروں کی طرح دبے پاؤں اپنے شکار کی تلاش میں گھومتے رہتے ہیں۔ پھر اچانک کوئی شور کئے بغیر وہ اس کی گردن کو دبوچ بیٹھتے ہیں جب بھی اسی طرح اندر ہی اندر پہلے پہل سلگتی رہتی ہیں۔ اس کے بعد اچانک آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اور بجھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ میں کبھی کبھی یہ سوچنے لگتا ہوں انسان کی آزادی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر بات سے بے تعلق سا ہو کر ایک جگہ جم کر رہ جائے۔

اس طرح اگر تم جم کر بیٹھ جاؤ تو پھر یہ آزادی کیسے ہوئی۔؟ گورا ہنسنے لگا۔ اگر باقی دنیا میں گھومنا پھرنا ہی ٹھیک سمجھتے ہو تو تم اسے کیونکر ٹھہرا سکتے ہو۔ اس سے تو بالکل الٹا اثر پڑے گا۔ کیونکہ باقی دنیا تو اپنے کام کاج میں لگی ہوگی۔ اور تم بیکار

رہ کر خود کو دھوکا دیتے رہے ہو گے۔! اس لئے تم خود اس بات کا خاص خیال رکھو کہ تمھارا دھیان اِدھر اُدھر نہ بھٹکنے پائے۔ لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ آگے بڑھ جائیں اور تم ابھی تک تیار بھی نہیں ہوئے ہو۔

"یہ صحیح ہے میں کبھی تیار نہیں ہوتا۔ اِس بار بھی میں بغیر تیاری کے ہی رہا۔ میں نہیں جان سکتا کہ کس طرف سے کونسی مُصیبت نازل ہو سکتی ہے۔ جب مصیبت نازل ہو کر ہی رہے تو پھر انسان کو اس کے لئے ذمہ داری قبول کرنی ہی ہو گی۔ میں کسی الزام سے بھاگنا نہیں چاہتا۔ اس سے تو بہتر ہوتا کہ وہ بات پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔

گورا اصل واقعہ جانے بغیر اس کے بارے میں کچھ کہنا میرے لئے مشکل ہے وجوہ کی بنا پر کہ جنھیں ٹالا نہیں جاسکتا تھا۔ میں لولتا کے ساتھ ایسے حالات میں پھنس گیا کہ اسے سماج کی بدنامی سے بچانے کے لئے اس کے ساتھ شادی کرنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔

گورا نے پوچھا۔ مجھے صاف صاف بتاؤ وہ حالات کیا تھے؟

بنوئے بولا: "یہ تو بہت ہی لمبی کہانی ہے۔ تمھیں تھوڑا تھوڑا کر کے بتاتا رہوں گا۔ فی الحال تم اسی پر اکتفا کرو جو میں نے کہا ہے۔

"اچھا ——— اسی پر اکتفا کر لیتا ہوں۔ لیکن اس سلسلے میں یہ بھی کہوں کہ اگر اس حادثے سے بچنا مشکل ہی تھا تو پھر انجام سے بچنا بھی ایسا ہی ہو سکتا ہے۔ اگر لولتا کو اپنے سماج سے بدنامی لینی ہی پڑتی ہے تو پھر اس میں کوئی کیا کر سکتا ہے۔

بنوئے نے کہا ——— لیکن اس بدنامی کو بچانا میرے اختیار میں ہو گیا ہے۔

"اگر ایسی بات ہے تو یہ بہت اچھی ہے۔ لیکن صرف ضد کرنے سے تو یہ نہیں ہو سکتا۔ جب لوگ ضرورتمند ہوتے ہیں تو ان میں چوری اور قتل کرنے کی طاقت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن ان کا ایسا کرنا حق بجانب تو نہیں کہا جاسکتا نا۔ اگر تم

کہتے ہو للنا کے ساتھ شادی کر کے تم ایک فرض پورا کرو گے. لیکن کیا یہ فرض اتنا اونچا ہے بھی ۔ اپنے دھرم کے لئے تم پر کوئی فرض عائد نہیں ہوتا ۔؟"

اس بات کا جواب دینے کی بجائے کہ وہ ایک برہمو لڑکی کے ساتھ محض ایک فرض کی تکمیل کے لئے شادی کر رہا ہے ۔ اس نے ذرا تیز ہو کر کہا —— معلوم ہوتا ہے اب میرا نظریہ تمھارے نظریے سے نہیں مل سکے گا. میں کسی شخص کی طرف مائل ہو جانے کی وجہ سے اپنے سماج کا مخالف نہیں بن رہا ہوں. میرا کہنا یہ ہے کہ سماج اور انسان کے اوپر بھی ایک دھرم ہے جس کا ہمیں خیال کرنا ہو گا. جس طرح انسان کو بچانا میرا فرض نہیں بنتا ہے ، سی طرح سماج کا خیال کرنا بھی میرا فرض نہیں بن سکتا ۔ مجھے تو صرف اپنے دھرم کی حفاظت کرنی ہے ۔

گورا نے دلیل پیش کی ۔ میں ایسے مذہب کو پسند نہیں کرتا جو فوراً سماج کو کچلتا ہے ، اور ہر چیز سے اپنے کو بلند رکھتا ہو

بنوئے غصے سے بول اٹھا —— لیکن میں پسند کرتا ہوں ۔ مذہب کا انحصار انسان اور سماج کی بنیادوں پر نہیں ہے ۔ بلکہ انسان اور سماج ہی مذہب کا سہارا لیتے ہیں. اگر تم سماج کی کسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کسی بات کو مذہب کا نام دے دو تو اس طرح تو وہ سماج ہی ڈوب جائے گا ۔ اگر سماج دھرم کے کسی ٹھیک کام میں رکاوٹ ڈالتا ہے ۔ تو ہم اس رکاوٹ کو نیست و نابود کر کے سماج کی بہت بڑی خدمت انجام دیتے ہیں ۔ اگر میرا للتا کے ساتھ شادی کرنا غلط نہیں ہے تو مجھے یہ شادی ضرور کر لینی چاہئے ۔ چونکہ سماج اس بات کو پسند نہیں کرتا صرف اس لئے میں خود رک لوں تو یہ ایک بہت بڑا گناہ ہو جائے گا ۔

گورا نے پوچھا ۔ کیا غلط ہے اور کیا صحیح اس کا فیصلہ کرنے کے لئے کیا تم ہی ایک تنہا جج ہو ؟ تم یہ نہیں سوچ سکتے کہ ایسی شادی کر کے تم اپنے بچوں کو کن حالات

کے ساتھ دوچار کردگے۔

بنوسے نے جواب دیا ـــــــ "اگر تم صرف اسی نقطے سے سوچنے لگو گے تب تو تم سماجی ناانصافیوں کو مستقل کردو گے۔ پھر تم ایک غریب کلرک کو اس بات کے لئے کیوں قصوروار ٹھہراتے ہو۔ کہ وہ اپنے یورپین آقا کے ہاتھوں پر ہر قسم کی ذلت برداشت کرتا رہتا ہے۔؟ وہ بھی ایسا کرکے اپنے بچوں کے مستقبل کو محفوظ بنانا چاہتا ہے۔"

اس طرح بحث مباحثہ کرتے کرتے بنوسے اور گورا ایسے نقطۂ نظر پر پہونچ گئے جہاں پہلے کبھی نہیں پہونچے تھے۔ کچھ ہی پہلے وہ سماج کے سامنے اپنے تمام نظریات کے ساتھ جھک کر بیٹھ جانے کو تیار ہوسکتا تھا۔ اس موضوع پر اس نے ابھی تک اپنے آپ سے بھی کوئی بحث نہیں چھیڑی تھی۔ اگر گورا کے ساتھ اس طرح وہ بحث نہ کرتا حالات کا رُخ بالکل اُلٹ بھی ہوسکتا تھا۔ اور یہ بنوسے کی بہت بڑانی عادت تھی۔ لیکن جوں جوں بات بڑھتی گئی احساسِ فرض کے ساتھ ساتھ اُسکے خیالات مضبوط اور مضبوط تر ہوتے چلے گئے۔

گورا کے ساتھ بہت سخت اور تیز قسم کی بحث ہوگئی تھی۔ ایسی بحث کے دوران میں گورا عموماً دلیل کا ساتھ نہیں دے پاتا تھا۔ وہ اپنے خیالات کو زبردستی دوسروں پر لادنے کی کوشش کرتا تھا۔ آج بنوسے نے اس کے سامنے جو دلیل پیش کی تھی اُسے اس نے مٹی میں ملا دینے کی کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی تھی۔ لیکن اب اُسے قدم قدم رکاوٹ کا احساس بھی ہورہا تھا۔ جہاں تک گورا کی بنوسے کے خلاف رویّہ کا تعلق تھا گورا یقیناً فتحیاب ہوا تھا۔ لیکن آج دو حقیقی انسانوں کا مقابلہ ہوا تھا۔ وہ بہت دیر تک اپنے دلائل کے ساتھ ایسے تیروں کا مقابلہ نہیں کرسکا۔ کیونکہ تیر کے نشانے پر بیٹھتے ہی اُسے انسانی کرب و تڑپ کا احساس ہونے لگتا تھا۔

آخر میں گورا نے کہا۔ میں تم سے زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ تمھاری منطق میں کوئی وزن نہیں ہے۔ یہ صرف دل سے سمجھنے کی بات ہے۔ ایک برہمو سماجی لڑکی کے ساتھ شادی کر کے تم اپنے ملک کے لوگوں سے الگ ہو جانا چاہتے ہو۔ یہ بڑے دکھ کی بات ہے۔ تم ایسا کام کر سکتے ہو۔ لیکن مجھ سے یہ کبھی نہیں ہو سکے گا۔ ہمارا اختلاف اسی بات پر ہے۔ اور یہ کوئی ذلت کا کام بھی نہیں ہے۔ تمھاری محبت مجھ سے الگ ہو گئی ہے تم جس جگہ چھڑا گھونپ کر خود کو آزاد کر لینا چاہتے ہو وہاں تمھارا کوئی لگاؤ نہیں ہے لیکن ایسی جگہ پر میری روح پھڑ پھڑانے لگتی ہے۔ میں تو اپنے بھارت ورش کو چاہتا ہوں تم چاہے اُسے گالیاں دو یا اس میں نقص نکالو میں اس سے بڑھ کر اور کسی کو نہیں چاہتا۔ میں کوئی ایسا قدم ہرگز نہیں اٹھانا چاہتا جس سے میرا اپنے ملک سے ذرا سا تعلق بھی ٹوٹتا ہو۔

بیشتر اس کے کہ بنوے اسے کچھ جواب دیتا۔ گورا چلا پڑا۔ نہیں بنوے مجھ سے اب آگے بحث کرنا بالکل بیکار ہو گا۔ جب ساری دنیا نے میرے بھارت ورش کو ٹھکرا دیا ہے۔ اور اس کی سخت توہین کی ہے۔ تو میں اس کے ساتھ توہین میں شریک ہونا نہیں چاہتا ہوں اس ذات پات کا بھید بھاؤ والے، دھرم کرم والے، مورتیوں کی پوجا کرنے والے بھارت سے مجھے بڑی عقیدت ہے۔ اگر تم اس سے الگ ہونا چاہتے ہو تو ہو جاؤ۔ لیکن تمھیں پھر مجھ سے الگ ہونا پڑے گا۔

گورا برآمدے میں جا کر ادھر اُدھر گھومنے لگا۔ بنوے اسی جگہ چپ چاپ بیٹھا رہا۔ اچانک نوکر نے آکر اطلاع دی کہ نیچے بہت سے لوگ گورا سے ملنے کیلئے آئے ہوتے ہیں۔ یہ سُن کر جیسے گورا کو کچھ اطمینان اور راہ فرار مل گئی۔ وہ جلدی سے نیچے اُتر گیا۔

نیچے جا کر اس نے ہجوم کے اندر ابیناش کو بھی دیکھا۔ گورا کو یقین تھا کہ ابیناش

اس سے ناراض ہو گا۔ لیکن اس کے چہرے پر ایسی کوئی جھلک نہیں تھی۔ بلکہ وہ تو لوگوں کے سامنے بہت ہی لمبے چوڑے الفاظ میں گورا کے پھولوں کا ہار نہ پہننے والے واقعہ کی تعریف کرنے لگا جو دو دن پہلے جیل کے سامنے پیش آیا۔ اس نے سب کے سامنے اعلان کیا۔ گور موہن بابو کے لئے میرے دل میں بہت عقیدت بڑھ گئی ہے۔ بہت دنوں سے مجھے پتہ تھا کہ وہ معمولی آدمی نہیں ہیں۔ لیکن کل کے واقعہ سے تو یہ ثابت ہوا کہ وہ بہت بلند انسان بھی ہیں۔ کل ہم اُن کا سواگت کرنے گئے تھے۔ لیکن انھوں نے اُسے قبول نہیں کیا۔ آپ کو دُنیا میں ایسے لوگ نہیں مل سکتے۔ کیا یہ کوئی ناراض ہونے کی بات ہے۔؟

یہ سُن کر گورا ساری بات سمجھ گیا۔ اب اس کو ابناش پر اور غصہ آیا۔ اس نے چلا کر کہا۔ دیکھو ابناش تم جس طرح کسی کی عزت کرنا چاہتے ہو اُس سے تو اس کی بڑی بے عزتی ہونے لگتی ہے۔ میں تمہارے ساتھیوں کے سڑک پر دکھائے جانے والے ناچ میں شامل نہیں ہو سکتا۔ میرے انکار کو تم میرے کردار کی بہت بڑی بلندی کا نام دے رہے ہو۔ کہیں تم نے بھیک مانگنے کے لئے گلی گلی گھومنے والی پارٹی تو نہیں بنا لی ہے۔ کیا تعمیری کام کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا؟ اگر تم میرے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتے ہو تو بیشک کرو۔ اگر تم میری مخالفت کرنا چاہتے ہو تو تمھیں اس کی بھی اجازت ہے۔ لیکن مہربانی کر کے اس طرح بیکار کی زندہ باد زندہ باد کہتے ہوئے نہ پھرا کرو۔

یہ سُن کر تو ابناش کی عقیدت میں اور اضافہ ہو گیا۔ وہ لوگوں کے سامنے اپنا چمکتا ہوا چہرہ لے کر گھوما۔ تاکہ انھیں گورا کے الفاظ کی طلسماتی اثر پر یقین آ جائے۔ پھر کہنے لگا۔

"آپ نے بھارت ماتا کی بڑی بے غرض خدمت کی ہے۔ ہم آپ کو کبھی بھول نہیں سکتے۔ ہم ایسے ہی عظیم انسان کے قدموں پر اپنی جانیں نچھاور کر سکتے ہیں۔ یہ کہتے

کہتے اس نے جھک کر گورا کے پاؤں چھونے کی کوشش کی لیکن گورا گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔

ابھناش بولا۔ گورموہن بابو۔ آپ ہماری کوئی چیز قبول نہیں کرتے ہیں۔ بیشک آپ ہمیں کم از کم اس خوشی سے تو محروم نہ رکھیے جو آپ کو دعوت دے کر ہم لوگ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے بہت سوچ بچار کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ اسے آپ کو منظور کرنا ہی پڑے گا۔

گورا نے جواب دیا۔ جب تک میں پراشچت نہیں کروں گا تب تک آپ لوگوں کے ساتھ کھانے میں شریک نہیں ہوں گا۔

پراشچت! یہ سن کر ابھناش کی آنکھیں حیرت سے چمک اٹھیں۔ اس بات کا خیال ہم میں سے کسی کو نہیں آسکتا تھا۔ لیکن گورموہن بابو۔ ان اصولوں کو کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں جو ہندو دھرم نے بنا دیے ہیں۔

اس بات پر سب متفق ہو گئے ہیں کہ وہ سب پراشچت کے دن اکٹھے ہوں جس روز کھانے کا انتظام بھی کیا جائے۔ ملک کے بہت بڑے بڑے پنڈت پراشچت کے لئے بلائے جائیں۔ تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے گورموہن کا پراشچت دیکھ کر ہندو دھرم کے اس زمانے میں بھی زندہ ہونے کا ثبوت پائیں۔

پراشچت کب اور کہاں ہونا چاہیے۔ اس بات کا بھی سوال اٹھایا گیا تو گورا نے کہا۔ یہ میرے گھر میں نہیں ہو سکے گا۔ اس پر اس کے ایک عقیدتمند نے اپنے مکان کی پیش کش کر دی جو گنگا کے کنارے بنا ہوا تھا۔ اس رسم کے تمام اخراجات پارٹی کے ممبر خود ہی برداشت کریں گے۔ اس کا بھی فیصلہ ہو گیا ہے۔

ہونے سے پہلے ابھناش نے کھڑا ہو کر ہجوم کے سامنے ایک نہایت ہی جوشیلی اور پراسرار تقریر کرتے ہوئے کہا۔ گورموہن بابو چاہے مجھ پر ناراض ہوں جب انسان کا دل جذبات سے بھرا ہوا ہوتا ہے تو وہ خود کو روک نہیں سکتا۔ وہ بارت

کی اس پوتر دھرتی پر ویدوں کی رکشا کرنے کے لئے اوتار ہوتے رہے ہیں۔ ہندو
دھرم کی رکشا کے لئے ہمارے زمانے میں بھی ایک اوتار ہوا ہے۔ ساری دنیا میں صرف
بھارت ہی میں چھ قسم کے موسم آتے ہیں۔ ہمارے اس دیش میں اوتار بھی بار بار ہوتے
رہے ہیں۔ اور آئندہ بھی ہوتے رہے ہیں۔ ہم بہت خوش قسمت ہیں کہ ہمیں اس
بات کا ثبوت بھی مل گیا ہے۔ بھائیو۔ زور سے کہو۔ گورموہن کی جے !!

ابھناشس کے جوش دلانے پر لوگ جے جے کار کرنے لگے لیکن گورا گھبرا کر
بھاگ گیا۔ جیل سے نکل کر آنے کے بعد آج پہلی بار اُسے شدید تکان کا احساس ہوا۔
جیل کے اندر کئی روز تک وہ اس بات پر غور کرتا رہا تھا کہ وہ ایک نئی لگن کے ساتھ
دیش کی سیوا کس طرح کرے۔ لیکن آج وہ بار بار خود سے پوچھنے لگا —— میرا
دیش کہاں ہے۔ کیا یہی ہے وہ میرا دیش! یہیں پر میرا وہ دوست ہے جس کے
ساتھ بیٹھ کر میں نے زندگی کے سارے مسائل پر غور کیا ہے۔ اور بہت سی اُمیدیں
وابستہ کی ہیں۔ وہ ایک لمحے کے اندر بڑی قوت سے گذشتہ کئی سالوں کی مضبوط
دوستی کو توڑنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے تاکہ اس لڑکی کے ساتھ شادی کر سکے جس
سے وہ محبت کرتا ہے۔ یہاں وہ لوگ بھی بستے ہیں جنھیں میری پارٹی کے لوگ کہا
جاتا ہے۔ اُن کو کتنی بار اپنے خیالات کا اظہار کرتے وقت میں نے انھیں یہی یقین
دلاتا رہا ہوں کہ میں نے ہندو دھرم کو بچانے کے لئے اوتار لیا ہے۔ کیا میں مذہبی
کتابوں میں بیان کئے جانے والے دیوتاؤں کا انسانی رُوپ ہوں۔ پھر بھی بھارت
درشن کا احترام نہیں کیا جاتا۔؟ واقعی چھ موسموں والا ہے۔ بھارت میں چھ موسم
ہوتے ہیں۔ چھ موسموں کی طرح سب سے بڑی پیداوار اگر یہی ابھناش ہو سکتا ہے
تو پھر دو تین موسم کم ہو جانے سے کتنا بڑا نقصان ہو جائے گا۔

اسی وقت گورا کو نوکر نے آکر بتایا کہ اسے ماں بلا رہی ہے۔ وہ دل ہی

دل میں سوچنے لگے۔ ماں نے بلایا ہے۔ یوں کہا جیسے ان الفاظ میں اور بھی معنی ہیں اور خاصے اہم ہیں۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ میرے پاس میری ماں جو ہے وہ مجھے بلا رہی ہے۔ وہ میرا ہر ایک کے ساتھ میل کر دے گی۔ وہ کسی سے الگ تھلگ نہیں ہونے دے گی۔ جو لوگ میرے ساتھ ہوں گے وہ میری ماں کے پاس اس کمرے میں ضرور موجود ہوں گے جیل میں بھی مجھے ماں بلایا کرتی تھی۔ میں اس سے ملنے کے لئے ضرور جاؤں گا۔ اس طرح خود سے باتیں کرتے کرتے اس نے سردیوں کی دوپہر کے وقت باہر ٹھنڈے آسمان کی طرف دیکھا تو اُسے اختلاف اور نبوت کے ساتھ اپنے اختلافات بہت معمولی لگے۔ دوپہر کی اس دھوپ میں اُسے اپنا بھارت ورش بازو پھیلائے ہوئے دکھائی دیا۔ اس کے سارے دریا، پہاڑ، شہر اور سمندر بھی دکھائی دیتے۔ اسی وقت خلا میں سے ایک تیز صاف ستھری روشنی نکل کر سارے بھارت ورش پر چھا گئی۔ اور بھارت ورش چمکنے لگا۔ گورا کا دل اس قدر بھرا ہوا تھا کہ اس کے آنسو نکل کر بہنے لگے اور اس کے دل میں سے ساری مایوسی دور ہو گئی۔

اس کی فطرت بھارت کی خدمت کے لئے خوشی خوشی کام آنا چاہتی تھی۔ اور خدمت کی کوئی تہہ نہ تھی۔ اگرچہ اس کے جلدی نتائج نکل آنے کی کوئی اُمید نہیں تھی۔ عبادت کرنے وقت وہ بھارت کی عظمت کا جو تصور کرتا تھا وہ اسے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لیکن اس کے لئے اس کے دل میں بے یقینی نہیں ہوتی تھی۔ وہ بار بار خود سے کہنے لگا۔ "مجھے ماں بلا رہی ہے۔" مجھے وہاں جانا چاہئے۔ جہاں سب کو خوراک بخشنے والی بیٹھی ہوتی ہے۔ ساری کائنات کی مالک۔ وقت کی قید سے آزاد۔ لیکن ہر گھڑی، ہر لمحہ حاضر و ناظر۔ جو موت کے پنجے سے باہر ہے۔ لیکن زندگی میں ہر دم موجود۔ جو بیتے ہوئے دھوپ سے حال پر مستقبل کی سنہری روشنی برساتی ہے۔

مجھے وہاں جانا چاہیے۔ ماں مجھے دور کی خلاؤں میں بلا رہی ہے جو کتنی قریب بھی ہیں۔
خوشی کے جذبات سے مخمور ہو کر اس نے بتوے اور اجھناش کی موجودگی بھی محسوس
کی' جیسے وہ اس سے الگ نہیں ہوئے تھے۔ اس دن کے چھوٹے چھوٹے سب
اختیارات مکمل دوستی پر ختم ہو گئے تھے۔

جب گورا آنند موئی کے کمرے میں داخل ہوا اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔
گورا کا دل چونکہ پہلے ہی بہت جوش سے بھرا ہوا تھا اس لئے وہ یہ نہ پہچان سکا کہ ماں
کے پاس اور کون موجود ہے۔

وہ سچاریتا تھی جس نے اٹھ کر اسے پرنام کیا۔

"ارے آپ" اس نے سچاریتا سے کہا "بیٹھیے؟"

جب اس نے کہا "ارے آپ" تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کی آمد کوئی معمولی قسم کا
واقعہ نہیں تھا۔ کوئی بہت ہی اہم بات تھی

ایک دن اسی سچاریتا کو دیکھ کر اور اس کے ساتھ بحث کر کے گورا گھر چھوڑ کر بھاگ
گیا تھا۔ جتنے دن وہ دیش کے کام کے لئے گھومتا رہا اس نے سچاریتا کو اپنے ذہن
سے الگ رکھنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن وہ اسے کسی طرح بھی بھلا نہیں سکا۔ ایک
دن تھا جب اسے دھیان بھی نہیں آتا تھا۔ کہ بھارت ورش میں عورتیں بھی رہتی ہیں۔
اتنے دن بعد سچاریتا کو دیکھ کر اس کے دل میں عورتوں کے لئے عقیدت اور احترام
کے جذبات ابھر آئے۔ جس بات کا اسے کوئی علم بھی نہیں تھا۔ اسے دل کے اندر اس
طرح امنڈتے دیکھ کر وہ یکبارگی کانپ اٹھا۔

وہ جیل سے باہر آیا تھا تو پاریش بابو کو دیکھ کر گورا کا دل خوشی سے بھر گیا تھا۔ وہ
خوشی صرف پاریش بابو سے ملاقات ہونے کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ اس میں اس شبہ کا
جادو بھی شامل ہو گیا تھا جو اس کے تصور پر کئی روز تک طاری رہا تھا۔ گورا کو پہلے پہل اس کا

قطعاً احساس نہیں ہوا۔ جب اسٹیمر کے ذریعہ کلکتہ جا رہا تھا اس وقت آہستہ آہستہ یہ حقیقت اس پر روشن ہونی شروع ہوئی تھی کہ پاریش بابو محض اپنی خصوصیات کی ہی وجہ سے اسے اپنی طرف نہیں کھینچ رہے تھے۔

اب گورا نے خود کو اس جدّوجہد کے لئے پھر تیار کر لیا۔ اپنے آپ سے بولا۔ میں شکست نہیں کھاؤں گا۔ اسٹیمر پر سوار ہوتے ہی اس نے پھر دُور چلے جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ تاکہ اس کے دل و دماغ کو حسین سے حسین بندھن اپنے قبضے میں نہ کر سکے ذہن کی ایسی کیفیت کی موجودگی میں اس کی بنوئے سے بحث ہوئی تھی۔ وہ تو دل ہی دل میں الجھتا اور بحث کرتا تھا۔ ورنہ ایسی گرما گرم بحث ایک عزیز ترین دوست کے ساتھ کبھی نہ ہوئی تھی۔ جو چیزیں اس بحث کا سرگرم حصّہ بنی تھیں۔ اُن کا اسکی اپنی ذات اور عزت سے تعلق تھا۔ یہ بات اب اس پر آہستہ آہستہ ظاہر ہو رہی تھی اسی وجہ سے وہ اس روز اتنی سختی سے بولا تھا۔ ایسی سختی کی اُسے خود بھی ضرورت تھی۔

بنوئے اس کے سب دلائل کو چیر چیر کر پھینک رہا تھا۔ اور اسے احمق اور اندھا معتقد ثابت کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اس کا دل بنوئے کے خلاف مخالفت کے طور پر پھر گیا۔ بنوئے کے تو خواب و خیال میں بھی اس کی حقیقی وجہ نہیں آسکتی تھی کہ دراصل وہ خود ایک اندرونی خلفشار میں پھنسا ہے۔

بنوئے کے ساتھ جھگڑے کے بعد گورا نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ میدان سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔ اس نے سوچا۔ اگر میں اپنی زندگی کے خوف کے لئے ہی بنوئے کو چھوڑ دیتا ہوں تو پھر بنوئے کو بھی نہیں بچایا جا سکتا۔

———(۵)———

ستّاونواں باب

اس وقت گہرے خیالوں میں ڈوبے ہونے کی وجہ سے گورا نے سچاریتا کی آمد کو ایک بہت ہی اہم واقعہ سمجھ لیا تھا۔ پورے دیش کی نمائندہ عورت بن کر ظاہر ہو گئی تھی۔ اس نے یوں محسوس کیا تھا جیسے اس کا جنم بھارت دیش کے گھروں کو پاک وصاف محبت اور مٹھاس سے بھرا ہوا دیکھنے کے لئے ہی ہوا ہے جو ستیہ ورتا کی دیوی ہے۔ دیش کے بچوں کو پال کر بڑا کرتی ہے بیماروں کی خدمت۔ دکھیوں کی دلجوئی اور حقیر لوگوں کو اونچا اٹھانے کی کوشش کرتی ہے انتہائی مصیبت پڑنے پر بھی کسی کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتی۔ اسے چھوڑ نہیں دیتی۔ خود قابل پرستش ہونے پر بھی مردوں کی پوجا کرتی رہتی ہے۔ جس کے خوبصورت اور ماہر ہاتھ مردوں کی سیوا کے لئے ہی وقف ہو چکے ہیں۔ جس کی قوت برداشت معاف کر دینے کی فطرت اور ہمیشہ قائم رہنے والی محبت کو ایشور نے ایک عطیہ کی صورت میں مردوں کو دے رکھی ہے۔ نیکی اور خدمت کی دیوی کو اپنی ماں کے پاس بنفس نفیس بیٹھا دیکھ کر گورا کا دل انتہائی خوشی سے چھلک چھلک پڑا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا۔ یہی وہ عورت ہے جسے دھرتی ماتا کہنا چاہئے۔ بھارت کے دل پر سینکڑوں کنول کے پھولوں کے درمیان بیٹھی ہوئی یہی وہ عورت ہے جسے ہم سب پوجتے ہیں۔

گورا کو خود اپنے خیالات پر حیرت ہو رہی تھی۔ دل میں عورت ذات کی قدر نہ ہونے کی وجہ سے ہی بھارت کے بارے میں اس کا علم ادھورا رہا تھا۔ جبتک

ذہن عورتوں کے معاملے میں صاف اور واضح نہیں ہو جاتا۔ اس کے اپنے ملک کے تئیں فرائض کا تصور بھی ادھورا اور ناقص تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کے فرض کے احساس میں زور تھا لیکن زندگی نہیں تھی۔ بیچ تھے لیکن رنگین نہیں تھیں۔ ایک لمحے کے اندر ہی اسے احساس ہو گیا کہ اگر ہم عورتوں کو ٹھیک سمجھ انھیں اپنے ساتھ جگہ نہیں دینگے تو ہمارا دیش اتنا ہی کمزور ہوتا چلا جائے گا۔

اس لئے جب اس نے سچارتیا سے یہ کہا تھا ———— ارے آپ آگئیں تو یہ محض رسمی الفاظ نہیں تھے۔ ان کے پیچھے وہی نئی خوشی اور حیرت تھی جو اسکے وجود کی آواز تھی۔

گورا کے جسم پر جیل کی تکلیفوں کے نشان صاف دکھائی دیتے تھے۔ پہلے کی نسبت اب وہ دبلا ہو گیا تھا۔ جیل کی خوراک سخت، بدذائقہ ہونے کی وجہ سے اس نے قید کا پورا عرصہ قریب بھوکا رہ کر گزار دیا تھا۔ اس کا خوبصورت چمکتا ہوا چہرہ بھی اب پہلے کی نسبت کچھ پیلا پیلا دکھائی دیتا تھا۔ سر کے بال کٹ کر بہت چھوٹے ہو جانے کی وجہ سے اس کا چہرہ بہت ہی کمزور نظر آتا تھا۔

گورا کے جسم کی اس تبدیلی نے سچارتیا کے دل میں ایک خاص کرب کا احساس جگا دیا۔ وہ چاہتی تھی اس کے قدموں میں جھک کر اس کے چرنوں کی دھول لے۔ جس دہکتی ہوئی آگ کا دھواں نظر نہیں آتا اس کی مانند اسے گورا بھی نظر آیا۔ اس کی عقیدت میں ایک شدید درد تھا۔ اس لئے اس کا دل کانپنے لگا اور اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔

سب سے پہلے آنندموئی نے ہی زبان کھولی۔ گورا، اگر میری کوئی بیٹی ہوتی تو اس کا سکھ کیسا ہوتا۔ یہ بات میری سمجھ میں اب آ رہی ہے۔ جتنے دن تو یہاں نہیں رہا اتنے دن سچارتیا نے مجھے جو جو سکھ پہنچائے ہیں وہ میں بیان نہیں کر سکتی

اس سے ملنے سے پہلے مجھے اس بات کا پتہ بھی نہیں تھا کہ اگر کوئی اچھا ساتھی مل جائے تو انسان کو انتہائی دکھوں میں بھی ایک فتحیابی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ ایشور نے ہماری مصیبتوں میں بھی ہماری ڈھارس بندھانے کی سبیل بنا رکھی ہے لیکن اس سے لاعلم ہونے کی وجہ سے ہم زیادہ دکھی رہتے ہیں۔ بیٹی تم تو شرمارہی ہو۔ لیکن یہ سب تمھارے نبھانے کے لئے بالکل بے اختیار ہوگئی ہوں کہ ان دنوں تم میرے لئے کتنی خوشی کا باعث بن گئی تھیں۔

گودا نے سچاریتا کے شرمائے ہوئے چہرے کو مشکور نگاہوں سے دیکھا اور پھر ماں سے کہنے لگا۔ ماں یہ تمھارے مصیبت کے دنوں میں تمھارے دکھ بٹانے آیا کرتی تھیں۔ اور آج خوشی کے دن تمھاری خوشی بڑھانے کیلئے آگئی ہیں۔

جن کے دل اتنے بڑے ہوتے ہیں وہ ایسے ہی بے غرض لوگ ہوتے ہیں۔

سچاریتا کو گھبرایا ہوا دیکھ کر بنوئے بولا۔ دیدی جب چور پکڑا جاتا ہے تو اُسے سب طرف سے سزا ملتی ہے۔ اب چونکہ تم بھی پکڑی گئی ہو۔ اس لئے اپنے کئے کا پھل بھوگو۔ اب بھاگ کر کہاں جاؤ گی۔ میں تمھیں بہت دنوں سے جانتا ہوں مگر اس کے سامنے کچھ ظاہر نہیں کرتا۔ دل میں سب کچھ جانتے ہوئے بھی خاموش رہتا ہوں۔ لیکن زیادہ دیر تک کوئی بات چھپی بھی نہیں رہ سکتی۔

آنند موئی ہنس کر بولیں۔ تم تو چپ رہو گے ہی! کیونکہ تمھاری فطرت ہی ایسی ہے پھر سچاریتا سے کہنے لگیں۔ بیٹا جس دن سے یہ تمھیں ملا ہے تمھارے ہی گن گا رہا ہے۔ ابھی تک اس کا جی نہیں بھرا۔

بنوئے بولا۔ سن لیا دیدی۔ میں انسان کی قدر کرنے والوں میں سے ہوں احسان فراموش نہیں ہوں! اس بات کے ثبوت اور گواہ دونوں تمھارے سامنے موجود ہیں۔

سچاریتا نے جواب دیا: "یہ کہہ کر تو تم اپنی تعریف کر رہے ہو۔"

بنوئے نے کہا: "لیکن اس طرح آپ میری خاصیتیں تھوڑا ہی مان پائیں گی۔ اگر آپ وہ سب باتیں جاننا چاہیں تو پھر میری ماں کے پاس آیا کیجئے۔ آپ کا منھ حیرت سے کھُلا رہ جائے گا۔ میں بھی جب ان کے منھ سے اپنی تعریف سُنتا ہوں تو خود ہی حیران رہ جاتا ہوں۔ ہاں اگر میری ماں سوانح عمری لکھنے کو تیار ہوں، تو میں اس جوانی میں بھی مرنے کے لئے تیار ہوں۔"

آنندموئی نے کہا۔ "سُن رہی ہو اس لڑکے کی باتیں۔"

جانے سے پہلے سچاریتا نے بنوئے سے کہا: "تم کسی دن ہمیں ملنے کیلئے نہیں آؤ گے؟"

سچاریتا نے بنوئے کو آنے کے لئے کہا۔ لیکن وہ گورا سے نہ کہہ سکی۔ اس پر گورا کا دل بہُت دُکھا۔ لیکن وہ اس کی وجہ نہ سمجھ سکا۔ بنوئے ہر جگہ اپنی جگہ بنا لیتا تھا لیکن وہ نہیں اس سے پہلے اسے اس بات کا افسوس کبھی نہیں ہوا تھا۔ لیکن آج اس نے اپنے کردار کی اس کمزوری کو محسوس کر لیا۔

——————

اٹھاونواں باب

ہنوئے سمجھ گیا کہ سچاریتا نے اُسے لولتا سے شادی کرنے کے سلسلے میں بات چیت کرنے کے لئے بلایا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگرچہ اس نے اپنا فیصلہ دے دیا تھا۔ لیکن وہ معاملہ ابھی تک ختم نہیں ہوا تھا۔ جب تک وہ زندہ رہے گا۔ وہ دونوں ساجھوں میں سے کسی ایک سے بھی نجات حاصل نہیں کر سکے گا۔

ابھی تک تو وہ اس بات کے لئے پریشان رہتا تھا۔ کہ وہ یہ خبر گورا کو کیسے سُنائے گا۔ وہ گورا کو محض ایک فرد نہیں سمجھتا تھا بلکہ خاص خیالات نامی اعتقادات کا نمائندہ جانتا تھا۔ اور اسے زندگی میں ایک قسم کی حمایت بھی حاصل تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ رہنے کی وجہ سے ہنوئے نے اگر کوئی اس سے عادت سیکھ لی تھی تو وہ ہنوئے کے لئے باعث خوشی بھی تھی۔ اگر کسی وجہ سے گورا سے اس کا جھگڑا ہو جاتا تھا تو وہ کشمکش وہ خود بھی محسوس کرتا تھا۔

لیکن حادثہ تو اب ہو ہی چکا تھا۔ پیچھے ہٹنے کا امکان بھی اب ممکن نہ تھا۔ گورا سے لولتا کے بارے میں گفتگو کر کے ہنوئے کو ایک نئی قوت حاصل ہو چکی تھی جب تک آپریشن نہیں ہو جاتا۔ مریض کے ڈر اور خوف کی کوئی حد نہیں ہوتی لیکن جب نشتر اپنا کام شروع کر دیتا ہے تو بیمار آدمی کو تکلیف کے ساتھ ساتھ آرام کا بھی احساس ہونے لگتا ہے۔ تصور میں جو بات بہت زیادہ مشکل ہوتی ہے وہی حقیقت میں نہیں ہوتی۔

ابھی تک تو اس نے خود کو کسی بحث کے لئے تیار نہیں کیا تھا لیکن چونکہ وہ اِدھر

کھُل گیا تھا۔ اس لئے وہ دل میں ہر وقت گورا کے اعتراضات کا جواب سوچتا رہتا ہے۔ ایسے اعتراضات بھی اس کے ذہن میں آتے تھے جو گورا نے کئے نہیں تھے لیکن اُن کے کرنے کا امکان تھا۔ اگر اُسے گورا سے پوری طرح بحث کرنے کا موقع ملتا تو وہ جوش میں آتے بغیر ہی بحث کو کسی نتیجہ پر پہنچا سکتا تھا۔ لیکن بنوئے نے دیکھ لیا تھا۔ گورا نے پوری طرح بحث کی ہی نہیں تھی۔ اس پر بنوئے کو غصہ آیا۔ اس نے سوچا ـــــــ "گورا نہ سمجھنا چاہتا ہے نہ سمجھانا چاہتا ہے۔ وہ تو بس سختی سے کام لینا جانتا ہے۔ سختی! میں کسی سختی کے سامنے کیونکر سر جھکا سکتا ہوں! چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ میں سچائی کا ساتھ دوں گا۔

جب اس نے سچائی کا نام لیا تو سچائی نے جیسے اس کے دل پر مضبوطی سے قبضہ کر لیا۔ جیسے سچائی کوئی زندہ چیز ہو! گورا کا مقابلہ کرنے کے لئے کسی مضبوط پارٹی کے ساتھ ہونا ضروری تھا۔ اس لئے سچائی کو اس نے سب سے بڑا مددگار سمجھ کر بنوئے نے بار بار اس لفظ کو دل میں دُہرایا۔ سچائی کا سہارا لینے کے بعد اس کے دل میں سچائی کے لئے عزت بھی بڑھ گئی۔ اور جب وہ سچاریتا کے گھر کی طرف روانہ ہوا تو وہ سر اُونچا اٹھا کر چل رہا تھا۔ اس میں اعتماد کی قوت کیوں بڑھ گئی تھی، کیا اس لئے کہ وہ سچائی کی طرف جھک گیا تھا۔ اس کے دل میں کوئی اور بات بھی تھی ـــــــ وہ اس کی وجہ جاننے سے قاصر تھا۔

جب وہ سچاریتا کے گھر پہونچا تو ہری موہنی کھانا بنانے میں لگی ہوئی تھیں رسوئی کے دروازے پر اپنا یہ حق جتا کر کہ وہ برہمن کا بیٹا ہے اس لئے آج دوپہر کا کھانا انھیں کے ہاں کھائے گا۔ اوپر چلا گیا۔

سچاریتا اس وقت سلائی کا کچھ کام کر رہی تھی۔ وہ اسی طرح انگلیاں چلاتی ہوئی اپنے کام پر نظر رکھتی ہوئی بولی: "دیکھو بنوئے بابو، اگر انسان کی اپنی طبیعت

میں رکاوٹ نہ ہو تو کیا اس کو مخالفت کے آگے سر جھکا دینا چاہئے جو کہ بالکل باہر کی ہے۔

جس وقت گورا سے بحث ہوئی تھی تو بنوئے نے ایک نقطۂ نظر پکڑ لیا تھا۔ اب سچاریتا سے بات ہونے لگی تو اس نے دوسرا نقطۂ نظر اپنا لیا۔ اس بات کو دیکھ کر کون یہ کہہ سکتا تھا کہ گورا اور بنوئے میں کوئی اختلاف ہے۔!

بنوئے نے پوچھا "دیدی تم رنگ باہر کی رکاوٹوں کو معمولی نہیں سمجھتی ہو؟"

اس کی ایک وجہ ہے بنوئے بابو۔ سچاریتا نے اُسے بتایا۔ ہماری رکاوٹیں بالکل باہر کی بھی نہیں ہیں۔ ہمارے سماج کی بنیاد کچھ اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ جبکہ اس سماج میں جس میں تم رہتے ہو صرف ذات پات کے بندھن ہیں۔ اس لئے للتا کو برہمو سماج کو چھوڑ دینے سے جتنا نقصان پہونچے گا اتنا تمہیں نہیں۔

اس کے بعد ان دونوں میں اس بات پر بحث ہونے لگی کہ دھرم انسان کا ایک ذاتی معاملہ ہے۔ اسے کسی سماج کے ساتھ باندھنا مناسب ہے یا نہیں۔!

جب یہ بحث چل رہی تھی ستیش ایک خط اور ایک اخبار لے کر اندر آ گیا۔ بنوئے کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہو گیا۔ اور ضد کرنے لگا کہ وہ کسی طرح جمعہ کو اتوار میں بدل دے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ستیش اور بنوئے خوب ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگے سچاریتا اخبار اور اس کے ساتھ آئے ہوئے خط کو جو للتا نے بھیجا تھا پڑھنے میں مصروف ہو گئی۔

برہمو سماجیوں کے اس اخبار میں ایک جگہ یہ بھی خبر چھپی تھی کہ ایک مشہور برہمو گھرانے میں ایک ہندو کی شادی ہونے والی تھی۔ لیکن ہندو نوجوان کے انکار کر دینے سے یہ خطرہ دور ہو گیا۔ اس خبر کی آڑ لے کر جو آرٹیکل لکھا گیا تھا اس میں برہمو گھرانے کی کمزوری کا ہندو نوجوان کے پختہ اعتقاد کے ساتھ مقابلہ کیا گیا تھا۔ یہ مقابلہ برہمو فیملی کے حق میں کسی طرح بھی نہیں تھا۔

سچاریتا نے سوچا، چاہے کچھ بھی ہو جائے لولتا کی شادی بنوئے کے ساتھ ہونی چاہیے۔ لیکن ایسا ہونا بحث کے ذریعے ممکن نہیں تھا۔ اس نے اسی وقت لولتا کو ایک چٹھی لکھ کر لولتا کو اپنے گھر آنے کے لیئے کہا۔ چٹھی میں بنوئے بابو کی موجودگی کے بارے میں کچھ بھی نہ تھا۔

چونکہ جمعہ کو اتوار بنا دینے کا کوئی طریقہ ہی نہیں تھا اس لئے ستیش کو مجبوراً اسکول جانے کی تیاری کرنے کے لئے وہاں سے چلا جانا پڑا۔ اور سچاریتا بھی بنوئے سے معافی مانگ کر نہانے چلی گئی۔

جب بحث کی گرمی ختم ہو گئی اور بنوئے کمرے میں اکیلا رہ گیا تو اس کا ضمیر جاگ پڑا۔ اس وقت نو بجے رہے تھے اور باہر گلی میں کوئی اِکّا دُکّا ہی گزر رہا تھا کمرے کی خاموشی کو توڑنے والی صرف سچاریتا کی چھوٹی سی ٹائم پیس ہی تھی جو لکھنے کی میز پر ٹک ٹک کر رہی تھی۔ کمرے کی فضا نے بنوئے کے دل پر اپنا اثر ڈالنے کا کام شروع کر دیا۔ اور ایسا لگا کہ اس کمرے میں رکھی ہوئی ہر ایک چیز سے اچانک اس کی جان پہچان ہو گئی ہے۔ میز کی صفائی۔ کرسیوں کے کاڑھے ہوئے غلاف، دیوار پر لٹکی ہوئی دو تین تصویریں اور چھوٹے سے بک شلف میں بڑے سلیقے سے رکھی ہوئی لال جلد والی کتابوں کی قطار۔ سب نے مل کر اُسکے دل پر جادو کرنے کی کوشش کی۔ ایک حسین اور حیرت ناک کیفیت کمرے کے اندر بھر گئی۔ آج اس کمرے کی تنہائی میں جن باتوں کو چھیڑا گیا تھا ان کی یاد اب کسی حسین اور شرمیلی لڑکی کی طرح کسی جگہ چھپ کر کھڑی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ بنوئے کوشش کر کے اس بات کو پھر تصور میں لانے لگا۔ کہ کس نے کہاں بیٹھ کر کیا کیا باتیں کی تھیں۔ اور وہ پاریش بابو کی بڑے اعتماد سے کہی ہوئی اس بات کو بھی یاد کرنے لگا ——— "میں نے سچاریتا کی زبانی سُنا ہے کہ لولتا بھی تمہیں ناپسند

نہیں کرتی۔

یہ بات یاد کر کے اس کے دل میں سے کسی آوارہ موسیقار کی گائی ہوئی نرم اور مدھر دھن کی طرح ایک عجیب ناقابلِ بیان لہر اُٹھی۔ جو پھر اس کے رگ و پے میں سما گئی۔

وہ شاعر تھا نہ آرٹسٹ، لیکن پھر بھی انتہائی طور پر بے چین ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا وہ اپنے آپ پر قابو کبھی پا سکے گا۔ جب کچھ کرے گا۔ لیکن یہ سب اس کے ہاتھوں میں تھوڑا ہی تھا۔ لگتا تھا۔ ایک پردے نے اُسے اس چیز سے الگ کر رکھا ہے جو اس سے بہت دُور نہیں تھی۔ لیکن اس کے پاس اس پردے کو پھاڑ کر پھینک دینے کی طاقت بھی نہیں تھی۔

ہری موہنی نے کمرے میں داخل ہو کر اس سے کچھ جل پان کرنے کے لئے پوچھا۔ جب نبوتے نے منع کر دیا تو وہ اندر آ کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ جب سے وہ پاریش بابو کے گھر میں رہ رہی تھی۔ وہ نبوئے کو بہت پسند کرتی تھی۔ لیکن جب سے وہ سچاریتا کے ساتھ اپنے مکان میں (جسے وہ اپنا کہہ سکتی تھی) آئی تھی تب سے باہر سے آنے والے کسی آدمی کو وہ پسند نہیں کرتی تھی اس کا خیال تھا سچاریتا نے دھرم کرم کے معاملے میں جو غلطیاں کی تھیں وہ سب اس کے دوستوں کی وجہ سے ہوا تھا۔ یہ جان کر بھی کہ نبوتے برہمو سماجی نہیں تھا۔ وہ یہ تو دیکھتی ہی تھی کہ وہ اپنے اندر ہندو دھرم کے اصولوں کا بھی پابند نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ پہلے کی طرح اس برہمن لڑکے کو بلا کر اپنے ٹھاکر جی پر چڑھایا ہوا پرشاد نہیں دیتی تھی۔

آج باتوں باتوں میں اس نے نبوتے سے پوچھا۔ بیٹا تم برہمن ہو کر بھی سندھیا، پوجا وغیرہ کچھ نہیں کرتے۔

بنوئے نے معافی مانگتے ہوئے کہا "خالہ میں دن رات اور کئی باتیں سیکھ سیکھ کر پوجا پاٹ کے سارے سبق بھول گیا ہوں"

ہری موہنی بولی۔ پاریش بابو بھی بہت کچھ پڑھے' سیکھے ہیں لیکن اپنے دھرم کے مطابق وہ صبح وشام دونوں وقت پاٹھ پوجا کرتے رہتے ہیں۔

"وہ جو کچھ کرتے ہیں اسے صرف منتر رٹ کر نہیں کیا جا سکتا۔ میں بھی اگر ان جیسا بن سکا تو ان ہی کے راستے پر چلنے لگوں گا۔" بنوئے نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

یہ سُن کر ہری موہنی کچھ کڑے لہجے میں بولی ——— "جب تک تم ان جیسے نہیں ہو جاتے تب تک تم اپنے باپ دادا کے راستے پر کیوں نہیں چلتے۔ نہ ادھر نہ اُدھر۔ یہ کوئی اچھی بات تھوڑی ہے!۔ انسان کا کوئی دھرم تو ہونا ہی ہے۔ نہ رام، نہ گنگا! ارے بھائی یہ کیا ڈھنگ ہے۔

اسی وقت للتا کمرے میں آ گئی۔ وہاں بنوئے کو دیکھتے ہی چونک پڑی اس نے ہری موہنی سے پوچھا "دیدی کہاں ہیں؟"

"وہ اشنان کر رہی ہے" ہری موہنی نے کہا۔

للتا نے شاید اپنی آمد کی وجہ بتانا ضروری خیال کیا۔ بولی ——— مجھے سچاریتا دیدی نے بلا بھیجا تھا۔

ہری موہنی نے جواب دیا۔ تو بیٹھو نا۔ وہ آتی ہی ہے۔

ہری موہنی للتا کو بھی دل سے نہیں چاہتی تھیں کیونکہ ان کی خواہش تھی کہ سچاریتا اپنے پرانے ماحول سے نکل کر اُن کے قبضے میں مکمل طور پر آ جائے۔ پاریش بابو کی دوسری لڑکیاں سچاریتا سے اتنی گھلی ملی ہوئی نہیں تھیں۔ لیکن للتا جس بے تکلفی سے یہاں آ کر سچاریتا سے باتیں کرنے لگتی تھی۔ وہ ہری موہنی کو

بالکل نہیں اچھا لگتا تھا۔ وہ بیچ بیچ میں کسی نہ کسی بہانے سے سچاریتا کو بلا کر ان کی باتوں میں مداخلت کیا کرتی تھیں۔ اور اس بات پر ناخوشی کا اظہار کیا کرتی تھیں کہ اب سچاریتا پہلے کی طرح اپنی پڑھائی میں دھیان نہیں لگاتی تھی۔ جب سچاریتا بیچ بیچ پڑھائی میں لگ جاتی تھی تو وہ یہ بات لکھنا بھی کبھی نہیں بھولتی تھی کہ تعلیم لڑکیوں کے لئے بالکل غیر ضروری اور نقصان دہ ہے۔!

حقیقت در اصل یہ تھی کہ چونکہ وہ سچاریتا کو اپنے بس میں نہیں کر سکی تھیں۔ اس لئے اُسے سہیلیوں کی وجہ سے کبھی پڑھائی کی وجہ سے ڈانٹتے رہنا ان کی عادت بن چکی تھی۔

وہ بنوئے اور لولتا کے پاس بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں لیکن پھر بیٹھی رہیں۔ کیونکہ انھیں شک تھا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی عجیب سا تعلق ہے ضرور۔ اس لئے اس نے اپنے دل میں کہا۔ تمہارے سماج کے اصول کیسے بھی کیوں نہ ہوں۔ میں اپنے گھر میں ایسی بے حیائی نہیں چلنے دوں گی۔ یہ سب کرسٹانوں جیسی حرکتیں ہیں۔؟

ادھر لولتا کے دل میں مخالفت کا ایک دوسرا ہی طوفان اُٹھ رہا تھا۔ کل اس نے سچاریتا کے ساتھ آنند موئی کے گھر جانے کے لئے سوچا تھا۔ لیکن عین وقت پر وہ وہاں نہیں جا سکی۔ گورا کے لئے اس کے دل میں بڑی عقیدت تھی لیکن اختلاف کا جذبہ بھی کچھ کم نہیں تھا۔ وہ اپنے اس خیال کو کسی طرح بھی دل سے نکال نہیں سکتی تھی کہ اس کے تئیں گورا کا رویہ بالکل غیر ہمدردانہ ہے۔

جس روز وہ جیل سے چھوٹا تھا اس دن سے بنوئے کے بارے میں بھی اس کے خیالات بدل گئے تھے۔ کچھ دن پہلے وہ اس بات کے لئے اپنے دل میں فخر محسوس کرتی تھی کہ بنوئے پر اس کا گہرا اثر ہے لیکن اب یہ سمجھ کر کہ بنوئے

اپنے اُوپر سے اپنے دوست گوما کے اثرات کو دُور نہیں کر سکے گا۔ وہ اس کی اس کمزوری پر اس کی مخالف سی ہو گئی تھی۔

اِدھر بنوئے کے دل میں بھی لولتا کے کمرے میں آنے کے بعد ایک ہلچل سی مچ گئی تھی۔ وہ اس کے بارے میں اپنے جذبات کو دبا نہیں سکتا تھا۔ جب سے ان کی شادی کی خبریں سماج میں پھیلی تھیں۔ تب سے اس کا دل لولتا کو دیکھتے ہی طوفان کی مقناطیسی سوئی کی طرح کانپنے لگتا تھا۔

بنوئے کو کمرے میں بیٹھا ہوا دیکھ کر لولتا کو سچاریتا پر بڑا غصہ آیا۔ وہ سمجھی بنوئے کو سمجھانے اور شادی کے لئے رضامند کرنے کے لئے سچاریتا نے اسے بلایا ہے۔ اس نے ہری موہنی سے کہا۔ دیدی سے کہئے گا میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتی۔ پھر کسی وقت آجاؤں گی۔

یہ کہہ کر بنوئے کی طرف نظر اٹھائے بغیر ہی جلدی سے باہر نکل گئی۔

اب ہری موہنی کا بھی وہاں بیٹھ رہنا ضروری نہیں تھا۔ وہ بھی جلدی سے اٹھ کر گھر کا کام کرنے کے لئے چلی گئیں۔

لولتا کے چہرے پر دبی ہوئی آگ کی جو کیفیت تھی وہ بنوئے پہلے تو کئی بار دیکھ چکا تھا۔ لیکن اب اس وقت اس نے ایک عرصے کے بعد دیکھی تھی مصیبتوں کے وہ دن جب لولتا کی مخالفت میں اس پر تیر برسایا کرتی تھی اب بظاہر گذر بھی چکے تھے۔ اور وہ اسی لئے فکروں سے آزاد ہو گیا تھا لیکن آج اس نے دیکھ کر لولتا نے اپنے ترکش سے پھر پرانے ہتھیار نکال لئے تھے۔ جن پر زنگ کا نام و نشان نہیں تھا۔ غصہ برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے لیکن بنوئے جیسے شخص کے لئے توہین برداشت کرنا تو اس سے زیادہ مشکل تھا وہ نہیں بھول سکتا تھا کہ لولتا کبھی گورا کو گرد سمجھنے پر اس سے نفرت کیا

کرتی تھی۔ اب وہ یہ سوچ کر پریشان ہو گیا کہ لولتا کے تئیں اس کی ذرا سی جھجک کو بھی اس کی بزدلی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ یہ بات اس کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ اس کی جھجک کو جو کسی فرض کے احساس کا ہی نتیجہ ہو سکتی ہے، بزدلی سمجھ لیا جائے اور اُسے اس موضوع پر چند الفاظ کہنے کا موقع بھی نہ دیا جائے۔

اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کے موقعہ سے بھی محروم ہو جانا ہنوتے کے نزدیک ایک بہت بڑی سزا تھی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اپنا نقطۂ نظر پیش کر سکتا ہے۔ اس کے لئے مناسب و موزوں الفاظ بھی استعمال کر سکتا ہے اور کسی بات کو ثابت کرنے کے لئے اس کی بحث کر لینے کی قابلیت کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ لیکن جب بھی اس کا لولتا کے ساتھ کوئی جھگڑا کھڑا ہو گیا تھا۔ لولتا نے اسے کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ آج بھی یہی ہوا تھا۔

میز پر اخبار کو پڑا ہوا دیکھ کر وہ بیقرار ہو اٹھا۔ جلدی سے اٹھایا اور دیکھا کہ ایک جگہ پنسل سے نشان بنا ہوا تھا۔ اس نے وہ کالم پڑھ ڈالا۔ اور فوراً سمجھ گیا لولتا اور ہنوتے ہی تنقید اور بحث کے موضوع بنے تھے۔ وہ سوچنے لگا کہ لولتا اپنے سماج کی نظروں میں ہمیشہ اس قسم کی توہین کا نشانہ بنتی رہے گی۔ لولتا جیسی جوشیلی لڑکی اگر اس سے اس وجہ سے نفرت کرتی ہے کہ وہ بجائے اس کے کہ اسے بدنامی سے بچانے کی کوشش کرے۔ ذات پات کے اصولوں کے بارے میں کچھ شاندار رائیں سوچ کر ان پر بحث مباحثہ کر کے وقت گذار رہا تھا۔ تو وہ غلط نہیں کرتی۔ جب اس نے اپنا اس جوشیلی لڑکی سے مقابلہ کیا جو سماج کی مخالفت بہت بہادری سے کرتی ہے تو اس کا سر شرم سے جھک گیا۔

جب بچاریتا اشنان کر کے اور ستیش کو سکول جانے سے پہلے کھانا کھلا کر

کمرے میں واپس آئی تو اس نے بنوئے کو بہت ہی اداس اور کھویا ہوا پایا۔ اس نے ان پچھلی باتوں کو نہیں دُہرایا۔

کھانا کھاتے وقت بنوئے ہاتھ دھونا بھول گیا تو ہری موہنی اُسے سمجھانے لگی ——— "بنوئے جب تم اپنے دھرم کرم کی کوئی بات نہیں کرتے تو پھر برہمو سماجی کیوں نہیں ہو جاتے"۔

یہ سُن کر بنوئے کے دل پر چوٹ سی لگی۔ اور اس نے کہا: "میں جس دن ہندو دھرم کو چھوت چھات اور کھانے پینے کے معاملے میں سخت پرہیز کرنے والا ایک بیکار دھرم سمجھوں گا اسی دن برہمو نہیں تو عیسائی یا مسلمان یا کوئی اور ہی بن جاؤں گا۔ لیکن ہندو دھرم سے ابھی میرا وشواس ختم نہیں ہوا ہے۔

سچاریتا کے گھر سے نکلتے وقت بنوئے کا دل بہت ہی بے چین تھا۔ جیسے وہ چاروں طرف سے دھکے کھا کھا کر ایک ایسے مقام پر آ گیا ہو جو بالکل سنسان ہو۔ کہیں سر چھپانے کے لئے بھی کوئی پناہ نہ ہو۔

"میں ایسی عجیب کیفیت میں کیونکر پھنس گیا ہوں" یہ سوچتا ہوا وہ سر نیچا کئے سڑک پر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ چلتے چلتے وہ ایک درخت کے نیچے پہونچ کر وہاں بیٹھ گیا۔ آج تک اس کی زندگی میں جب بھی کوئی الجھنیں پیدا ہوئی تھیں ان پر اس نے اپنے دوست گورا سے بحث کر کے اُن کا کوئی نہ کوئی حل نکال لیا تھا۔ لیکن آج وہ دروازہ بھی بند ہو چکا تھا۔ اُسے اب اکیلا ہی اپنی مشکلوں کا سامنا کرنا ہوگا۔

جہاں وہ بیٹھا ہوا تھا وہاں سورج کی کرنیں پڑنے لگیں تو وہ اٹھ کر سڑک پر چلنے لگا۔ ابھی وہ بہت دور نہیں گیا تھا کہ پیچھے سے ستیش کے پکارنے کی آواز سنائی دی۔ "بنوئے بابو۔ بنوئے بابو!" ایک لمحے کے بعد اسکے ننھے دوست

نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ آج جمعہ تھا اور ستیش سکول بند ہو جانے کے بعد گھر واپس جا رہا تھا۔

ستیش نے کہا ــــ "چلئے نبوتے بابو میرے ساتھ گھر چلئے نا!"

نبوتے نے کہا۔ کیسے چلوں

ستیش نے ضد کی: "آپ کیوں نہیں چل سکتے؟"

نبوتے نے اسے بتایا میرا وہاں بار بار جانا ٹھیک نہیں ہے ستیش۔ وہ لوگ ناراض ہوں گے۔

ستیش اس بات کو کوئی جواب دینے کے قابل نہ سمجھ کر بولا نہیں نہیں چلئے نا۔

ستیش نہیں جانتا تھا کہ نبوتے کے ساتھ تعلقات رکھنے کی وجہ سے اُن کے گھر پر کونسی بڑی مصیبت آپڑی تھی۔ اس لڑکے کی معصوم محبّت دیکھ کر نبوتے کا دل بھر آیا۔ پاریش بابو کے گھر سے اُسے جو مکمل خوشی نصیب ہوئی تھی اس کا علم اس گھر کے صرف اسی ایک شخص کو نہیں تھا۔ آج کی تباہی سے صرف اسی کا دل شک وشبہ کا شکار ہونے سے بچ رہا تھا صرف اس کی دوستی توڑنے میں سماج ناکام رہا تھا۔ اس کی گردن میں باہیں ڈال کر نبوتے نے کہا۔ ننھے بھیّا۔ چلو۔ میں تمھیں تمھارے گھر کے دروازے تک چھوڑ آؤں۔

اس نے محسوس کیا اس نے ستیش کو گلے سے لگا کر اُسے ویسی ہی محبّت کی گرمی محسوس کرائی تھی جیسی وہ بچپن سے لولتا اور سچاریتا سے پا رہا تھا۔

راستے میں چلتے چلتے ستیش مسلسل باتیں کرتا جا رہا تھا۔ اور وہ نبوتے کو بہت اچھی معلوم ہو رہی تھیں۔ اس کی محبّت بھری باتوں ہی کی وجہ سے وہ تھوڑی دیر کے لئے اپنی زندگی کی اُلجھن کو بھول سا گیا۔

سجاریتا کے گھر پہونچنے سے پہلے پاریش بابو کے گھر کے سامنے سے گزرنا پڑتا تھا۔ پاریش بابو کی بیٹھک جو مکان کی پہلی منزل پر تھی۔ راستے سے ہی دکھائی دیتی تھی۔ اس بیٹھک کے سامنے نیچے ہی ہوتے اوپر اس کمرے کی طرف دیکھے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس نے پاریش بابو کو میز کے سامنے بیٹھے ہوئے پایا۔ یہ نہیں معلوم ہو سکتا تھا کہ پاریش بابو کچھ کہہ رہے تھے یا نہیں۔ لیکن لولتا کی پیٹھ صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ان کے سامنے ایک اسٹول پر بڑی سعادت مندی سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔

سجاریتا کے گھر سے آنے کے بعد لولتا کے دل میں بڑی ہلچل مچ گئی تھی وہ بہت بے چین ہو چکی تھی۔ بے چینی کو ختم کرنے کے لئے اُسے پاریش بابو کے پاس جانے کے علاوہ اور کوئی راستہ نظر نہیں آیا۔ پاریش بابو کی شخصیت سے اُسے سکون کا احساس ملتا تھا کہ کبھی کبھی شوخ و شنگ لولتا اپنی بیقراری کو دبانے کے لئے چُپ چاپ ان کے کمرے میں چلی جاتی تھی آج پاریش بابو نے پوچھا۔

"کیا بات ہے لولتا؟" تو اُس نے جواب دیا "پتاجی کچھ نہیں۔ آپ کا کمرہ کتنا اچھا اور ٹھنڈا ہے۔"

پاریش بابو بالکل سمجھ گئے کہ آج وہ اُن کے پاس زخمی دل لے کر آئی ہے۔ کیونکہ ان کے اپنے دل میں بھی ایک درد چھپا ہوا تھا۔ اس لئے آج انھوں نے ایسی باتیں چھیڑ دیں جو انسان کی زندگی کے دُکھ سُکھ کو ہلکا کر دینے والی تھیں۔

باپ بیٹی کو اس طرح تنہائی میں باتیں کرتے دیکھ کر بنوئے کے پاؤں ایک لمحے بھر کے لئے جیسے جکڑ سے گئے۔ جو کچھ ستیش اس سے کہہ رہا تھا اس کی طرف وہ دھیان نہیں دے سکا۔

ستیش اس سے فوجی معاملات کے بارے ایک بہت ہی مشکل سوال پوچھ رہا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا۔ اگر بہت سے شیروں کو پکڑ کر سدھا لیا جائے اور دشمن سے جنگ کرتے وقت انھیں فوج کے آگے آگے بھیجا جائے تو کیا جیت نہیں ہو سکتی۔؟ ابھی تک تو سوالوں اور جوابوں کا سلسلہ بڑے مزے سے چلتا آ رہا تھا۔ اب نبوئے کو اچانک خاموش دیکھ کر ستیش نے اس کی طرف دیکھا کہ کیا بات ہو گئی تھی۔ جدھر نبوئے دیکھ رہا تھا اسی طرف دیکھتے ہوئے اس کی نظر لولتا پر پڑ گئی۔ اور وہ فوراً چلا اٹھا۔ لولتا دیدی۔ لولتا دیدی۔ دیکھو دیکھو میں نبوئے بابو کو سکول کے راستے سے پکڑ کر لئے چلا آ رہا ہوں۔

جب لولتا کرسی سے چونک کر اٹھ پڑی اور پاریش بابو بھی گلی میں جھانکنے لگے تو نبوئے کو بہت شرم آئی۔ اس بات کے لئے وہ خود ہی ذمہ دار تھا کسی طرح ستیش کو نیچے کر کے پاریش بابو کے گھر میں داخل ہو گیا۔

جب وہ اوپر پہونچا تو وہاں لولتا کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ یہ سوچ کر کہ اس نے ان کی تنہائی پر حملہ کیا تھا وہ بہت ہی نادم سا ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا

جب رسمی طور پر وہ ایک دوسرے کی خیریت وغیرہ پوچھ چکے تو نبوئے کہنے لگا۔ جب میں ہندو دھرم کے دھرم کرم کو پورا نہیں کر سکتا اور روز ہی اس کے اصولوں کو توڑتا رہتا ہوں تو پھر ایسی حالت میں میں کیا برہمو سماج کو قبول کر لینے سے میرا فرض پورا نہیں ہو جائے گا۔ میری خواہش ہے کہ یہ کام آپ کے ہاتھوں سے ہی سرانجام پائے۔

پندرہ منٹ پہلے تک یہ خواہش اور ارادہ نبوئے کے دل میں موجود نہیں تھا۔ اور اس کے منہ سے یہ سن کر پاریش بابو بھی حیران ہو کر خاموش سے رہ گئے پھر بولے لیکن کیا تم نے اس سوال پر ہر پہلو سے اچھی طرح غور کر لیا ہے؟

بنوئے نے جواب دیا: اس کے بارے میں زیادہ غور کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ میرے نزدیک دیکھنے کی بات صرف یہ ہے کہ یہ غلط ہے یا ٹھیک۔ معاملہ بالکل سیدھا ہے۔ میں نے کچھ سیکھا ہے۔ اس کی روشنی میں ایسے مذہب کو قبول نہیں کر سکتا جو شخص کچھ پابندیاں نہ نبھانے کی وجہ سے برباد ہو جاتا ہے۔ قدم قدم پر خیالات کی جو ٹکر ہوتی رہتی ہے اسے دیکھ کر میں سمجھتا ہوں کہ اس سے تو میں ان لوگوں کو بھی دُکھ پہنچاتا رہوں گا جو ہندو مذہب کے کٹر پابند ہیں۔ میں ایسے ماحول سے آزاد ہو جانا چاہتا ہوں۔ اگر ایسا نہیں کروں گا تو اپنی عزت بھی کھو بیٹھوں گا۔

پاریش بابو کو اس کے اتنے لمبے چوڑے بیان کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ یہ بات خود بنوئے کے اپنے ارادے کو مضبوط کرنے کے لئے ضروری تھی۔ غلط اور ٹھیک راستے پر بولتے وقت اس کا دل ایک فخر کے احساس سے بریز ہو گیا جیسے ٹھیک راستے کو وہ اپنا کر جیت بھی سکتا تھا۔

پاریش بابو نے پوچھا۔ دھرم وشواش کے بارے میں تمہارے خیالات برہمو سماج سے ملتے ہیں نا؟

بنوئے بولا۔ آپ سے سچ کہوں۔ پہلے میں سمجھتا تھا میرے اندر کوئی دھرم وشواس ہے۔ اسی موضوع پر لوگوں کے ساتھ بحث بھی کرتا رہتا تھا لیکن اب محسوس کرتا ہوں کہ دھرم وشواس کے میرے خیالات ابھی تک ناپختہ ہیں۔ اس بات کا احساس مجھے آپ سے ملتے رہنے کی وجہ سے ہوا ہے۔ مجھے زندگی میں آج تک دھرم کی صحیح ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے میرا وشواس بھی پیدا نہیں ہو سکا۔ ہمارے سماج میں آج کل جو تازہ ترین دھرم اور کرم چلے ہوئے ہیں۔ میں نے صرف ان ہی کو اپنا لیا تھا۔ اور پورے

جوش وخروش کے ساتھ اُنھیں کی حمایت بھی کرتا رہتا تھا۔ میں نے ایسا سوچنے کی ضرورت ہی کبھی محسوس نہیں کی کہ کونسا دھرم سچا ہے۔ میں صرف اس دھرم کو سچا ثابت کرنے میں زور لگاتا رہا ہوں جس کے ساتھ رہ کر میری جیت ہو سکتی ہے اس کی حمایت کرنے میں مجھے جتنی زیادہ محنت کرنی پڑتی مجھے اتنا ہی فخر بھی ہوتا میں اب بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے اندر صحیح اور قدرتی طور پر دھرم وشواس موجود ہے یا نہیں۔! لیکن یہ یقینی ہے کہ اگر میں صحیح ماحول میں پہونچ جاؤں اور ایسے لوگوں سے مل جاؤں جو میرے سامنے آدرش رہے ہیں میں اس معاملے میں ترقی کر سکوں گا۔ میں ہر قیمت پر ایسی نمائشی حرکتوں سے چھٹکارا پانا چاہتا ہوں جن کی وجہ سے میں خود کو جیتا ہوا سمجھتا ہوں۔ ساتھ ساتھ اس سے میرے ضمیر کو چوٹ بھی پہونچتی رہتی ہے۔

پاریش بابو کے ساتھ باتیں کرتے وقت اسکے سامنے اپنے اندر کی سب الجھنیں صاف اور آسان ہو گئیں۔ اور اس کے اندر ایک ایسا جوش اُمنڈنے لگا جیسے کئی دن تک ہر بات کے تولنے کے بعد وہ اس فیصلے پر پہنچا تھا۔

پھر بھی پاریش بابو نے اُسے رائے دی کہ کچھ فیصلہ کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لے جس سے بنوئے کو یہ اندازہ ہوا کہ پاریش بابو اس کے فیصلے کی پختگی پر شک کرتے ہیں۔ اس سے اس کے اندر اور بھی ضد پیدا ہو گئی وہ بار بار اس بات پر زور دینے لگا۔ کہ وہ اپنے فیصلے پر ثابت قدم رہے گا۔ اور کبھی بھی ایک انچ وہاں سے نہیں سرکے گا۔ لولتا کی شادی کا ذکر دونوں میں سے کسی نے بھی نہ کیا۔

اسی موقع پر برودا دیوی بھی کسی کام کا بہانہ بنا کر پہنچیں اور جب کام پورا کر چکیں تو وہ اس طرح باہر جانے لگیں جیسے انھوں نے بنوئے کو دیکھا ہی نہیں تھا۔

بنوئے کا خیال تھا کہ پاریش بابو برداد یوی کو بلاکر یہ تازہ خبر اُسے ضرور سنائیں گے لیکن پاریش بابو نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ بتانے کے لئے ابھی وقت نہیں آیا تھا۔ وہ اس معاملے کو بالکل چھپاکر رکھنا چاہتے تھے لیکن جب برداد یوی نے ایسا غصّے اور سختی کا رَویّہ اختیار کرلیا تو بنوئے خود کو روک نہیں سکا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔ اس کے پاؤں پر جھک کر بولا۔ میں آج آپ کے پاس یہ بتانے کے لئے آیا ہوں کہ میں برہمو سماج میں شامل ہونے کو تیار ہوں۔ میں جانتا ہوں میں اس کے قابل نہیں ہوں لیکن امید کرتا ہوں کہ آپ مجھے ضرور قبول کریں گی۔

یہ سُن کر برداد یوی حیران ہوگئی اور کمرے میں واپس آکر پاریش بابو کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

پاریش بابو نے کہا۔ "بنوئے کہتا ہے مجھے برہمو بنالو"

یہ سن کر برداد یوی کو ایک فتح کا احساس ہوا۔ لیکن اس میں خوشی کی کوئی جھلک نہیں تھی۔ وہ یہ بات شدت سے چاہتی تھی کہ پاریش بابو کو ایک بار ضرور سبق سکھائیں۔ انھوں نے ایک مذہبی راہبر کی طرح پورے اعتماد کے ساتھ یہ اعلان کیا تھا کہ پاریش بابو کو ایک دن ضرور پچھتانا پڑے گا۔ اور آج وہ پاریش بابو کو سماج کے اندر چلی ہوئی تحریک کی وجہ سے بدلا ہوا دیکھ رہی تھیں۔ وہ اندر ہی اندر بہت بیقرار ہوگئیں۔ اب جبکہ ان کی سب مشکلیں دور ہوتی دکھائی دے رہی تھیں تو وہ خوش ہوگئیں اور بولیں۔

"اگر یہ تجویز کچھ دن پہلے آجاتی تو ہم لوگوں کو اتنی تکلیف اور بے عزتی نہ سہنی پڑتی۔

پاریش بابو بولے۔ اس وقت تکلیف اور بے عزتی کی بات نہیں ہو رہی

ہے۔ بنوتے برہمو سماج میں آنا چاہتا ہے بس۔

صرف یہی! بردوا دیوی نے پوچھا۔

بنوتے بولا —— بھگوان جانتا ہے آپ لوگوں کی ساری تکلیف اور بے عزتی میری وجہ سے ہو رہی ہے۔

پاریش بابو بولے "دیکھو بنوتے! اچھی طرح غور کئے بغیر برہمو سماجی ست بنو میں نے تم سے یہ بات پہلے بھی کہی تھی کہ کہیں تم اس خیال سے یہ قدم تو نہیں اٹھا رہے ہو کہ ہم اپنے سماج والوں کے درمیان مشکل میں پھنس گئے ہیں۔

بردوا دیوی نے کہا —— "یہ ٹھیک ہے لیکن میرا کہنا یہ ہے ہم لوگوں کو جال میں پھنسا دینے کے بعد اُن کا خاموش رہنا بھی کسی طرح سے مناسب نہیں ہے۔

پاریش بابو سنجیدگی سے بولے۔ خاموش رہنے کے بجائے جوش میں آ کر آدمی اور بھی سختی سے جال میں پھنس جاتا ہے۔ کچھ کرنے ہی کا نام فرض نہیں ہے۔ کبھی کبھی انسان کا یہی سب سے بڑا فرض بن جاتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہ کرے۔

بردوا دیوی نے کہا۔ ہاں ہاں میں تو ٹھہری بیوقوف! کسی بات کو سمجھ ہی نہیں سکتی۔ لیکن میں جاننا چاہتی ہوں اس بات کے بارے میں آخر فیصلہ کیا کیا جاتا ہے۔ مجھے گھر میں اور بھی کام ہیں۔

بنوتے بولا۔ پرسوں یعنی اتوار کو مجھے اپنے مذہب کی پناہ میں لے لیجئے کیوں پاریش بابو۔ آپ ....

نہیں۔ پاریش بابو نے اس کی بات کاٹ دی۔ میرے گھر کو جس بات سے کوئی فائدہ پہونچتا ہو وہ اس معاملے کو اپنے ہاتھوں میں کبھی نہیں لے گا بہتر ہوگا

تم برہمو سماج کو براہ راست درخواست دو۔

یہ سُن کر بنوئے کی بڑی دل شکنی ہوئی۔ وہ یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ برہمو دھرم قبول کرنے کے لئے اسے پہلے سماج کے ان لوگوں کے سامنے باقاعدہ درخواست بھی دینی پڑے گی جو اس کا اور لولتا کا نام اُچھالنے کے لئے ذمہ دار تھے۔ وہ ایسی درخواست لکھ ہی کیسے سکتا تھا۔ کیا لکھتا؟ کس منھ سے لکھتا؟ درخواست برہمو سماج کے اخباروں میں شائع کی جائے گی۔ جسے گورا اور آنند مُوئی بھی پڑھیں گے۔ وہ اُن کو مُنھ کیسے دکھا سکے گا۔ اگر اس کی درخواست میں صرف اتنی ہی بات ہوتی کہ اس کا دل بکایک اس دھرم کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوگیا ہے تب تو ٹھیک تھا۔ لیکن بات صرف یہیں تک محدود نہیں تھی۔

بنوئے کو خاموش دیکھ کر برودا دیوی کے دل میں خدشہ اُٹھنے لگا۔ وہ بولیں یہ تو میں بھول ہی گئی تھی کہ بنوئے کو صرف ہم لوگوں کے سوا برہمو سماج میں کوئی جانتا ہی نہیں ہے۔ اس بات کی فکر تم نہ کرو۔ ہم سب انتظام خود ہی کرلیں گے میں فوراً ہرن بابو کو بلواتی ہوں۔ وقت ضائع نہیں ہونا چاہئے اتوار بہت دُور نہیں ہے

جب وہ خاموش ہوئیں تو اس وقت دروازے کے سامنے ادھر جاتے وقت سُدھیر گذرا۔ اس نے سُدھیر کو بلا کر بتایا۔ سُدھیر، بنوئے اتوار کو برہمو سماجی بن جائے گا۔

سُدھیر بنوئے کو بہت پسند کرتا تھا۔ وہ یہ سن کر بہت خوش ہوا کہ بنوئے برہمو سماجی بن جائے گا۔ وہ اس بات کے لئے ہمیشہ افسوس کرتا رہتا تھا کہ بنوئے جیسا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بہت اچھی انگریزی لکھنے والا شخص ان کے سماج کا ممبر نہیں ہے۔ اسے اس بات پر بھی فخر اور خوشی محسوس ہوتی کہ بنوئے جیسے پڑھے لکھے شخص سوائے برہمو سماج کے اور کسی مذہب میں خوش ہی نہیں رہ سکتے وہ کہنے لگا۔

"لیکن اس کا انتظام اتوار کو کیسے ہوسکے گا۔ اتنے تھوڑے عرصے میں اتنی بڑی بات کی خبر بھی نہیں پھیلائی جاسکے گی۔

وہ چاہتا تھا کہ نبوتے بابو کے برہمو بن جانے کی خبر کو ایک مثال بنا کر ہر شخص کے سامنے پیش کیا جائے۔

برداوی دیوی نے کہا۔ نہیں نہیں۔ اتوار تک سب کچھ ہو جائے گا۔ بس تم جلدی سے جا کر ہرن بابو کو بلا کر لے آؤ۔ شدھیر!

جو شدھیر نبوتے کی مثال کی نمائش کر کے برہمو سماج کی طاقت اور فتح ثابت کرنا چاہتا تھا وہی سدھیر یہ بات سن کر گہری سوچ میں پڑ گیا۔

ہرن بابو کا نام سنتے ہی نبوتے جانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ برداوی دیوی بولی۔ تھوڑی دیر اور بیٹھ جاؤ، ہرن بابو آجائیں گے۔ تمھیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔

وہ اس گھر سے نکل کر سب باتوں پر اچھی طرح غور کرنے کیلئے مہلت چاہتا تھا۔

جب وہ جانے کے لئے اُٹھا تو پاریش بابو نے اُٹھ کر اُسکے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ جلدی میں کوئی کام مت کرنا۔ نبوتے کچھ دیر آرام کرو۔ خاموشی سے سوچو۔ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے خوب غور کرلو جس بات کا اثر تمھاری ساری زندگی پر پڑتا ہے اُسے پوری طرح سمجھے بغیر نہیں کرنا چاہئے۔

بَرداوا دیوی کو دل ہی دل میں اپنے شوہر پر بڑا غصہ آیا۔ چڑ کر بولیں شروع شروع میں کوئی سوچ سمجھ کر کام نہیں کرتا۔ غلطی کر بیٹھتا ہے۔ اسکے بعد جب اس کی سانس گھٹنے لگتی ہے تب وہ کہتا ہے بیٹھ کر سوچو۔ تم لوگ

سوچتے رہو۔ لیکن ہماری زندگیاں تو خطرے میں پھنسی ہوئی ہیں۔

سدھیر بنوئے کے ساتھ ساتھ گھر سے باہر نکل گیا۔ اس کا دل بیقرار ہو اُٹھا تھا۔ جیسے کوئی کھانا کھانے سے پہلے اسے ذرا سا چکھ لینے کی خواہش رکھتا ہے۔ اس طرح وہ بنوئے کو اپنے ساتھ اپنے سماج کے دوستوں کے پاس لے جانا چاہتا تھا تاکہ وہاں جاکر اس بات کا جشن منایا جائے۔ لیکن اسکے اس جوش وخروش کو دیکھ کر بنوئے پہلے سے بہت اداس ہو گیا۔ جب سُدھیر نے اُسے ہرن بابو کے ہاں چلنے کے لئے کہا تو وہ اس کا ہاتھ چھڑا کر تیزی کے ساتھ چلا گیا۔

کچھ دُور جاکر اس کی نظر ابھناش اور اس کے دو تین دوستوں پر پڑی۔ وہ سب جلدی جلدی کہیں جا رہے تھے۔ بنوئے کو دیکھتے ہی وہ لوگ رُک گئے۔ اور ابھناش نے کہا۔ ارے بنوئے بابو۔ یہاں چلئے۔ بنوئے بابو ہمارے ساتھ آئیے۔

کیوں ——— ؟ کہاں جا رہے ہو تم۔ بنوئے نے پوچھا۔

ہم لوگ کاشی پور باغ میں گوردھن بابو کے پرائشچت کے لئے یگیہ کی تیاری کرنے اکیلے جا رہے ہیں۔ آپ بھی آئیے نا؟

نہیں میرے پاس وقت نہیں ہے۔

کیا کہتے ہیں آپ بنوئے بابو۔ ابھناش حیران ہو کر بولا۔ آپ کو کچھ اندازہ بھی ہے۔۔ یہ کتنا بڑا یگیہ ہوگا۔ اگر یہ معمولی بات ہوتی تو گوردھن بابو کبھی اس کا ارادہ بھی نہ کرتے۔ آج کل تو ہندوؤں کو اپنی قوت کا مظاہرہ کرنا ہی ہی چاہیئے۔ گوردھن بابو کے اس پرائشچت سے سارے ملک میں بڑی ہلچل پیدا ہو جائے گی۔ ہم دیش کے کونے کونے سے ودوان پنڈتوں کو

بلا رہے ہیں۔ اس لئے اس کا اثر ساری ہندو جاتی پر پڑے گا۔
انھیں معلوم ہو جائے گا کہ ہندو دھرم ابھی تک مرا نہیں۔
ابھناسش کی اِن بے وقوف بنانے والی باتوں سے کسی طرح بچ کر
نیوتے وہاں سے بھاگ گیا۔

———(ختم)———

اُنسٹھواں باب

جب ہرن بابو نے بردوا سُندری کے ہاں آکر سب باتیں سُنیں تو وہ کچھ سنجیدہ ہو گئے اور پھر کہنے لگے۔ اس معاملے میں لولتا کو بُلا کر اس کی رائے بھی لینی چاہئے۔

لولتا کے آجانے پر ہرن بابو نے بناوٹی طور پر سنجیدہ ہو کر کہا۔ دیکھو لولتا تمہاری زندگی میں ایک بہت بڑی ذمہ داری اُٹھانے کا وقت آپہونچا ہے۔ ایک طرف تو تمہارا دھرم ہے اور دوسری طرف محبت تمہیں اُن میں سے ایک کو چُننا ہو گا۔

یہ کہہ کر وہ اس کے چہرے کا ردّ عمل دیکھنے کے لئے رُکے۔ اُن کا خیال تھا کہ دھرم کے لئے پیدا ہوئے جذبات کے طوفان کے سامنے انسان کی بزدلی نہیں ٹک سکتی۔ اور بناوٹی لگاؤ یا عقیدت بھی بالکل ہوا ہو جاتی ہے۔ اُن کے مذہبی جوش کی یہ روشن ترین مثال برہمو سماج کے لئے بہت بڑی اہمیت حاصل ہو گی۔

لیکن لولتا نے کوئی جواب نہ دیا۔ چپ چاپ بیٹھی رہی۔ ہرن بابو کہتے رہے تم نے بھی یقیناً سُن لیا ہو گا کہ تمہارا خیال کر کے یا کسی اور وجہ سے بنوئے بابو نے برہمو سماج میں شامل ہونا منظور کر لیا ہے۔

یہ خبر لولتا کے لئے نئی تھی لیکن اس کے متعلق اس نے نہ کوئی رائے ظاہر کی، نہ ہی اس کے چہرے پر کوئی چمک پیدا ہوئی۔ بلکہ وہ پتھر کی مورتی بنی رہی

طرح بیٹھی رہی۔

ہرن نے کہا۔ یہ خبر سُن کر پاریش بابو یقیناً خوش ہیں۔ لیکن اس بات کا فیصلہ تو تمہیں کرنا ہے کہ یہ خبر خوشی کی ہے یا نہیں۔ اس لئے برہمو سماج کے نام پر تم سے اپنی جنونی خواہشات ایک طرف رکھ کر اپنے دل سے یہ سوال کرنے کے لئے درخواست کرتا ہوں۔ اس خبر پر خوش ہونا چاہیئے یا نہیں۔

چونکہ لولتا پھر بھی خاموش رہی۔ ہرن بابو سمجھے ان کی باتوں کا اس پر بہت اثر پڑ رہا ہے۔ اس لئے انھوں نے اپنی کوشش کو اور تیز کر دیا —— "زندگی میں خود کو ایک دھرم کی پناہ دے دینے کی رسم بہت بڑی رسم ہوتی ہے کیا تم اس بات کے حق میں ہو۔ کہ اتنی بڑی رسم کو اس طرح ناپاک کرنیکی اجازت دی جائے؟ کیا ہم خوشی، آرام اور ذاتی تعلقات کے عوض اپنے سماج کو بدی کے راستے پر ڈال دیں۔ اور بناوٹ کا رویّہ اختیار کر کے اُسے باعثِ تعظیم بنا دیں۔ بُرلو نا۔ لولتا کیا تم اپنی زندگی میں برہمو سماج کی تاریخ کے اس تکلیف دہ واقعہ کے ساتھ خود کو وابستہ کرنا پسند کرو گی۔

اس سوال پر لولتا بھی اسی طرح بیٹھی رہی۔ خاموش ساکت، صرف اسکے ہاتھوں کی مُٹھیاں کرسی کے بازوؤں پر تن گئی تھیں۔ ہرن بابو نے پھر کہا۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ انسان کی ذاتی خواہشات اس کے کردار کو کمزور کر دیتی ہیں اور میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ انسانی کمزوریوں کو معاف بھی کرنا پڑ جاتا ہے۔ لیکن جب انسان کی وہی کمزوری صرف اسی کی زندگی کو نہیں بلکہ سیکڑوں ہزاروں اور لوگوں کی زندگیوں کو متاثر کر کے ان کی ایک ہی پناہ گاہ کو تباہ و برباد کر دے تب لولتا بتاؤ —— کیا وہ ایک لمحے کے لئے بھی معاف کی جا سکتی ہے؟ کیا اسی کمزوری کو معاف کرنے کی خدا ہمیں اجازت دیتا ہے۔

"نہیں نہیں ہرن بابو، لوتا چلا کر کرسی سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی ۔ آپ ہرگز نہ معاف کیجئے ۔ ہم آپ کی ایسی باتیں سُننے کے عادی ہو چکے ہیں ۔ گر آپ کسی کو کبھی واقعی معاف کرنے کے قابل ہو سکے تو وہ کسی سے بھی برداشت نہیں ہو سکے گا ۔ یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئی ۔

جو کچھ ہرن بابو نے کہا تھا اس سے بردوا دیوی کو بہت تکلیف پہنچی تھی کیونکہ وہ بنوئے کو کسی قیمت پر ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتی تھی ۔ لیکن ہرن بابو کی وجہ سے ان کی یہ کوشش رائگاں چلی جائے گی ۔ اس پر انھیں بہت غصہ آیا ۔ انھوں نے کمیا کے ہرن بابو کو واپس کر دیا ۔ اب وہ بالکل بے بس تھیں ، نہ پاریش بابو کو اپنی طرف کر سکیں نہ ہی ہرن بابو کو ۔ ان میں سے کسی کو خیال بھی نہیں آسکتا تھا کہ وہ ایسی الجھن میں پھنس گئی تھیں ۔ ہرن بابو کے متعلق ان کی رائے بالکل بدل گئی ۔

بنوئے جب تک برہمو سماج میں شامل ہونے کے معاملے کو معمولی طور پر دیکھتا رہا تب تک وہ بڑی مضبوطی کے ساتھ اپنے ارادے کا اظہار کرتا رہا ۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ اس مقصد کے لئے برہمو سماج میں ایک باقاعدہ درخواست بھیجنی پڑے گی اور اس پر ہرن بابو کا مشورہ بھی طلب کیا جائے گا ۔ وہ اس کی عام تشہیر سے خوف زدہ ہو گیا ۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جائے ۔ کس سے مشورہ کرے ۔ اس بات کے لئے آنند موئی کے پاس جانا بھی اسے مشکل معلوم ہوتا تھا ۔ باہر گھومنے جانے کی خواہش بھی اسے نہیں رہی ۔ وہ اپنے ذاتی گھر کے اوپر والے کمرے میں جا کر بستر پر پڑا رہا ۔

شام ہو جانے پر اس کا نوکر کمرے میں بتی جلانے کے لئے آیا تو وہ اسے ایسا کرنے سے منع کر دینے والا تھا کہ اچانک اُسے نیچے سے ستیش کے پکارنے کی آواز سُنائی دے گئی : "بنوئے بابو" یہ آواز سُن کر اس کی جان میں جان آگئی

جیسے کسی صحرا کے بیچ میں اُسے اچانک پانی کا چشمہ مل گیا ہو۔ اس وقت ساری دنیا میں ایک ستیش ہی تھا جو اس کی دلجوئی کر سکتا تھا۔ ستیش کی آواز کان میں پڑتے ہی اس کے جسم کا سارا بھاری پن غائب ہو گیا۔ "کیا بات ہے چھوٹے بھیا" کہتا ہوا وہ بستر سے کود پڑا۔ پاؤں میں کچھ پہنے بغیر ہی سیڑھیوں کی طرف دوڑا۔ وہاں نیچے صحن میں سیڑھیوں کے پاس ستیش کے ساتھ برودا دیوی بھی کھڑی تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا اسے پھر وہی باتیں سننی پڑیں گی۔ ایک بار پھر اسی الجھن میں پھنسنا ہوگا۔

اوپر آجانے کے بعد برودا دیوی نے ستیش کو باہر برآمدے ہی میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ لیکن بنوئے اس کی دلچسپی سے اسے ایک دوسرے کمرے میں لے گیا وہاں اسے دیکھنے کے لئے تصویروں والی کتابیں دے دیں۔

برودا دیوی نے اپنی گفتگو یوں شروع کی۔ بنوئے چونکہ تم اس سماج میں کسی اور کو نہیں جانتے ہو اس لئے ہمارے دھرم میں داخل ہونے کے لئے درخواست مجھے لکھ کر دے دو۔ اسے میں خود لے کر صبح صبح چلی جاؤں گی۔ اور اتوار تک سارے انتظامات بھی مکمل کر لوں گی۔ تمہیں ایک لمحے کے لئے بھی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ سُن کر بنوئے حیران رہ گیا۔ ایک لفظ بھی نہ بول سکا۔ لیکن اس نے ایک درخواست لکھ کر اس کے حوالے کر دی۔ وہ چاہتا تھا۔ کچھ بھی ہو، اب ان مشکلوں میں سے جن میں سے نکل آنا بہت آسان نہیں تھا باہر نکلنے کے لئے کوئی راہ ملنی ہی چاہئے۔

برودا دیوی نے سرسری طور سے للتا کی شادی کا بھی ذکر کر دیا تھا۔

جونہی وہ وہاں سے گئیں بنوئے کی بیزاری بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ اب للتا کی بھی یاد اسے اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے برودا دیوی کو للتا ہی نے اتنی جلدی کرنے کے لئے حوصلہ افزائی کی ہوگی۔ چونکہ وہ خود

اپنی نظر میں اپنی وقعت کھو بیٹھا تھا۔ اس لئے اس کے نزدیک کسی دوسرے کی بھی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔

ادھر بردوا دیوی گھر لوٹنے کے بعد یہ سوچ رہی تھی کہ وہ لولتا کو ایک ایسی خبر سُنا سکے گی جس سے وہ بہت ہی خوش ہو جائے گی۔ چونکہ ان کو معلوم ہو چکا تھا کہ اُن کی بیٹی بنوئے سے محبّت کرتی ہے۔ اور اسی وجہ سے ان کے سماج میں اتنا شور پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے لئے وہ اپنے سوا ہر شخص کو قصور وار سمجھتی تھیں۔ کئی روز تک اس نے لولتا سے کوئی بات تک نہیں کی تھی لیکن اب جبکہ ایک راستہ نکل آیا تھا اور یہ سب اس کی اپنی کوششوں کا ہی نتیجہ تھا وہ اتنی اچھی خبر جلد سے جلد لولتا کو سُنا دینے کے لئے بیقرار ہو رہی تھیں۔ لولتا کی تو ہر کوشش بیکار ثابت ہوئی تھی۔ وہ بھی بنوئے کو ٹھیک راستے پر لے آنے میں ناکام رہی تھیں۔ ہرن بابو بھی کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ یہ کام بردوا دیوی ہی اکیلی کر سکتی تھی۔ ہاں ہاں! ایک عورت نے کام ایسا کر لیا تھا جسے آدھے درجن مرد بھی پورا نہیں کر سکتے تھے۔

گھر جا کر اُسے معلوم ہوا آج پہلے ہی لولتا سونے کے لئے اپنے کمرے میں چلی گئی ہے اور اس کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔ وہ مسکرا کر اپنے آپ سے بولیں۔ میں اسے پھر سے اچھا کر لوں گی۔ لیمپ اٹھائے، وہ سونے کے کمرے میں گئیں۔ وہاں انھوں نے لولتا کو صوفے میں لیٹ کر کچھ پڑھتے ہوئے پایا۔

اُن کو دیکھ کر لولتا اُٹھ بیٹھی اور پوچھا "ماں تم کہاں گئی تھیں؟

اس کی آواز میں ایک قسم کی تیزی بھی تھی۔ کیونکہ اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ ستیش کو لے کر بنوئے کے ہاں گئی تھیں۔

بردوا دیوی نے کہا "میں بنوئے کے پاس گئی تھی۔"

"کیوں ؟"

کیوں ! نہ جاتی ؟ دل ہی دل میں برودا دیوی کچھ ناراض بھی ہوئیں۔ للتا مجھے اپنا دشمن ہی سمجھتی ہے۔ احسان فراموش لڑکی۔

اس لئے ـــــ یہ کہہ کر اس نے بنوئے کا خط للتا کے ہاتھ میں دے دیا۔ خط پڑھ کر للتا کا چہرہ گہرا سرخ ہو گیا۔ کیونکہ برودا دیوی نے اس بات کو اپنا کارنامہ قرار دیا کہ وہ بنوئے پر بہت زور دے کر اس سے ایسا خط لکھوانے میں کامیاب ہو گئیں تھیں۔ وہ اس بات کو بڑے فخر سے کہہ رہی تھیں کہ ان کے علاوہ اور کسی میں اس کام کو اس خوش اسلوبی سے کروا لینے کی قابلیت ہی نہیں تھی۔

منہ کو ہاتھوں میں چھپا کر للتا صوفے میں لیٹ گئی۔ اور برودا دیوی یہ سوچ کر کہ چونکہ وہ اپنے جذبات ظاہر کرنے سے شرما رہی ہے باہر چلی آئیں۔

دوسرے دن جب وہ برہمو سماج میں لے جانے کے لئے خط لینے کے لئے گئیں تو دیکھا کہ کسی نے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے ہیں۔

———(۵)———

ساٹھواں باب

دوسرے دن شام کے وقت جب سچاریتا پریش بابو کے ہاں جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی تو نوکر نے آکر کسی شخص کے آنے کی اطلاع دی۔ کون ہے، اس نے پوچھا۔ بنوئے بابو تو نہیں؟ نوکر نے بتایا کہ بنوئے بابو نہیں ہیں بلکہ کوئی اور اونچے سے قد کا گورے رنگ کا آدمی۔ یہ سن کر سچاریتا حیران ہوئی نوکر سے کہا۔ انھیں اوپر کے کمرے میں بٹھاؤ۔

اس دن اسے اس بات کا خیال بھی نہیں تھا کہ وہ کیا اور کیسے کپڑے پہنے ہوئے ہے۔ جیسی وہ آئینہ میں دکھائی دیتی تھی اس سے وہ مطمئن بھی نہیں تھی لیکن اب کپڑے بدلنے کا وقت بھی نہیں تھا۔ اس لئے جلدی جلدی بالوں کو الٹا سیدھا سمیٹا۔ کپڑے ذرا ٹھیک کئے، اور پھر اوپر چلی گئی۔ وہ بھول گئی تھی کہ اس کی میز پر گورا کی کتابیں بکھری ہوئی تھیں۔ میز کے پاس سامنے گورا بیٹھا ہوا تھا۔ اب ان کتابوں کو ہٹانے یا سمیٹنے کا موقع بھی نہیں تھا۔

وہ بولی۔ خالہ آپ سے کتنے دن سے ملنے کے لئے کہہ رہی تھیں۔ میں جا کر انھیں آپ کے آنے کی اطلاع دیتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ جلدی سے کمرے سے باہر چلی گئی۔ کیونکہ تنہائی میں تو اسے ملنے کے لئے اس کے اندر جرأت بھی نہیں تھی۔

کچھ ہی دیر کے بعد سچاریتا ہری موہنی کو لے کر آگئی۔

پچھلے دنوں ہری موہنی بنوئے سے گورا کی زندگی، اس کے خیالات اور

دھرم کرم کے بارے میں سُنتی رہی تھی۔ اور دوپہر کے وقت کبھی کبھی وہ سچاریتا سے گورا کی لکھی ہوئی کتابوں میں سے کچھ پڑھ کر سنانے کے لئے کہا کرتی تھیں۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھیں کہ گورا اپنے وید شاستروں پر پکا وشواس کرنے والا تھا۔ اور اس کے مضامین، ان لوگوں کی مذمت کرتے تھے جو اپنے مذہب کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ یہ سب سُن کر دوپہر کا وقت اچھا کٹ جاتا تھا۔ اُن کے دل میں گورا کے لئے بڑی جگہ تھی۔ کیونکہ اس سے عجیب اور بڑی بات کیا ہوسکتی تھی کہ کوئی انگریزی پڑھ لکھ کر بھی اپنے مذہب کے اصول پر چٹان کی طرح جما رہتا۔

جب انھوں نے اس برہمو گھرانے میں بنوسئے کو پہلی بار دیکھا تھا تو بہت خوش ہوئی تھیں۔ لیکن دھیرے دھیرے اور خاص طور پر جب اس نے اپنا مکان لے لیا تو وہ بنوسئے کے حالات کو جاننے لگیں۔ اور ان کو دُکھ ہونے لگا۔ اس لئے اب وہ گورا سے ملنے کے لئے بہت زیادہ بیقرار تھیں۔

گورا کو دیکھا تو حیران رہ گئیں۔ اُن کے سامنے واقعی ایک سچا برہمن موجود تھا۔ یگیہ کی پوتر اگنی کی طرح بھڑکتا ہوا بالکل مہادیو کی مانند چمکتا ہوا! جب وہ اسے پرنام کرنے کے لئے اُٹھا تو ہری موہنی گھبرا کر پیچھے ہٹ گئیں۔ میں تمہارے بارے میں بہت کچھ سُن چکی ہوں۔ لیکن جب تمھیں دیکھتی ہوں تو بڑی حیرانی ہوتی ہے کہ ان لوگوں نے تمھیں جیل میں کیسے بند کر دیا۔

گورا ہنس کر بولا۔ اگر مجسٹریٹ لوگ آپ جیسے ہوتے تو جیل چوہوں اور چمگادڑوں کو پھنسانے والے پنجرے ہی ہوتے۔

ہری موہنی بولی ـــــــ نہیں بیٹا۔ اس دُنیا میں چوروں اور مکاروں کی کمی نہیں ہے۔ لیکن مجسٹریٹ کیا اندھا تھا۔ تمھاری تو صورت ہی دیکھ کر کوئی یہ سمجھ

سکتا ہے کہ تم معمولی انسان نہیں ہو، بلکہ بھگوان کا ایک روپ ہو۔ کیا جیلوں میں لوگوں کو صرف اس لئے بھر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ جیل کو کسی طرح بھرنا بھی ہے۔ رام رام یہ کیسا انصاف ہے۔

گورا نے کہا۔ چونکہ انسان کا چہرہ دیکھنے سے انھیں بھگوان کا سروپ دکھائی دینے لگتا ہے۔ اس لئے وہ اپنی نظر صرف قانون کی کتابوں پر ہی گاڑے رہتے ہیں اگر وہ بہت سارے لوگوں کو کوڑے نہ لگائیں۔ قید نہ کریں، کالا پانی نہ بھیجیں اور پھانسی نہ دیں تو انھیں روٹی کیسے ملے۔ رات کو آرام سے کیونکر سوئیں۔

ہری موہنی بولیں "جب مجھے فرصت ہوتی تھی تو میں رادھا رانی سے تمہاری کتابوں میں لکھی ہوئی باتیں سنتی تھی۔ اور سوچتی تھی کبھی میں یہ باتیں تمہارے منھ سے بھی سنوں گی۔ میں ایک غریب اور مورکھ عورت ہوں۔ اور بڑی بدقسمت بھی۔ نہ کچھ سمجھ سکتی ہوں نہ ہر بات پر دھیان دے سکتی ہوں۔ لیکن یہ میری بڑی خواہش تھی کہ میں تمہارے گیان اور علم سے کچھ سیکھ سکوں؟

ان کو کوئی جواب دینے کے بجائے گورا سر جھکائے خاموش رہا۔ وہ بولیں جانے سے پہلے تم کچھ جل پان کرلو۔ ایک مدت سے میں نے کسی برہمن کی خاطر نہیں کی ہے۔ آج تو تم صرف کچھ مٹھائی ہی قبول کرو۔ پھر کسی دن کھانا بھی کھلاؤں گی

جب ہری موہنی کچھ لینے باہر چلی گئی تو سچاریتا خود کو اکیلا پاکر گھبرا سی گئی۔

گورا نے پوچھا "کیا آج وِنے تم سے ملنے کے لئے آیا تھا"

ہاں "سچاریتا نے جواب دیا"

"میں کافی عرصے سے اس سے نہیں ملا۔ لیکن میں جانتا ہوں۔ وہ کیوں آیا ہوگا۔"

یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگیا۔ سچاریتا بھی خاموش رہی۔

پھر گورا کہنے لگا۔ کیا تم اس بات کی کوشش کر رہی ہو کہ بنوئے کی شادی

برہمو سماج کے مطابق ہو! کیا یہ مناسب ہو گا۔

ایسا طنز بھرا سوال سن کر سچاریتا کے چہرے سے تمام شرم اور جھجک دور ہو گئی اور وہ گورا کی طرف دیکھتی ہوئی بولی "کیا آپ مجھ سے یہ اُمید رکھتے ہیں کہ میں اپنے برہمو دھرم کے مطابق ہونے والی شادی کو نامناسب کہوں۔

گورا نے کہا "یقین مانو میں کم از کم تم سے ایسے چھوٹے کام کی اُمید نہیں رکھتا تھا۔ میں تم سے ایسے بڑے کام کی امید رکھتا ہوں جو معمولی فرقہ پرست لوگوں سے نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے اس بات کا پورا بھروسہ ہے کہ تم اُن لوگوں میں سے ہرگز نہیں ہو جو اپنے فرقے کے ماننے والوں کی تعداد بڑھانے کے لیے قلیوں کی طرح کام کرتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں تم اپنے دھرم کے آئینے ہی میں خود کو دیکھو اور سمجھو۔ دوسروں کے کہنے میں آ کر خود کو اتنا نہ گراؤ۔ اپنے دل میں تمھیں اس بات کا احساس ضرور کرنا چاہیئے کہ تم صرف ایک خاص فرقے کی ممبر ہی نہیں ہو۔

سچاریتا اپنی سب طاقت جمع کر کے بولی "کیا آپ کا اپنا ایک خاص فرقے سے تعلق نہیں ہے۔؟

"نہیں گورا نے جواب دیا" میں ہندو ہوں۔ ہندو کسی ایک فرقے کا آدمی نہیں ہوتا۔ ہندو ایک قوم کا نام ہے۔ اور اتنی بڑی قوم کہ اس کی قومیت کو کسی ایک معنی میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے سمندر وہ نہیں ہوتا جو لہریں ہوتی ہیں اسی طرح ہندو بھی کوئی الگ فرقہ نہیں ہیں۔

سچاریتا نے پوچھا۔ اگر ہندو ایک فرقہ نہیں ہیں تو وہ لوگ اپنے درمیان جماعت بندی کیوں کرتے ہیں۔

گورا نے جواب دیا ــــــ جب کسی پر حملہ ہوتا ہے تو وہ خود کو بچانے کی

کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ اس میں زندگی ہوتی ہے۔ صرف ایک پتھر ہی ہر طرح کی مار چُپ چاپ سہتا رہتا ہے۔

"میں جیسے دھرم مجھتی ہوں اُسے ہندو اپنے اوپر حملہ سمجھنے لگیں تو بتائیے اس صورت میں میں کیا کروں؟"

"میں یہی کہوں گا کہ تم جیسے ایک دھرم سمجھتی ہو وہ ہندو قوم کی وسیع حیثیت پر ایک حملہ ہے۔ اس وقت تمھیں یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ تم کہیں آنکھیں بند کر کے تو ایسا نہیں کر رہی ہو۔ دماغ میں یہ بات رکھ کر کہ تمھارے فرقے کے اصول ہی سب سے اچھے اصول ہیں۔ دوسروں پر زور زبردستی کرنا کسی طرح سے بھی مناسب نہیں ہے۔ جب کوئی چوہا اناج سے بھرے ہوئے جہاز میں ایک سوراخ کر لیتا ہے تو اس میں اس کا اپنا سُکھ اور فائدہ چھپا ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ اس کا یہ فائدہ اس نقصان کے مقابلے میں بہت معمولی ہے۔ جو وہ اتنے سارے اناج کو پہنچا سکتا ہے۔ اسی طرح تمھیں بھی سوچنا چاہیئے کہ کیا تم محض ایک چھوٹے سے فرقے کے لئے کام کر رہی ہو۔ یا ساری انسانی برادری کے لئے اس کی ضرورتوں کی کتنی ساری قسمیں ہیں۔ کتنے سارے مزاج ہیں۔ کتنے سارے خیالات ہیں۔ راستے میں سب ہی آدمی ایک طرح نہیں چلتے۔ کچھ پہاڑوں کے سامنے کھڑے ہیں کچھ سمندر کے کنارے پر اور کچھ میدانوں کے سرے پر۔ ان میں سے کسی میں بھی جم کے کھڑا رہنے کی شکتی نہیں ہے۔ سب کو حرکت کرنی پڑتی ہے۔ کیا تم اپنی جماعت کا قانون سب پر لادنا چاہتی ہو۔ کیا تم آنکھیں بند کر کے یہ تصور کرنا چاہتی ہو کہ دنیا کے سب انسان ایک جیسے ہیں۔ اور وہ برہمو سماج کے رجسٹر میں اپنا نام درج کرانے کے لئے اس سنسار میں پیدا ہوئے ہیں۔؟ اگر ایسی بات ہے تو ان قوموں سے جو دُنیا میں صرف غلامی ہی

پھیلانا چاہتی ہیں اور تم میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔

ایک لمحے کے لئے سچاریتا اپنی منطق کو بھول گئی۔ وہ اس کے پُر افرانداز سے بے حد متاثر ہوئی۔ اُسے یہ محسوس ہوا کہ وہ کوئی منطق پیش کرنے کے بجائے صرف سچائیاں سامنے رکھ رہا تھا جنھیں اس کا دل قبول کرنے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔

گورا نے پھر کہا۔ تمھاری جماعت نے کروڑہا لوگوں کو پیدا نہیں کیا ہے جو بھارت میں رہ رہے ہیں۔ یہ تمھارے سمجھنے کی بات ہے کہ ان کروڑوں لوگوں کے لئے بہترین راستہ کونسا ہے؟ ان کی بھوک کو کونسا عقیدہ مٹا سکے گا اور کس طرح طاقتور بن سکتے ہیں۔ تم اتنے عظیم اور وسیع بھارت کو اتنا چھوٹا سا کیونکر بنا سکو گی! جب تم اپنے مشن میں کوئی رکاوٹیں دیکھتی ہو تو سارے دیش سے ناراض ہو جاتی ہو۔! جتنی زیادہ رکاوٹیں سامنے آتی ہیں تمھیں اتنی ہی زیادہ نفرت ان لوگوں سے ہونے لگتی ہے۔ جنھیں تم فائدہ بھی پہنچانا چاہتی ہو۔ اس پر بھی تم خدا کا ذکر کرتی ہو جس نے مختلف قسموں کے انسان پیدا کئے ہیں۔ اگر تم اس خدا پر واقعی وشواس رکھتی ہو تو پھر یہ کیوں نہیں دیکھتیں کہ اس کا قانون کیا ہے۔؟ اور اپنی پارٹی کے بیجا غرور میں اس کی مرضی کا احترام کیوں نہیں کرتیں۔؟

سچاریتا کو خاموش دیکھ کر گورا کے دل میں اس کے لئے ہمدردی اُمنڈ آئی۔ اور جب پھر بولنا شروع کیا تو اس کا لہجہ پہلے کی نسبت نرم تھا۔ شاید میری باتیں تمھیں بُری لگی ہیں۔ لیکن میری مخالفت صرف اس وجہ سے نہ کرو کہ میں ایک مخالف پارٹی میں ہوں۔ اگر میں نے یہ سوچا ہوتا کہ تم ایک دوسرے فرقے سے تعلق رکھتی ہو تو میں نے ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا ہوتا۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ تمھاری تمام تر آزاد خیالی ایک تنگ نظر فرقے کے لئے محدود ہوتی جا رہی ہے۔

"نہیں نہیں" سچاریتا کے چہرے پر سُرخی تیر گئی۔ بولی، آپ میری انکرمت کیجئے۔ آپ اپنی بات جاری رکھئے۔ میں سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

گورا بولا۔ کہنے کے لئے میرے پاس بہت کچھ نہیں ہے۔ بھارت کے نقشے کو دل سے دیکھو اس سے پیار کرو۔ اگر تم بھارت کے لوگوں کو برہمو سماج کی نظر سے دیکھو گی تو انھیں غلط ہی سمجھو گی۔ اور ان سے نفرت کرتی رہو گی۔ بھگوان نے انسانوں کو بنیادی طور پر تو ایک سا پیدا کیا ہے۔ لیکن خیالات، اعمال۔ عمل اور اعتقادات کے لحاظ سے انھیں الگ الگ کر دیا ہے۔

صدیوں سے یہاں قربانیاں دی جاتی رہی ہیں۔ اُن کی آگ آج بھی سُلگ رہی ہے۔ آخر ایک دن ایسا بھی آئے گا جب وہ سب بنی ہوئی آگ ساری دُنیا میں پھیل جائے گی۔ ان تصورات کو غلط بتا کر اُن پر یقین نہ کرنا دہریت کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا۔

سچاریتا اب تک سر جھکا کر اُسے سنتی رہی تھی۔ اب اس نے آنکھیں اُٹھائیں اور پوچھا۔

"تب آپ مجھے کیا کرنے کے لئے کہتے ہیں؟"

"اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ تم اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ ہندو دھرم مختلف خیالات اور عقیدہ رکھنے والے لوگوں کو ایک ماں کی طرح اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہندو دھرم انسان کو صرف انسان سمجھتا ہے۔ کسی نرمس فرشتے کا آدمی نہیں۔ یہ بیوقوف اور دانا دونوں کی عزت کرتا ہے۔ اور صرف ایک ہی فلسفہ کی قدر نہیں کرتا بلکہ سب فلسفوں کا احترام کرتا ہے۔ لیکن عیسائی مت اس بات کو قبول نہیں کرتا۔ وہ کہتے ہیں ایک طرف عیسائی مذہب ہے، دوسری طرف لازوال تباہی۔ ان دونوں کے درمیان کوئی

راستہ نہیں ہے۔ چونکہ ہم نے عیسائی لوگوں کے زیر اثر رہ کر تعلیم حاصل کی۔ اس لئے ہندو مذہب کے فلسفے کو مانتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اسی فلسفہ کی بدولت ہی ہندو مذہب سب کو ایک سمجھتا ہے۔ جب تک ہم عیسائی کی دی ہوئی تعلیم سے آزاد نہیں ہو جاتے۔ ہم اپنے ہندو مذہب کی شاندار سچائیوں کی قدر کرنے کے قابل بھی بن سکیں گے۔

سچاریتا نہ صرف باتیں ہی سُن رہی تھی بلکہ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا وہ دور مستقبل کو اپنی دونوں آنکھوں سے ٹکٹکی لگاتے بڑے دھیان سے دیکھ رہی ہے۔ اپنی ساری جھجک اور شرم بھول کر وہ اس کے جوش سے چمکتے ہوئے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ اس چہرے میں ایسی ایک طاقت تھی جس نے دنیا کے تمام بڑے اور اعلیٰ مقاصد بیان کر دیے تھے۔ اس نے اپنے سماج کے بڑے بڑے عالموں کو سچائی کی تشریح کرتے ہوئے سُنا تھا۔ لیکن گورا کے دلائل محض الفاظ نہیں تھے بلکہ تخلیق تھے۔ وہ اسقدر با معنی اور حقیقت پر مبنی تھے کہ وہ جسم اور رُوح دونوں کو فوراً اپنی گرفت میں لے لیتے تھے۔ سچاریتا نے آج اپنی آنکھوں سے اندر کی بجلی کو کڑک کے ساتھ دیکھ لیا۔ جب گورا کے الفاظ اپنے گہرے لہجے کے ساتھ اس کے کانوں کے ساتھ ٹکراتے تو اس کا دل دھڑکنے لگتا تھا۔ اور اُس کی رگ رگ میں ہر لمحہ بجلی کی چمک ناچتی ہوئی معلوم ہونے لگتی تھی۔ اس کے پاس وہ طاقت اور نظر بھی نہیں تھی جن کی مدد سے وہ یہ جان سکتی کہ اس کا گورا کے ساتھ کہاں اختلاف پیدا ہوتا تھا اور کہاں اتفاق!

اسی وقت وہاں ستیش آ نکلا۔ چونکہ وہ گورا سے ڈرتا بھی تھا۔ اس لئے وہ اس سے دُور رہ کر اپنی بہن سے سرگوشی میں بولا۔ ہرن بابو آتے ہیں۔

یہ سُن کر سچاریتا کو بڑا اچنبھا ہوا کیونکہ وہ ایسی کیفیتوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ

اس کے لئے اس وقت ایسے ناپسندیدہ مہمان سے چھٹکارا پانے کے لئے بڑی قربانی پیش کر سکتی تھی۔ یہ سوچ کر کہ گورا نے ستیش کی بات نہیں سنی ہوگی۔ وہ جلدی سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ وہ سیدھی نیچے اتر گئی اور ہرن بابو سے بولی۔

"آپ اس وقت مجھے معاف کریں کیونکہ اس وقت آپ کی باتیں سننا میرے لئے ممکن نہیں ہوگا۔"

"کیوں ممکن نہیں ہوگا؟" ہرن بابو نے پوچھا۔

اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے سچاریتا نے کہا۔ "اگر کل آپ پتاجی کے پاس آجائیں تو میں بھی آپ کو وہیں مل جاؤں گی۔"

"شاید آج آپ کے یہاں مہمان آئے ہوئے ہیں؟"

"اس وقت میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔ میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔"

"لیکن ---- میں نے گلی میں سے گورموہن کی آواز سنی تھی۔ کیا وہ اوپر موجود ہیں"

اس سوال کا سیدھا سیدھا جواب دینے پر مجبور ہو جانے کی وجہ سے وہ بہت پریشان ہو گئی۔ اس نے کہہ دیا ---- "جی ہاں۔ موجود ہیں"

"تب تو یہ بہت ہی اچھا ہوا۔ میں ان سے بھی کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں مگر تمہیں اگر ضروری کام کرنا ہے تو بیشک کرو۔ میں ان کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کروں گا۔"

سچاریتا کے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ اوپر چڑھ گیا۔ وہ اس کے پیچھے آئی اور ہرن بابو کی طرف دیکھے بغیر گورا سے بولی: "خالہ آپ کے لئے کچھ مٹھائی وغیرہ

تیار کر رہی ہیں میں دہی لینے جا رہی ہوں۔

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ اور ہرن بابو ایک کرسی پر جم کے بیٹھ گئے۔

"آپ کچھ بیمار سے معلوم ہوتے ہیں ہرن نے گورا سے پوچھا۔"

"اس نے اقرار کر لیا۔ ہاں میں علاج کروا رہا ہوں"

"آپ کو بہت تکلیف اٹھانا پڑی ہو گی۔"

گورا نے طنز بھرے لہجے میں کہا: جی نہیں۔ اتنی نہیں جتنی کہ امید کی جاتی تھی۔

مجھے آپ سے بنوئے کے سلسلے کے ایک معاملے پر بات چیت کرنا ہے۔ ہرن بابو نے موضوع بدل کر کہا۔ میرا خیال ہے آپ کو معلوم ہے کہ وہ اس اتوار کو اپنا مذہب تبدیل کر رہا ہے۔

"جی نہیں مجھے معلوم نہیں ہے۔" گورا نے جواب دیا۔

"کیا آپ اس کے اس کام کی حمایت کرتے ہیں۔"

"بنوئے نے میری رضامندی چاہی ہی نہیں ہے۔"

"کیا آپ سمجھتے ہیں، اس کا مذہب تبدیل کرنے کا ارادہ کافی مضبوط ہے۔"

گورا نے جواب دیا "جب وہ اپنا مذہب تبدیل کرنے کا ارادہ ظاہر کر ہی چکا ہے تو پھر اس سوال کے پوچھنے کا فائدہ۔"

ہرن بابو نے کہا۔ جب ہم کسی چیز کی طرف جھک جانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں تو پھر اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ کیا ٹھیک اور کیا ٹھیک نہیں ہے انسانی خصلت کے بارے میں آپ بخوبی جانتے ہیں نا۔

گورا نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ میں انسانی خصلت کی بیکار بحث میں نہیں پڑا کرتا۔

"اگرچہ میرے خیالات اور میرا سماج آپ سے اتفاق نہیں کرتا پھر بھی میں آپ کی بڑی قدر کرتا ہوں۔ اور میں یہ بھی اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ کے جو عقیدے ہیں وہ نیچے ہوں یا جھوٹے مگر آپ کو اپنے مقام سے کوئی ہلا نہیں سکتا لیکن۔

"آپ کے دل میں میرے لئے جو تھوڑی سی قدر بچ رہی ہے اگر وہ بھی نہ رہی تو اس سے بنوئے کو کیا نقصان اٹھانا پڑے گا" گورا نے جواب دیا۔

"اس دنیا میں سچ اور جھوٹ کی پہچان بہت ضروری ہو گئی ہے۔ لیکن اگر آپ اس کی اہمیت کا فیصلہ اپنی عقیدت کے زیر اثر یا اس کے بغیر ہی کرنا چاہیں تو بیشک ایسا کریں۔ لیکن یہ توقع کیوں رکھیں کہ آپ کے فیصلے کو ہر شخص قبول کرلے

بہت بہتر! ہرن بابو نے کہا۔ لیکن اگر اس سوال کا کوئی فیصلہ نہیں بھی ہو پاتا تو کوئی خاص نقصان نہیں ہو گا۔ لیکن آپ سے ایک سوال پوچھتا ہوں کہ پاریش بابو کے گھر میں بنوئے کی ہونے والی شادی پر آپ کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔

گورا سُرخ ہو کر بولا۔ ہرن بابو۔ بنوئے کے معاملے پر میں آپ سے کیسے بحث کر سکتا ہوں! جب آپ انسانی خصلت کے بارے میں ہر وقت باتیں کرتے رہتے ہیں تو کیا اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ بنوئے میرا دوست ہے آپ کا نہیں۔!

میں نے اس سوال کو اس لئے اٹھایا ہے کہ اس کا تعلق برہمو سماج سے ہے ورنہ ——

"لیکن میرا تو برہمو سماج سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ گورا جلدی سے بول اٹھا" اگر آپ لوگوں کو کوئی فکر ہے تو اس سے میرا کیا واسطہ۔

جب بحث یہاں تک پہونچ گئی تو سچاریتا آ گئی۔ ہرن بابو اُسے مخاطب

کر کے بولا، سجاریتا، میں تم سے ایک بہت ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ ایسی بات کہنے کی ضرورت تو نہیں تھی لیکن ہرن بابو کو گورا کے سامنے سچاریتا سے اپنے تعلقات کی اہمیت جتانا تھی۔ سچاریتا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور گورا بھی اپنی کرسی پر چُپ چاپ بیٹھا رہا تاکہ ہرن بابو کی گفتگو میں اس کی وجہ سے کوئی مداخلت نہ ہو۔ ہرن بابو نے سچاریتا سے پھر کہا۔

"سچاریتا، تم ذرا دوسرے کمرے میں چل چلو مجھے کچھ کہنا ہے۔

اس کی درخواست پر کوئی دھیان نہ دے کر سچاریتا نے گورا سے پوچھا

"آپ کی ماتا جی تو اچھی ہیں نا"

گورا ہنس کر بولا "میں نے آج تک انھیں کبھی بیمار نہیں دیکھا۔

سچاریتا نے ہنس کر اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ میں بھی دیکھ کر حیران ہوتی ہوں کہ وہ اتنی اچھی صحت کیسے قائم رکھتی ہیں۔

گورا کو یاد آگیا کہ وہ جیل میں تھا تو سچاریتا اس کی ماں کے پاس جایا کرتی تھی۔

اس دوران میں ہرن بابو میز پر سے کتاب اُٹھا کر اُسے دیکھنے لگے تھے ٹائیٹل پر اس کے مُصنّف کا نام پڑھنے کے بعد اب اندر کا کوئی پیراگراف دیکھ رہے تھے۔

سچاریتا کا چہرہ شرم سے لال ہو گیا تھا۔ گورا نے بھی دیکھا کہ یہ اس کی لکھی ہوئی کتاب تھی وہ بس مسکرایا۔ ہرن بابو نے پوچھا "گورموہن بابو یہ کتاب آپ نے شاید بچپن میں لکھی تھی۔

"میرا بچپن آج بھی چل رہا ہے گورا ہنس پڑا۔ کچھ لوگوں کا بچپن بڑی جلدی ختم ہو جاتا ہے اور کچھ کا بہت دیر تک چلتا ہے۔

سچاریتا کرسی سے اٹھتی ہوئی بولی۔ گورموہن بابو آپ کا کھانا تیار ہوگا۔ کیا آپ دوسرے کمرے میں چلے چلیں گے۔ موسی ہرن بابو کے سامنے نہیں آئینگی وہ شاید آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔

سچاریتا نے آخری جملہ ہرن بابو کو چوٹ پہنچانے کے لئے کہا تھا۔ دن بھر اُسے اسقدر زِچ کیا جا چکا تھا کہ اب وہ کم از کم ایک چوٹ پہنچائے بغیر نہ رہ سکی گورا اُٹھ پڑا۔ لیکن اپنی شکست کبھی نہ ماننے والے ہرن بابو نے کہا — تو میں یہاں بیٹھ کر آپ کا انتظار کرتا ہوں۔

سچاریتا نے کہا بیکار کیوں انتظار کرتے ہو۔ پہلے ہی کافی دیر ہو چکی ہے۔

لیکن ہرن بابو پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس لئے گورا اور سچاریتا باہر چلے گئے۔

گورا کو اس گھر میں دیکھ کر اور پھر سچاریتا کی طرف اس کا رویّہ سمجھ کر ہرن بابو لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ کیا سچاریتا کا برہمو سماج سے نکل جانا آسان تھا۔ کیا اُسے کوئی بچانے والا بھی نہیں تھا۔ کسی نہ کسی طرح ایسا کرنا ہی ہوگا۔

کاغذ کا ایک ورق لے کر ہرن بابو نے سچاریتا کو ایک خط لکھا۔ ان کے جوش و خروش سے بھرے ہوئے الفاظ کچھ نہ کچھ اثر تو دکھا ہی دیں گے۔

جب ہری موہنی سے بہت سی باتیں کر کے گورا سچاریتا کے کمرے میں سے اپنی چھڑی اُٹھانے کے لئے گیا تو اس وقت شام ہو چکی تھی۔ سچاریتا کے ڈیکس پر ایک لیمپ جل رہا تھا۔ ہرن بابو جا چکے تھے۔ لیکن میز پر سچاریتا کے نام ان کا لکھا ہوا ایک خط پڑا ہوا تھا۔ جسے کمرے میں آنے والا کوئی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

خط پر نظر پڑتے ہی گورا کا دل غصّے سے بھر گیا۔ اس بات میں اُسے کوئی شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ وہ کس نے لکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ہرن بابو سُچاریتا پر ایک خاص حق جتایا کرتے ہیں۔ اس شام کو جب ستیش نے سچ ریتا کو آ کر ہرن بابو کے آنے کی خبر سُنائی تو وہ گھبرا گئی تھی۔ اور جلدی جلدی نیچے چلی گئی تھی۔ اور جب وہ ہرن بابو کو ساتھ لے کر لوٹی تھی تو اس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ اس سے کوئی سخت بات کہی گئی ہے۔ اور جب پھر وہ اُسے نیچے جل پان کرانے کے لئے لے گئی تھی تو وہ ہرن بابو کو کیلا ہی چھوڑ گئی تھی۔ اس کا یہ سلوک بہت ہی رُوکھا تھا۔ میز پر یہ خط پڑا ہوا دیکھ کر اُسے بہت بھاری دھکا لگا جو ہمیشہ عجیب ہوتا ہے۔ چونکہ اُوپر صرف نام لکھا ہوا تھا اور اہم بات اس کے اندر ہوتی ہے۔ لوگوں کو دُکھ پہنچانے کے لئے خط میں ایک خاص قسم کی لیاقت ہوتی ہے۔

میں کل پھر آجاؤں گا۔ گورا نے سچاریتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس نے گورا سے نظر نہیں ملائی بس اتنا ہی کہا جی

باہر جاتے جاتے گورا اچانک رُک گیا اور سچاریتا سے کہنے لگا تم بھارت ورش کے سورج منڈل کا ایک نچھتر ہو۔ کوئی بھی دھرم کیتو تمھیں اپنی پونچھ کے ساتھ لپیٹ کر خلا میں نہیں لے جا سکتا۔ جب تم اپنی حقیقی مقام پر جم جاؤ گی تبھی میں تمھیں چھوڑنے کا خیال کر سکوں گا۔ لوگوں نے تمھارے دل میں یہ بات بٹھا رکھی ہے کہ تمھارے اس مقام پر پہنچنے کے بعد تمھارا مذہب تمھیں تیاگ دے گا۔ لیکن میں تمھیں صاف صاف بتا دوں کہ تمھارا مذہب اور تمھاری سچائی چند لوگوں کی رائے یا طعنوں کا نام نہیں ہے۔ یہ تمھارے ارد گرد کے بے شمار دھاگوں کے ساتھ بندھا ہوا ہے تم اُسے اپنی مرضی سے جڑ سے نہیں اکھاڑ

سکتی ہو۔ اور نہ ہی کسی برتن سے اُسے لگا کر یہ اُمید پوری کر سکتی ہو۔ تمھاری
کوششوں سے یہ زندہ بھی رہے گا۔ اور چمکتا ہوا بھی۔ اگر تم اُسے اونچا اٹھانا چاہتی
ہو، تاکہ یہ دوسروں کی بھلائی بھی کرتا رہے تو تمھیں اپنی صحیح جگہ پہ جا کر کھڑا ہونا ہوگا
جو تمھاری پیدائش سے بھی پہلے تمھارے دیش واسیوں نے تمھارے لیے بنا
رکھی ہے۔ تم یہ کبھی نہ کہنا وہ میرے کوئی نہیں۔ اور میں ان کا کوئی نہیں۔ اگر
تم ایسا کہوگی تو تمھارے مذہب کی سچائی اور تمھاری طاقت سائے کی طرح
غائب ہو جائے گی۔ میں تمھیں وشواس دلاتا ہوں کہ اگر تمھارے خیالات تمھیں
اس مقام سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں جہاں تمھارے خدا نے بھیج رکھا
ہے۔ چاہے وہ مقام کہیں پر بھی ہے۔ تو تمھارے خیالات کی جیت کبھی نہیں
ہو سکتی۔

میں کل پھر آؤں گا۔

ان الفاظ کے ساتھ جب وہ کمرے سے چلا گیا تو وہاں کی فضا کافی دیر تک
اس کے جانے کے بعد بھی کانپتی رہی۔ اور سچاریتا بُت بنی جامد، ساکت، خاموش
بیٹھی رہی۔

اکسٹھواں باب

ماں سُنئے " نبوے آنند موتی سے کہہ رہا تھا۔ میں آپ کو سچ سچ بتا دوں
میں جب کبھی کسی مُورتی کے سامنے سر جھکاتا ہوں تو مجھے اس بات کے لئے
شرم بھی محسوس ہونے لگتی ہے۔ میں آج تک یہ احساس چھپاتا رہا ہوں
کیونکہ دراصل میں مورتی پوُجا کے حق میں کئی اچھے آرٹیکل لکھ چکا ہوں۔ لیکن
آپ کو سچی بات بھی بتا دوں کہ میں جب مورتیوں کے سامنے جھکتا ہوں تو میرا
دل اس بات کے لئے اجازت نہیں دیتا۔

آنند موتی نے پوچھا۔ کیا تمھارا دل اتنا معمولی قسم کا ہے۔ تم سبھی باتوں
کو دل میں ڈھونڈھتے ہو۔ اسی لئے تمھارے دل کے شبہات دُور نہیں ہوتے۔

"یہ بالکل ٹھیک ہے" نبوے نے تسلیم کیا۔ لیکن یہ میری ذہانت ہے
جس کی وجہ سے میں ان باتوں کو بھی ثابت کر کے دکھا سکتا ہوں جن میں میرا
دراصل کوئی وشواس بھی نہیں ہے۔ آج تک میں نے مذہبی اصولوں کو مذہبی اصول
سمجھ کر نہیں بلکہ پارٹی کے نقطۂ نظر سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

"اسی لئے تو انسان کے لئے مذہب باعثِ کشش نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس
وقت انسان مذہب کو محض ایک دولت، عزت یا ریس جیسی چیز سمجھنے لگتا ہے۔

ٹھیک کہتی ہو ماں۔" ہم اتنے صحیح معنوں میں مذہب نہیں سمجھتے۔ لیکن آپس
میں لڑتے ہیں اس بات پر کہ اپنے مذہب کے لئے ایسا کر رہے ہیں۔ آج تک
میں نے جو کچھ کیا ہے۔ لیکن کبھی اپنے آپ کو مکمل طور پر دھوکا نہیں دے سکا۔ چونکہ

میرے اندر ایک بناوٹی بھروسہ رہا ہے۔ اس لئے مجھے اس بات پر شرم بھی آتی ہے
آنند موئی نے کہا: تو کیا تم سمجھتے ہو میں یہ سب نہیں سمجھتی۔ تم نے عام آدمیوں
کی نسبت زیادہ باتیں گھڑی ہیں تمہارے اندر ایک کھوکھلا پن ہے۔ اس لئے اس
جگہ بھرنے کے لئے تمہیں کافی مسالہ کی ضرورت پڑتی تھی۔ اگر تم کو سچا عقیدہ
ہوتا تو تمہیں یہ سب نہ کرنا پڑتا۔

"یہی میں آپ سے پوچھنے کے لئے آیا ہوں کہ جب میرے اندر وشواس
ہے ہی نہیں تو پھر اس کے لئے بہانہ کرتے رہنا کہاں تک مناسب ہے۔"

"کیا یہ پوچھنا بھی ضروری تھا" آنند موئی نے کہا۔

"ماں کل میں برہمو سماجی بن جاؤں گا۔"

یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ گورا تم کہہ رہے ہو... وہ بہت حیران ہوئیں۔ اس کی کیا ضرورت
ہے۔

"اس کی ضرورت میں آپ کے سامنے ابھی بیان کر چکا ہوں ماں۔"

"صرف اسی وشواس کے ساتھ جتنا تمہارے اندر موجود ہے۔ کیا تم اپنے
دھرم پر قائم نہیں رہ سکتے۔؟"

"اگر میں ایسا کروں تو کیا یہ اپنے سماج کو دھوکا دینا نہیں ہوگا۔

دھوکہ دیتے ہوئے بھی کیا تم سماج کے اندر رہنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔
آنند موئی نے پوچھا۔ لوگ تمہیں اس کی وجہ سے بہت دکھ دیں گے لیکن
کیا تم دکھ اور تکلیف برداشت نہیں کر سکو گے؟

گورا نے کہا: اگر میں ہندو دھرم کے اصولوں کے مطابق نہ رہ سکوں
تب...

اگر تیس کروڑ لوگ رہ سکتے ہیں تو تم کیوں نہیں رہ سکتے۔

لیکن، ماں اگر سماج مجھے قبول نہ کرے تو کیا میں زبردستی بھی ہندو رہ سکتا ہوں۔؟

آنند موئی نے جواب دیا۔ میرے سماج کے لوگ مجھے عیسائی کہتے ہیں۔ لیکن میں اُن لوگوں کے ساتھ کبھی اٹھتی بیٹھتی نہیں کیا۔؟

بنوئے کوئی جواب دینے والا ہی تھا کہ آنند موئی نے اسے اور کچھ کہنے سے روک دیا۔ "یہ ایسی بات نہیں ہے جس کے لئے منطق پیش کی جائے۔ ایسے اہم موضوع پر بیکار بحث کرنی بھی نہیں چاہیئے۔ تم سمجھتے ہو تم مجھ سے کوئی بات چھپا لوگے۔؟ میں دیکھ رہی ہوں تم مجھ سے بحث کرنے کے بہانے سے خود دھوکا بھی دے رہے ہو۔ لیکن اتنے بڑے سوال پر اپنی آنکھوں میں دھول مت جھونکو۔

بنوئے سر جھکا کر بولا۔ لیکن ماں میں تو اپنی ایک درخواست بھی لکھ کر دے چکا ہوں کہ مجھے اس اتوار کو اپنے دھرم میں شامل کر لیں۔

"اس بات کی اجازت کبھی نہیں دے سکتی۔ آنند موئی تیوری چڑھا کر بولی"

"اگر تم پاریش بابو کو سمجھا دو تو وہ مذہب تبدیل کرنے کے لئے کبھی تم سے اصرار نہیں کریں گے۔"

پاریش بابو نے اس کے لئے کبھی زیادہ خواہش ظاہر نہیں کی۔" وہ اس کام میں کوئی حصہ بھی نہیں لیں گے۔"

"تب تو تمہیں زیادہ فکر بھی نہیں کرنی چاہیے۔"

"نہیں ماں" بنوئے زور سے بولا۔ اب بات پکی ہو چکی ہے اسے بدلا نہیں جا سکتا۔"

"کیا تم نے گورا سے بھی پوچھا۔؟"

"لیکن وہ اس وقت تو گھر میں ہے"

"نہیں" ہنوئے بولا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ سچاریتا کے گھر گیا ہوا ہے وہاں تو کل بھی گیا تھا۔ آنند موئی نے حیرانی سے کہا۔

"وہ آج بھی وہیں گیا ہے۔"

جب وہ یہ کہہ رہا تھا اسی وقت کہاروں کی ایک پالکی اٹھا کر لے آنے کی آواز سنائی دی۔ ہنوئے یہ سمجھ کر کہ شاید آنند موئی کی کوئی رشتہ دار عورت آئی ہے وہ باہر چلا گیا۔ لیکن وہ لولتا تھی جس نے اندر آکر آنند موئی کو پرنام کیا۔ اس کی آمد بالکل غیر متوقع تھی۔ آنند موئی یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ اور سمجھ گئیں کہ ہنوئے کے برہمو ہونے کے معاملے میں کوئی بات ایسی ہو گئی ہے جس کے لئے اسے آنا پڑا۔

انھوں نے بہت ہی سوچ سمجھ کر بات شروع کی۔ بیٹی تمھیں دیکھ کر میں بہت خوش ہوئی۔ ہنوئے بھی ایک لمحہ پہلے یہاں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ کل وہ تمھارے مذہب میں شامل ہو جائے گا۔

"لیکن وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں" لولتا نے بے چین ہو کر پوچھا۔ کیا اس کے لئے کوئی خاص مجبوری ہے؟"

"کیا کوئی مجبوری نہیں؟" آنند موئی نے حیران ہو کر پوچھا

"میرے خیال میں تو کوئی بھی نہیں۔"

آنند موئی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ وہ سوالیہ نشان بنی لولتا کی طرف دیکھتی رہیں۔

"ان حالات میں اچانک دھرم تبدیل کر دینے سے ان کا دل دکھے گا۔" لولتا نے نظر جھکا کر کہا۔ وہ آخر کس مقصد کے لئے ایسا کر رہے ہیں؟"

"کس مقصد کے لئے" کیا لوتا کو معلوم نہیں۔ کیا اس سے وہ بالکل خوش نہیں ہوگی۔!

آنند موئی نے سوچا۔ پھر لوتا سے پوچھا۔ کل کا دن تو مقرر ہو چکا ہے اور نبوتے کہتا ہے کہ وہ اب اپنی بات سے پھر نہیں سکتا۔

یہ سُن کر لوتا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ بولی، ایسے معاملوں میں اپنا وعدہ توڑ دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر ایسا کرنا ضروری ہو جائے تو بات سے پھر ہی جانا چاہیئے۔

آنند موئی بولی ـــــــ "بیٹی میرے سامنے شرم کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں بھی تم سے صاف کہے دیتی ہوں کہ جہاں تک نبوتے کو سمجھا ہے اس کے اپنے دھرم کے بارے میں کیسے بھی خیالات ہوں لیکن اس احترام دھرم کو چھوڑنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اپنے منھ سے جو کچھ بھی کہتا پھرے لیکن میں اس کا اعتبار نہیں کرتی کہ وہ دل سے ایسا کہتا ہے۔ لیکن بیٹی تم تو اس کے خیالات سے بے خبر نہیں ہو۔ اسے اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ جب تک ایسا نہیں کرے گا تم سے اس کی شادی نہیں ہو سکے گی۔ شرماؤ مت بیٹی۔ مجھے صاف صاف بتا دو کیا ایسا نہیں ہے۔؟"

"ہاں" لوتا آنند موئی کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ میں آپ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔ مجھ پر بھروسہ کیجئے۔ میں ایسے خیالات کو قبول نہیں کر سکتی۔ میں بہت سوچ کر اس نتیجے پر پہونچی ہوں کہ محض کسی سے شادی کرنے کے لئے انسان اپنے دھرم، خیالات اور سماج سے الگ ہو جائے چاہے وہ کتنے ہی اس سے مختلف کیوں نہ ہوں۔ یہ کسی طرح سے بھی ضروری نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر ایک ہندو اور ایک عیسائی میں کبھی دوستی پیدا

نہ ہوتی۔

آنند موئی خوش ہو کر کہنے لگیں۔ تمھاری بات سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی بیٹی۔ میں بھی یہی کہا کرتی ہوں۔ انسان اپنی طبیعت، شکل اور صورت میں ایک دوسرے سے مخالف ہوتے ہیں۔ اور ان کی دوستی کے درمیان کوئی رکاوٹ بھی نہیں رہتی۔ تو پھر دھرم اور خیالات کے معاملے میں رکاوٹ کیوں پڑے۔ مجھے معلوم ہے وہ تمھیں اپنا دل دے چکا ہے۔ اگر تمھیں کوئی دکھ پہونچا تو اسے بھی چوٹ لگے گی۔ بھگوان جانتا ہے اس کو پریشان دیکھ کر مجھے کتنی تکلیف پہونچتی ہے۔ لیکن پھر بھی وہ بہت ہی خوش قسمت ہے کہ اتنی بڑی مشکل سے اتنی آسانی سے نکل جانا کوئی معمولی بات نہیں ہو سکتی۔ تم سے ایک سوال پوچھوں؟ کیا یہ معاملہ پاریش بابو کو بھی بنایا گیا ہے۔؟

لولتا نے جواب دیا۔" جی نہیں" لیکن مجھے یقین ہے وہ اس کی ہر بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

آنند موئی نے کہا۔ اگر وہ نہیں سمجھتے ہوتے تو تمھیں اتنی عقل اور ارادے کی طاقت کہاں سے ملی؟ میں بنوئے کو ابھی بلاتی ہوں۔ تم دونوں ایک دوسرے سے بات کر کے کوئی فیصلہ کر ڈالو۔ میں اس کو بچپن سے جانتی ہوں اور قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں کہ وہ تمھاری ہر مصیبت کا بار سہہ سکنے کے قابل ہے۔ جو تم اس کی خاطر مول لوگی۔ ایک اور جگہ اس کی شادی کی بات چل رہی تھی لیکن وہاں میرا دل نہیں مانا۔ آج میں دیکھتی ہوں کہ اس کی قسمت بھی بہت ہیٹی نہیں ہے۔ یہ کہہ کر انھوں نے لولتا کے گال پر بوسہ دیا، اور بنوئے کو بلانے کے لئے چلی گئیں۔ اس کے

بعد اس نے بہت ہوشیاری سے گھر کی نوکرانی کو بھی ان دونوں کے علاوہ کمرے میں چھوڑ دیا۔ اور خود لولتا کے کھانے کے لئے کچھ بنانے کے بہانے سے باہر چلی گئیں۔

آج لولتا اور نبوئے کے لئے شرم اور جھجک کا موقع نہیں تھا۔ جس مشکل مسئلے نے اپنے دل کے لئے ان دونوں کو آج اکٹھا کر دیا اس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے رشتے کو بھی سمجھ رہے تھے۔ اس موقعے کو وہ ضائع نہیں کر سکتے تھے۔ اُن کے گھبراتے ہوئے جذبات کی وجہ سے اُن کے درمیان کوئی دیوار بھی موجود نہیں تھی۔ خاموشی سے محبت سے بغیر کسی بحث اور جھجک کے انھوں نے اس بات کو قبول کر لیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ ان کی زندگیوں کی تیز لہریں ایک دوسرے کی طرف گنگا جمنا کی طرح باہم مل جانے کے لئے بے چین ہو کر اٹھ رہی تھیں۔ انہیں نہ سماج نے بلایا تھا، نہ ہی کسی دھرم وشواس نے انھیں ملایا تھا۔ اُن کا بندھن بناوٹی نہیں تھا۔ جب انھیں حقیقت کا احساس ہوا تو یہ بھی سمجھے کہ انھیں دراصل ملانے والا مذہب ہی تھا۔ وہ مذہب جو بہت گہرا اور سچائی پر مبنی تھا۔

لولتا بولی۔ اگر آپ خود کو گرا کر مجھے قبول کریں گے تو میں اس ذلت کو برداشت نہیں کر سکوں گی۔ آپ جہاں ہیں وہیں پر جمے رہیئے۔ میں یہی چاہتی ہوں۔ اس کی آنکھوں میں اور چہرے پر ایک خاص قسم کی چمک تھی۔

نبوئے اس کی بات مانتے ہوئے بولا۔

تم بھی وعدہ کرو کہ جہاں کھڑی ہو وہاں سے بالکل نہیں ہٹو گی۔ اگر محبت اختلافات کی پرواہ نہیں کرتی تو پھر دنیا میں اتنے اختلافات کیوں ہیں۔؟

وہ تقریباً بیس منٹ تک بات کرتے رہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ دونوں ہی اس بات کو بھول گئے۔ وہ ہندو یا برہمو ہیں۔ وہ صرف انسان ہیں۔ صرف یہی خیال ان کے دل میں مضبوطی کے ساتھ جما تھا۔ روشن اور تابناک شعلے کی طرح۔ جو ادھر ادھر ذرا بھی نہ ہلے۔

باسٹھواں باب

شام کی عبادت سے فارغ ہو کر پاریش بابو اپنے کمرے کے سامنے برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بالکل خاموش تھے اور سورج ڈوبنے کے قریب تھا۔ اس وقت بنوئے ولتا کے ساتھ اُن کے پاس آیا اور قدم چھونے کے لئے اُن کے سامنے جھک گیا۔

پاریش بابو ان دونوں کو اس طرح اکٹھے آتے دیکھ کر حیران ہوئے وہاں اُن کو بٹھانے کے لئے اور کرسیاں بھی نہیں تھیں۔ بولے چلو اندر بیٹھیں۔

بنوئے بولا۔ جی نہیں' آپ بیٹھے رہئے۔ یہ کہہ کر وہ نیچے فرش پر ہی بیٹھ گیا۔ اور ولتا بھی پاریش بابو کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

بنوئے نے کہا۔ ہم دونوں آپ سے آشیرباد لینے کے لئے آئے ہیں۔ یہی ہمارا سچا دھرم ہے اور ہو گا۔

جب پاریش بابو نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ کہنے لگا۔

میں سماج کے سامنے ایسی کوئی قسم نہیں کھاؤں گا جو مجھے اپنے قاعدوں میں باندھیں۔ اور الفاظ کے ساتھ مجھے باندھ کر رکھ لیں۔ آپ کا آشیرباد ہی ایسا دھرم ہے جو ہم دونوں کو ایک سچے اور پوتر بندھن میں باندھ سکتا ہے اگر ہماری قسمت میں کچھ شکھ لکھا ہوا ہے تو آپ کے ذریعہ ہمیں ضرور مل جائیگا۔

پاریش بابو نے کچھ دیر خاموش رہ کر پوچھا۔ تو کیا تم برہمو سماج میں شامل نہیں ہو رہے ہو۔

"جی نہیں" اس نے جواب دیا۔

"تم ہندو ہی رہنا چاہتے ہو۔

جی ہاں۔ بنوئے نے جواب دیا۔

یہ سُن کر پاریش بابو نے لولتا کی طرف دیکھا۔ لولتا اُن کا مطلب سمجھ کر بولی۔ میرا جو دھرم ہے وہی ہے اور ہمیشہ میرا ہی رہے گا۔ ہو سکتا ہے مجھے اس کی وجہ سے دُکھ اور تکلیفیں اٹھانی پڑ جائیں۔ لیکن جس دھرم کے ساتھ میرے کردار کا اختلاف ہو اُسے میں کبھی نہیں برداشت کرسکوں گی۔

اپنے باپ کو خاموش دیکھ کر وہ پھر بولی۔ میں سمجھتی تھی دُنیا میں برہمو سماج ہی ایک دھرم ہے۔ اس کے علاوہ ہر ایک دھرم محض ایک سایہ ہے۔ اس سے علیحدگی سچائیوں سے علیحدگی کے برابر ہوگی لیکن کچھ دن پہلے میرے دل میں سے یہ خیال ختم ہوگیا ہے۔

پاریش بابو مسکرائے۔ خاموش رہے۔ اُن کی مسکراہٹ میں اداسی بھی جھلک رہی تھی۔

لولتا کہتی رہی ——— "میں آپ کو نہیں سمجھا سکتی کہ مجھ میں کتنی بڑی تبدیلی آچکی ہے۔ ہمارے برہمو سماج میں ایسے کتنے لوگ ہیں جنھیں میں پسند نہیں کرتی۔ لیکن ان کے اور میرے دھرم کے بارے میں خیالات ایک سے ہیں۔ میں اس بات کو بالکل بے معنی سمجھتی ہوں کہ جو لوگ میرے مذہب میں شامل ہیں وہ تو میرے اپنے ہیں۔ لیکن دوسرے سب لوگ بالکل غیر ہیں۔

پاریش بابو اپنی بائیں لڑکی کی پیٹھ تھپتھپا کر بولے۔ جب انسان کا دل اپنے ذاتی فائدے کے لئے چوٹ کھایا ہوا ہو تو کیا اس سے ٹھیک ٹھیک فیصلے کی امید کی جا سکتی ہے؟ انسان میں ماضی اور مستقبل کا ایک نسلی تسلسل بھی ہوتا ہے جس کی حفاظت کے لئے مذہب اور سماج کی ضرورت پڑتی ہے۔ تم نے اس بات پر غور نہیں کیا۔ یہ تمھارا سماج ہی ہے۔ جس پر مستقبل میں آنے والی کئی نسلوں کا انحصار ہے۔

"ہندو دھرم موجود ہے" بنوئے بیچ میں بول پڑا۔

پاریش بابو نے پوچھا۔ اگر ہندو دھرم ذمہ داری اٹھانا پسند نہ کرے؟ انکار کر دے تو؟

یہ اسے ذمہ داری اٹھانے کے لئے مجبور کریں گے۔" آنندموئی کے الفاظ یاد کر کے اس نے جواب دیا" ہندو دھرم نے نئے نئے فرقوں کو ہمیشہ پناہ دی ہے۔ یہ سب فرقوں کا ایک بڑا سماج ہے۔

پاریش بابو نے اعتراض کرتے ہوئے کہا ——— یہ صرف زبانی باتیں ہیں۔ جب عمل کا وقت آتا ہے تب یہ بالکل مختلف معلوم ہونے لگتا ہے ورنہ کوئی اپنے پرانے دھرم کو کیوں چھوڑتا۔ جب انسان ایک ایسے دھرم سے وابستہ ہو جائے جو دوسروں کو ان کے مذہبی خیالات کی وجہ سے زنجیروں کے ذریعہ اپنے ساتھ باندھ کر رکھے تو پھر تو وہ محض کٹھ پتلی ہو کر رہ جائے گا۔

اگر ہندو دھرم کے اندر ایسی ہی تنگدلی موجود رہی تو ہم اُسے دور کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ بنوئے نے جواب دیا" زیادہ ہوا اور روشنی حاصل کرنے کے لئے کوئی اپنے مکان کو گرا نہیں دیتا۔ اس کے دروازوں اور کھڑکیوں کو چوڑا کرتا ہے۔ اور بڑا کرتا ہے۔

لولتا نے کہا۔ پتاجی "میری سمجھ میں یہ باتیں نہیں آرہی ہیں۔ میں نے کبھی سماج کو اونچا اٹھانے کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لی۔ لیکن ہر طرف سے مجھ پر اتنا ظلم ڈھایا جاتا رہا ہے کہ میری سانس گھٹنے لگی ہے۔ اور میں کوئی وجہ نہیں دیکھتی کہ اس کے خلاف میں اپنی آواز بلند نہ کروں۔ میری سمجھ میں یہ بات بھی صاف صاف نہیں آتی کہ میں کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ لیکن پتاجی مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا۔"

پاریش بابو بڑی نرمی سے بولے۔ ابھی تمہارے دل میں ہلچل مچی ہوئی ہے اس لئے سوچنے کے واسطے تم کچھ اور وقت لے لو۔

"مجھے اور وقت لینے میں کوئی اعتراض نہیں ہے" لولتا نے کہا۔ لیکن یہ بات میرے دل میں پوری طرح بیٹھ چکی ہے کہ جھوٹ اور ظلم میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ اور میں ڈرتی ہوں کہ کبھی غصے میں آکر کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھوں جس سے آپ کا دل بہت دکھی ہو اُٹھے۔" پتاجی "یہ مت سوچئے کہ میں نے اس بات پر بالکل غور ہی نہیں کیا ہے۔ میں صاف صاف دیکھ سکتی ہوں کہ اپنی تعلیم اور خیالات کی وجہ سے ہی مجھے برہمو سماج کے باہر مصیبتیں اور بدنامی اٹھانی پڑ جائے گی۔ لیکن میں کسی طرح کی جھجک یا خوف محسوس نہیں کرتی بلکہ مجھے ایک قسم کی طاقت اور خوشی کا احساس ہوتا ہے۔ مجھے صرف اسی ایک بات کی فکر ہے کہ کہیں میری وجہ سے آپ کو تکلیف نہ پہونچے۔ یہ کہہ کر لولتا نے پاریش بابو کے پیر چھو لئے۔

"بیٹی" پاریش بابو نے آہستہ سے ہنستے ہوئے کہا۔ اگر میں صرف اپنی عقل پر ہی بھروسہ کروں تو اپنے سامنے ہونے والی باتیں دیکھ کر مجھے افسوس بھی ہوگا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ جو تم نے، جہاں تک یہ صدمہ محسوس کیا ہے۔ وہ تمہارے لئے واقعی برا بھی

ہے۔ میں بھی ایک دفعہ باغی ہو کر گھر سے نکل آیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے بھی یہ سوچے اور سمجھے بغیر کہ اس سے مجھے تکلیف ہو گی یا آرام، ہمارے سماج پر یہ جو بار بار حملے ہو رہے ہیں۔ اس سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ بھگوان کی اپنی مرضی سے ہی ہو رہا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس طرح کی توڑ پھوڑ سے بھگوان کونسا نتیجہ برآمد کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے نزدیک برہمو سماج کیا ہے۔ ہندو دھرم کیا ہے۔ وہ صرف انسان کو پہچانتا ہے اتنا میں جانتا ہوں۔

وہ کچھ دیر کے لئے آنکھیں بند کر کے بالکل خاموش ہو گئے اپنی عبادت میں کھو گئے۔ اور کچھ دیر کی خاموشی کے بعد بولے۔ دیکھو بنوئے۔ ہمارے ملک کا سماجی نظام مذہبی خیالات کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ اس لئے سماجی معاملوں میں مذہبی رسومات کا بھی بہت کچھ ہاتھ ہوتا ہے۔ تم یقیناً اپنے مذہبی حلقے میں کسی دوسرے کو نہیں لے جا سکو گے۔ جس کا اس حلقے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

للتا کی سمجھ میں بات نہیں آئی۔ کیونکہ اس نے سماج اور دوسرے کسی مذہب کے رسم و رواج کو کبھی دیکھا نہیں تھا۔ وہ سمجھتی تھی۔ ان کے رسموں اور رواجوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جیسے بنوئے اور اس کے درمیان فرق کو نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔ تو مختلف سماجوں کے باہمی فرق کو بھی بدلا جا سکتا تھا۔ دراصل وہ اس بات کو جانتی ہی نہیں تھی کہ ہندو رسومات کے مطابق شادی کرنے میں ایک خاص رکاوٹ بھی موجود تھی۔

بنوئے نے پوچھا۔ آپ ہماری اس رسم کی طرف اشارہ تو نہیں کر رہے ہیں جو شادی کے وقت بھگوان کی مورتی کے سامنے بیٹھ کر ادا کی جاتی ہے۔

ہاں وہی۔ پاریش بابو نے لولتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا لولتا اس کے لئے رضامند ہو سکے گی۔

بنوئے نے لولتا کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے سے یہ جان پڑتا تھا کہ یہ بات سُن کر اس کی روح بھی کانپ گئی تھی۔

وہ جذباتی ہو کر ایک ایسی جگہ جا پہنچی تھی جو اس کے لئے بالکل اجنبی تھی۔ اور قدم قدم پر گڑھوں سے بھری ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر بنوئے کا دل رحم کے جذبات سے بھر گیا۔ اور اس نے محسوس کیا۔ وہ لولتا پر ہونے والے ہر ایک وار کو اپنے اوپر لے کر اُسے بچا لے گا۔ فتح پانے کے لئے ایسا جوش و خروش مخالفوں کے مہلک تیروں کا مقابلہ کرتے کرتے اگر شکست میں تبدیل ہو گیا تو کس قدر افسوسناک ہو گا۔ وہ لولتا کی نہ صرف جیت ہی چاہتا تھا بلکہ اُسے بچانے کے لئے خواہش بھی رکھتا تھا۔

لولتا کچھ دیر تک سر جھکائے بیٹھی رہی پھر بنوئے کی طرف دیکھ بولی۔ کیا آپ کا مورتی پوجا پر گہرا وشواس ہے۔

بنوئے ایک لمحہ کے توقف کے بعد کہہ اٹھا۔ نہیں ہے تو نہیں مانتا مورتی کو میں نے بھگوان کبھی نہیں سمجھا۔ صرف ایک سماجی رواج سمجھتا ہوں۔

لولتا نے پوچھا۔ جس چیز کو آپ زبان سے بھگوان کہتے ہیں۔ دل میں اُسے محض ایک رواج کا نام دیتے ہیں۔

بنوئے پاریش بابو کی طرف دیکھ کر بولا۔ میں شادی کے وقت اُن مورتی کو رکھنے تک نہیں دوں گا۔

اپنی کرسی سے اٹھ کر پاریش بابو بولے بنوئے تم نے ہر بات کو ابھی پوری طرح نہیں سوچا ہے۔ یہ صرف تمہارے یا کسی دوسرے کے خیالات کا ہی

معاملہ نہیں ہے۔ شادی کسی کا ذاتی معاملہ نہیں ہوتا بلکہ سماجی ہوتا ہے۔ تم اس حقیقت کو کیوں بھول جاتے ہو۔ جلدی مت کرو۔ ٹھنڈے دل سے غور کر لو۔

یہ کہہ کر پاریش بابو اپنے باغ میں چلے گئے اور اِدھر اُدھر ٹہلنے لگے۔ لولتا بھی وہاں گھوم کر بنوئے سے بولی۔ میں یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں جس کو کرنے کے لئے ہماری خواہش نہیں ہے۔ اسماج کے محض خوف کی وجہ سے پورا کیا جائے۔ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ سماج کے دل میں ایک غلط رَویّہ کے لئے تو جگہ ہو سکتی ہے لیکن جو سچّائی پر مبنی ہے اس کے لئے ہرگز نہیں۔

بنوئے آہستہ آہستہ چلتا ہوا لولتا کے قریب آ گیا۔ اس کے سامنے کھڑا ہو کر بولا۔ میں کسی سماج سے نہیں ڈرتا ہوں۔ اگر ہم دونوں ایک ہو کر صرف سچّائی کی گود میں چلے جاتے ہیں تو پھر اس سے بڑا اور سماج کونسا ہو سکتا ہے۔

اسی لمحے بردوا دیوی ایک طوفان کی طرح اندر داخل ہوئیں۔ اور دونوں کے سامنے رُک کر بولیں۔ بنوئے میں نے سُنا ہے کہ تم دھرم تبدیل نہیں کرو گے۔ کیا یہ سچ ہے۔؟

"میں دھرم تبدیل نہیں کروں گا۔ بنوئے نے جواب دیا۔ لیکن کسی قابل گرو کی مدد سے۔ اس سماج کے ہاتھوں نہیں۔

بَردوا دیوی غصّے میں چِلّا پڑیں۔ آخر اس دھوکے اور فریب کا مطلب کیا ہے۔ تم نے مجھے اور سماج کو یہ کہہ کر بیوقوف کیوں بنایا ہے کہ تم دھرم تبدیل کر لو گے۔! کیا تمھیں اس بات کا خیال نہیں آیا کہ اس سے لولتا کی

زندگی تباہ ہو جائے گی۔

"ماں تم نے اخبار میں دیکھا ہو گا کہ برہمو سماج کے سب لوگ بنوتے بابو کو اپنے دھرم میں لانے کے لئے ایک رائے نہیں رکھتے۔ پھر۔؟ ایسی حالت میں دھرم میں لئے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ لولتا بیچ میں بولی۔"

برَدوا نے کہا۔ اگر یہ دھرم نہیں بدلے گا تو یہ شادی کیسے ہو گی۔

کیوں نہیں ہو سکے گی" لولتا نے پوچھا"

"تو کیا تم ہندو رسم و رواج کے شادی کرو گی۔ برَدوا بولی۔

بنوتے نے کہا۔ یہ ہو سکتا ہے۔ میں سب رکاوٹیں دُور کر دوں گا۔

ایک لمحے کے لئے برَدوا دیوی بُت بنی رہ گئی۔ پھر بڑی سختی سے کہنے لگیں "نکل جاؤ بنوتے۔ میرے گھر سے فوراً نکل جاؤ۔ پھر یہاں کبھی مت آنا۔

تریسٹھواں باب

سچاریتا جانتی تھی کہ گورا آج ضرور آئے گا۔ صبح سے ہی اُس کے دل میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ گورا پر پُرانے رواجوں کا گہرا اثر تھا۔ اس کا پورا بچپن ہی ایسے ماحول میں گذرا تھا۔ قدم قدم پر سچاریتا کے دل میں اس بات کے خلاف جنگ شروع ہو جاتی تھی۔ گورا اُسے اپنی طرف کھینچتا جا رہا تھا۔ اسی وجہ سے وہ بے چین بھی رہتی تھی۔

کل گورا نے اس کی خالہ کے کمرے میں ٹھاکر جی کی مورتی کے سامنے جھک کر پرنام کیا تھا۔ سچاریتا کو یوں لگا تھا جیسے کسی نے اُسے چھُرا گھونپ دیا ہو۔ اس نے بہت سوچا۔ کیا ہوا اگر گورا مورتی پُوجا کیا کرتا ہے۔ اگر اس کا یہی ایمان ہے تو اس میں تیری بات" یہ کہہ کر وہ اپنی ڈھارس نہیں بندھا سکتی تھی۔ اپنے دل کو قائل نہیں کر سکتی تھی۔

جب کبھی وہ گورا کے رویّہ میں کوئی ایسی بات دیکھ لیتی تھی جس کا تعلق اس کے مذہبی خیالات سے ہوتا تو وہ صرف خوف سے کانپنے لگتی تھی۔ حالانکہ خود اس کی زندگی میں ایک اس دھرم کی جڑیں بہت گہری ہو چکی تھیں۔ آخر خدا اسے کہاں تک آزمانا چاہتا تھا۔

ہری موہنی آج پھر گورا کو اپنے اس کمرے میں لے گئی جس میں ٹھاکر جی کی مورتی رکھی ہوئی تھی۔ تاکہ وہ سچاریتا کے سامنے ایک اچھی مثال پیش کر سکے وہ اپنے جدید خیالات کی وجہ سے کھنچی کھنچی رہتی تھی۔ گورا نے آج بھی مورتی کے سامنے

سر جھکایا۔ سچاریتا جیسے ہی گورا کو نیچے کی بیٹھک میں لے کر پہنچی تو اس نے گورا سے پوچھا۔ کیا آپ مورتیوں کو مانتے ہیں۔

"ہاں یقیناً"

گورا کے جواب سے اُسے چوٹ لگی لیکن وہ سر جھکائے کھڑی رہی۔

اُسے اس طرح نرمی سے سر جھکائے اور اس کے تلخی سے بھرے ہوئے جواب کو برداشت کرتے دیکھ کر گورا کو بھی ایک صدمے کا احساس ہوا۔ وہ بہت جلدی سے بولا: دیکھو میں تمھیں سچ سچ بتائے دیتا ہوں۔ میرا مورتیوں پر ایمان ہے یا نہیں، ٹھیک ٹھیک نہیں کہہ سکتا۔ لیکن میں اپنے دیش کے وشواس کی قدر کرتا ہوں جس پوجا کا سارا دیش صدیوں سے پرچار کرتا چلا آرہا ہے۔ وہ کوئی ایسی چیز ضرور ہے جسے میں عزت کے قابل سمجھتا ہوں۔ عیسائی پادریوں کی طرح میں اس سے نفرت نہیں کر سکتا۔

سچاریتا اُسے کھوئی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی اور گورا کہتا رہا۔ جو کچھ میں نے کہا ہے۔ اُسے تمھارے لئے سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اس بات کا مجھے احساس ہے برہمو سماجی ہونے کی وجہ سے تم ان سب چیزوں کو سمجھنے کی شکتی کھو چکی ہو۔ جب تم اپنی خالہ کے کمرے میں مورتی رکھی ہوئی دیکھتی ہو تو اُسے محض ایک پتھر ہی سمجھتی ہو لیکن مجھے س مورتی میں تمھاری خالہ کا بھگتی بھاؤ سے بھرا ہوا نرم دل دکھائی دیتا ہے۔ یہ دیکھ کر میں کیسے ناراض ہو سکتا ہوں یا دل میں نفرت پیدا کر سکتا ہوں؟ کیا دل کا دیوتا ایک پتھر کا دیوتا ہو سکتا ہے؟

"کیا بھگتی کرنے سے ہی سب کام بن جاتے ہیں۔ سچاریتا نے پوچھا۔ کیا یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ بھگتی کس کی جا رہی ہے؟

گورا نے قدرے جوش کے ساتھ کہا۔ تو تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ کسی چیز کو خدا مان کر

اس کی پوجا کرنا غلط ہے۔ لیکن کیا اس کی حد کا فیصلہ وقت اور ملک ہی کر سکتے ہیں۔ یاد کرو۔ جب تم کوئی شاستر کا اشلوک دہراتی ہو تو تمھارے دل میں ایک عقیدت کا جذبہ سا پیدا ہونے لگتا ہے یا نہیں۔ لیکن وہی اشلوک کسی کتاب کے صفحے پر لکھا ہوا ہو تو تم کیا اس صفحے کی لمبائی چوڑائی اور ان حروف کو گننے لگتی ہو۔ جن سے مل کر وہ اشلوک بنے ہیں۔ ان مذہبی خیالات کے پیچھے جو نصیحتیں رکھی گئی ہیں۔ وہ اپنی گھیری ہوئی جگہ سے کہیں بڑی ہیں۔ وہ مورتی تمھاری نوسی کے نزدیک لامحدود آسمان کے سورج چاند اور ستاروں سے بھی کہیں زیادہ لامحدود ہے۔ چونکہ تم لامحدود کو اس کی پیمائش کے لحاظ سے لامحدود کہتی ہو۔ اس لئے اس کا اندازہ کرتے وقت تمھیں اپنی آنکھیں بند کر لینی پڑتی ہیں۔ میں نہیں جانتا تمھیں اس سے کچھ ملتا ہے یا نہیں۔ لیکن دل کی لامحدودیت مورتی جیسی چھوٹی چیز کے اندر بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو تمھاری خالہ کا ایمان اب تک کیسے قائم رہ سکا۔ زندگی کی ساری خوشیاں ختم ہو چکی تھیں۔ اگر یہ محض وہمی ہوتا۔ تو کیا اس کے دل کے اندر کی اتنی وسیع خلا اس چھوٹے سے پتھر سے پُر ہو سکتی تھی۔ انسان کے روحانی خلا کو اس کے خیالات کی وسعتیں ہی پُر کر سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں۔

سچاریتا کے لئے ان تمام اعلیٰ درجے کی دلیلوں کا جواب دینا ناممکن تھا۔ لیکن پھر بھی وہ خود کو تیار نہیں پاتی تھی کہ ان کو سچا سمجھے۔ کوئی اور چارہ نہ دیکھ کر وہ چُپ ہو گئی۔

بحث کرتے وقت گورا اپنے مخالفوں کے دل کی کوئی پرواہ نہیں کرتا تھا بلکہ انھیں دیکھ کر اس کے دل میں ایسا غصہ پیدا ہو جاتا تھا جو اپنے شکار کو دیکھ کر کسی جانور میں ہو سکتا ہے۔ مگر آج سچاریتا کو ایک لفظ بھی کہے بغیر ہارتا ہوا دیکھ کر

اُسے بہت دکھ ہوا۔ اور پہلے کی نسبت زیادہ نرمی اختیار کر کے کہنے لگا "میں تمھارے مذہب کو بُرا نہیں کہہ رہا ہوں۔ میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جس خدا کو تم بڑے توہین آمیز الفاظ کے ساتھ مورتی کہتی ہو وہ درحقیقت کیا ہے۔ اسے صرف آنکھوں سے دیکھ کر نہیں سمجھا جا سکتا۔ جو اس کی مضبوط ارادے کے ساتھ بھگتی کرتے ہیں، جن کے دل اس سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ جن کی فطرت کو اس کے اندر ایک پناہ مل جاتی ہے۔ صرف وہی لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ یہ مورتی فانی ہے یا لافانی۔ محدود ہے یا لا محدود۔ میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ ہمارے دیش کا کوئی بھی بھگت کسی محدود چیز کی پوجا نہیں کرتا۔ حدوں کو حدوں کے اندر ہی کھو دینے سے پوجا کی خوشی ملتی ہے۔

سچاریتا نے کہا۔ لیکن ہر شخص تو بھگت نہیں ہو سکتا۔

گورا نے جواب دیا ــــــ جو بھگت نہیں وہ کس کی پوجا کرتا ہے۔ یہ جاننے یا نہ جاننے سے نقصان یا فائدہ ہی کیا ہے۔ برہمو سماج کے اندر جو سچے بھگت نہیں ہیں وہ کیا کرتے ہیں۔ ان کی ساری عقیدت اُن کے کھوکھلے پن میں کھو جاتی ہے۔ ان لوگوں سے زیادہ خطرناک اور اس کھوکھلے پن سے زیادہ تباہ کن اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی؟

جماعت بندی کا احساس ہی ان کا بھگوان ہوتا ہے۔ اُن کے پادری ہی ان کا غرور ہوتے ہیں۔ کیا تم نے۔ بڑے سماج اسے خون کے پیاسے خدا کی پوجا نہیں دیکھی۔

سچاریتا نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے پوچھا۔ جو کچھ آپ نے اپنے مذہب کے بارے میں کہا ہے۔ کیا وہ آپ کے اپنے تجربات ہیں۔

یہ سُن کر گورا ہنس پڑا۔ بولا۔ یعنی تم یہ جاننا چاہتی ہو کہ کبھی میں نے بھی

کھلونوں کی ضرورت محسوس کی ہے یا نہیں۔؟ نہیں میرا دل اس طرف کبھی مائل نہیں ہوا۔

یہ بات اس نے سچاریتا کو خوش کرنے کے لیے کہی تھی۔ لیکن پھر بھی سچاریتا کو ایک اطمینان سا نصیب ہو گیا۔ وہ اس لیے بھی خوش ہوئی کہ اب اُسے یہ پتہ چل گیا تھا۔ کہ گورا اس موضوع پر پورے علم کی بنا پر بولنے کا حق نہیں رکھتا تھا۔

گورا نے کہا۔ میں کسی کو دھرم سکھانے کا حق نہیں رکھتا۔ لیکن میں اپنے دیش کے لوگوں کی بھگتی پر کسی کو ہنستا ہوا بھی برداشت نہیں کرتا۔ تم اپنے دیش کے لوگوں کو بیوقوف اور بُت پرست کہتی ہو۔ لیکن میں انھیں پکار پکار کر کہنا چاہتا ہوں۔ تم لوگ بیوقوف نہیں ہو۔ تم لوگ بُت پرست نہیں ہو۔ تم لوگ ذہین ہو۔ تم لوگ سچے پُجاری ہو۔ ان لوگوں کا احترام کر کے میں اپنے دیش کی آتما کو جگانا چاہتا ہوں۔ تاکہ وہ اپنے دھرم کے اصولوں کی عظمت اور عقیدت کی گہرائی کا صحیح احساس کریں۔ میں ان کے احساسِ فخر کو اُبھارنا چاہتا ہوں جو انھیں اپنی اس دولت پر ہونا چاہیے۔ میں انھیں حقیر نہیں بننے دوں گا۔ نہ انھیں سچائی کی طرف سے آنکھیں بند کرنے دوں گا۔ اور نہ ہی انھیں خود سے نفرت کرنے دوں گا۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔ اسی لیے میں آج تمھارے پاس آیا ہوں جب میں تم سے پہلی بار ملا' تو میرے دل میں ایک نئی لہر اُٹھی تھی۔ جسے میں اتنے دن تک بھلاتے بیٹھا تھا۔ میں یہ سوچتا رہتا ہوں کہ بھارت کے صرف مردوں کو ہی اہمیت دے کر اس دیش کی حقیقی صورت نہیں دیکھی جا سکتی۔ اس کی مکمل خوبصورتی کو اُبھارنے کے لیے ضروری ہو گا کہ یہ دیش اپنی عورتوں کو بھی وہی اہمیت دے میرے دل میں یہ خواہش ہمیشہ جوش مارتی رہی کہ تمھارے ساتھ کھڑا ہو کر اس دیش کو

ایک مشترک نقطۂ نظر سے دیکھوں۔ اپنے دیش کے لئے ایک مرد کی حیثیت سے صرف سیوا کر سکتا ہوں۔ اور بوقت ضرورت جان بھی دے سکتا ہوں لیکن اپنے دیش کے سواگت کے لئے مشعل جلانے والا تمہارے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ اگر تم ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو جاؤ گی تو اس کی صحیح خدمت کبھی نہیں کر سکو گی۔

عبادت کہاں تھی، سجاریتا اس سے کتنی دور کھڑی ہوئی تھی۔ بھارت کا یہ عقیدت مند۔ خود فراموش دیوانہ کہاں سے آیا ہے۔ اس نے ہر ایک کو کندھے سے مار کر کیوں ہٹایا اور سجاریتا کے ساتھ کھڑا ہونے کے لئے جگہ کیوں بنائی ہے۔ اس نے کسی اور کو بلانے کی بجائے صرف سجاریتا ہی کو کیوں پکارا ہے۔ بغیر کسی جھجک کے اور کوئی رکاوٹ محسوس کئے بغیر اس نے کہا تھا۔ تمہارے بغیر سب بے سود ہوگا۔ میں تمہیں ساتھ لے جانے کے لئے آیا ہوں۔ اگر تم جلاوطن رہو گی تو قربانی ادھوری ہی رہے گی۔

سجاریتا کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں اور جب گورا نے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا تو اُسے یوں نظر آیا جیسے کسی پھول پر شبنم کے قطرے گرے ہوئے ہوں۔

اگرچہ سجاریتا کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ اس نے بھی جواب میں اس کی خود فراموشی اور سکوت کی کیفیت میں دیکھا۔ اس کی نڈر اور بے خوف نظر کے سامنے گورا کا سارا وجود اس طرح سے لرز اٹھا جیسے بھونچال آجانے سے سنگ مرمر سے بنا ہوا محل ڈگمگا جائے گا۔ اپنے آپ پر قابو نہ پا کر وہ کھڑکی کے پاس جا کر باہر جھانکنے لگا۔

گلی کے تنگ راستے کے اوپر جھکے ہوئے سیاہ پتھر جیسی آسمان کی پٹی پر ستارے چمک رہے تھے۔ آسمان کا وہ چھوٹا سا حصہ اور تھوڑے سے ستارے۔

گورا کو اس کی روزمرہ کے مشاغل سے بھری ہوئی مصروف زندگی کو آج کہاں سے کہاں لے آئے تھے۔ وہ صدیوں سے اَن گنت حکومتوں کے عروج اور زوال کو صدیوں کی بے شمار عبادتوں اور کوششوں کو دیکھتے چلے آ رہے تھے ایک دل دوسرے دل کو اپنی اتھاہ گہرائیوں میں سے پکار رہا تھا۔ ان کی طرف دنیا کے ایک حصے میں سے وہ آسمان اور تارے بھی دیکھ رہے تھے۔ خاموش اپنی خواہش دبا کر اور پھر اچانک تھرتھرانے لگتے تھے۔ اس وقت گلی میں سے گزرنے والے کلکتہ کے لوگ گورا کو محض پرچھائیاں معلوم ہونے تھے۔ شہر کی کوئی بھی تیز آواز اس کے کانوں تک نہیں پہونچ رہی تھی۔ وہ اپنے ہی دل کے اندر جھانک رہا تھا۔ وہاں بھی ہر چیز آکاش کی طرح ساکت تھی۔ تاریک تھی اور خاموش تھی۔ اور وہاں لامحدود ماضی سے دو خوبصورت آنکھیں کبھی نہ ختم ہونے والے مستقبل کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھیں ——— آنسوؤں سے بھری ہوئی۔ لیکن نظر اٹھی ہوئی!

اچانک اُسے ہری موہنی کی آواز سُنائی دی۔ وہ اسے جل پان کرنے کے لئے پکار رہی تھیں۔ اُن کی آواز سُن کر گورا کانپ گیا۔ مڑا اور جلدی سے کہا۔ نہیں خالہ آج نہیں۔ آج مجھے معاف ہی رکھئے۔ میں بہت جلدی جانا چاہتا ہوں۔

اور جواب کا انتظار کئے بغیر جلدی سے باہر نکل گیا۔ ہری موہنی نے حیران ہو کر سچاریتا کی طرف حیرانی سے دیکھا۔ لیکن وہ بھی دوسری طرف چلی گئی۔ اِدھر ہری موہنی حیرانی سے سر ہلاتی رہ گئیں۔ "کیا بات ہو گئی ایسی؟"

تھوڑی ہی دیر بعد پاریش بابو آئے۔ انھوں نے سچاریتا کو نہیں دیکھا تو ہری موہنی سے پوچھا۔

"مجھے کیا معلوم" ہری موہنی نے دُکھ بھرے لہجے میں جواب دیا۔ اپنے کمرے میں بڑی دیر سے گور موہن بابو کے ساتھ باتیں کرتی رہی۔ اب شاید وہ اُوپر چھت پہ ٹہل رہی ہو۔

پاریش بابو حیران ہو کر بولے۔ اتنی سرد رات میں اُوپر چھت پر۔

ہری موہنی نے بے چین ہو کر کہا۔ اسے سردی میں ذرا مزہ لینے دیجئے آج کل کی لڑکیوں کو سردی سے کچھ نہیں ہوتا۔

چونکہ آج ہری موہنی کا پارہ چڑھا ہوا تھا۔ اس لئے انھوں نے سچاریتا کو کھانے کے لئے نہیں بلایا۔ سچاریتا کو خود بھی آج وقت کے گزرنے کا کوئی احساس نہیں تھا۔

پاریش بابو کو چھت پر آتا دیکھ کر اُسے بہت شرم آئی اور بولی۔ پتاجی نیچے چلیں۔ یہاں آپ کو زکام ہو جائے گا۔

نیچے کمرے میں لیمپ کی روشنی میں جب سچاریتا نے پاریش بابو کا گھبرایا ہُوا چہرہ دیکھا تو حیران رہ گئی۔ وہ آج تک اس یتیم لڑکی کے پتا اور گرو دونوں رہے تھے۔ اب بچپن کے تمام بندھن توڑ کر وہ ان سے الگ کی جا رہی تھی۔ سچاریتا کو یوں لگا جیسے وہ خود کو کبھی معاف نہیں کر سکے گی۔ پاریش بابو بہت تھکے ہوئے سے کرسی میں بیٹھ رہے۔ اپنی آنکھوں میں بھر بھر آتے ہوئے آنسوؤں کو چھپا نہ سکنے کی وجہ سے وہ ان کی کرسی کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی اور اُن کے سفید بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

پاریش بابو نے کہا۔ بنوئے برہمو دھرم قبول کرنے کے لئے کسی طرح سے بھی تیار نہیں ہو رہا ہے۔

سچاریتا کو خاموش دیکھ کر وہ پھر کہنے لگے۔ مجھے بنوئے کی اس پیشکش پر

پہلے سے شک تھا۔ اس لئے جو کچھ ہوا ہے اس کی وجہ سے میں زیادہ پریشان نہیں ہوا ہوں۔ لیکن جو کچھ لولتا کہتی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا دھرم قبول نہ کرنے پر بھی بنو تے کے ساتھ اس کی شادی ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں پڑے گی۔

سچاریتا تقریباً چلا پڑی۔ نہیں۔ پتاجی نہیں۔ یہ کبھی نہیں ہوگا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔

سچاریتا نے بولتے وقت ایسا جوش پہلے کبھی نہیں دکھایا تھا۔ اس لئے پاریش بابو حیران رہ گئے۔

انھوں نے پوچھا۔ کیا کبھی نہیں ہوگا۔

سچاریتا نے کہا۔ جب تک بنوتے بابو برہمو نہیں ہو جاتے۔ شادی آخر کن رسومات سے ادا کی جائے گی۔

پاریش بابو بولے "ہندو رسموں کے مطابق"

سچاریتا زور زور سے سر ہلا کر بولی۔ نہیں، نہیں، نہیں۔ آپ نے یہ کیسے تجویز کر دیا۔ آپ کو یہ کبھی سوچنا بھی نہیں چاہیئے تھا۔ لولتا کی شادی میں مورتی کی پوجا کی جائے۔ اس کی تو میں کبھی صلاح نہیں دے سکتی۔

چونکہ گورا سچاریتا کے دل کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا کیا اسی لئے اس نے آج ہندو رسوم کے مطابق ہونے والی شادی کے بارے میں اتنا جوش دکھایا۔ اس کے چلا اٹھنے کا نفسیاتی سبب یہ تھا کہ وہ پاریش بابو پر سے اپنا قبضہ نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ اور ان سے کہنا چاہتی تھی۔ میں آپ کو کبھی نہیں چھوڑ سکوں گی۔ میں اب بھی آپ کے سماج کی ممبر ہوں۔ آپ کے خیالات ابھی تک میرے پاس ہیں۔ مجھے آپ کی تعلیمات چھڑانے میں کوئی بھی کامیاب

نہیں ہو سکتا۔

پاریش بابو نے اسے بتایا۔ "بنوے تے شادی کی رسمیں ہندو پوجا کے بغیر ہی ادا کرنے کے لئے تیار ہو گیا ہے۔"

جب سچاریتا اُن کی کرسی کی پشت سے ہٹ کر اُن کے سامنے آ بیٹھی تو انھوں نے پھر کہا۔ اس کے بارے میں تم کیا کہتی ہو۔؟

ایک لمحہ خاموش رہ کر سچاریتا نے کہا۔ لیکن لولتا کو تو ہمارا سماج چھوڑ دینا پڑے گا۔

پاریش بابو نے کہا۔ مجھے اس معاملے پر بہت زیادہ غور کرنا پڑا ہے۔ جب کسی ایک آدمی اور سماج کے درمیان کوئی جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت دو باتیں سوچنی پڑتی ہیں۔

پہلی یہ کہ سچائی کس کے ساتھ ہے۔ دوسری یہ کہ طاقت کس کے ہاتھ میں ہے۔

اس میں ذرا سا بھی شک نہیں ہے کہ دونوں پارٹیاں مضبوط اور طاقتور ہیں۔ اس لئے باغی کو نقصان زیادہ ہو گا۔ لولتا نے مجھے بار بار بتایا ہے کہ وہ نقصان سے بالکل نہیں ڈرتی ہے بلکہ اس سے اسے خوشی ہو گی۔ اگر یہ حقیقت ہے اور مجھے اس کی اس بات میں کوئی غلطی نظر نہیں آتی تو پھر میں اسکے راستے میں کیوں رکاوٹ پیدا کروں۔

سچاریتا نے پوچھا لیکن پتاجی یہ شادی ہو گی کیسے؟

پاریش بابو بولے۔ میں جانتا ہوں یہ بات ہم سب کو مصیبت میں پھنسا دے گی لیکن جب لولتا کی بنوے سے شادی کرنے میں کوئی نامناسب بات نہیں ہے اور درحقیقت اُسے کرنی ہی چاہیئے۔ تو میں یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ سماج راستے

میں جو بھی رکاوٹ پیدا کرے اُسے برداشت کرنا ہمارا فرض ہے۔ یہ تو کبھی بھی مناسب نہیں ہو گا کہ آدمی تنگ نظر سماج کی عزت کرنا چھوڑ دے بلکہ اس کے مقابلے میں سماج کو زیادہ وسیع النظر ہو کر اس آدمی کا احترام کرنا چاہیے۔ اس لئے مجھے ان لوگوں میں کبھی کوئی بُرائی نظر نہیں آتی۔ جو اپنے خیالات کی وجہ سے پیش کرنے والی مُصیبتوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

"پتاجی، اس معاملے میں سب سے زیادہ آپ کو ہی تکلیف اٹھانی پڑے گی" سچاریتا نے کہا۔

اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پاریش بابو نے کہا۔

سچاریتا نے پوچھا۔ پتاجی کیا آپ نے اجازت دے دی ہے۔

"نہیں۔ انھوں نے جواب دیا۔ ابھی تو نہیں ———

———:(۵):———

چونسٹھواں باب

صبح تڑکے ہی سے گورا کا کمرہ گرما گرم بحث کا مرکز بنا ہوا تھا۔

سب سے پہلے موہم دادا حقہ پیتے ہوئے آئے اور گورا سے پوچھا۔

"ہوں ـــــ تو اتنے دنوں بعد آخر بنوئے نے زنجیر یں تڑا ہی لیں۔"

گورا کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا ـــــ سوالیہ انداز میں اُن کا منھ تکنے لگا۔

انھوں نے تشریح کی "آخر اس دھوکے سے فائدہ کیا ہے، مجھے یہ بتاؤ ـــــ تمھارے دوست کے معاملات اب کوئی راز تو رہے نہیں، چاروں طرف ڈھول پٹ رہا ہے۔ ذرا اسے پڑھو" ـــــ اور انھوں نے ایک بنگالی اخبار گورا کی طرف بڑھایا۔

اُس میں ایک نہایت زہریلا مضمون تھا جو اس خبر پر مبنی تھا کہ بنوئے اسی دن برہمو سماج میں شامل ہونے والا ہے۔ لکھنے والے نے برہمو سماج کے کچھ معروف ممبروں کے رویّہ کا ذکر کیا تھا۔ نہایت سخت الفاظ میں جن پر کئی جوان لڑکیوں کا بوجھ تھا۔ اور جنھوں نے گورا کے جیل میں ہونے کے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چپکے سے اس کمزور طبیعت آدمی کو ورغلا کر ہندو سوسائٹی چھوڑنے اور برہمو سماج میں شادی کرنے کے لئے گھیر لیا تھا۔

جب گورا نے کہا کہ "مجھے تو اس بات کی کوئی خبر نہیں" تو پہلے تو موہم دادا کو یقین ہی نہیں آیا اور پھر وہ بنوئے کی اس گہری اور رازدارانہ دھوکہ بازی پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے زور زور سے کہتے جا رہے تھے "واہ بھئی

ارے جب اس نے شاشی سے بیاہ کرنے کا وعدہ کر کے آنا کانی کرنی شروع کر دی تھی۔ اس وقت ہم لوگوں کو سمجھ لینا چاہیئے تھا کہ اس کا زوال شروع ہو گیا ہے۔"

پھر ابھناش ہانپتا ہوا پہنچا اور چیخ کر بولا "گور موہن بابو ——— یہ کیا ماجرا ہے ایسا اس کا تو خواب میں بھی کوئی امکان نہیں تھا سب کچھ ہونے کے بعد یہ بنوتے بابو کو........"

لیکن ابھناش نے اپنی بات پوری نہیں کی۔ اُسے بنوئے کو گالیاں دینے میں اتنی خوشی ہو رہی تھی کہ اس کے متعلق کسی پریشانی کے محسوس کرنے کا سوال ہی نہیں تھا۔

ذرا سی دیر میں گورا کی پارٹی کے سب ہی اہم ممبر باری باری سے آ پہنچے اور سبھوں کے اکٹھا ہونے کے بعد بنوتے کے اس رویّہ پر زور دار بحث ہونے لگی، ——— اُن میں سے زیادہ تر کی صرف ایک ہی رائے تھی کہ یہ بات جو اَب ہوئی ہے ——— اُس پر کوئی تعجب نہ کرنا چاہیئے، کیونکہ ان میں ہر ایک نے وقتاً فوقتاً بنوتے کے کردار میں کمزوری اور ہچکچاہٹ کے آثار دیکھے تھے بلکہ سب کی رائے یہ تھی کہ واقعتاً بنوتے کبھی دل سے اُن کی پارٹی میں شامل ہوا ہی نہیں تھا۔ کئی ایک نے کہا کہ وہ ہمیشہ گور موہن بابو کی برابری کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ اور اس کی یہ حرکت ان لوگوں کو ناگوار گزری تھی ——— اور سب تو گورا کا احترام اتنا کرتے تھے کہ الگ الگ رہتے تھے۔ لیکن وہ اُن کی ناک کا بال بنا ہوا اُن کے پاس گھسا تھا۔ وہ لوگ دیکھتے تھے کہ گور موہن بابو خود اس سے اتنی محبت کرتے ہیں اس لئے چپ رہ جاتے تھے ——— اور دیکھئے ذرا کہ اُس خود پسندی کا یہ کیسا نفرت انگیز انجام ہوا! سب ہی کہہ رہے تھے

"ہم اتنے پڑھے لکھے نہ سہی جتنے ہوتے بابو ہیں، اتنے ذہین نہ سہی پر ہم لوگ ہمیشہ ایک اصول پر چلتے رہے، یہ ہم نے نہیں کیا کہ سوچیں کچھ اور، کریں کچھ اور، ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ آج ایک بات کریں تو کل اس کے بالکل خلاف دوسری بات کریں —— اب چاہے آپ اس کو حماقت کہئے، نادانی کہئے، بھولا پن کہئے —— جو چاہے کہہ لیجئے"۔

گورا نے ان تمام باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا، نہ بحث میں کوئی حصہ لیا۔ خاموش بیٹھا رہا!

جب کافی دیر ہو گئی اور سب ملاقاتی ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے تو گورا نے دیکھا کہ بنوئے اس کے پاس آئے بغیر اوپر کوٹھے پر جا رہا ہے۔ اس نے جلدی سے کمرے سے نکل کر پکارا "بنوئے" —— بنوئے واپس آکر اس کے کمرے میں داخل ہوا تو گورا نے کہا "بنوئے میں نہیں جانتا کہ میں نے کبھی تمہارے ساتھ کوئی برائی کی ہے یا نہیں کی مگر مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے میرا ساتھ چھوڑ دینے پر آمادہ ہو"۔

بنوئے پہلے ہی سوچ کر آیا تھا کہ آج گورا سے ضرور لڑائی ہوگی۔ اسلئے وہ اپنا دل کافی مضبوط لئے ہوئے تھا۔ لیکن گورا کی اُداسی اور اس کے لہجے کی چوٹ ایسی تھی کہ بنوئے کی سب مضبوطی اڑنچھو ہو گئی —— گھٹی گھٹی آواز میں بولا "گورا میرے بھائی، کم از کم تم تو مجھ کو غلط نہ سمجھو، زندگی میں بہت سی تبدیلیاں آتی ہیں، بہت کچھ چھوڑنا پڑتا ہے لیکن دوستی بھی نہ رہے، اس کی تو کوئی وجہ نہیں"۔

گورا نے ایک منٹ چپ رہ کر پوچھا "بنوئے، تم برہمو سماج کے ممبر بن گئے ہو؟"

"نہیں گورا ـــــ نہ بنا ہوں اور نہ بنوں گا۔ لیکن میں اس بات کو زیادہ اہم نہیں سمجھتا، نہ اس پر زور دینا چاہتا ہوں" ـــــ

"اس کا کیا مطلب ہوا؟"

"اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں برہمو سماج کا ممبر ہوں یا نہ ہوں۔ یہ میرے لئے کوئی اہم بات نہیں ہے" بنوئے نے جواب دیا۔

گورا نے پہلو بدل کر کہا "میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ پہلے تمھارے خیالات کیا تھے اور اب کیا ہیں"

گورا کے اس سوال کا لہجہ بھانپ کر بنوئے نے پھر اس سے مقابلے کے لئے کمر کس لی اور بولا "پہلے میں جب کبھی یہ سنتا تھا کہ کوئی برہمو ہو گیا تو مجھے بہت غصہ آتا تھا۔ اور میں دل سے دعا کرتا تھا کہ اس شخص کو اس کی سزا ملے، لیکن اب میں اس طرح نہیں سوچتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک خیال کا مقابلہ ایک خیال سے کیا جا سکتا ہے، ایک دلیل کا جواب دوسری دلیل سے دیا جا سکتا ہے، لیکن جن معاملات میں سمجھداری اور رواداری کی ضرورت ہو وہاں کسی پر غصہ کرنا اور اس کو مٹنے کی خواہش کرنا وحشی پن ہے اور کچھ نہیں۔"

"اب تم کسی ہندو کو برہمو ہوتے دیکھو گے تو تمھیں بے شک غصہ نہیں آئے گا، لیکن کسی برہمو کو توبہ کر کے ہندو ہوتے دیکھو گے تو غصہ سے تمھارا سارا وجود سلگ اٹھے گا۔ تمھاری اس حیثیت اور پہلی حیثیت میں بس یہی فرق ہے" گورا نے کہا۔

"تم یہ بات بھی صرف غصہ میں کہہ رہے ہو گورا۔ سوچ سمجھ کر نہیں۔"

"میں تمھارا احترام کرتے ہوئے یہ بات کہہ رہا ہوں" گورا نے گفتگو جاری رکھی۔ "یہ سمجھ کر کہہ رہا ہوں کہ تمھیں یہی کرنا چاہیے تھا۔ میں بھی اگر تمھاری جگہ ہوتا تو

یہی کرتا۔ اگر ہمارے چہروں میں کوئی ایسی بات ہوتی کہ ہم گرگٹ کی طرح رنگ
بدل سکتے تب وہ اور چیز ہوتی۔ لیکن مذہب جو ایک دل کا معاملہ ہے نا۔ اتنی اہم
بات کی طرف میں اتنا ہلکا رویہ نہیں اختیار کر سکتا۔ اگر ان معاملات میں مخالفت
نہ بھڑکتی، انسان کو کسی نہ کسی قسم کی سزا بطور ہرجانہ نہ بھگتنی پڑتی تو پھر مذہب
کے معاملے میں انسان اپنا سر، ذہن و دماغ کیوں صرف کرتا؟ ہمیں سچ سچ خلوص
کے ساتھ صداقت قبول ہے یا نہیں، یہ آزمانے کے لئے انسان کو کچھ امتحانوں
میں سے گذرنا پڑتا ہے اور اس کے نتائج، اس کی پاداش بھی برداشت کرنی
پڑتی ہے۔ سچائی کے کاروبار میں یہ نہیں ہوتا کہ ہیرا بھی لے اور دام بھی نہ دے۔"

اب بحث زوروں پر چلنے لگی۔ دونوں طرف سے الفاظ تیروں کی طرح ایک
دوسرے پر بوچھار کرنے لگے، چنگاریاں سی چھٹنے لگیں! ——— آخر جب
الفاظ کی جنگ کافی دیر چل چکی تو بنے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا "گورا، تمھاری اور
میری طبیعتوں میں بنیادی فرق ہے۔ اب تک وہ فرق دبا ہوا تھا، جب بھی یہ
سر اٹھانا چاہتا تھا میں اسکو کچل دیتا تھا۔ اس لئے کہ مجھے معلوم تھا کہ تم کسی
اختلاف سے سمجھوتہ نہیں کر سکتے، تم ہمیشہ اس پر شمشیر برہنہ لیکر حملہ کرنے دوڑوگے
اس لئے اپنی اور تمھاری دوستی کو قائم رکھنے کے لئے میں اتنے دنوں تک
اپنی طبیعت سے لڑتا رہا، اب مجھے یہ نظر آ گیا ہے کہ اس سے کوئی فائدہ
نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔"

"اچھا تو اب مجھے صاف صاف بتاؤ کہ تمھارا ارادہ کیا ہے؟" گورا نے کہا۔

"آج میں اپنے پیروں پر کھڑا ہوں، میں اب زیادہ دن سوسائٹی کا یہ حق نہیں
تسلیم کر سکتا کہ وہ دیو کی طرح منہ پھاڑے روزانہ انسانوں کی قربانیاں لیتی رہے
اور اس طرح اس کو بہلائے رکھا جائے، اب میں مروں یا جیوں، لیکن سوسائٹی کا

پھندا اپنے گلے میں باندھے نہیں گھوم سکتا"

"تو پھر تم مہا بھارت کے برہمن لڑکے کی طرح تنکا لے کر دیو کو ہلاک کرنے نکلو گے؟ گورا نے طنز سے کہا:

میں یہ جاننے کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں تنکے سے اس کو ہلاک کر سکوں گا یا نہیں لیکن کم از کم میں اس کا یہ حق تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں کہ مجھے چبا جائے نہیں کبھی نہیں ——— تھوڑا بہت تو اس نے ضرور چبا لیا ہے مگر مکمل نہیں ——— ہرگز نہیں۔"

"اب تو تمھاری بات بھی سمجھنی مشکل ہے۔ اشاروں میں گفتگو کرنے لگے ہو۔

"تمھارے لئے میری بات سمجھنا تو مشکل نہیں ہے۔ البتہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کو ماننا دشوار ہے۔ تم بھی جانتے ہو اور میں بھی جانتا ہوں کہ سوسائٹی نے ہمارے اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، چھونے تک پر پابندیاں لگا رکھی ہیں۔ وہ کس قدر مہمل ہیں ——— مذہب تو انسانوں کو فطری آزادی بخشتا ہے نہ ——— لیکن تم سوسائٹی کی ان زیادتیوں پر صاد کرتے ہو، خود طرح طرح کی زیادتیاں کر کے! لیکن میں تمھیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ان معاملات میں بھی اب کسی کی زیادتی برداشت نہیں کروں گا۔ سوسائٹی میرا حق مانے گی تو میں بھی اُس کا حق سمجھوں گا، وہ اگر مجھے انسان نہیں کوئی کل کی کٹھ پتلی بنانا چاہے گی تو میں بھی اُسے صندل اور پھول نہیں چڑھانے والا! ——— پھر میں بھی اُسے لوہے کی مشین سمجھوں گا اور بس۔"

"مختصر یہ کہ دوسرے الفاظ میں تم برہمو ہو جاؤ گے" گورا نے پوچھا۔

"نہیں" بنوئے نے جواب دیا۔

"تم لولتا سے شادی کرو گے؟" گورا نے سوال کیا۔

"ہاں" بنوئے نے جواب دیا۔

"ہندو رسم سے شادی کرو گے" گورا نے پوچھا۔

"ہاں" بنوئے نے کہا۔

"پاریش بابو نے رضامندی دے دی؟"

"یہ ہے ان کا خط" بنوئے نے گورا کو ایک خط دیتے ہوئے کہا

گورا نے بڑی احتیاط سے دوبار اُسے پڑھا —— آخر میں پاریش بابو نے لکھا تھا۔

"میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ یہ بات ذاتی طور پر میرے لئے مفید ہے یا مضر، یہ بھی سوال میں نہیں اٹھانا چاہتا کہ آخر میں تم دونوں کے لئے کیا مشکلیں پیدا ہوں گی، تم دونوں میرے عقائد اور خیالات سے واقف ہو، میں کس گروہ میں ہوں یہ بھی تمہیں معلوم ہے، اس سے بھی ناواقف نہیں ہو کہ لولتا کو بچپن سے کس طرح کی تعلیم و تربیت دی گئی ہے اور کس طرح کے سماجی ماحول میں اس کی پرورش ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ تم دونوں نے ان تمام امور پر غور کر کے ہی یہ راستہ طے کیا ہو گا، اس لئے مجھے اب کچھ اور نہیں کہنا ہے البتہ یہ نہ سمجھنا کہ میں بے نیاز ہوں یا میں نے کچھ سوچا نہیں یا کسی نتیجہ پر نہیں پہنچا۔ جتنا مجھ سے ہو سکتا تھا میں نے اس معاملے پر سوچا ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں بنوئے کہ مذہبی حیثیت سے تم دونوں کے ملاپ میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میرے دل میں ذاتی طور پر تمھاری بڑی عزت ہے۔ چنانچہ صرف سوسائٹی کے ٹکڑے کئے ہوئے کسی بڑھن سے تمہیں اپنی راہ چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اس سلسلے میں تم سے بس اتنا ہی کہنا ہے کہ اگر تم اپنے سماج کی بنائی ہوئی حدوں کو توڑ رہے ہو تو پھر

تمھیں ہر قسم کے سماجی قاعدوں سے بلند تر ہونا چاہیئے۔ تمھاری متحیّر زندگیوں اور تمھاری محبّت کو صرف تخریب ہی نہیں بلکہ تعمیر کی ایک درخشاں مثال بننا چاہیے۔ صرف ایک بار جوش اور ہمّت دکھانے سے کام نہیں چلے گا، بلکہ روزانہ تمھیں مسلسل بہادری کے ساتھ اپنی مُتحد زندگی کے مسائل کو حل کرنا ہوگا ورنہ تم زوال پذیر ہوتے چلے جاؤ گے۔ سوسائٹی تو بیرونی حیثیت سے تم کو ایک مسلح راستے پر لے ہی نہیں چلے گی۔ اور اگر تم معمولی انسانوں سے زیادہ ہمّت اور قوت اپنے میں نہیں پیدا کرو گے تو زندگی تمھیں چھوڑ کر آگے بڑھ جائے گی۔ میں تمھارے آئندہ دکھوں اور پریشانیوں کا خیال کر کے آزردہ ہوتا ہوں اور گھبراتا ہوں۔ لیکن مجھے یہ حق نہیں پہونچتا کہ اپنی اس گھبراہٹ سے تمھارا راستہ روکوں۔ کیونکہ جن لوگوں میں یہ ہمت ہوتی ہے کہ اپنی زندگی کے مسائل خود کوشش کر کے سُلجھائیں وہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو سماج کو عظمت بخشتے ہیں! جو لگے بندھے قاعدوں کیمطابق ہی زندگی گذارتے ہیں وہ سوسائٹی کو آگے بڑھانے والے نہیں ہوتے صرف اس کو لے چلنے والے ہوتے ہیں۔ صرف اس کو سہارا دیتے رہنے والے ہوتے ہیں۔ اس لئے میں اپنی جھجک اور پریشانی سے تم کو آگے بڑھنے سے کیوں روکوں؟ تم جس راستے کو صحیح سمجھتے ہو اس پر ضرور بڑھو، مشکلات کا مقابلہ کرو، خدا تمھاری مدد کرے۔ وہ کبھی بھی اپنے قدم اٹھانے والے بندوں کے پیروں میں زنجیریں نہیں ڈالتا، بلکہ وہ تو زندگی کے نئے نئے مظاہرے پیش کرتا ہے اور مسلسل تغیر کے ذریعہ انسان کے شعور کو بیدار کرتا رہتا ہے تم بھی اس شعورِ بیدار کے پیغامبر ہو، اسی لئے اس نے تمھیں یہ توفیق دی ہے کہ اپنی زندگیوں کو مشعل کی طرح روشن کر کے اس مشکل راستے پر چل پڑو۔

جو دُنیا کا رہبر ہے وہ تمھیں بھی راستہ دکھائے گا۔ ــــ میں تم سے کبھی بھی یہ نہیں کہوں گا کہ جس راستے پر میں چل رہا ہوں اسی پر تم بھی چلو۔ ایک دن ایسا بھی تھا جب تمھاری عمر میں میں نے بھی اپنی ناؤ کو گھاٹ سے کھول کر طوفان کی موجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے دریا میں اُتارا تھا۔ ــــ اُس وقت میں نے خبردار کرنے والوں کی ایک نہیں سُنی تھی، ــــ جو کچھ میں نے کیا اُس پر اب تک مجھے کبھی پشیمانی نہیں ہوئی۔ اور اگر کبھی افسوس ہُوا بھی تو پھر کیا ؟ انسان غلطیاں کر سکتا ہے اور کرتا رہے گا، پریشانیاں اٹھائیگا غموں اور ناکامیوں کا سامنا کرے گا۔ وہ جائز کبھی نہیں رہ سکتا، جس چیز کو وہ اپنا فرض سمجھتا ہے اس کے لیے اپنی جان بھی قربان کرنے سے وہ دریغ نہیں کرتا۔ اسی طرح سماج کی ندی کا پانی صاف اور پاک رہتا ہے کہ اس کا دھارا ایک رفتارِ مسلسل کے ساتھ چلتا رہتا ہے۔ اس کے معنی یہ ضرور ہیں کہ کبھی کبھار، کچھ عرصے کے لیے دریا کے کناروں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں لیکن اس دھارے پر ہمیشہ کے لیے بند باندھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ پانی میں سڑاند پیدا ہو، اور موت کو دعوت دی جاتے۔ میں اس بات کو جانتا ہوں اس پر یقین رکھتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں تم دونوں کو ایک ایسی قوت کے حوالے کرتا ہوں جو تمھیں سماجی قاعدوں سے بغاوت کرنے پر گھسیٹ رہی ہے اور اسی قوت کے آگے سر جھکا کر ہی دل سے دعا مانگتا ہوں کہ تم جو لوگوں کی بُری بھلی برداشت کرنے کی تکلیف اٹھاؤ، اپنے عزیزوں سے جُدا ہونے کا دُکھ سہو، اس کی وہ تلافی کرے۔ اسی نے تم کو یہ مشکل راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور وہی تمھیں تمھاری منزل تک بخیریت پہنچائیگا۔"

جب گورا خط پڑھ چکا اور خاموش ہو کر سوچنے لگا تو بنوئے نے کہا

"پاریش بابو نے اپنے نقطۂ نظر سے اپنی رضامندی دے دی ہے۔ اسی طرح تم بھی اپنے نقطۂ نظر سے اپنی رضامندی دے دو گورا"

پاریش بابو نے اپنی رضامندی اس لئے دی ہے کہ وہ خود اسی دھارے کے ساتھ ہیں جو دریا کے کناروں کو توڑ رہا ہے۔ میں اپنی رضامندی اس لئے نہیں دے سکتا کہ میں جس دھارے میں ہوں ان کناروں کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں۔ کون جانے ہمارے ان کناروں پر کتنی صدیوں کی بیش قیمت دولت بکھری پڑی ہے۔ بہرحال اب ہمیں فطرت کے مطابق چلنا چاہیئے۔ تم ہمیں چاہے برا بھلا کہو، لیکن ان کناروں پر جہاں برابر نئی ریت جگہ پکڑتی جاتی ہے ہم کسی کو ہل نہیں چلانے دیں گے۔ اگر اس میں ہمارا نقصان ہے تو ہو ــــ یہ کنارے ہمارے آباد ہونے کے لئے ہیں، ہل چلانے کے لئے نہیں۔ تمھارا زراعتی محکمہ ہمیں گالیاں دے کہ ہم نے روڑے بکھار رکھے ہیں۔ لیکن ہمیں اس پر کوئی شرمندگی نہیں ہوگی۔

"گویا دوسرے لفظوں میں مختصر یوں کہو کہ تم میری شادی پر خوش نہیں ہو" بنوئے نے پوچھا۔

"ہاں یقیناً ــــــ میں تو کبھی خوش نہیں ہوں گا"

"اور......" لیکن گورا نے بنوئے کی بات کاٹ دی اور بولا

"اور اب میں تم لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھوں گا"

"اور اگر میں تمھارے مسلمان دوستوں میں سے کوئی ہوتا تب تم کیا کرتے؟" بنوئے نے پوچھا۔

"وہ تو بالکل دوسری بات ہوتی" گورا نے جواب دیا "اگر درخت میں سے کوئی ایک شاخ گر جاتی ہے تو پھر وہ کبھی اس درخت کا حصہ نہیں بن سکتی ــــ

لیکن باہر سے لپٹتی ہوئی بیل کو درخت ہر وقت پناہ دے سکتا ہے۔ اگر کسی طوفان میں وہ بیل ٹوٹ بھی جائے تو وہ پھر اکٹھا ہو کر درخت سے لپٹ سکتی ہے ——— اگر تم ہم لوگوں سے الگ ہو جاتے ہو تو پھر ہمارے لئے سوائے اس کے کوئی رستہ باقی نہیں رہ جاتا کہ تم سے ہمیشہ کے لئے قطع تعلق کر لیں۔ اسی لئے تو سوسائٹی نے ایسے سخت قواعد بنائے ہیں اور روک تھام کی صورتیں مقرر کی ہیں۔"

"یہی تو وجہ ہے کہ معمولی باتوں پر علیحدگی کی بنیاد نہ رکھی جانی چاہئے' اور قطع تعلق اس آسانی سے نہ ہونا چاہئے" بنوئے نے کہا "بازو کی ہڈیاں اس لئے مضبوط ہوتی ہیں کہ اگر ٹوٹ جائیں تو بڑی دیر میں جڑتی ہیں۔ اسی لئے بازو اکثر نہیں ٹوٹتا۔ تمہاری سمجھ میں یہ کیوں نہیں آتا کہ آنے جانے' کام کرنے کی سہولتیں اس سوسائٹی میں کس قدر کم ہوں گی۔ جو بات بات پر اس طرح ہڈیاں توڑتی ہے کہ وہ جڑ نہیں سکتیں۔"

"مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے" گورا نے جواب دیا "سوسائٹی نے سوچنے اور فیصلہ کرنے کا بار اتنی مکمل طور پر اپنے ذمے لے رکھا ہے کہ مجھے تو پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس نے کس وقت سوچا۔ میں تو اپنی اُمیدوں کو اس بات پر ——— کرتا ہوں کہ سوسائٹی ہزاروں سال سے سوچتی چلی آ رہی ہے۔ اور وہ ابھی تک اپنے وجود کو وقار کے ساتھ قائم کئے ہوئے ہے۔ جس طرح میں کبھی یہ سوچنے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ زمین سیدھی سادھی سورج کے چاروں طرف گھومتی ہے یا ٹیڑھی' ——— اور اس سلسلے میں وہ کوئی غلطی کر رہی ہے یا نہیں ——— اسی طرح میرا رویّہ سوسائٹی کی طرف بھی ہے ——— اور ابھی تک تو مجھے اس بے فکری سے کوئی مشکل محسوس ہوئی نہیں ہے۔"———

"بھائی گورا ——— بنوئے نے ہنس کر کہا" میں تو خود ہی عرصہ تک تم سے یہ باتیں کہتا رہا ہوں۔ کسی کو یہ شبہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے اپنی ہی کہی ہوئی باتیں اُلٹ کر تمہاری زبان سے سننی پڑیں گی۔ اس طرح کی لمبی لمبی تقریریں تیار کرنے کا بھگتان آج میں خود ہی بھگت رہا ہوں۔ لیکن اب بحث کرنے سے کیا فائدہ، کیونکہ آج میں نے کچھ ایسی چیزوں کو قریب سے دیکھ کر سمجھا ہے جن کا مجھے پہلے سے علم ہی نہیں تھا۔ آج میری سمجھ میں آیا ہے کہ انسانی زندگی ایک بہت بڑے دریا کی مانند ہے جو اپنی تیزی کی وجہ سے بالکل نئے اور بالکل انجانے راستے اختیار کرتا جاتا ہے، ایسے راستے جہاں پہلے کبھی کوئی دھارا بہا ہی نہیں! یہ تبدیل ہوتے ہوتے دھارے جن کے متعلق پہلے سے کوئی سوچ ہی نہیں سکتا، خدا کی مرضی سے وجود میں آتے ہیں اور وہ ہماری زندگی کو مختلف سمتوں پر لے جانے کے لئے ان دھاروں کو تخلیق کرتا ہے۔ زندگی کوئی کھودی ہوئی نہر نہیں ہے کہ اس کو صرف مقررہ راستوں پر ہی لے جایا جائے۔ ایک بار اگر ہم اس اصول کو اچھی طرح سمجھ لیں تو پھر کسی مصنوعی صورتِ حال کی وجہ سے بھٹکنے کا کوئی امکان نہ رہ جائے۔"

"جب چیونٹی کے پر نکل آتے ہیں تو وہ اسی طرح کی دلیلیں پیش کرتی ہوگی جیسی تم اس وقت کر رہے ہو" گورا نے کہا "لیکن آج میں تمہیں سمجھانے میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا"

"بڑی اچھی بات ہے" بنوئے ایک دم کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا تو پھر مجھے اجازت دو ——— ذرا ماں سے مل لوں"

بنوئے کے جانے کے بعد موہم دادا آہستہ سے کمرے میں آئے۔ حسبِ دستور پان چباتے ہوئے ——— "تو پھر نہیں طے ہوئی نہ بات؟ وہ مناسب

نہیں سمجھتا ——— ہے نہ؟ میں بہت دنوں سے تمہیں ہوشیار کر رہا تھا، خطرے کے آثار دکھائی دے رہے تھے، پر تم نے میری ایک نہ سُنی! اگر اس وقت کسی نہ کسی طرح ہم ہمت سے کام لے کر زبردستی شاشی سے اس کا بیاہ کر دیتے تو یہ سب پریشانی کیوں اٹھانی پڑتی ——— لیکن کون پروا کرتا ہے؟ میں کس پر بھروسہ کروں؟ اگر تم پر کوئی مصیبت نہ پڑے تو تم کبھی اس کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ چاہے سمجھا سمجھا کے تمہاری کھوپڑی میں چھید ہی کیوں نہ کر دیا جائے! کیا یہ کوئی معمولی بات ہے کہ اس ذرا سے لونڈے بنوئے نے تمہاری پارٹی کو یوں بکھیر دیا؟" گورا کو چُپ دیکھ کر وہ کہتے ہی گئے " تو پھر بنوئے کو واپس لانے کی کوئی امید نہیں ہے؟ خیر ہوگا اس وجہ سے ہم لوگوں کو شاشی کے بیاہ کی کیا کچھ کم پریشانی اٹھانی پڑی ——— اب اس معاملے میں زیادہ دیر نہ کرنی چاہیے۔ تم تو ہماری سوسائٹی کی حالت جانتے ہی ہو، ایک بار کسی کو اپنے پنجوں میں دبوچ لے تو اس پر کبھی ترس نہیں کھاتی۔ تو پھر بر کے واسطے...... نہیں نہیں ——— تم نہ گھبراؤ، میں تم سے اب رشتہ لگانے کو نہیں کہوں گا۔ میں نے سب کچھ خود ہی ٹھیک کر لیا ہے؟"

"پر لڑکا کون ہے؟" گورا نے پوچھا

"تمہارے ابناش" موہم نے جواب دیا

"وہ راضی ہے؟" گورا نے سوال کیا

"ابناش اور راضی نہ ہو! ——— وہ تمہارے بنوئے کی طرح تو ہے نہیں! تم جو کچھ بھی کہو، لیکن یہ صاف نظر آتا ہے کہ تمہاری پارٹی میں وہی تمہارا سب سے گہرا عقیدت مند ہے۔! کیوں؟ جب اس نے یہ تجویز سُنی کہ وہ تمہارے خاندان کا ایک فرد بن جائے گا تو خوشی سے ناچنے لگا اور بولا "میری کتنی خوش قسمتی ہے،

میری کتنی عزت افزائی ہے؟ جب میں نے جہیز کی بات کی تو اُس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے اور بولا۔" مجھے تو معاف ہی کیجئے' ان سب معاملات کی بات مجھ سے نہ کیجئے۔"

میں نے جواب دیا اچھی بات ہے تو پھر میں تمہارے پتاجی سے بات کروں گا۔ لہٰذا میں ان کے پاس بھی گیا۔ لیکن مجھے باپ بیٹے میں بڑا فرق معلوم ہوا۔ انھوں نے تو جہیز کی بات پر ہرگز کان بند کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی، بلکہ وہ تو شروع سے ہی ایسی باتیں کرنے لگے کہ میں اپنے کانوں کو ہاتھ کیا لگاتا، میرے ہاتھ ہی رہ گئے! یہ بھی مجھ پر واضح ہو گیا کہ ایسے معاملات میں لڑکا اپنے باپ کا خاص احترام کرتا ہے۔ گویا باپ ہی سب عزت آبرو کا مرکز ہے لہٰذا لڑکے کو بیچ میں ڈالنا تو بیکار ہی سی بات معلوم ہوتی! —— مجھے سرکاری سرٹیفکٹوں کو بھنانا پڑے گا تب ہی یہ کاج بنے گا —— خیر۔ وہ جو کچھ ہے سو ہے، پر تم تو ذرا ابھناش کا دل بڑھانے کے لئے دو لفظ کہہ دیتے تو اچھا ہوتا۔ تم ایک دو بات بھی کہہ دو گے تو......"

"اس سے جہیز میں ایک کوڑی کی بھی کمی نہ ہو گی" گورا بیچ میں بول پڑا۔

"وہ تو میں جانتا ہوں —— اگر باپ کی عزت اور احترام کرنے کے سلسلے میں کچھ پیسے بھی ہاتھ آجائیں تو بھلا کون نہ کرے گا۔"

"تو پھر بات بالکل طے ہو گئی ہے؟ گورا نے پوچھا۔

"ہاں" موہم زادا نے جواب دیا۔

"کیا تاریخ بھی سچ مچ مقرر ہو گئی ہے"

"ہاں ہاں۔ سچ مچ کیا؟ یقیناً ہو گئی ہے۔ ماگھ کی پورن ماشی کی تاریخ۔ وہ تاریخ اب ایسی دور بھی نہیں ہے، لڑکے کے باپ کا کہنا ہے کہ ہیرے جواہرات

سے کوئی فائدہ نہیں، البتہ سونے کا بھاری زیور چاہتے ہیں! اس لئے سنار سے بھی مجھے مشورہ کرنا ہے کہ دام بڑھائے بغیر سونے کے زیور کا وزن کیوں کر بڑھایا جائے گا۔"

"لیکن اتنی جلدی کیا ضرورت ہے؟" گورا نے کہا "اور ابھناش کے بے ہوجانے کا تو کوئی خطرہ ہے نہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے" مو ہم دادا نے کہا "لیکن تم کیا دیکھ نہیں رہے ہو کہ بابوجی کی صحت ادھر بہت خراب ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر لوگ تو جتنا زیادہ احتیاط اور پرہیز بتاتے ہیں، وہ اتنا ہی اس کے برخلاف کرتے ہیں۔ اب آج کل جس سنیاسی سے ان سے یارانہ ہو گیا ہے وہ دن میں تین تین بار ان کو نہلواتا ہے اور اس نے ایک ایسی یوگا ورزش ان کو بتائی ہے کہ ان کے انجر پنجر سب اُلٹے جا رہے ہیں اگر بابوجی کی زندگی میں ہی شاشی کا بیاہ ہو جاتا تو بڑا اچھا ہوتا۔ بابوجی نے جو کچھ بچایا ہے وہ اُوشنکر نند آسوامی کے ـــــ میں پہونچنے سے پہلے اگر میرا یہ کام پورا ہو جاتا تو اچھا ہے نہ! ویسے میں نے کل اُن سے ذکر تو کیا تھا، پر ایسا نظر آتا ہے کہ ان کو گھیرنا بھی معمولی بات نہیں ہے! میں نے سوچا ہے اس کمبخت سنیاسی کو ـــــ ادھر کچھ دن اچھی طرح بھنگ پلاؤں اور اسکے ہی ذریعہ کچھ بابوجی سے نکلوالوں۔ تم یقین رکھو ہم خاندان والے جا ہے جتنے ضرورتمند ہوں، پر ہمارے باپ کا پیسہ ہمارے کام نہیں آتے گا۔ میری یہ مشکل ہے کہ ایک غیر شخص کا باپ مجھ سے روپے کا مطالبہ کرتا ہے اور مجھ پر ذرا ترس نہیں کھاتا۔ اور میرا اپنا باپ ایسا ہے کہ روپے کا ذکر کرو تو سانس کھینچ کر یوگ، ندھیان کرنے لگتا ہے! پھر میں اس گیارہ برس کی لڑکی کو کیا گلے میں باندھ کے دریا میں ڈوب جاؤں ـــــ کیا کروں؟"

پینسٹھواں باب

"رادھا رانی تم نے کل رات کھانا کیوں نہیں کھایا" ہری موہنی نے پوچھا
"کیوں ؟ کیا مطلب ؟ میں نے تو رات کا کھانا کھایا تھا" سچاریتا نے حیران ہو کر کہا۔

"کیا کھایا تم نے ؟ یہ سب تو رکھا ہے ویسے کا ویسے ہی !" ہری موہنی نے رات کے کھانے کی طرف اشارہ کیا جس پر سرپوش اب تک ڈھکا ہوا تھا۔

تب سچاریتا کی سمجھ میں آیا کہ کل رات وہ کھانا کھانا بھول ہی گئی۔

"یہ تو بڑی بری بات ہے" ہری موہنی نے سخت آواز میں کہا "جہاں تک میں پاریش بابو کو جانتی ہوں وہ تو کبھی یہ پسند نہیں کریں گے کہ تم اس انتہا تک پریشان ہو ——— اُن کو تو دیکھ کر ہی انسان کو سکون اور اطمینان محسوس ہوتا ہے۔ بھلا انھیں اگر تمھارے اس رویہ کی خبر ہو تو وہ کیا کہیں گے۔"

سچاریتا کو یہ سمجھتے ذرا بھی دیر نہیں لگی کہ ہری موہنی کس بات کی طرف اشارہ کر رہی تھیں ——— سنتے ہی تو پہلے چند منٹ اس کا ذہن بالکل جھینپ کر رہ گیا۔ اس نے کبھی ایک پل کے لئے بھی نہ سوچا تھا کہ گورا کے اور اس کے تعلقات کو کوئی بری نظر سے بھی دیکھ سکتا ہے' اس لحاظ سے بھی سوچ سکتا ہے کہ یہ صرف مخالف جنس کی ایک کشش ہے اور کچھ نہیں ! ہری موہنی کے اس رشتے سے اس پر خوف طاری ہو گیا۔ لیکن ایک ہی پل بعد اس نے سوئی الگ رکھ دی' جم کر ہری موہنی کے سامنے بیٹھ گئی اور منھ اٹھا کر ان کو دیکھنے لگی۔ اس نے فوراً ہی

اپنے دل میں یہ ارادہ کر لیا تھا کہ جہاں تک گورا کا سوال ہے وہ کسی کے سامنے اس رشتے کے متعلق شرمائے گی نہیں۔ کیوں شرماتے؟

"خالہ آپ جانتی ہیں کہ کل رات گور موہن بابو آئے تھے۔ اور اُن سے جو بحث ہو رہی تھی اس بحث کا موضوع۔ اس بُری طرح میرے دل و دماغ پر حاوی ہو گیا کہ میں کھانے کے بارے میں بالکل ہی بھول گئی۔ آپ بھی وہاں ہوتیں تو آپ کو بہت سی دلچسپ باتیں معلوم ہوتیں"——

لیکن ہری موہنی کو گورا بابو کی گفتگو سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ تو صرف مذہبی باتیں سُننا چاہتی تھیں۔ لیکن جب گورا دھرم کی باتیں کرتا تھا تو اُسکے الفاظ ہری موہنی کو ایسے پُرخلوص نہیں معلوم ہوتے تھے جو اُن پر اثر کرتے۔ ہمیشہ ایسا معلوم ہوتا جیسے گورا کے سامنے کوئی دشمن کھڑا ہے اور وہ اس مخالف پر حملے کئے جا رہا ہے۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ جو لوگ اس سے اتفاق نہیں کرتے تھے ان کو وہ دبا کر اپنا حامی بنانا چاہتا تھا۔ لیکن جو اس سے متفق ہی تھے اُن کے لئے گورا کے پاس کہنے کو کیا تھا؟ گورا جس طرح کا جوش و خروش بات کرتے وقت ظاہر کرتا تھا وہ ہری موہنی پر سے یوں صاف گزر جاتا تھا جیسے چکنے گھڑے پر بوند! اگر برہمو سماج کے لوگ اپنی الگ رائے رکھتے تھے اور ہندو فرقے سے ملاپ نہیں کرنا چاہتے تھے تو ہری موہنی کا دل اس سے کیوں پریشان ہوا۔ وہ تو بس صرف اتنا چاہتی تھیں کہ جن لوگوں سے وہ محبت کرتی ہیں وہ اُن سے جدا نہ کئے جائیں——۔ ورنہ باقی ان کو کسی بات کی پرواہ کیوں ہو؟

یہی وجہ تھی کہ گورا سے بات کر کے اُن کو خاک خوشی نہیں ہوتی تھی اور پھر جب ان کو یہ بھی محسوس ہونا شروع ہوا کہ وہ سچاریتا کے ذہن پر اثر کرتا جا رہا ہے تو انھیں گورا کی باتوں سے اور بھی نفرت ہو گئی۔ روپیہ پیسہ کے معاملے میں

سچاریتا کسی کی محتاج نہ تھی، خیالات، عقیدے، رویّہ، اس میں بھی اس کو مکمل آزادی تھی۔ اس لئے ہری موہنی کسی قسم کا دباؤ تو اس پر ڈال ہی نہیں سکتی تھیں، پھر بھی پاریش بابو کے علاوہ اگر کوئی بھی سچاریتا پر ذرا سا اثر انداز رہتا تو ہری موہنی کو گھبراہٹ اور پریشانی ہونے لگتی تھی۔ کیونکہ اس بڑھاپے میں سچاریتا ہی اُن کا واحد سہارا تھی۔ گورا کے متعلق ہری موہنی کا یہ خیال تھا کہ وہ نہایت فراڈ قسم کا آدمی ہے۔ اور اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ باتیں بنا کر سچاریتا کو اپنا لے، بلکہ وہ تو یہ بھی سوچتی تھیں کہ گورا کی نظر اس جائداد پر ہے جس کی واحد مالک سچاریتا تھی۔ اس لئے وہ گورا کو اپنا خصوصی دشمن جانتی تھیں اور اس کو دھتا بتا دینے کی ہر ممکن کوشش کرنے اور ممکن طریقے آزمانے پر آمادہ تھیں۔

اُس دن گورا کے آنے کا کوئی مذکور نہ تھا اور کوئی خاص وجہ بھی نہ تھی لیکن گورا کی طبیعت میں کوئی بیجا ہچکچاہٹ کبھی نہیں تھی۔ ایک بار کوئی کام کرنے کا خیال اس کے دل میں سما جاتا تو اُن کو انجام کے متعلق سوچے بغیر اس کی طرف تیر کی طرح لپک پڑتا تھا۔

گورا صبح ہی صبح آیا —— ہری موہنی پوجا کر رہی تھیں، سچاریتا اپنی کتابیں اور کاغذات وغیرہ کچھ ٹھیک ٹھاک کر رہی تھیں۔ ستیش نے گورا کے آنے کی اطلاع دی تو اس کو تعجب نہیں ہوا۔ وہ سوچ ہی رہی تھی کہ گورا آج صبح آتے گا۔

"تو آخر بنوئے ہم لوگوں کو چھوڑ ہی گیا" گورا نے بیٹھتے ہوئے کہا

"کیوں؟" سچاریتا نے پوچھا "اس نے ہمیں چھوڑا کس طرح؟ برہمو سماج میں تو وہ شامل نہیں ہوا ہے۔"

"اگر وہ برہمو سماج میں چلا جاتا تو پھر بھی مقابلۃً ہم سے قریب رہتا" گورا نے جواب دیا۔ "یہ جو وہ ہندو سوسائٹی سے چپکا ہوا ہے، اس سے بڑی کوفت ہوتی ہے

ہمارے فرقہ سے وہ بالکل ہی نکل جاتا تو بہت اچھا کرتا۔"

"آپ سوسائٹی کو اس قدر اہمیت کیوں دیتے رہتے ہیں؟" سچ رتیلا نے
بیحد رنجیدہ ہو کر پوچھا۔

"سوسائٹی پر اتنا عقیدہ کیا آپ کی فطرت بن گیا ہے یا آپ خواہ مخواہ ایسا
کہتے رہتے ہیں۔"

"ان حالات میں تو یہ سوچنا خواہ مخواہ ہی میری فطرت بنے گا۔" گورا نے
جواب دیا۔ "جب پاؤں تلے کی زمین کھسکنے لگے تو پھر ہر قدم زیادہ جما کر رکھنا پڑتا
ہے۔ ہر طرف سے مخالفت ہو تو گفتار اور کردار میں زور آ ہی جاتا ہے۔ یہ تو
کوئی غیر فطری بات نہیں ہے۔"

"لیکن آپ کیوں سمجھتے ہیں کہ ہر طرف سے جو آپ کی مخالفت ہو رہی ہے۔
وہ غلط ہو رہی ہے۔ سوسائٹی اگر ترقی کے راستے میں روڑے اٹکاتے تو پھر
لوگ اس کو لتاڑتے ہی ہیں۔"

"ترقی تو پانی کی موجوں کی طرح ہے جو کنارے کو توڑتی رہتی ہے لیکن
اس سے متاثر ہونے والوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس توڑ پھوڑ کو قبول بھی
کر لیں۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں سوسائٹی کے اچھے اور برے پہلو پر کبھی غور نہیں کرتا
آج کل کسی سوسائٹی کے لڑکے کے لئے بھی یہ دیکھنا آسان بات نہیں ہے
مشکل چیز یہ ہے کہ ایمان اور مذہب کے عقائد کے ساتھ ساتھ سوسائٹی کا مکمل
جائزہ لیا جائے۔"

"لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے عقائد کے ذریعہ ہمیشہ سچی ہی بات تک
پہنچیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس کے ذریعہ ہم چیزوں کے متعلق غلط فیصلے
کر بیٹھیں اور ترقی کی راہ سے باطل کی طرف جھک جائیں ـــــ مثلاً میں

آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا بُت پرستی کرنی چاہیے؟ کیا آپ اسے
صحیح اور صادق چیز سمجھتے ہیں؟"

گورا ایک منٹ چپ رہا، پھر بولا "دیکھیے میں کوشش کروں گا آپ
کو اپنے خیالات سمجھا سکوں ــــ شروع میں میں ان باتوں کو صحیح سمجھتا تھا
ان کی مخالفت نہیں کرتا تھا کیونکہ ان میں یورپین رسموں کے متضاد عناصر
مجھے نظر آتے تھے۔ ویسے ان کے خلاف بہت سہل دلیلیں دی جا سکتی
تھیں ــــ مذہبی معاملات میں میں نے بھی کوئی خاص دخل ابھی تک حاصل
نہیں کیا تھا، لیکن آنکھیں بند کر کے رٹے ہوئے سبق کی طرح میں یہ دُہرانے
پر تیار نہیں ہوں کہ صورت کی پرستش بھی وہی چیز ہے جو بُت پرستی ہے یا بُتوں
کی پرستش ہی مذہبی عقائد کی آخری منتہا اور مقصد ہے۔ گر فن میں، ادب
میں سائنس اور تاریخ میں انسان کی تخیّل کا دخل ہے تو میں یہ ماننے کو تیار
نہیں ہوں کہ مذہب میں اس کا کوئی دخل نہیں۔ مذہب میں تو انسان کی تمام
صلاحیتوں کی تکمیل ہوتی ہے اور آپ خود ہی سوچیے کہ کیا عقل و عقیدے
کو تخیّل کے ساتھ ملانے کی جو کوشش ہمارے ملک میں کی گئی جس کا ذریعہ
یہ بُت پرستی ہے وہ کوشش انسان پر سچائی کو ظاہر نہیں کرتی۔ ایسی کوشش
کسی دوسرے ملک میں نہیں ہوئی۔"

"کیوں؟ یونان اور روم میں بھی بُت پرستی ہوتی تھی" سچاریتا نے دلیل پیش
کی۔

"ان ممالک کے بتوں میں سچائی اور تلاش صداقت کا عنصر اتنا نہیں تھا جتنا کہ
حسن کا ــــ جبکہ ہمارے ملک کے خیالات میں ہمارا فلسفہ اور ہمارا مذہب گہرائی
کے ساتھ رچا ہوا ہے۔ تمھارے کرشن اور رادھا، شیو اور درگا صرف تاریخی پرستش

کے نمونے نہیں بلکہ وہ ہماری تہذیب کے فلسفہ کہن کی صورتیں ہیں۔ یہی وجہ ہے
کہ ہمارے رام پرشو اور جیتھ دیو نے بھی اپنے ایمان اور عقیدے کے اظہار کے لئے
ان تمام صورتوں کا سہارا لیا۔ یونان اور روم کی تاریخ میں کہیں آپ کو اتنا عظیم
عقیدہ دکھائی دیتا ہے؟

"پھر کیا آپ یہ ماننے سے انکار کر سکتے ہیں کہ زمانے گزرنے کے بعد
مذہب اور سوسائٹی میں بھی تبدیلیاں ہوتی ہیں؟" سچاریتا نے پوچھا۔

"نہیں ——— میں کیسے انکار کر سکتا ہوں ——— پر اگر تبدیلیاں ایک
عجیب نامناسب انداز میں کی جائیں گی تو کام نہیں چلے گا۔ بچہ آہستہ آہستہ بڑھ کر پورا مرد
بنتا ہے لیکن پورا مرد بن کر بلی یا کتا نہیں بن سکتا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ
ہندوستان میں جو بھی تبدیلیاں ہوں وہ ہندوستانی ارتقا کے مطابق ہوں ———
کیونکہ آج آپ اگر ایک دم انگلستان کی تاریخ یہاں دہرانے لگیں گی، تو
شروع سے آخر تک ناکامی ہی ناکامی ہوگی۔ میں آپ لوگوں کو یہ سمجھانا چاہتا
ہوں کہ ہمارے ملک کی عظمت اور قوت ہمارے ہی ملک میں پنہاں ہے،
اسی لئے میں نے اپنی زندگی وقف کر دی ہے! یہ تو آپ سمجھ سکتی ہیں نا!"

"ہاں۔ تو میں تھوڑی تھوڑی سمجھ سکتی ہوں۔ لیکن یہ سب خیالات میرے لئے بالکل نئے
ہیں۔ آپ سے واقف ہونے سے پہلے میں نے ان باتوں کے بارے میں کبھی سوچا
بھی نہ تھا۔ جیسے نئی جگہ پر جانے پر انسان کو دیر لگتی ہے وہی حال اس وقت
میرا ہے۔ میں سمجھتی ہوں ——— اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ میں عورت
ہوں اور سمجھنے کی قوت مجھ میں ذرا کم ہے؟"

"ہرگز نہیں!" گورا نے جوش کے ساتھ کہا۔ "میں بہت سے ایسے مردوں
کو جانتا ہوں جن سے میں نے عرصے تک یہ باتیں کی ہیں، ورنہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ سمجھ گئے

لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان میں سے کسی نے بھی اتنا نہیں سمجھا جتنا آپ نے! جب میں پہلی بار آپ سے ملا تھا تب ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ آپ مخصوص طور پر ذہین ہیں اور اسی لئے میں اکثر آپ کے پاس آتا اور بلا تکلف آپ سے بات کرتا ہوں۔ اپنی زندگی کے تمام ارمان اور امیدوں کو آپ کے سامنے کھول کر رکھ دینے میں مجھے کبھی تامل نہیں ہوا۔"

"آپ ایسی باتیں کہتے ہیں تو مجھے بڑا ویسا لگتا ہے" سچاریتا نے شرما کے کہا "کیونکہ میں پوری طرح سمجھ نہیں سکتی ہوں کہ آپ مجھ سے کیا امید کرتے ہیں میں کیا دے سکتی ہوں کیا کر سکتی ہوں۔ اور یہ خیالات جو اتنی تیزی سے میرے ذہن پر قبضہ کرتے جا رہے ہیں ان کو کس طرح بیان کر سکتی ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ ایک دن آپ اپنی غلطی کو پہچانیں گے کہ آپ نے مجھ پر اتنا بھروسہ کیا۔"

گورا کی آواز بھاری ہو گئی "نہیں ـــــ اس میں کوئی غلطی نہیں۔ آپ میں کتنی عظیم صلاحیتیں ہیں، یہ میں آپ پر واضح کروں گا، آپ بالکل پریشان نہ ہوں ـــــ آپ اپنی لیاقت کو ثابت کرنے کا بار میرے کندھوں پر ڈال دیجئے ـــــ صرف مجھ پر بھروسہ کیجئے اور کچھ نہیں۔"

سچاریتا نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس کی خاموشی سے کم از کم یہ بات اچھی طرح ظاہر ہو رہی تھی کہ وہ گورا پر پورا بھروسہ کرنے کے لئے تیار ہے۔ گورا بھی چپ ہو گیا۔ ایک منٹ کمرے میں کوئی آہٹ نہیں ہوئی مکمل سناٹا رہا ـــــ باہر گلی سے سودے والوں کی صدائیں آ رہی تھیں گھر کے سامنے سے گذرتے ہوئے۔ پیتل کے برتن بیچنے والے کے برتنوں کی جھنجھناہٹ ذرا دیر فضا میں گونجی پھر وہ آگے نکل گیا اور مکمل خاموشی چھا گئی۔

ہری موہنی صبح کا پوجا ختم کر کے باورچی خانہ کی طرف جا رہی تھیں، ان کو گمان

بھی نہ تھا کہ سچاریتا کے خاموش کمرے میں کوئی بیٹھا بھی ہے، لیکن گذرتے ہوئے
انھوں نے ایک نظر ڈالی تو دیکھا کہ سچاریتا اور گورا آمنے سامنے خاموش بیٹھے ہیں
ایک لفظ کہتے نہیں، بالکل چپ ہیں۔ طیش کے مارے اُن پر جیسے بجلی گر پڑی،
لیکن ضبط سے کام لے کر انھوں نے دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی

"رادھارانی"

سچاریتا نکل کے آئی تو وہ بڑی مٹھاس سے بولیں "بیٹی، آج میرا
پورنماشی کا برت ہے، جی میرا اچھا نہیں ہے، ذرا تم رسوئی میں جا کر چولھا جلا دیتیں
جب تک میں گورا بابو کے پاس بیٹھی ہوں۔"

سچاریتا کچھ تو سمجھ گئی کہ اس کی خالہ کا ارادہ کیا ہے۔ وہ پریشان بھی ہوئی
مگر باورچی خانہ کی طرف چلی گئی۔ گورا نے کھڑے ہو کر ہری موہنی کو ہاتھ جوڑے
وہ بغیر کچھ جواب دئے بیٹھ گئیں۔ ذرا دیر ہونٹ بھینچے بیٹھی رہیں۔ پھر سکوت
توڑا "—— آپ تو برہمو نہیں ہیں نہ —— یا ہیں؟"

"جی نہیں" گورا نے جواب دیا

"تو آپ ہمارے ہندو سماج کے طور طریقوں کا تو ضرور لحاظ کرتے ہوں گے؟"

"جی ہاں —— ضرور کرتا ہوں"

"تو پھر اس طرح کے رویّے سے آپ کا کیا مطلب ہے؟"

گورا کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ ہری موہنی کا کیا مطلب ہے۔ سوالیہ انداز
میں ان کی طرف دیکھنے لگا۔

ہری موہنی نے اپنی بات جاری کی "رادھارانی سیانی لڑکی ہے، اور آپ
اس کے کوئی رشتہ دار بھی نہیں ہیں۔ تو پھر آپ کو اس سے کیا اتنی گفتگو کرنے کی
ضرورت ہے! وہ عورت ہے۔ اس کو گھر گرہستی کا کام کاج دیکھنا ہوتا ہے،

پھر وہ گپ شپ میں اتنا وقت کیوں ضائع کرے۔ خواہ مخواہ ہی تو اس کا دماغ خراب ہوگا۔ آپ سمجھدار آدمی ہیں۔ ہر کوئی آپ کی تعریفیں کرتا ہے لیکن ہمارے ملک میں اس طرح کے طور طریقوں کی کب اجازت تھی اور یہ رویہ کس شاستر میں لکھا ہے کہ ٹھیک ہے؟"

گورا کو سخت دھکا لگا۔ اس کو تو کبھی خیال بھی نہ آیا تھا کہ اس کی اور سچاریتا کی دوستی کے متعلق ایسی بات بھی کسی طرح سے کہی جا سکتی ہے ــــــ ذرا دیر چپ رہ کر بولا "سچاریتا برہمو سماج کی ممبر ہیں اور چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ وہ آزادانہ لوگوں سے ملتی جلتی ہیں۔ اس لئے میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا۔"

"اچھا ــــــ اگر وہ برہمو سماج کی ممبر ہے بھی' تو آپ تو یہ کہہ نہیں سکتے کہ یہ باتیں ٹھیک ہیں' ــــــ آپ جو کچھ کہتے ہیں اس سے آج بیشمار لوگ بیدار ہو رہے ہیں' ــــــ اگر وہ آپ کا یہ رویہ دیکھیں تو کس طرح وہ آپ کا احترام کریں گے۔ کل رات گئے تک آپ سچاریتا سے باتیں کرتے رہے' اور ابھی تک آپ کی بات ختم نہیں ہوئی جو آج صبح ہی صبح آپ آ گئے صبح سے نہ اس نے مودی خانہ میں جھانک کر دیکھا نہ باورچی خانہ میں گئی۔ پورنماشی کے دن جو تھوڑی بہت مدد وہ مجھے گھر کے کاموں میں دیتی ہے وہ بھی اس نے بھلا ہی دی' ــــــ یہ آخر کیسی تعلیم ہے؟ آخر آپ کے گھر میں بھی تو لڑکیاں ہوں گی۔ کیا آپ ان کو بھی گھر کے کام کاج سے کھینچ کر اس کی تربیت دیتے ہیں؟ نہیں ــــــ ہرگز نہیں۔ بلکہ اگر اور کوئی ایسا کرنا چاہے تو آپ اس کو اچھا بھی نہ سمجھیں گے۔"

گورا اپنے بچاؤ کے لئے کیا کہہ سکتا تھا!

صرف اتنا ہی بولا "سچاریتا کی تعلیم اور تربیت اس طرح ہوئی ہے کہ میں نے

اس معاملے پر اس طرح کبھی غور ہی نہیں کیا؟"

"چھوڑیے اس تعلیم تربیت کو" ہری موہنی چیخیں "جب تک وہ میرے ساتھ رہ رہی ہے اور جب تک میں زندہ ہوں، یہ سب نہیں چلے گا۔ میں بڑی مشکلوں سے اُسے کچھ کچھ اپنے راستے پر لائی ہوں، پاریش بابو کے یہاں تو یہ افواہ اڑ گئی کہ میرے ساتھ رہ کر وہ ہندو ہو گئی ہے، پھر جب اس گھر میں ہم لوگ آئے تو تمھارا وہ جو بنوئے ہے اس نے لمبی لمبی بحثیں کر کے پھر اُلٹ پلٹ کر دیا ——— ظاہر ہے کہ وہ تو برہمو خاندان میں شادی رچانے والا ہے۔ خیر ہو گا۔ اس بنوئے کو میں نے بڑی مشکلوں سے دفع کیا۔ پھر ایک کوئی اور صاحب ہیں جو ہرن بابو کہلاتے ہیں۔ جب وہ آتے تو میں رادھا رانی کو لے کر کوٹھے پر جا بیٹھتی تھیں کہ وہ نہ کچھ سمجھائیں پڑھائیں۔ جب میں پہلے پہل یہاں آئی تھی تو یہ سب کے ساتھ کھانا کھاتی تھی مگر اب میں دیکھتی ہوں کہ وہ یہ سب واہیات باتیں چھوڑی جا رہی ہے۔ کل خود باورچی خانے سے بھات لائی اور نوکر کو بھی پانی لانے سے منع کر دیا ——— اب میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ اس کا دماغ خراب نہ کیجیے' ——— میرے جو بھی عزیز اقارب تھے وہ مر چکے، یہی ایک بچی ہے' ——— اور کوئی ایسا نہیں جسے میں اپنا کہہ سکوں؛ مہربانی کر کے اس کا پیچھا چھوڑ دیجیے۔ ان کے گھر میں کئی ایک سیانی لڑکیاں ہیں۔ لبونیا ہے، لیلا ہے، وہ بھی پڑھی لکھی ہیں، ذہین ہیں، اگر آپ کو باتیں ہی کرنی ہیں تو ان سے کیجیے، کوئی آپ کو منع نہیں کرے گا۔"

گورا کے لبوں پر مہر لگ گئی ——— چپ بیٹھا رہا۔ کہتا بھی کیا! ذرا دیر بعد ہری موہنی نے پھر کہنا شروع کیا "دیکھیے نا ——— اب آخر اس کی شادی

ہوئی ہے۔ کافی بڑی ہو چکی ہے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ جیسی اس وقت کنواری ہے ایسی ہمیشہ رہے گی۔ گھر کا کام کاج تو سیکھنا عورت کے لئے ضروری ہے نا؟"

ویسے تو گورا کو اس سوال سے کوئی اختلاف نہ تھا، اس کے خود یہی خیالات تھے، لیکن سچاریتا کے معاملے میں اس نے ایسا کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ اس کے تخیل میں وہ ایک بیوی کی حیثیت سے کبھی نہیں آئی تھی۔ اس نے اُسے کسی گرہست آدمی کی بیوی کی طرح گھر کے کام کاج میں مصروف تو تصور ہی نہیں کیا تھا۔ وہ تو سمجھتا تھا سچاریتا ہمیشہ ایسی ہی رہے گی۔

"آپ نے اپنی بھانجی کی شادی کے متعلق سوچا ہے؟" گورا نے پوچھا۔

"ہاں سوچنا تو پڑتا ہی ہے" ہری موہنی نے کہا "اور پھر میں نہیں سوچوں گی تو کون سوچے گا۔"

کیا ان کی شادی ہندوؤں میں ہو سکے گی" گورا نے پوچھا

"نہیں اس کی کوشش کرنی ہوگی۔ بس یہی ہے کہ اب زیادہ گڑبڑ نہ ہو، سب ٹھیک ٹھاک رہے تو بیں کر لے جاؤں گی۔ بلکہ میں نے تو فیصلہ بھی کر لیا تھا۔ لیکن جب تک اس کا دماغ ٹھکانے نہیں آتا تھا تب تک میں ذرا ہچکچاتی تھی۔ اب ادھر دو دن سے دیکھ رہی ہوں کہ اس کی ضدیں ذرا کم ہو گئی ہیں تو پھر اُمید باندھ رہی ہوں۔"

گورا کو محسوس ہوا کہ اب اُسے زیادہ سوالات نہ کرنے چاہئیں، لیکن اس سے رہا نہیں گیا اور پوچھ ہی لیا "آپ کی نظر میں کوئی مناسب رشتہ ہے؟"

"ہاں۔ ہاں ——— ہے کیوں نہیں؟ بہت اچھا آدمی ہے۔ میرا سب سے چھوٹا دیور ——— کیلاش، ——— ابھی کچھ عرصہ ہوتے اس کی بیوی مر گئی ہے، دراصل وہ کسی بڑی عمر کی لڑکی کی تلاش میں ہے، ورنہ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ

ایسا اچھا لڑکا اتنے دن یوں ہی بیٹھا رہ جاتا ؟ وہ راہ دھارانی کے لئے نہایت موزوں رہے گا۔"

گورا کو جتنی ہی زیادہ جھجھک محسوس ہوتی گئی وہ اتنا ہی زیادہ کیلاش کے متعلق پوچھتا گیا معلوم یہ ہو کہ ہری موہنی کے دیوروں میں کیلاش سب سے زیادہ پڑھا لکھا تھا۔ اس نے خود ہی کوشش کر کے تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن کہاں تک حاصل کی تھی یہ ہری موہنی کو کچھ ٹھیک سے نہیں معلوم تھا۔ بہر حال خاندان میں وہ اپنی لیاقت کے لئے مشہور تھا۔ گاؤں کے ڈاک بابو کے خلاف جب شکایت کہہ کر جنرل پوسٹ آفس کو بھیجی گئی تھی یہ کیلاش نے اتنی عمدگی سے وہ درخواست لکھی تھی کہ پوسٹ آفس کے محکمے کا ایک بڑا افسر خود جانچ پڑتال کرنے آیا۔ اور سارے گاؤں کے لوگ کیلاش کی قابلیت پر حیران رہ گئے تھے لیکن اتنی تعلیم کے باوجود مذہبی معاملات اور ریتوں رسموں کے سلسلے میں اس میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

کیلاش کی ساری تاریخ سننے کے بعد گورا اٹھا ہری موہنی کے سامنے جھکا اور ایک لفظ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا۔ زینے سے اترتے وقت اس نے دیکھا کہ سچاریتا آنگن کے دوسرے سرے پر باورچی خانے میں کھانا پکانے میں مصروف ہے۔ جب اس نے گورا کے قدموں کی آہٹ سنی تو وہ دروازے پر آکھڑی ہوئی۔ لیکن جب گورا ادھر اُدھر دیکھے بغیر سر جھکائے باہر چلا گیا تو اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پھر باورچی خانے میں جا کے کام میں لگ گئی۔

گلی سے نکل کر گورا بڑی سڑک پر مڑا ہی تھا کہ ہرن بابو سے تصادم ہو گیا۔

"میں سمجھتا ہوں آپ ابھی وہاں ملنے گئے تھے سچاریتا گھر پر ہیں ؟"

"ہاں" اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

ہرن بابو نے گھر کے دروازے پر قدم رکھتے ہی دیکھ لیا کہ سچاریتا باورچی خانے میں ہے۔ اس کی خالہ اس کے آس پاس کہیں تھیں نہیں؛ اس لئے اب سچاریتا کے لئے بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

"ابھی راستے میں گور موہن بابو سے ملاقات ہوئی تھی" ہرن بابو بولے "میرا خیال ہے وہ ابھی ابھی یہاں سے گئے ہیں۔"

سچاریتا نے اُن کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ دیگچیوں اور پتیلیوں میں بیحد مصروف ہو گئی ——— وہ ایسا ظاہر کر رہی تھی گویا سانس لینے تک کی اُسے مہلت نہیں ہے۔ لیکن ہرن بابو اس آسانی سے ٹلنے والے نہیں تھے۔ باورچی خانے کے صحن ہی میں کھڑے انھوں نے گفتگو شروع کر دی۔ زینے پر سے ہری موہنی نے دو چار بار کھنکارا بھی، لیکن اُن پر کوئی اثر نہ ہُوا ——— ہری موہنی آسانی سے ہرن بابو کے سامنے آ سکتی تھیں لیکن انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ ایک بار انھوں نے اپنا پردہ توڑا کہ پھر ان کے اور سچاریتا کے لئے' اس جونک کی طرح چمٹنے والے نوجوان سے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہے گی! اس وقت اگر اُن کو ہرن بابو کا سایہ بھی دکھائی دے جاتا تو اس احتیاط سے گھونگھٹ نکال لیتیں جیسے نئی بیاہی دُلہن ہوں!

"سچاریتا" ہرن بابو کہہ رہے تھے "تم سمجھ رہی ہو کہ تم کیا کر رہی ہو؟ آخر تمہارا کیا انجام ہونا ہے؟ ——— میں سمجھتا ہوں یہ تو تم سُن ہی چکی ہوگی کہ لولتا کی شادی ہندو رسوم کے مطابق ہو رہی ہے! تم جانتی ہو اسکا ذمّہ دار کون ہے؟"

جب اس سوال کا کوئی جواب نہیں ملا' تو انھوں نے اپنی آواز مدھم کی اور سنجیدگی سے بولے "تم اس کے ذمّہ دار ہو۔"

ہرن بابو کا خیال تھا کہ اتنا بڑا الزام لگے گا تو سچاریتا اس دھکّے کو برداشت نہیں کر سکے گی۔ لیکن انھیں یہ نظر آیا کہ وہ اپنے کام میں مصروف ہے، سر اٹھا کر دیکھتی تک نہیں ——— انھوں نے اپنی آواز اور سنجیدہ کی ——— انگلی اٹھائی اور بولے "سچاریتا ——— میں پھر کہتا ہوں کہ تم اس کی ذمہ دار ہو ——— کیا تم اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتی ہو کہ اس معاملے میں تم پورے برہمو سماج کے سامنے مورد الزام نہیں ہو؟"

سچاریتا نے جواب میں صرف آگ پر فرائی پان رکھ دیا اور تیل اس میں سنسنانے لگا۔

ہرن بابو نے اپنی بات جاری رکھی ——— "تم نے بنوئے اور گورموہن بابو کو اپنے گھر میں گھسایا۔ اور یہاں تک ان لوگوں کو سر چڑھایا کہ اب برہمو سماج کے تمام محترم دوستوں سے زیادہ ان کی عزت تمھاری نظر میں ہے! اب دیکھتی ہو اس کا کیا نتیجہ ہوا! میں نے تمھیں شروع ہی سے خبردار کیا تھا کہ نہیں ——— آج کیا انجام ہے! اب کون لولتا کو روک سکتا ہے؟ میرا خیال ہے تم سمجھتی ہو کہ بس یہاں اتنے ہی پر ختم ہو جائے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بے شک تم اپنے دل میں لولتا کی بدنصیبی پر کڑھتی ہو گی، لیکن وہ دن دور نہیں جب تمھیں اپنی تباہی پر بھی کڑھنے نہ بنے گی۔ سچاریتا، اب بھی موقع ہے، لوٹ آؤ ایک منٹ سوچو تو سہی، ہم دونوں نے کتنی ——— عظیم امیدوں سے ایک دوسرے کا ہاتھ تھاما تھا، خدا نے کس طرح ہمارے دلوں کو متبرک کیا تھا، کیسے کیسے ارادے ہم نے کیے تھے ——— کس طرح ایک ایک دن گن کر ہم زندگی کے سفر کی تیاری کر رہے تھے، ——— کیا تم سمجھتی ہو کہ وہ سب ختم ہو گیا نہیں ——— ہماری امیدوں کی وہ زراعت آج بھی تیار ہو رہی ہے۔ صرف

تم کو مڑ کر ایک بار اُسے دیکھنا ہے ——— واپس آجاؤ سچار یتا ——— واپس آجاؤ"

اِن الفاظ کے ساتھ ہی ساتھ کڑھائی کے تیل میں پکتی ہوئی طرح طرح کی سبزیاں زور زور سے جھنجھنانے لگیں اور سچار یتا اُن کو کفگیر سے اُلٹنے پلٹنے لگی ہرن بابو یہ دیکھنے کے لئے چپ ہو گئے کہ انھوں نے جو دعوتِ پشیمانی دی ہے وہ سچار یتا پر کیا اثر کرتی ہے ——— سچار یتا نے کڑھائی کو آگ پر سے اُٹھایا اور زمین سے رکھتے ہوئے ہرن بابو کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بڑی سنجیدگی اور استقلال سے بولی "میں ہندو ہوں"

"تم ——— ہندو" ہرن بابو کو جیسے بجلی کے تار نے چھو لیا۔

"ہاں ——— میں ہندو ہوں" اور یہ کہتے ہوئے اس نے پھر کڑھائی کو آگ پر رکھ دیا اور اس میں کفگیر چلانے لگی۔

ہرن بابو اس صدمے کے پہلے اثر سے اب ہوشیار ہوتے جا رہے تھے، چیخ کر بولے "تو گورموہن بابو صبح شام تمہیں یہ سبق پڑھاتے رہے ہیں"

سچار یتا نے مڑے بغیر جواب دیا "ہاں ——— میں ضرور اُن سے تعلیم حاصل کرتی ہوں ——— وہ میرے گرو ہیں"

ہرن بابو آج تک اپنے آپ کو سچار یتا کا گرو سمجھتے رہے تھے ——— اگر اس وقت سچار یتا ان کو یہ خبر سناتی کہ وہ گورموہن بابو سے محبت کرتی ہے تو بھی غالباً ہرن بابو کو اتنا تیز احساس نہ ہوتا ——— لیکن سچار یتا کی زبان سے یہ سننا کہ گورا نے اُن کے گرو بننے کا حق چھین لیا ہے، اُن کو چابک کی طرح لگا۔

"تمھارے گرو صاحب چاہے جتنے بڑے آدمی ہوں کیا تم سمجھتی ہو کہ ہندو

سوسائٹی تمہیں قبول کرے گی" ہرن بابو نے دانت پیس کر طنز کیا۔

"میں یہ سب کچھ نہیں جانتی۔ میں آپ کی یہ سوسائٹی وسائٹی کچھ نہیں سمجھتی ـــــ لیکن اتنا مجھے معلوم ہے کہ میں ہندو ہوں"

"کیا تم سمجھتی ہو کہ تمھارا اتنی عمر تک کنوارہ رہنا ہی تمہیں ہندو سوسائٹی سے نکال باہر کر دینے کے لئے کافی نہیں ہے؟" ہرن بابو نے سوال کیا۔

"آپ اس سوال کے متعلق پریشان نہ ہوں ـــــ میں تو آپ سے بس صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ میں ہندو ہوں"

"میرا خیال ہے کہ پاریش بابو نے تمھیں جو کچھ تعلیم و تربیت دی تھی وہ سب تم اس نئے گرو کے قدموں میں بیٹھ کر بھلا چکی ہو ـــــ کیوں؟"

"میرے دل کا اصلی حال جاننے والا میرا خدا میرے مذہب کا حال بہتر جانتا ہے۔ میں کسی سے اس کے بارے میں بحث نہیں کرنا چاہتی۔ البتہ آپ کو ایک بات کا یقین کر لینا چاہئے کہ میں ہندو ہوں"

ہرن بابو بگڑ کر بولے "خیر ـــــ میں تمھیں یہ بتائے دیتا ہوں کہ تم اپنے کو چاہے جتنا بڑا ہندو سمجھو، اس سے تمھیں کوئی فائدہ نہ ہوگا، تمھارے گورموہن بابو کوئی دوسرے بدھو نہیں ہیں، اس لئے تم چاہے جتنی گڑگڑا لو کہ تم ہندو ہو، وہ تمھارے ہونے سے رہے! ان کے لئے تمھیں مرید اور تم کو چیلا بنا کر پھانس لینا آسان ہے، لیکن یہ تم خواب میں بھی نہ سوچنا کہ وہ تمھیں بیوی بنا کر گھر لے جائیں گے اور اپنی گرہستی تمھارے حوالے کر کے تمھیں ساتھی کا درجہ بخشیں گے"

سچاریتا ایک منٹ کے لئے اپنی ساری چکائی وکائی بھول گئی، بجلی کی طرح مڑ کر چیخی "یہ سب کیا بک رہے ہیں آپ؟"

"میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ گورموہن بابو شادی تم سے کبھی نہیں کریں گے۔"

"مجھ سے شادی؟" سچاریتا پھر چیخی، اس کی آنکھوں میں غضب کی حرارت تھی "میں نے آپ سے کہا نہیں کہ وہ میرے گرو ہیں۔"

"وہ تو تم نے یقیناً کہا لیکن جو کچھ تم نے نہیں کہا وہ بھی ہم لوگ سمجھتے ہیں ——

"نکل جائیے اس گھر سے! آپ کو میری ہتک کرنے کا حق پہونچتا ہے، آج میں آپ سے ہمیشہ کے لئے کہے دیتی ہوں، میں اب کبھی آپ کے سامنے نہیں آؤں گی۔"

"میرے سامنے نہیں آئیں گی" ہرن بابو دانت پیس کر چلائے "اب تو آپ زنانے میں رہنے والی خاتون ہو گئیں! باقاعدہ ہندو استری ٹھہریں۔ جسے سورج کی کرن بھی نہیں دیکھ سکتی —— اب جائیے، پاریش بابو کو اپنی کرنی کا پھل بھوگنا پڑ رہا ہے، جو بویا ہے وہ بڑھاپے میں کاٹیں۔ میں نے تو آپ سب سے بھر پایا" —— یہ کہہ کر وہ غصّے میں لال پیلے، پیر پٹکتے گھر سے باہر نکل گئے۔ سچاریتا نے دھڑ سے باورچی خانے کا دروازہ بند کیا اور زمین پر گر پڑی کہ اُس کے رونے کی آواز کوئی سننے نہ پائے۔

ہری موہنی نے ان دونوں کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سُنا تھا۔ وہ سچاریتا کے منہ سے جو باتیں انھوں نے سُنیں وہ اُن کی بلند ترین اُمید دل سے دو قدم آگے تھیں۔ وہ خوشی سے پھولی نہیں سماتی تھیں۔ اُن کے دل نے صدا دی کہ ایسا کیوں نہ ہو؟ ایسا سچ مچ کیوں نہ ہو —— "آخر میں نے اپنے خدا سے اتنی یکسوئی کے ساتھ دُعائیں مانگی تھیں تو وہ بیکار کیسے جا سکتی تھیں" —— وہ سیدھی بھگوان کے سامنے دوڑی گئیں اور مورتی کے سامنے زمین پر لیٹ کر دل سے وعدہ کیا کہ آج سے وہ دُگنی پُوجا کریں گی ——

بِتنے دِنوں سے ان کا دکھی دل، غم کے مارے بہت خاموشی اور سکون سے پوجا کیا کرتا تھا ــــــــ آج وہی دل بے چین تھا، بیتاب تھا، اُمیدوں کی آگ، آرزوؤں کے شوق نے اس کی ہوس، اس کی بھوک بڑھا دی تھی، اُس کی ہوس کو ہوا دی تھی۔

چھیاسٹھواں باب

گورا جس طرح سچاریتا سے گفتگو کر لیا کرتا تھا، اُس طرح اُس نے کبھی کسی سے بات نہیں کی تھی۔ اب تک وہ اپنے سُننے والوں کے سامنے صرف اپنے خیالات بیان کرتا تھا، انھیں ہدایتیں دیتا تھا یا اُن کو تقریریں سُناتا تھا لیکن آج سچاریتا کے سامنے وہ اپنے پُورے وجُود کی تشریح کر رہا تھا۔

اپنے وجود کے اس اظہار میں صرف قوت ہی کا احساس نہ تھا بلکہ اُس کے سارے خیالات اور تمام ارادوں پر ایک گداز، ایک سوز —— ایک جذبات کا عالم طاری ہو گیا۔ زندگی حسُن سے بھرپور نظر آتی تھی اور ایسا لگتا تھا کہ دیوتاؤں نے اس کے ایمان اس کی عقیدت پر یکایک آب حیات کی پھوار برسانی شروع کر دی ہے۔

یہی مسّرت تھی جو اتنے دن تک برابر گورا کو کھینچ کر سچاریتا کے قریب لیجاتی رہی —— وہ عظیم وہ گہری مسرت جس نے انجام پر غور کرنے کی کبھی مہلت ہی نہیں لی —— آج، یکایک بری موہنی کے الفاظ سُن کر اُسے یاد آیا کہ ایک بار وہ اسی بے رحمی کے ساتھ بنوئے پر ہنستا تھا، اسی طرح اس نے بنوئے کو اسی قسم کی کشش پر لعنت ملامت کی تھی!

اپنی حماقت سے وہ بالکل اسی قسم کی دلدل میں پھنس گیا تھا —— اور اپنے آپ کو اس میں پھنسا دیکھ کر حیران رہ گیا!

اُس نے اپنی تمام عقل و فراست کو آواز دی!

جس طرح گہری نیند میں سوتے ہوئے کسی آدمی کو کسی جگہ سوئی چبھو دی
جائے وہ چونک کر اُٹھ بیٹھے اور اس کا دل قابو میں نہ آ رہا ہو، وہی حالت
گورا کی تھی ـــــ اس نے بارہا اپنی تقریروں میں یہ کہا تھا کہ دُنیا کی بہت
سی عظیم قومیں بالکل نیست و نابود ہو گئیں۔ ہندوستان جو صدیوں تک شدید
تھپیڑوں کا مقابلہ کر کے بھی زندہ رہا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے کبھی اپنے آپ
کو بے قابو نہیں ہونے دیا اور ہمیشہ پُرانے اصولوں اور قاعدوں کو قائم رکھا۔
ان قوانین میں گورا بالکل ردوبدل کرنے کو تیار نہ تھا اور اس کا خیال تھا کہ اتنی
لوٹ کھسوٹ کے باوجود، چونکہ ہندوستان کی روح اسی ٹھہراؤ اور اسی اصول
پسندی پر قائم تھی اسی لئے کوئی اس کے جسم کو بھی ناپاک نہیں کر سکا۔ اسی لئے
جب تک کوئی بدیشی راج ہم پر مسلط ہے، ہمیں اپنے قاعدوں پر سختی سے قائم
رہنا چاہئے اور ان قاعدوں کی اچھائی یا بُرائی پر بحث نہ کرنا چاہئے۔ ڈوبتا
ہوا آدمی جب تنکے کا سہارا لیتا ہے وہ تنکے کے خوبصورت یا بدصورت ہونے
کی طرف توجہ کیسے دے سکتا ہے۔

اس طرح گورا اب تک اپنے خیالات کا اظہار کرتا رہا تھا۔ آج بھی وہ یہی سوچ
رہا تھا اور بہاری موہن نے جو اس کو ڈانٹا تو اسے ایسا محسوس ہوا کہ گویا کسی
نے [illegible] ہاتھی کو کسی نے چبھو دیا گیا۔

وہ گھر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ مہم [illegible] ستیش تا سے باہر ایک کرسی پر
بیٹھے ہوئے ہیں۔ آج ان کے آفس میں چھٹی تھی۔ گورا اندر گیا تو وہ بھی
اُس کے پیچھے پیچھے گئے اور ـــــ میری بات سنو، مجھے تم سے کچھ کہنا
ہے" اور وہ اُس کے [illegible] اندر گئے۔

دونوں گورا کے کمرے میں داخل ہو کر بیٹھ گئے۔ مہم دا نے بات شروع

کی "دیکھو بیٹیا، بُرا نہ ماننا، لیکن سب سے پہلے تو میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کہیں تم بھی اُسی مرض میں مبتلا ہو گئے ہو جو نبوسے کو لگ گیا ہے۔ تم نے اس طرف زیادہ آنا جانا شروع کر دیا ہے، بہت گھُلے ملے جا رہے ہو ان لوگوں سے" ——— گورا شرما گیا "ارے نہیں ——— آپ کو گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"لیکن معاملات مجھے جس طرح چلتے دکھائی دے رہے ہیں اُن کے لحاظ سے کون کہہ سکتا ہے۔ تم سمجھتے ہو گے کہ یہ بھی کوئی مُنھ کا نوالہ ہے کہ جہاں چاہا بیٹھ کر نگلا، اور پھر ٹھنڈے ٹھنڈے گھر چلے آئے۔ ذرا اپنے دوست کی حالت دیکھو تو پتہ چلے کہ نوالے میں کانٹا بھی ہے جو کھٹکیں چبھنے لگتے ہیں۔ نہیں نہیں ——— بھاگو نہیں ——— ابھی تو میں اصل بات تک پہنچا ہی نہیں۔ میں نے سُنا ہے کہ نبوسے کی شادی کسی برہمو خاندان میں طے ہو گئی ہے اور میں تم سے پہلے سے کہے دیتا ہوں کہ اب اس کا اور ہم لوگوں کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔"

"وہ تو ہے ہی ——— اس کے کہنے کی کیا ضرورت ہے" گورا نے ان سے اتفاق کیا۔

"لیکن ماں نے اگر کوئی بکھیڑا کھڑا کیا تب تو بڑی مشکل ہو گی" انھوں نے اپنی بات جاری رکھی۔ "ہم لوگ بال بچے دار لوگ ہیں، لڑکے لڑکیوں کی شادیاں لگانے کرنے میں یوں ہی ہماری کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ اور اوپر سے اگر گھر ہی میں ایک برہمو سماج حلقہ بھی بن جائے تب تو گھر چھوڑ نہیں اور جا کے بسنا پڑے گا۔"

"نہیں نہیں ——— اس کی کوئی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"نشاشی کا بیاہ تقریباً طے ہی ہو گیا ہے، لیکن اس کے ہونے والے

سسر کو تو کوئی اطمینان نہیں ہوگا جب تک اُس کو صرف لڑکی ہی نہیں مل جائے گی۔ بلکہ اس کے برابر سونا نہ تول کر دے دیا جائے گا۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ انسان ختم ہو جانے والی چیز ہے اور سونا باقی رہ جانے والی شے! گوری سے زیادہ اس کی نگاہ گوری پر لپٹی ہوئی شکر پر ہے! اس ڈھٹائی سے وہ اپنے مطالبات پیش کرتا ہے کہ اُسے واقعی سسر کی گالی دینے کو جی چاہتا ہے! ویسے تو مجھے اس وقت کافی پیسے خرچ کرنے پڑیں گے مگر تجربہ اچھا ہو جائے گا جو میرے بیٹے کی شادی کے وقت کام آئے گا۔ کاش کہ میں اس زمانے میں ایک بار پھر مرد کا جنم لیتا۔ اور اپنے باپ کو بیچ میں ڈال کر میں بھی اپنی شادی اس انتظام کے ساتھ کرتا کہ مرد پیدا ہونے کا پورا پورا فائدہ اٹھا سکتا۔ مردانگی اسی کو کہتے ہیں کہ لڑکی کے باپ کا مکمل دیوالہ نکال دیا جائے۔ کیا یہ کوئی معمولی بات ہے؟ تم کچھ بھی ہو بھائی، لیکن تم جو یہ رات دن ہندو سوسائٹی کے جے جے کار پکارا کرتے ہو، اس میں میں تمھارا شریک نہیں ہو سکتا، اس خیال ہی سے میری آواز بیٹھنے لگتی ہے۔ میرے تنکوڑی کی عمر صرف چودہ مہینے ہے، میری بیوی نے شروع میں بیٹی پیدا کرنے کی جو حماقت کی اس کی تلافی بہت دیر میں کی، مگر خیر گورا، تم اور تمھارے دوست مل کر اس بات کی انتہائی کوشش کرتے رہنا کہ جب تک میرا تنکوڑی شادی کے لائق ہو تب تک یہ ہندو سماج پھلتا پھولتا رہے تاکہ میں بھی بیٹے کی شادی پر پوری وصولی کر سکوں۔ اس کے بعد چاہے سب مسلمان ہو جائیں، چاہے عیسائی ہو جائیں، یا جو جی چاہے ہو جائیں، مجھے کیا لینا ہے۔"

گورا کو اُٹھتے دیکھ کر، مہم نے اپنی بات بند نہیں کی اور کہتے رہے "یہی وجہ ہے کہ جو میں کہتا ہوں کہ شادی کے بارے پر تمھارے نہ بولنے کو جانا بیوقوفی

ہو گی، اس سے اور نہ جانے کیا کیا گڑبڑ ہو جاتے۔ اس لئے تمہیں ابھی سے ماں کو جتا دو کہ وہ ذرا ہوشیار رہیں۔"

گورا آنند موئی کے کمرے میں گیا تو وہ عینک لگائے، ایک میز کے پاس بیٹھی، ایک کاپی میں کچھ حساب درج کر رہی تھیں۔ اس کو دیکھ کر انھوں نے کاپی بند کر دی، عینک اُتاری اور بولیں "بیٹھو —— مجھے تم سے کچھ صلاح کرنی ہے۔" گورا بیٹھ گیا تو وہ بولیں "تم نے بنوئے کی شادی کے متعلق تو سُنا ہی ہوگا! اس کے چچا بہت خفا ہیں۔ شادی میں اس کے کوئی رشتہ دار شریک نہیں ہو رہے ہیں۔ پاریش بابو کے یہاں سے بھی شادی کا کیا جانا مشکل ہی ہے۔ اس لئے بنوئے کو خود ہی سارا انتظام کرنا ہوگا —— اس لئے میں یہ سوچ رہی تھی کہ ہمارے مکان کے تیسری چھت پر جو دو منزلہ ہے اُسے اگر اس کام کے لئے استعمال کر لیا جائے تو بہت مناسب رہے گا۔ اور ہم لوگوں کو آسانی رہے گی۔ نیچے تو کرایہ دار ہیں لیکن اوپر جو فی الحال خالی ہے۔"

"لیکن آسانی کس طرح رہے گی"، گورا نے پوچھا

"دیکھو نہ، اگر میں اس کی شادی کا انتظام نہیں کروں گی تو کون کرے گا؟ وہ بڑی مُصیبت میں پھنسے گا، اُس سے بھلا کیا ہو سکے گا؟ لیکن اگر ان کمروں میں شادی کا بندوبست ہو جائے تو میں یہیں کے یہیں انتظام کر دوں گی اور کوئی دقّت نہیں ہوگی۔"

"یہ تو ناممکن ہے ماں" گورا نے فیصلہ کُن انداز میں کہا

"کیوں ناممکن ہے میں نے گھر کے مالک کی اجازت حاصل کر ہی لی ہے کیا مشکل ہے؟"

"نہیں ماں، وہاں شادی نہیں ہو سکتی، میں جو کچھ کہتا ہوں —— آپ

میری بات مانتے نہ" ——

"مگر کیوں نہیں ہو سکتی؟ بنوئے کی شادی برہمو طریقے سے نہیں ہو رہی ہے، ہندو رسم کے مطابق ہوگی۔"

"یہ سب دلیلیں بیکار ہیں، سماج سے اس طرح منت کرنا بے سود ہے۔ بنوئے کا جو جی چاہے وہ کرے، پر ہم تو اس شادی پر صاد نہیں کر سکتے ماں —— کلکتہ میں گھروں کی کیا کمی ہے۔ اس کے پاس خود اپنا گھر موجود ہے جہاں وہ رہتا ہے۔"

یہ بات تو آنند موئی کو بھی معلوم تھی کہ کلکتہ میں بہتیرے گھر ہیں۔ لیکن یہ بات ان کی برداشت سے باہر تھی کہ سب دوست اور عزیز اقرب بنوئے کا ساتھ چھوڑ دیں اور اسے ایک بدبخت اور بے سہارا انسان کی طرح کسی نہ کسی طرح کرائے کے گھر میں شادی کرنی پڑے۔ اسی وجہ سے انھوں نے اپنے دل میں سوچا تھا کہ گھر کا وہ حصہ جو اس وقت خالی اور بیکار پڑا ہے بنوئے کی شادی کے لئے استعمال کیا جائے۔ اگر سوسائٹی کے کہنے سننے کا خیال نہ ہوتا تو وہ اپنے خاص گھر سے بنوئے کا بیاہ کرتیں مگر مجبوری تھی۔ انھوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری "اگر تم اس خیال کے اس قدر مخالف ہو تو میں سمجھتی ہوں تو ہمیں ضرور کرایہ کا گھر لینا پڑے گا۔ لیکن اس سے مجھ پر بڑی دوڑ دھوپ پڑ جائے گی —— خیر، کوئی بات نہیں۔ مگر میری رائے ایسی ہے جو مکمل طور پر مناسب نہیں ہے تو پھر اس کے متعلق سوچنا ہی بیکار ہے۔"

"اگر آپ اس شادی میں شریک ہوں گی ماں تو یہ ٹھیک نہیں ہوگا۔" گورا نے اعتراض کیا۔

آنند موئی چیخ پڑیں "یہ تم کیا کہہ رہے ہو گورا —— میں پوچھنا چاہتی ہوں

کہ بنوے کی شادی میں اگر میں نہیں جاؤں گی تو کون جائے گا؟"

"نہیں ماں ——— یہ بالکل نہیں چلے گا" گورا اپنی بات پر اڑا رہا۔

"گورا ——— تم بنوے کے کسی خیال سے اتفاق کرو یا نہ کرو، یہ اور بات ہے، لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ تم اس کے دشمن بن جاؤ"

گورا کو بھی جوش آگیا" ماں یہ آپ غلط کہتی ہیں۔ میرے لئے کیا یہ کوئی خوشی کی بات ہے کہ بنوئے کی شادی سے میں خوش نہیں ہو سکتا ——— کوئی اور جانے یا نہ جانے، پر آپ تو جانتی ہیں مجھے بنوئے سے کتنی محبت ہے ——— لیکن یہاں محبت کا سوال نہیں ہے ماں ——— دوستی دشمنی کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے ——— بنوئے آنکھ کھول کر یہ سب کچھ کر رہا ہے، وہ انجام سے بے خبر نہیں۔ ہم اُسے کب چھوڑ رہے ہیں، وہ خود ہی ہم سے الگ ہوا جا رہا ہے۔ پھر اگر اُسے کوئی صدمہ پہنچے۔ تو اس کے لئے تو اس کو تیار رہنا چاہیے" ———

لیکن آنند موئی بولی" گورا۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ بنوئے جانتا ہے تم اس کی شادی سے بے تعلق ہو ——— لیکن اُسے یہ بھی بھروسہ ہے کہ زندگی کے اس اہم اور نازک مبارک موقعے پر میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی ——— میں تمہیں یقین دلا سکتی ہوں کہ اگر بنوئے کو یہ معلوم ہو کہ میں بھی اس کی دلہن کو دعاؤں کے ساتھ قبول کرنے پر تیار نہیں ہوں تو وہ کبھی شادی نہیں کرے گا ——— تمھارا کیا خیال ہے، میں بنوئے کے دل کا حال نہیں جانتی" ——— اور وہ آنسو پونچھنے لگیں ———

گورا کو بنوئے سے جو محبت تھی اس کی وجہ سے خود اس کا دل و دماغ بھی بہت پریشان تھا مگر ہمت کر کے بولا ماں ——— آپ کو یہ یاد رکھنا

چاہئے کہ آپ ایک سماج میں رہتی ہیں اور اس سماج کے آپ پر احسانات ہیں؟"

"گورا ــــــ میں تم سے بار بار کہہ چکی ہوں کہ مدتیں ہوئیں میں اپنے سماج سے قطع تعلق کر چکی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ سوسائٹی مجھ سے نفرت کرتی ہے اور میں اپنے آپ کو اس سے الگ رکھتی ہوں۔"

"ماں ــــــ آپ کی یہ بات مجھے سب سے زیادہ تکلیف پہنچاتی ہے۔"

آنند موئی نے آنکھوں میں آنسو بھر کر گورا کو سر سے پاؤں تک پیار سے دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولیں "بیٹا ــــــ خدا بہتر جانتا ہے کہ اس تکلیف سے تم کو بچانا میری طاقت کے باہر ہے۔"

گورا اٹھ کھڑا ہوا "اچھی بات ہے۔ میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ میں کیا کرنے والا ہوں۔ میں سیدھا بنوئے کے پاس جاتا ہوں اور اس سے کہوں گا کہ اپنی شادی اس طرح کرے کہ آپ کے تعلقات سوسائٹی سے اور زیادہ کشیدہ نہ ہوں ورنہ تو یہ اس کی بڑی خود غرضی اور بڑی غلطی ہوگی۔"

آنند موئی ہنسنے لگیں "اچھا جاؤ ــــــ تم سے جو بنے وہ بھی کرلو۔ ذرا اس سے بات کرو ــــــ پھر میں بھی دیکھوں گی کیا ہوتا ہے۔"

گورا کے جانے کے بعد آنند موئی بڑی دیر تک فکر میں کھوئی ہوئی بیٹھی رہیں ــــــ پھر اٹھیں اور آہستہ آہستہ اپنے شوہر کے کمرے کی طرف بڑھیں!

آج چاند کی گیارھویں تاریخ تھی اس سے کرشن دیال جی نے کھانا وغیرہ نہیں بنایا تھا۔ ایک ہندو مذہبی کتاب کا بنگالی ترجمہ اُن کے ہاتھ لگ گیا تھا اور وہ مرگ چھالے پر بیٹھے ہوئے اس کے مطالعہ میں کھوئے ہوئے تھے۔ آنند موئی کو دیکھ کر انھیں بہت خلل محسوس ہوا لیکن وہ اُن سے دور ہی رہیں۔

دہلیز پر بیٹھ کر رولیں" دیکھتے ـــــــــ یہ ہم لوگ بہت بُرا کر رہے ہیں۔"

کرشن دیال اپنے آپ کو سنسار کی اونچ نیچ اور اچھے بُرے سے بالاتر سمجھتے تھے۔ اس لئے بے نیازی کے انداز میں بولے" کیا بُرا ہو گیا ہے"

"اب ہمیں ایک دن بھی گورا کو دھوکے میں نہ رکھنا چاہئے" آنند موئی نے سمجھاتے ہوئے کہا" حالات دن بدن زیادہ ہی اُلجھتے جا رہے ہیں"

جب گورا نے اپنی پرائشچت کا سوال اٹھایا تھا تو کرشن دیال کو بھی اس بات کا خیال آیا تھا۔ لیکن پھر وہ یوگ کے مختلف مسئلوں میں ایسا پھنس گئے کہ اس معاملے پر غور کرنے کی انھیں فرصت ہی نہیں ملی۔

"ششی مکھی کی شادی کی بات چیت چل رہی تھی اور غالباً پھاگن کے مہینے اس کا بیاہ ہو جائے گا۔ ـــــــــ اب تک گھر میں جو بھی تقریب ہوتی تھی تو میں کوئی نہ کوئی بہانا بنا کر گورا کو کہیں الگ ہٹا لے جاتی تھی لیکن، تنی اہم تقریب اب تک کوئی ہوئی بھی نہیں! اب ششی کے بیاہ پر ہم لوگ کیا کرینگے یہ بتاؤ۔ دن بدن مشکل بڑھتی ہی جاتی ہے۔ میں دن میں دو دو بار خدا سے دعا مانگتی ہوں کہ وہ مجھے معاف کرے، اور یہ کہ جو سزا میرے لئے مناسب ہو وہ برداشت کرنے کی مجھ کو طاقت دے، لیکن مجھے سارے وقت یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ اب یہ بات چھپ نہیں سکتی۔ اور یہ گورا کے لئے سخت آفت کا سامنا ہوگا۔ میں چاہتی ہوں کہ تم مجھے اجازت دے دو کہ میں صاف صاف اس سے سب کچھ کہہ دوں ـــــــــ اور پھر جو میری قسمت میں ہو وہ تو مجھے بھگتنا ہی ہے۔"

بھگوان اندر کے بخشے ہوئے عرفان کے درمیان کرشن دیال جی پر یہ عجیب سی مصیبت ٹپک پڑی! حال ہی میں انھوں نے یوگ کی نہایت سخت ریاضت کرنی شروع کی تھیں، سانس روک کر عجائبات و غرائبات کیا کرتے تھے، کھانا

اس قدر گھٹا لیا تھا کہ بس آج ہی کل میں پیٹ پیٹھ سے لگ جانے والا تھا اور ایسے وقت میں یہ کیا گڑبڑ ہوئی !

وہ چیخنے لگے "تم پاگل ہو گئی جی ؟ —— اگر تم نے یہ بات ظاہر کر دی تو میں کس کس کو سمجھاتا پھروں گا۔ میری پنشن یقیناً بند ہو جائے گی، پولیس الگ ہم لوگوں کی جان کو لگ جائے گی۔ اب تو جو ہوا سو ہوا —— تم سے جو بن پڑے وہ ان باتوں کو روکنے کے لئے کر لو اور اگر کچھ چیزیں نہ بھی رُک سکیں تو ایسا کیا جرم ہو جائے گا" اصل میں کرشن دیال جی یہ سوچ بیٹھے تھے کہ ان کے مرنے کے بعد یہ لوگ جو چاہیں کریں لیکن زندگی میں ان کا پنڈ چھوڑ دیں! اس کے علاوہ دوسرے جو کچھ کر رہے ہیں اس سے ان کو کیا مطلب! کچھ نہ کچھ ہو ہی رہے گا!

آنند موئی بہت پریشان اور اداس تھیں، اُن کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ کیا فیصلہ کیا جائے۔ وہ کھڑی ہو گئیں اور ذرا رُک رُک کر بولیں "تمھیں نظر نہیں آتا کہ تم کس قدر کمزور اور بیمار معلوم ہوتے ہو، تمھارا جسم ......"

"جسم!" کرشن دیال ذرا سا ہنسے، اُن کی آواز قدرے بلند ہو کر اپنی بیوی کی بیوقوفی پر عاجز ہونے کا اظہار کر رہی تھی! چونکہ اصل مسئلہ کا کوئی خاطر خواہ حل نہیں نکلا۔ اس لئے کرشن دیال پھر پیٹھ موڑ کر مرگ چھالے پر جم گئے اور مطالعہ میں غرق ہو گئے۔

اس درمیان موہم دادا اپنے سنیاسی کے ساتھ باہر والے کمرے میں بیٹھے تھے۔ انسان کا انجام اور دوسرے روحانی و مذہبی مسائل پر بحث ہو رہی تھی گرہست کے لئے نجات آخری ہے یا نہیں۔ اس معاملے پر موہم اتنی خاکساری اور گرمجوشی کے ساتھ توجہ دیتے ہوئے تھے جیسے اس کے جواب پر ہی اُن کی زندگی کا انحصار

تھا۔ سنیاسی موہم کو اپنی پوری لیاقت صرف کر کے یہ سمجھا رہا تھا اور تسلّی دے رہا تھا کہ اگرچہ گرہست کے لیے مُکتی (نجات) ممکن نہیں لیکن سُورگ حاصل کرنا ممکن ہے لیکن موہم کو اس تسلّی سے کیا اطمینان ہو سکتا تھا۔ انھیں تو نجات کی تلاش تھی، صرف جنّت لے کر وہ کیا کرتے! ایک بار اگر وہ اپنی بیٹی کی شادی ٹھیک سے کر لیتے تو پھر وہ سنیاسی کی سیوا میں لگ جاتے اور مُکتی حاصل ہی کر کے رہتے! اِس ارادے سے ان کو کوئی نہیں ہٹا سکتا تھا۔ لیکن مشکل سب سے بڑی یہ تھی کہ بیٹی کی شادی کرنا آسان کام نہ تھا ——— آہ! کاش اُن کا گرو اُن پر ترس کھا کر اِس مشکل کو حل کرنے کا کوئی رستہ دکھا کر اُن کو مُکتی دلا سکتا!

——————(۹)——————

سڑسٹھواں باب

گورا سمجھ رہا تھا کہ سچارتیا سے اس کی جو رفاقت اور دوستی تھی اس میں خوش فہمی اور خود فریبی کو کافی دخل تھا۔ لہٰذا اس نے ارادہ کر لیا کہ آئندہ زیادہ احتیاط برتے گا۔ اس نے سوچ کر جو لگے بندھے قاعدے ہیں اُن کو برتنے میں ضرور غفلت ہوئی اور اس غفلت کی وجہ سے ایک خاص قسم کی کشش تھی جو وہ سوسائٹی کے ضابطے بھول گیا۔

صبح کی پوجا سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے میں گیا تو وہاں پاریش بابو اس کے منتظر بیٹھے تھے۔ اُن کو دیکھ کر گورا نے ایک خاص مسرت محسوس کی۔ وہ یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا تھا کہ اس کے اور پاریش بابو کے درمیان ایک خاص یگانگت کا رشتہ تھا! وہ اُن کے سامنے جھک گیا۔ جب دونوں بیٹھ گئے تو پاریش بابو نے "آپ نے بنوئے کی شادی کے متعلق تو سنا ہی ہوگا"

"جی ہاں"

"وہ برہمو قاعدہ کے مطابق شادی کرنے پر تیار نہیں ہے" پاریش بابو نے بات آگے بڑھائی

"ایسی صورت میں تو پھر شادی نہ ہونی چاہیے" گورا نے کہا

"ہمیں اس باب میں بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے" پاریش بابو نے ہنس کر کہا "ہمارے فرقے کے لوگ تو ویسے بھی شادی میں شریک نہ ہونگے،

میں نے سُنا ہے کہ بنوتے کے رشتہ دار بھی نہیں شامل ہو رہے ہیں۔ اپنی لڑکی کی طرف سے تو صرف میں ہوں اور بنوتے کی طرف سے، میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے اسی لئے میں آپ سے کچھ صلاح مشورہ کرنے آیا ہوں"

"مجھ سے صلاح کرنے سے کیا فائدہ ـــــ میں تو اس شادی سے کوئی واسطہ نہیں رکھوں گا"

"آپ واسطہ نہیں رکھیں گے" پاریش بابو نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا ـــــ اُن کی حیرانی دیکھ کر ایک پل کے لئے تو گورا شرم سے زمین میں گڑ گیا۔ لیکن اس شرم کی وجہ سے اُس نے چیخ کر کہا "میں کیا کروں۔ کیسے اُس میں شریک ہوں"

"لیکن میں تو سمجھتا تھا کہ آپ اس کے دوست ہیں اور ایسے موقعوں پر دوستوں کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے ـــــ ہے نہ؟"

"جی ہاں ـــــ یہ تو سچ ہے کہ میں اس کا دوست ہوں۔ لیکن میرا ایک یہی بندھن تو دنیا میں نہیں ہے اور نہ ہی یہ میرے لئے سب سے زیادہ اہم ہے"

"گورا بابو ـــــ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ بنوتے نے جو کچھ کیا وہ غلط ہے یا دھرم یا مذہب کے خلاف ہے" پاریش بابو نے کہا۔

"دیکھئے ـــــ مذہب کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ ایک اصولی اور ایک دنیاوی۔ جہاں مذہب کا مقصد ہر دو سوسائٹی کے قوانین سے ہو، وہاں آپ مذہب کی پرواہ نہ کریں گے آپ سوسائٹی کو ضرور نقصان پہنچائیں گے"

"سوسائٹی میں تو بے شمار قوانین ہیں مگر ہر ایک قانون کا رشتہ مذہب سے

ذہنیں بندھا ہوا ہے" پاریش بابو کی اس بات نے گورا پر ایسا اثر کیا کہ اس کے ذہن کے تار جھنجھنا اُٹھے، اور اُس تاثر سے وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ جو کچھ اُسکے دل میں ہے وہ بیان کر دے۔ جو کچھ اس نے کہا اُس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر ہم سوسائٹی کے بناتے ہوتے قانون کو پوری طرح نہیں مانتے تو گویا ہم اُس مقصد ہی کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں جس کے لئے سوسائٹی وجود میں آتی ہے۔ وہ مقصد ہر یک کو نظر نہیں آسکتا ہے کیونکہ وہ نامعلوم طریقے پر سوسائٹی کے رگ و پے میں سمایا رہتا ہے۔ لہذا اپنے ذاتی فیصلے کے مقابلے میں ہمیں سوسائٹی کے فیصلوں پر سر تسلیم خم کرنا زیادہ ضروری ہے کیونکہ اسی صورت میں ہم قوت حاصل کر سکتے ہیں!

پاریش بابو نے نہایت غور اور تحمل کے ساتھ، آخر تک گورا کی بات سنی: پھر جب وہ اپنی بیباکی پر خود کچھ شرمندہ ہو کر چپ ہو گیا تو وہ بولے "ہاں ——اس میں سے زیادہ تر سے مجھے اتفاق ہے یہ بات بھی ٹھیک ہے کہ خدا نے ہر سوسائٹی کو بنانے میں کوئی خاص مقصد رکھا ہے جو ہر کسی پر پوری طرح ظاہر اور واضح بھی نہیں ہو سکتا۔ لیکن انسان کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے شعور سے کام لے کر اس مقصد کو صاف طور پر سمجھنے کی کوشش کرے، اور صرف قوانین کو تسلیم کر لینا ہی اپنی زندگی کی منزل نہ بنالے ورنہ پھر اُس میں اور درخت کی ڈال میں کیا فرق رہ جائے گا"——

"دیکھئے میں اسی بات کو یوں کہتا ہوں" گورا نے وضاحت کی "کہ اگر پہلے ہم سوسائٹی کی مکمل طور پر اطاعت کریں اور ہر نقطۂ نظر سے اُس کے قوانین کو تسلیم کریں تب ہی اس کا مقصد ہم پر واضح ہو سکتا ہے اس سے ٹکر لیں گے لڑیں گے تو نہ صرف اس کی ارتقا روک دیں گے بلکہ جو اس کے متعلق سمجھیں گے وہ

بھی غلط ہو گا۔"

"لیکن مخالفت اور تنقید کے بغیر صداقت کی جانچ اور آزمائش بھی کیسے ہو سکتی ہے؟"
پاریش بابو نے دلیل پیش کی "ایسا تو نہیں کہ کسی پرانے زمانے میں چند عقلمندوں نے بیٹھ کے ہمیشہ کے لئے سچائی کو پرکھ لیا اور کوئی حکم لگا دیا۔ ہر عہد اور ہر دور کے لوگ طرح طرح سے صداقت کی مخالفت کرتے اور اس کو دھکے پہونچاتے ہیں اور اسی عمل سے صداقت کے نئے نئے ظہور دکھائی دیتے ہیں۔ بہرحال میں اسوقت تو ان سب باتوں پر بحث نہیں کرنا چاہتا —— میں فرد کی ذاتی آزادی کا احترام کرتا ہوں کیونکہ فرد کی آزادی کے ذریعہ ہی سچائیاں چوٹ کھا کھا کر ابھرتی ہیں اور ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہمیشہ قائم رہنے والی اور ابدی صداقت کیا ہے اور گذر جانے والی عارضی صورت کیا ہے سوسائٹی کی بہتری ہمارے اسی علم پر منحصر ہے یا کم از کم ہماری اس کوشش پر تو ضرور منحصر ہے کہ ہم برابر اس طرح دریافت یا تلاش میں مصروف رہیں۔"

یہ کہہ کر پاریش بابو اٹھ کھڑے ہوئے۔ گورا بھی اٹھ کھڑا ہوا —— پاریش بابو کہنے لگے "برہمو سماج کا لحاظ کرتے ہوئے میں نے سوچا تھا کہ میں اس شادی سے ذرا الگ رہوں گا اور آپ چونکہ بنوئے کے دوست ہیں۔ اس لئے آپ کے ذریعہ یہ کام بخیر وخوبی انجام پا جائے گا۔ ایسے حالات میں دوستوں کو رشتہ داروں کے مقابلے میں ذرا زیادہ موقعہ رہتا ہے کیونکہ برادری والے اُن کو برا بھلا نہیں کہہ سکتے۔ لیکن چونکہ آپ بھی اس وقت بنوئے کا ساتھ چھوڑنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اس لئے مجھے ہی ساری ذمہ داری لینی ہو گی مجھے تنہا ہی اس کام کو انجام دینا ہے۔"

اس لفظ "تنہا" کو سن کر گورا کو کیا اندازہ ہو سکتا تھا کہ پاریش بابو واقعی کسقدر

تنہا تھے ۔ برد وا دیوی اُن کی مخالف تھیں، اُن کی اپنی بیٹیاں اُن سے خوش نہیں تھیں، اور ہری موہنی کی ناراضگی کے ڈر سے پاریش بابو نے سچریتا سے بھی اس شادی کے متعلق صلاح مشورہ نہیں کیا۔ برہمو سماج کے تمام ممبران اُن پر تلوار سونتے کھڑے تھے، بنوئے کے چچا نے الگ اُن کو دو خط لکھے تھے جس میں اُن کو نہایت گندی گالیاں دی تھیں اور اُن کو نوجوانوں کو خراب کرنے اور بھڑ کانے والا ایک کمینہ اور ذلیل انسان لکھا تھا!

پاریش بابو باہر جا رہے تھے کہ اُن کی ملاقات ابناش اور گورا کی پارٹی کے دو تین لڑکوں سے ہوئی ——— ان نوجوانوں نے پاریش بابو کو دیکھ کر ہنسنا اور اُن کا مذاق اُڑانا شروع کیا ہی تھا کہ گورا نے مُڑ کر بڑی سختی سے اُن کو پھٹکارا "اگر تم ایک قابل عزت انسان کی عزت کرنے کی توفیق نہیں رکھتے تو کم از کم ایسا کمینہ پن تو نہ دکھاؤ کہ اس کا مذاق اُڑاؤ"

ایک بار پھر گورا نے پُرانے طریقے سے اپنی پارٹی کا کام شروع کر دیا لیکن اب وہ سارے کام اُسے بدمزہ لگتے تھے۔ سارا معاملہ کچھ ایسا پھیکا اور اسقدر فضول محسوس ہوتا کہ اس بے جان چیز کو "کام" کہنا بھی جیسے ناممکن معلوم ہوتا ہو۔ اس طرح لیکچر دینے چلے جانا یا لکھتے چلے جانا یا کوئی گروہ بنا لینا، کیا یہ بھی کوئی کام تھا بلکہ اس سے تو کام کرنا اور مشکل ہوتا جاتا تھا ——— اس حقیقت کا احساس گورا کو اس طرح، اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اب ان چیزوں میں اس کیلئے کوئی کشش نہ تھی، ——— وہ کسی اور ہی راہ کی تلاش میں تھا۔ کوئی سچی، بلکہ سچی راہ، جہاں اس کی اس نئی قوت، زندگی کی اس نئی حرارت کو بہاؤ کا راستہ مل سکے!

اس بیچ میں گورا کی پرائسچت کی رسم کی تیاری بڑے زور شور سے جاری تھی۔ اس میں البتہ گورا کو قدرے جوش اور شوق محسوس ہوتا تھا۔ ایک ایسی رسم تھی جس سے

جیل کی لگی ہوئی تمام گندگی پاک ہونے والی تھی ـــــــ نہ صرف یہی بلکہ ہر نقطۂ نظر سے وہ پاکیزگی حاصل کرنے والا تھا۔ ایسی پاکیزگی جس سے اُسے محسوس ہو کہ اس نے دوبارہ جنم لیا ہے، ایسی پاکیزگی جس سے اس کا ایک نیا وجود قائم ہو اور اس وجُود کے ساتھ وہ نئے شوق اور نئے انہماک کے ساتھ اپنے کام میں لگ سکے۔

اس پرائشچت کے لئے ایک پروگرام مرتب کر لیا گیا تھا اور دن بھی مقرر ہو گیا تھا۔ مغرب و مشرق کے بڑے بڑے پنڈتوں کو انھوں نے خرچ کے لئے چندہ بھی اکٹھا کر لیا تھا اور اس کی پارٹی کے سب ہی ممبروں کو خیال تھا کہ آخر کار اُن کے ملک میں واقعی ایک عظیم کام سرانجام دیا جانے والا ہے۔

ابھناش نے اپنے حلقے میں چپکے چپکے صلاح کر لی تھی کہ عین اُسی وقت جب پنڈت لوگ پھول صندل، چاول اور پوتر گھاس چڑھانے جا رہے ہوں تو اُن سے درخواست کی جائے کہ گورا "ہندو دھرم کا پرکاش" کا خطاب دیں سنسکرت کے بہت سے اشلوک سونے کے حروف میں موم جامے پر چھاپے جانے والے تھے، پھر سب پنڈتوں سے اس پر دستخط لے کر اُسے ایک صندل کی صندوقچی میں بند کر کے گورا کو پیش کیا جائے گا۔

اس کے بعد میکس ملر نے جو کتاب رگ وید پر لکھی ہے، اس کی ایک بہترین جلد چمڑے کی جلد والی گورا کو پیش کی جائے گی اور اس وقت خود بھارت ماتا کی دعاؤں کی نمائندگی کے طور پر یہ کتاب گورا کو کسی ایسے بزرگ کے ہاتھوں ملے گی جو اس وقت اس مجمع میں سب سے زیادہ صاحب علم و احترام ہوں گے!

اس طرح گورا کے ساتھی گورا کے لئے جو عقیدت رکھتے تھے اس کا ایک خوبصورت اعتراف و اظہار ہو گا ـــــــ کیونکہ گورا نے پُرانے ویدک دھرم کو قائم رکھنے کے لئے ہندو قوم کی اس زوال پذیر حالت میں بھی اتنی کوشش کی

اس طرح گورا کی لاعلمی میں، اس کی پارٹی والے اُن دنوں تقریباً روزانہ ہی صلاح مشورہ کیا کرتے کہ اس تقریب کو سب کے لئے ایک سبق آموز اور اہم اور پسندیدہ چیز بنانے کے لئے کیا کیا کرنا چاہیے۔

اڑسٹھواں باب

ہری موہنی کے پاس اُن کے دیور کیلاش کا ایک خط آیا!

اُس نے لکھا تھا "آپ کے قدموں کی برکت سے ہم سب یہاں بخیریت ہیں اور میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ بہت جلد خیریت سے مطلع کر کے ہم سب کی فکر دور کریں گی" ــــــ یہ اُس نے لکھا تھا۔ باوجود اس حقیقت کے کہ جب سے ہری موہنی نے اُن لوگوں کا گھر چھوڑا تھا انھوں نے ہری موہنی کے متعلق پتہ لگانے یا اُس کی خیریت دریافت کرنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی تھی پھر کھوڈی، پوتل، بھوجو ہری وغیرہ کی خیریت لکھ کر آخر میں کیلاش نے لکھا تھا "میں چاہتا ہوں کہ آپ نے پچھلے خط میں میرے واسطے جس دولہن کی تجویز کی ہے اس کے مزید حالات آپ مجھے لکھ بھیجیں۔ آپ کہتی ہیں کہ اس کی عمر بارہ تیرہ سال کی ہے مگر اس کی اٹھان بہت ہی اچھی ہے اور اپنی عمر سے زیادہ لگتی ہے خیر وہ تو کوئی بات نہیں ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ نے جس جائداد کا ذکر کیا ہے اس کے متعلق ذرا اچھی طرح دریافت کر لیجئے، وہ بلکل اسی کی ہے یا زندگی تک وقف کی صورت تو نہیں ہے۔ تب ہی میں بڑے بھائیوں سے صلاح مشورہ کر سکتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ اُن کو کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ وہ ہندو مذہب کی پکی پابند ہے لیکن پھر بھی ہمیں ہر ممکن کوشش کرنی پڑے گی کہ اس کا اتنے دن تک برہمو خاندان میں پرورش ہونا کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے اس لئے براہ مہربانی آپ اس بات کا تذکرہ کسی سے

نہ کریں ــــــ اگلے چاند گرہن پر گنگا اشنان ہونے والا ہے اگر ممکن ہو سکا تو میں کلکتہ آؤں گا اور اس لڑکی کو دیکھ سکوں گا۔" اب تک ہری موہنی کسی نہ کسی طرح کلکتے میں رہ رہی تھیں لیکن جیسے ہی اُن کے ذہن میں اپنے سُسرال واپس جانے کی ذرا سی بھی اُمید پیدا ہوتی تو اُن کے لئے کلکتہ میں صبر سے دن کاٹنے مشکل ہو گئے۔ اب یہ دیش نکالا ان کو دن بدن زیادہ کھلنے لگا۔ اگر ان کا بس چلتا تو سچاریتا سے بات کر کے فوراً ہی کوئی تاریخ مقرر کر دیتیں۔ لیکن اتنی جلدی کرنے کی ہمت اُن میں نہیں تھی، کیونکہ جتنا ہی وہ سچاریتا سے زیادہ قریب ہوتی جاتی تھیں اتنا ہی زیادہ اُن پر یہ حقیقت کھلتی جاتی تھی کہ سچاریتا کو سمجھانا اُن کے بس کا روگ نہیں تھا!

پھر بھی ہری موہنی موقعہ کے انتظار میں رہیں اور انھوں نے پہلے سے بھی زیادہ سچاریتا پر چوکی پہرہ بٹھا دیا۔ یہاں تک کہ اپنی پوجا پاٹ کے وقت میں بھی انھوں نے کمی کر دی تاکہ سچاریتا کسی وقت بھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے پاوے!

دوسری طرف سچاریتا غور کر رہی تھی کہ گورا نے یکایک آنا بند کر دیا ہے، ویسے تو اس کو یقین تھا کہ ہری موہنی نے ضرور گورا سے کچھ کہا ہے پھر اس نے یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دے لی کہ اگر وہ نہیں آتے تو بھی کیا ہوا۔ بہر حال وہ میرے گرو تو ہیں ہی ــــــ میرے گرو!

انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ اپنا رہبر اپنا گرو، اگر غیر حاضر ہو تو اس کا اثر شدت کے ساتھ محسوس ہوتا ہے کیونکہ یہی وہ صورت ہے جب دل اس کی کمی کو محسوس کرتا ہے اور زندگی میں ایک خلا معلوم ہوتا ہے۔ اگر وہ برابر موجود رہے تو ظاہر ہے اس جذبہ کا تجربہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر گورا خود موجود ہوتا

توسجاریتا اس سے محبت کرتی لیکن اب وہ اس کے مضامین، اس کی تحریریں پڑھتی تھی اور ان سے کلیتہً اتفاق کرتی جاتی تھی۔ اگر کوئی بات نہ بھی سمجھ میں آتی تو اُسے یہ یقین ہوتا کہ اگر وہ خود موجود ہوتا تو ضرور اس کو قائل کر لیتا۔

اس کے باوجود، گورا کی تابناک صورت دیکھنے کے لئے اس کے دل میں ہُوک اٹھتی رہتی اور اس کی گرج دار آواز کی گونج اس طرح مسلسل اس کو سنائی دیتی رہتی کہ اس کا پُورا وجود اس سوز سے جیسے پگھلنا شروع ہو گیا تھا کبھی کبھی بہت تڑپ کے ساتھ وہ سوچتی کہ وہ کون خوش قسمت لوگ ہوں گے جنھیں شب و روز بغیر کسی روک ٹوک، بغیر کسی مشکل کے گورا کا دیدار نصیب ہوتا ہو گا ——— اُن لوگوں کو تو اپنی خوش نصیبی کا احساس بھی نہ ہو گا!

ایک روز شام کو لولتا آئی، اور سچاریتا کے گلے میں باہیں ڈال کے جھول گئی "تو...... سوچی دیدی"

"کیا ہے لولتا بی بی"؟ سچاریتا نے کہا

"سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو گیا ہے"

"کون دن طے ہوا"

"سوموار"

"کہاں"———

"یہ تو مجھے نہیں معلوم بابوجی کو سب معلوم ہے"

سچاریتا نے بہن کی کمر میں ہاتھ ڈالا "تم خوش ہو میری بہن"

"ہاں ——— کیوں نہ خوش ہوں؟" لولتا نے چمک کے کہا

"اب تو جو کچھ تم چاہتی تھیں وہ تمھیں مل گیا" سچاریتا نے جواب دیا "اب جبکہ تمھارے ساتھ لڑنے کو کوئی نہیں رہا تو میں سوچتی تھی تمھاری یہ طراری شاید

ختم ہو جائے گی مگر......"

"ارے ____ لڑنے کے لئے لوگوں کی کیا کمی ہے" لولیتا ہنسنے لگی "البتہ یہ ہے کہ اب گھر سے باہر کسی کو ڈھونڈھنے نہیں جانا پڑے گا"

"اچھا تو یہ بات ہے" سچاریتا نے اس کے گال میں چٹکی بھری "ابھی سے تم اپنے سب پلان بنا رہی ہو ____ ابھی تو موقعہ ہے، دیکھو میں تمہارے سے جوڑے دیتی ہوں ____ آخر اُس بیچارے کو بھی تو پہلے سے خبردار کر دینا ضروری ہے"

"اب آپ اپنے بیچارے بھلے آدمی کو ہوشیار کیجئے گا، پانی سر سے اونچا بھی ہو چکا ____ اب وہ بچ کے نہیں جا سکتا ہے، اس کی جنم پتری میں جس مُصیبت کا ذکر لکھا ہے وہ اب اس پر سمجھئے کہ آ ہی پڑی۔ اب ماتھا ٹھوکے چھاتی پیٹے ____ جو جی چاہے کرے"

سچاریتا ایک دم سنجیدہ ہو گئی اور بولی

"نہیں سچ مچ ____ واقعی لولیتا ____ میں تمہیں بتا نہیں سکتی کہ مجھے اس بات سے کتنی خوشی ہے ____ میری بس اتنی ہی دعا ہے کہ تم ونے جیسے شوہر کے لائق ثابت ہو"

"اونہہ ____ اور کیا۔ اور میری اپنی بیوی کے لائق بننے کی تو کسی کو ضرورت ہے ہی نہیں ____ ذرا اس موضوع پر ان سے گفتگو کیجئے پھر دیکھئے کیا کہتے ہیں ____ ان کا کہنا ہے کہ ان کے سننے کو پھر آپ کو افسوس ہوگا کہ اتنے دن تک آپ کو اس کا کیا پتا۔ اس عجیب و غریب ہولی انسان کی سادگی کی ساری محبت حاصل کی۔ اور آپ نے اس کی قدر نہ کی ____ حیرت ہے آپ کی آنکھوں کو کیا ہوا تھا"

"چلو خیر ـــــ ایک آنکھوں والا تو اب آ ہی گیا" سچاریتا نے کہا "اور ویسے بھی افسوس کی بات نہیں، اس نے قیمت کافی بھاری ادا کی اور جو چاہتا تھا وہ اُٹھا لیا۔ ہم ایسے اندھوں، ناتجربہ کاروں، ناقدر دانوں کی محبت کو آزمانے کی اب آپ کو کیا ضرورت ہے؟"

"نہیں نہیں۔ بھلا کیا ضرورت ـــــ ارے ضرورت، آپ کی محبت کی تو مجھے زندگی بھر ضرورت رہے گی سوچی دیدی ـــــ اگر آپ نے کہیں اور اپنی محبت لٹا دی تو ایسا دھوکہ میں نہیں برداشت کروں گی۔"

"ارے میں کسی کو نہیں دوں گی تیرے حصے کا پیار" سچ ریتا نے لولتا کے رُخسار پر اپنا رُخسار رکھ دیا۔

"کسی کو نہیں! آپ کو بالکل یقین ہے۔ کسی کو نہیں" لولتا نے شرارت سے پوچھا۔

سچاریتا نے صرف چُپ چاپ سر ہلا دیا۔ اس پر لولتا اُس سے ذرا الگ ہو بیٹھی۔

"دیکھئے سوچی دیدی ـــــ آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ آپ اگر کسی اور سے محبت کریں تو مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا تھا۔ میں اس تمام عرصے خاموش رہی، پر آج میں اپنے دل کی بات کہوں گی ضرور ـــــ جب گورموہن بابو پہلی بار یہاں آئے ـــــ ارے آپ شرما کیوں رہی ہیں۔ جو کچھ مجھے کہنا ہے وہ تو میں کہہ کے رہوں گی۔ ویسے تو میں آپ سے کچھ چھپاتی نہیں ہوں مگر اس ایک بات کے بارے میں کچھ ایسا ہی رہا کہ صاف صاف کچھ نہ کہہ سکی اور نہ کہنے سے مجھے کافی کوفت بھی رہی۔ جب شروع میں گورموہن بابو ہمارے گھر آئے تھے تو مجھے بہت غصہ آ جایا کرتا تھا! ..... آپ کو پتہ ہے کیوں

آتا تھا؟ آپ تو سمجھتی رہی ہوں گی کہ میں کچھ سمجھتی ہی نہیں تھی، ہے نہ۔ پر میں جو یہ نہیں سمجھتی تھی کہ آپ میرے سامنے ان کا کبھی نام بھی نہیں لیتی مجھے تو آپ کے اس سنگھم سے پیار اور غصہ آتا تھا۔ میرے لئے یہ خیال ہی برداشت کرنا ناممکن تھا کہ کوئی دن ایسا بھی آئے جب آپ اُن کو مجھ سے زیادہ چاہنے لگیں ——

نہیں —— دیدی —— آپ پوری بات تو کہہ لینے دیجئے —— اور میں آپ کو بتا نہیں سکتی ہوں کہ سوچ سوچ کر مجھے کتنا دُکھ ہوتا تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ گورا بابو کے بارے میں آپ اب بھی مجھ سے بات نہیں کریں گی، پر اب مجھے غصہ بالکل نہیں ہے کیونکہ اب میں سب کچھ خود بھی محسوس کر سکتی ہوں میں کہہ نہیں سکتی دیدی پیاری کہ مجھے کتنی خوشی ہوگی۔ اگر آپ اور ...... لیکن سچاریتا نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اُسے روک دیا اور بولی "تو تیری میں تمہاری منت کرتی ہوں، ایسی باتیں نہ کہو۔ کہتیں کس طرح کہتے سنتے ہوئے تو جی چاہتا ہے زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں"

"پر آخر کیوں نہیں دیدی؟ کیا انھوں نے ......" للتا نے پھر شروع کیا لیکن سچاریتا نے پھر بہت پریشان ہو کر اُسے روک دیا "نہیں۔ نہیں۔ نہیں —— یہ کیا پاگلوں کی سی باتیں کر رہی ہو۔ ایسا تمہیں کہنا چاہئے جیسا ہم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے"

للتا کو سچاریتا کی یہ ہچکچاہٹ بُری لگی بگڑ کر بولی لیکن یہ تو آپ خواہ مخواہ بن رہی ہیں دیدی —— میں نے بڑے غور سے سب کچھ دیکھا ہے اور میں آپ کو یقین دلا سکتی ہوں کہ ......"

سچاریتا نے اس کو بات کرنے کا موقع نہ دیا، اپنے ہاتھ اُسکے ہاتھوں سے گھسیٹ لئے اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ للتا اس کے پیچھے

لکی "اچھا اچھا۔ اب کبھی نہیں اس بات کا ذکر کروں گی ـــــ اچھا آئیے تو"
"کبھی نہیں ـــــ" سچاریتا اس کی منت کرنے لگی

"اب اتنا سنجیدہ وعدہ تو میں نہیں کر سکتی، میرا بھی دن آئے گا تو میں بولوں گی ضرور، ورنہ نہیں ـــــ بس اتنا وعدہ کرتی ہوں۔"

پچھلے چند دنوں سے ہری موہنی سچاریتا پر مسلسل کڑی نظر رکھتی تھیں اور اس طرح اس کا پیچھا کئے رہتی تھیں کہ خود سچاریتا بھی اس سے بے خبر نہ رہ سکتی تھی۔ اس طرح کی چوکیداری اس کی طبیعت پر بہت گراں گذرتی تھی۔ اُسے سخت جھنجھلاہٹ ہوتی لیکن کچھ کہہ نہ پاتی۔ آج لولتا کے جانے کے بعد سچاریتا میز کے پاس بیٹھ گئی ـــــ وہ بیحد تھکن محسوس کر رہی تھی ـــــ دونوں ہاتھوں سے اس نے اپنا سر پکڑ لیا اور رونے لگی۔ نوکر لیمپ لے کر اندر آیا تو اُسے بھی اس نے اندر نہیں آنے دیا۔ اندھیرے میں ہی بیٹھی رہی۔ ہری موہنی اس وقت شام کی پوجا کر رہی تھیں، انھوں نے لولتا کو باہر نکلتے دیکھا تو اچانک زینے سے اُتر آئیں اور دروازے میں داخل ہوتے ہوئے آواز دی "رادھارانی" سچاریتا نے جلدی سے آنکھیں پونچھیں اور اُٹھ کھڑی ہوئی فوراً ہی ہری موہنی کا سوال اس پر ٹوٹا "کیا بات ہے؟ کیا ہوا"

جب سچاریتا نے اُن کے سوال کا جواب نہیں دیا تو وہ سختی کے ساتھ بولیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب حماقت کیوں ہو رہی ہے"

"خالہ" سچاریتا نے روتے ہوئے جواب دیا "یہ آپ کیوں ہر وقت مجھ پر پہرہ دیا کرتی ہیں؟ کیوں اس طرح دن رات میرے پیچھے پیچھے لگی رہتی ہیں؟"

"ارے تم کیا نہیں سمجھتی ہو کہ کیوں کرتی ہوں! یہ کئی کئی وقت کھانا نہ کھانا۔ یہ رونا دھونا۔ آخر یہ سب کس بات کی علامت ہیں۔ میں بچہ نہیں ہوں تم

سمجھتی ہو، میں اتنا نہیں سمجھ سکتی!"

"خالہ، میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ آپ کچھ نہیں سمجھتی، آپ ہر ہر قدم پر ایسی ایسی غلطیاں کرتی ہیں کہ میرے لئے تو وہ بالکل برداشت سے باہر ہیں"

"اچھی بات ہے، اگر میں غلطی کرتی ہوں تو مہربانی کر کے آپ سمجھا دیجئے کہ وہ کیا غلطی ہے"

"ہاں ہاں ——— میں ضرور سمجھاؤں گی" ——— سچاریتا نے اپنی شرم چھپا پر قابو کرنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا "میں نے اپنے گرو سے کچھ ایسی باتیں معلوم کی ہیں جو میرے لئے بالکل نئی ہیں اور ان کو سمجھنے کے لئے کافی عقل اور سوجھ بوجھ کی ضرورت ہے۔ مجھ میں ابھی اتنی عقل اور سمجھ نہیں ہے اور میرے لئے، کیلے اکیلے ان باتوں کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ لیکن خالہ آپ نے ہم دونوں کے رشتے کے متعلق بہت غلط خیال قائم کیا اور تنگ کر کے ان کو یہاں آنے سے روک دیا۔ آپ نے ان سے جو کچھ کہا وہ سب غلط تھا اور میرے متعلق آپ جو کچھ سوچ رہی ہیں وہ سب جھوٹ ہے۔ اس طرح آپ غلطی کر رہی ہیں۔ ویسے تو آپ کے لئے یہ ناممکن ہے کہ آپ اس جیسے انسان کو ذلیل کر سکیں لیکن میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے جو آپ مجھ پر یہ ظلم توڑ رہی ہیں"۔ بولتے بولتے سچاریتا کی آواز ہچکیوں اور سسکیوں میں دب گئی اور وہ کمرے سے نکل گئی۔

ہری موہنی حیران رہ گئیں۔ دل میں سوچنے لگیں کہ اوہ ——— بھلا ایسی بات کسی نے کا ہیکو کبھی سنی ہوگی۔ پھر بھی انھوں نے سچاریتا کو کافی وقت دیا کہ وہ سنبھل جائے۔ رات کے کھانے پر انھوں نے سچاریتا کو قریب بلایا اور کہنے لگیں: "دیکھو ——— رادھا رانی ——— میں کوئی بچہ نہیں ہوں۔ جس چیز کو تم

ہندو دھرم کہتی ہو، اُسی کے ماحول میں میری پرورش ہوئی ہے۔ میں نے بھی ان چیزوں کے بارے میں بہت سی رائیں سنی ہیں۔ تمھیں ان باتوں کا کچھ پتہ نہیں ہے اور گورموہن بابو اپنے آپ کو تمھارا گرو بنا کر صرف تم کو دھوکہ دے رہے ہیں، تمھیں اُلّو بنا رہے ہیں۔ میں نے بھی ادھر اُدھر سے اُن کی گفتگو سنی ہے، اس میں ہماری روایتوں کے مطابق کچھ نہیں ہے، اپنے شاستر انھوں نے خود ہی گھڑے ہیں —— میرے لئے یہ سمجھنا کس لئے آسان ہے کہ آخر میرا اپنا بھی تو کوئی گرو ہے۔ میرا کہا مانو بیٹی، ان سب باتوں سے الگ رہو جب وقت آئے گا تو میرا گرو تمھیں سب کچھ بتا دے گا کیونکہ اس میں کوئی چھل کپٹ نہیں ہے۔ تم گھبراؤ نہیں، اگر تمھاری پرورش کسی برہمو خاندان میں بھی ہوئی ہے تو کیا ہوا، میں تمھیں ہندوؤں کی برادری میں شامل کر دوں گی آخر اس بات کا کسی کو پتہ ہی کیسے چل سکتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ تمھاری عمر ذرا زیادہ ہے۔ پر بہت سی ایسی لڑکیاں ہوتی ہیں جو اپنی کاٹھی کی بنا پر اپنی عمر سے بڑی لگتی ہیں اور تمھارا برتھ سرٹیفکٹ کون دیکھنے بیٹھا ہے ارے، روپیہ ہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے، —— کوئی روک نہیں ہو گی —— کیوں، میں نے اپنی آنکھوں سے ایک نیچ ذات لڑکے کو تھوڑے سے روپے کی مدد سے اونچ ذات بنتے دیکھا ہے! میں تم کو ایسے اچھے برہمن خاندان میں بیاہوں گی کہ کسی کو ایک لفظ کہنے کی ہمت نہیں ہو گی —— وہ لگ تو ہندوؤں میں بڑے اونچے مانے جاتے ہیں۔ تم خواہ مخواہ اس گرو کی اتنی خوشامد کرتی ہو، اتنا اس کے لئے روتی دھوتی ہو۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی —— تم دیکھنا تو سہی۔"

ہری موہنی نے جب اپنا لکچر شروع کیا تو سچاریتا کی بھوک بھاگ گئی۔

ایک نوالہ بھی اس کے گلے سے نہیں اُتر رہا تھا لیکن کوشش کر کے کس طرح اس نے کچھ کھایا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر نہ کھائے گی تو پھر اُسے ایک اور لکچر سُننا پڑے گا اور اور بھی کوفت ہوگی!

ہری موہنی نے جب دیکھا کہ سچاریتا پر کوئی خاص اثر نہیں ہو رہا ہے تو وہ اپنے آپ سے کہنے لگیں —— یہ لوگ اپنی سمجھ سے باہر ہیں۔ ایک طرف تو لڑکی گلا پھاڑ پھاڑ کر چلاتی ہے کہ میں ہندو نہیں اور دوسری طرف ہو تو ملتا ہے تو کان دھر کے بات تک نہیں سُنتی۔ اسے نہ کوئی پرائسچت کرنا ہے، نہ کسی سے کچھ کہنا سُننا ہے، بس دو چار روپے بانٹ دینے ذات برادری والے مطمئن ہو جائیں گے لیکن اس بات کے لئے بھی کوئی جوش خروش نہیں دکھاتی تو پھر ہندو ہے!

ہری موہنی کو یہ فیصلہ کرنے میں ذرا سی دیر بھی نہیں لگی تھی کہ گورا کتنا بڑا فراڈ تھا اور وہ جب بھی یہ سوچتیں کہ اس زبردست دھوکہ بازی کی بنیادی وجہ کیا ہو سکتی ہے تو ان کو یہی یقین ہوتا تھا کہ سچاریتا کا حُسن اور اس کی جائیداد اصلی سبب ہیں۔ لہٰذا جتنی بھی جلدی وہ کوشش کر کے سچاریتا کو اس جال کو چھڑا لیں۔ اس کے نام کی گورنمنٹ سرٹیفکٹوں اور باقی جائیداد کے کاغذات سمیت، اپنے سسرال والوں کے یہاں پہنچا دیں لیکن اتنا ہی سب کے لئے بہتر ہو! لیکن سچاریتا کا دماغ ذرا بچلے تب تو —— اس لئے سچاریتا کے دماغ کو گھمانے کے لئے انھوں نے رات دن اس کے سامنے اپنے سسرال والوں کے گن گانے شروع کر دیئے مثلاً یہ کہ وہ لوگ کس قدر بااثر تھے، اپنی برادری کے لئے انھوں نے کیا کیا غیر معمولی رعایات حاصل کی تھیں۔ کس طرح سے بہت سے بے قصور لوگوں کو انھوں نے اس قصور میں بندھوا دیا تھا

کہ انھوں نے اس خاندان کی مخالفت کی تھی اور کس طرح بہت سے ایسے لوگوں کو انھوں نے برادری کے مواخذہ سے صاف بچا لیا تھا جو کچھ مسلمانوں تک کے ہاتھ کا کھا چکے تھے۔ انھوں نے بہت سے نام بتائے، بہت سی جگہوں کا ذکر کیا، اور سب کچھ نہایت تفصیل کے ساتھ!

بردوا دیوی نے سچاریتا سے کبھی اس بات کو چھپایا نہیں تھا کہ وہ اپنے گھر میں اس کا زیادہ آنا جانا پسند نہیں کرتیں، کیونکہ وہ اپنی صاف گوئی پر بڑا فخر کرتی تھیں۔ جب کبھی وہ کسی دوسرے کو برا بھلا کہتیں تو اپنی اس خاص صفت کا حوالہ ضرور دے دیا کرتیں! اس لئے انھوں نے کچھ اس طرح سچاریتا سے بات کی جو سمجھنا اس کے لئے مشکل نہ تھا کہ اگر وہ اُن کے گھر آئے بھی تو اُسے یہ اُمید نہ رکھنی چاہیے کہ اس سے اخلاق برتا جائے گا۔ سچاریتا جانتی تھی کہ اگر پھر بھی وہ زیادہ آئی گئی تو پاریش بابو کو اس کی وجہ سے پریشانی ہوگی اور اُن کے سکون میں خلل پڑے گا۔ چنانچہ بغیر کسی خاص ضرورت کے وہ وہاں نہیں جاتی تھی۔ پاریش بابو دن میں ایک آدھ بار خود ہی اس کے گھر آ کے اس کی خیریت پوچھ جاتے تھے۔

ادھر کئی دن سے کام اور فکروں کی زیادتی کی وجہ سے پاریش بابو آ نہیں پاتے تھے سچاریتا پریشان ہو کر روز ہی اُن کا انتظار کرتی رہتی تھی، اُسے یقین تھا کہ اس کے اور پاریش بابو کے درمیان جو رشتہ تھا وہ کبھی اور کسی حالت میں ٹوٹ نہیں سکتا تھا، اور اسی کے قائم رہنے میں دونوں کی ہی بھلائی تھی۔ اس رشتے کے علاوہ بھی کچھ تعلقات تھے جو اُسے کھینچے رہتے تھے، اور چین نہیں لینے دیتے تھے پھر ہری موہنی تھیں جو دن بدن اس کی زندگی اور زیادہ پریشان کر رہی تھیں!

اس وجہ سے آج، بردوا دیوی کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر سچاریتا پاریش بابو کے گھر پہونچ ہی گئی۔

مغرب کا وقت تھا تین منزل کی اونچی عمارت ڈوبتے ہوئے سورج کی مدھم روشنی میں پچھم کی طرف لمبی پرچھائیاں پھیلا رہی تھیں۔ اور انھیں پرچھائیوں کے تلے پاریش بابو، سر جھکائے، اکیلے، آہستہ آہستہ اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے۔

"آپ کیسے ہیں بابو جی" سچاریتا نے کہا اور وہ بھی اُن کے ساتھ چلنے لگی۔

پاریش بابو چونک پڑے۔ وہ اپنے غور و فکر میں اس طرح کسی کو دخل انداز ہوتے دیکھ کر ایک پل چُپ چاپ کھڑے غور سے سچاریتا کو دیکھتے رہے۔ پھر بولے "اچھا ہوں بیٹی رادھا شکریہ"

پھر دونوں ٹہلنے لگے۔ پاریش بابو نے کہا "سوموار کو لولتا کی شادی ہے"

سچاریتا نے آتے وقت سوچا تھا کہ وہ پاریش بابو سے ضرور پوچھے کہ کسی صلاح مشورے یا مدد میں اس کو کیوں نہیں شامل کیا گیا۔ پھر اُسے خیال آیا کہ شاید اسی کی طرف سے کوئی بات ایسی ہوئی ہو جو اس روک کا سبب ہو اس لئے ہچکچا کے رک گئی ورنہ اور کوئی موقعہ ہوتا تو بھلا وہ بُلائے جانے کا انتظار کرتی۔ اتنے میں پاریش بابو نے خود ہی وہ موضوع چھیڑ دیا جس کے متعلق وہ سوچ رہی تھی۔

"اب کی بار میں تمھاری رائے نہیں لے سکا رادھا"

"مگر کیوں نہیں بابو جی"

پاریش بابو نے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اُسے سوالیہ انداز میں دیکھنے لگے۔ یہاں تک کہ سچاریتا سے رہا نہیں گیا۔ اُس نے اپنا مُنھ تھوڑا سا پھیر لیا اور بولی "آپ نے یہ سوچا ہوگا کہ میرے ذہن میں کوئی تبدیلی آگئی ہے"

"ہاں ——— یہ میں نے ضرور سوچا اور اسی لئے میں سمجھا کہ تم سے کسی

کام میں شامل ہونے کے لئے کہہ کر تمھارے لئے کوئی مشکل کیوں کھڑی کی جائے۔"

اب سچاریتا نے کہنا شروع کیا "بابوجی ـــــ میرا ارادہ تھا کہ میں سب کچھ آپ سے کہہ دوں گی مگر ادھر کچھ دنوں سے آپ سے مل ہی نہ سکی۔ اسی لئے میں آج آئی ہوں۔ مجھ میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ آپ کو ٹھیک سے ہر بات سمجھا سکوں۔ اس لئے ڈرتی ہوں کہ کہیں آپ میری بات کو غلط نہ سمجھیں۔"

"ہاں میں جانتا ہوں کہ ایسی باتوں کو معمولی طور پر سمجھنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ تمھارے ذہن پر کسی ایسی بات کا بوجھ ہے جو صرف تمھارے جذبات سے تعلق رکھتی ہے اور اگرچہ تم اُسے محسوس تو کر سکتی ہو مگر اس کو ظاہر کرنا تمھارے لئے بہت مشکل ہے۔"

"جی ہاں بالکل ایسا ہی ہے" سچاریتا نے جلدی سے کہا۔ اُسے معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے کسی نے ایک بھاری بوجھ اس کے سینے پر سے سرکا دیا "اب میں آپ کو کیسے بتاؤں کہ وہ جذبہ کس شدت کا ہے! جس سے میں نے ایک جنم لیا ہو، پھر سے سوچنا سمجھنا سیکھا ہو' ـــــ اب تک میں نے کبھی اس نقطۂ نظر سے اپنے آپ کا تجزیہ کیا ہی نہیں تھا۔ اب تک کبھی میرا کوئی تعلق اپنے ملک کے ماضی یا مستقبل سے نہیں رہا لیکن اب میرے دل پر اس رشتے کی عظمت اور صداقت عجیب و غریب طرح سے واضح ہوئی ہے کہ میں کسی وقت اس کو فراموش نہیں کر سکتی۔ دیکھئے بابوجی، جب میں آپ سے یہ کہتی ہوں کہ میں ہندو ہوں تو آپ اس کو بالکل سچ مانئے گا حالانکہ اب سے پہلے میں نے اس بات کو اپنے آپ سے بھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ اب تو میں بغیر کسی پس و پیش سے یہ کہہ سکتی ہوں کہ میں ہندو ہوں بلکہ زور دے کر

کہنا چاہتی ہوں۔ اور مجھے اِس بات کے اقرار پر مسرت بھی ہے۔"

"لیکن اِس سوال کے تمام پہلوؤں پر تم نے غور کر لیا ہے؟ تم نے سمجھ لیا ہے کہ اِس اقرار کے معنی کیا ہیں؟" پاریش بابو نے پوچھا

"کیا اس سوال کے ہر پہلو پر نظر ڈالنے کی لیاقت مجھ میں ہے؟"

سچاریتا نے اُن کے سوال کے جواب میں سوال کیا "میں صرف یہی کہہ سکتی ہوں کہ میں نے اس مسئلہ پر کافی مطالعہ کیا ہے۔ بحث مباحثہ بھی کیا ہے پہلے میں نے چیزوں کو اُن کے صحیح پیمانے کے حساب سے جانچنا نہیں سیکھا تھا۔ ہندو مذہب کی چھوٹی چھوٹی جزئیات کو لے کر ان میں مبالغہ کی صورت پیدا کر دیا کرتی تھی اسی لئے مجھے کلّی طور پر ہندو مذہب سے نفرت تھی۔"

سچاریتا کو اس طرح گفتگو کرتے دیکھ کر پاریش بابو کو ذرا تعجب ہوا۔ اب یہ انھیں اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اس کے خیالات میں تبدیلی کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ اور چونکہ وہ صداقت کی تلاش کر رہی ہے۔ اس لئے اُس کے ذہن میں اُلجھاؤ یا شک و شبہ نہیں ہے۔ صرف کسی نامعلوم جذبہ کا دھارا اُسے نہیں بہائے لئے جا رہا ہے کوئی ایسی کشش نہیں ہے جسے وہ سمجھ نہ پا رہی ہو!

سچاریتا نے اپنی بات جاری کی "باپو جی۔ میں یہ کیسے کہہ سکتی ہوں کہ میں اپنی قوم اور اپنے ملک سے الگ کوئی بیکار سی چیز ہوں — آخر میں یہ کیوں نہیں کہہ سکتی کہ میں بھی ہندو قوم کا ایک جز ہوں"

"دوسرے لفظوں میں یوں کہو گویا مجھ سے پوچھنا چاہتی ہو کہ میں اپنے کو ہندو کیوں نہیں کہتا۔ اگر تم غور کرو تو کوئی خاص بڑی وجہ بھی نہیں کہ کیوں نہیں کہتا سوائے اس کے کہ ہندو سوسائٹی خود ہی مجھے ہندو ماننے سے انکار کرتی ہے

دوسری وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے مذہبی خیالات میرے خیالات سے ملتے جلتے ہیں وہ اپنے کو ہندو نہیں کہتے ۔" سچاریتا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُسے خاموش دیکھ کر پاریش بابو نے پھر کہنا شروع کیا " میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ یہ سب وجہیں کوئی خاص نہیں ہیں۔ یہ سب خارجی اسباب ہیں اور ان رکاوٹوں کو کوئی اہمیت دیئے بغیر بھی انسان اچھی طرح کام چلا سکتا ہے۔ لیکن ایک اور بھی وجہ ہے ؛ داخلی اور نہایت اہم ـــــــ اور وہ یہ ہے کہ ہندو سوسائٹی کا ایک جزو بننے، اس میں شامل ہونے کا کوئی راستہ نہیں ـــــــ کم از کم کوئی صاف، سیدھا اور ایمانداری کا راستہ نہیں ہے، چور دروازوں کی میں بات نہیں کرتا۔ یہ سوسائٹی، یہ نظام کُل انسانوں کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف اُن کے لئے ہے جنھیں قسمت نے ہندو ہی پیدا کیا ہے۔!"

" لیکن تمام ہی سوسائٹیاں ایسی ہیں بابوجی " سچاریتا بیچ میں بول پڑی۔

" نہیں ـــــــ کوئی اہم سوسائٹی ایسی نہیں، یا کوئی اہم نظام زندگی ایسا نہیں۔ مسلم سوسائٹی کے دروازے سب کے لئے کُھلے ہیں۔ عیسائی سماج بھی سب کو خوش آمدید کہتا ہے، عیسائیت کے مختلف حصے ہیں، لیکن ہر حصے میں اصول یہی ہے اگر میں، انگریز بننا چاہوں تو یہ بھی میرے لئے ایسا ناممکن نہ ہوگا ـــــــ انگلینڈ میں کافی عرصے رہ جاؤں، اُن کے رسم و رواج کو مانوں تو انگریزی سماج مجھے قبول کرلے گا، مجھے عیسائی ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ بھول بھلیاں میں داخل ہونا تو ایسا مشکل کام نہیں لیکن باہر نکلنے کا راستہ ڈھونڈھنا مشکل ہے ہندو سوسائٹی کا متضاد حال ہے، اس میں اندر گھسنے کے راستے بالکل بند ہیں البتہ باہر نکلنے کے ہزاروں طریقے ہیں "

" لیکن بابوجی ہندو سوسائٹی نے پھر بھی صدیوں میں کوئی نقصان تو اُٹھایا

نہیں، ابھی تک قائم ہے" سچ ریتا نے دلیل پیش کی۔

"سوسائٹی کب اور کیا نقصان اٹھا رہی ہے اس کا اندازہ ہونے میں بہت وقت لگتا ہے بیٹی" پاریش بابو نے تحمل کے ساتھ کہا۔ "پرانے زمانے میں ہندو سوسائٹی میں پچھلے دروازے کھلے رہتے تھے اور یہ اس ملک کی ایک شان تھی کہ غیر آریائی قوم کے لوگ بھی ہندو ہو سکتے تھے۔ مسلمانوں کے زمانے میں بھی ہندو راجاؤں اور زمینداروں کا زور جگہ جگہ دیکھا جا سکتا تھا' اس لئے ہندو سوسائٹی سے نکل جانے والوں کو جو سزائیں بھگتنی پڑتی تھیں ان کے راستے میں جو رکاوٹیں تھیں ان کی بھی کوئی حد اور کوئی حساب نہ تھا۔ اس وقت انگریزوں نے اپنے قانونوں سے ہر ایک کا حق محفوظ کر دیا ہے، اس لئے طاقتوں سے کسی سوسائٹی کو بچنے کے راستے میں جو غیر فطری رکاوٹیں تھیں وہ اب آسانی سے کام نہیں کر سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ ادھر حال میں، ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور ہندوؤں کی گھٹ رہی ہے۔ اگر حالات اسی طرح چلتے رہے تو مسلمان حاوی ہو جائیں گے اور پھر تو اس ملک کو ہندوستان کہنا ہی غلط ہو گا"

سچاریتا پریشان نظر آنے لگی اور بولی "لیکن بابوجی ——— کیا یہ ہم سب کا فرض نہیں ہے کہ ایسا نہ ہونے دیں کیا ہندوؤں کا ساتھ چھوڑ کر ہم کو ہندو سوسائٹی کے لئے اور بھی زیادہ خطرے کا سبب بننا چاہئے۔ یہی تو وقت ہے کہ ہم ہی پوری قوت کے ساتھ ہندو دھرم کو ہاتھ دیں، اسے تھامے رہیں۔"

پاریش بابو نے محبت سے سچاریتا کا سر تھپکا اور کہنے لگے "بیٹی ——— صرف اس بات کی خواہش ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ انسان کسی مرتے ہوئے کو صرف مضبوطی سے تھام کر زندہ نہیں رکھ سکتا۔ سماجوں کے زندہ رہنے کے کچھ فطری اصول ہیں اور خدا ہے کہ قدرت سے جو کوئی بھی بے پروائی برتے گا آخر میں [illegible]

ہندو سوسائٹی انسان کو بحیثیت انسان کے کچھ نہیں سمجھتی اور یہی وجہ ہے کہ آج ہمیں اپنی عزت برقرار رکھنا بھی دن بدن مشکل ہوتا جاتا ہے۔ آج ہم اپنے آپ کو پردوں کے اندر رکھ کر محفوظ نہیں کر سکتے۔ دنیا میں راہیں ہر طرف بکھری پڑی ہیں، ہر طرف سے دنیا کی مختلف قوتیں ہمارے سماج پر حملہ کر رہی ہیں ——— اب ہم پرانے قانونوں اور شاستروں کی فصیلیں اور موٹ کھڑے کر کے، اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے کیونکہ ایسی صورت میں ہم اپنے آپ کو باقی تمام دنیا سے کاٹ دیں گے۔ اور یہ قوت کی علامت ہوگی!

اگر ہندو سوسائٹی جلد ہی اپنی قوتوں کو اکٹھا نہیں کرتی اور ان امراض کا سدباب نہیں کرتی تو پھر باہری دنیا ہمیں ایسے وار لگائے گی کہ ہم جس کی تاب نہ لا کر ختم ہو جائیں گے۔"

"یہ سب تو میری سمجھ میں پوری طرح نہیں آتا" سچاریتا دکھ بھری آواز میں بولی "اگر یہ بات ٹھیک ہے کہ آج سب ہی اس کو چھوڑ رہے ہیں تو کم از کم میں تو اس کا ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔ چونکہ ہم لوگ اس بدنصیب دور کی اولاد ہیں۔ اس لئے اپنی سوسائٹی پر اس مصیبت کے عالم میں تو ہمیں اور بھی زیادہ اس کا ساتھ دینا چاہئے۔"

"دیکھو ——— پاریش بابو بولے "تمہارے ذہن میں جو خیالات پیدا ہوئے ہیں اُن کے ضد میں کچھ نہیں کہنا چاہتا' عبادت کرو' خدا سے لو لگاؤ اور اس سے جو پاکیزگی محسوس ہو اس پاکیزگی کے ذریعہ اس صداقت کی بھانچ نرد جس کی گونج تمہیں اپنے دل میں سنائی دیتی ہو۔ نیکی کا جو تصور تمہارے ذہن میں ہو اس پر غور کرو۔ پھر رفتہ رفتہ سب کچھ سمجھنے لگو گی۔ چاہے ملک ہو، چاہے قوم، چاہے کوئی اور نظریہ' لیکن اپنے خالق سے بلند کسی چیز کو نہ سمجھو، کیونکہ اس سے۔ تمہاری بہتری ہوگی' نہ تمہارے ملک کا بھلا ہو گا ———

یہی سمجھ کر میں تو اپنی پوری روحانی قوت کو، اپنے قلب و ذہن کو بلا شرکت غیرے اپنے خدا کے حوالے کر دینا چاہتا ہوں — تب ہی جا کر میرے تعلقات دوسرے ان انسانوں کے ساتھ، استوار ہو سکتے ہیں، تب ہی میں اپنے ملک کے لئے کچھ کر سکتا ہوں"

وہ یہاں تک کہہ چکے تھے کہ ایک نوکر کے آنے سے رک گئے — اس نے آگے بڑھ کر ان کو ایک خط دیا!

"میرے پاس اس وقت عینک نہیں ہے" پاریش بابو بولے "روشنی بھی مدھم ہو گئی ہے۔ تم ذرا اسے پڑھ دو بیٹی"

سچاریتا نے خط پڑھا۔

یہ خط برہمو سماج کمیٹی کی طرف سے آیا تھا اور اس پر کئی ممبروں کے دستخط تھے۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ "یہ دیکھتے ہوئے کہ پاریش بابو نے اپنی بیٹیوں میں سے ایک کی شادی غیر برہمو طریقے سے کرنا منظور کر لیا ہے۔ بلکہ خود شادی کی رسم کی تیاری میں حصہ لے رہے ہیں، برہمو سماج اب ان کو اپنی گورننگ کمیٹی میں شامل رکھنا اپنے لئے ناممکن سمجھتی ہے۔ اگر انھیں اپنے متعلق کچھ عذر داری کرنی ہو تو وضاحت کا خط لکھیں جو اگلے اتوار تک کمیٹی کے ہاتھ میں پہونچ جانا چاہئے۔ اس روز آخری فیصلہ، کثرت رائے کے مطابق کیا جائے گا"

پاریش بابو نے خط لے کر اپنی جیب میں رکھ لیا، سچاریتا نے نرمی سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دونوں خاموش ٹہلنے لگے۔ رفتہ رفتہ شام کا اندھیرا بڑھتا گیا اور قریب ہی گلی میں لگے ہوئے لیمپ روشن ہونے لگے۔

سچاریتا آہستہ سے بولی "بابو جی — اب تو آپ کے دھیان کرنے کا وقت ہو گیا۔

آج میں بھی آپ کے ساتھ عبادت میں شامل ہونا چاہتی ہوں ——— یہ کہہ کر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر پوجا کے کمرے میں لے گئی۔ وہاں بالکل سناٹا تھا۔ چھوٹا سا قالین حسبِ دستور بچھا تھا۔ شمع روشن تھی! آج پاریش بابو روزانہ سے زیادہ دیر تک دھیان کرنے میں مصروف رہے، پھر انھوں نے ایک دعا پڑھی اور اُٹھے! کمرے سے باہر نکلے تو دیکھا کہ بنوئے اور لولتا چپ چاپ دروازے کے باہر کھڑے ہیں۔ پاریش بابو کو دیکھتے ہی دونوں نے اُن کے قدم لیے۔ انھوں نے دونوں کے سر پر ہاتھ رکھا اور مڑ کر سچاریتا سے بولے "میں تمھارے گھر کل آؤں گا ——— آج تو مجھے اپنا کچھ کام ختم کرنا ہے" ——— اور یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے۔

سچاریتا اُس وقت چپکے چپکے رو رہی تھی۔ اور کچھ دیر بالکل خاموش برآمدے کے اندھیرے میں کسی مجسمے کی طرح کھڑی رہی۔ بنوئے اور لولتا بھی دیر تک خاموش رہے۔

جب سچاریتا بھی جانے لگی تو بنوئے نے بڑھ کر کہا "دیدی آپ ہم دونوں کو دعا نہیں دیں گی؟" اور یہ کہہ کر وہ اس کے پیروں پر جھک گیا۔ سچاریتا نے گھٹی ہوئی آواز میں کیا کہا، یہ صرف اُس کا خدا ہی سنتا تھا!

پاریش بابو برہمو سماج کمیٹی کے خط کا جواب لکھنے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے انھوں نے صرف چند سطریں لکھیں ——— "لولتا کی شادی کا انتظام مجھ ہی کو کرنا ہے اور اس تصور میں اگر آپ مجھ کو نکال دیں تو اس کو میں آپ کی غلطی نہیں کہوں گا۔ اس معاملے میں مجھے اپنے خدا سے بس صرف یہی دعا مانگنی ہے کہ جب میں ہر سوسائٹی اور ہر سماج سے نکال دیا جاؤں تو وہ مجھے اپنے قدموں میں پناہ دے۔"

اُنہترواں باب

سچاریتا کو بڑی فکر تھی کہ جو کچھ اُس نے پاریش بابو سے سُنا تھا وہ گورا کو بتائے۔ کیا گورا کا یہ خیال نہیں تھا کہ جس ہندوستان کی طرف اس نے سچاریتا کی نگاہیں موڑ دی تھیں جس کی جانب اس نے سچاریتا کے دل میں شدید محبت کے جذبات جگا دیے تھے، اسی ہندوستان کو سخت نقصان کا خطرہ تھا؟ ابھی تک ہندوستان نے کسی نہ کسی داخلی اصول اور روحانی فکر کے ذریعہ اپنے آپ کو زندہ رکھا تھا اور ہندوستانیوں کو کوئی خاص پریشانی نہیں ہوئی تھی لیکن کیا اب وقت نہیں آگیا تھا کہ ہوشیار ہوا جائے؟ کیا آج بھی ہم پرانے شاستروں کے سائے کے تحت اپنے گھروں میں اطمینان سے بیٹھے رہ سکتے تھے۔

سچاریتا بار بار سوچتی تھی کہ اس جدوجہد میں ضرور میرے ماتحت بھی کوئی کام ہوگا۔ ذاتی طور پر کوئی نہ کوئی حصہ بھی ہوگا جو میں ادا کر سکتی ہوں؛ اس کو محسوس ہوتا تھا کہ ایسے موقعہ پر عورتوں کے ذہن کے زنگ ہونا چاہیے؟ اُسے حکایات دینے چاہئیں، اُسے راستہ دکھانا اور اس کی رہبری کرنا چاہیے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کاش گورا اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں دور کر دیتا، اُسے ذلت و خواری کی زندگی سے نکال کے صحیح جگہ پر بٹھا دیتا تو وہ بھی کچھ کام کر سکتی، اور اس کام کی قیمت وہ ہمیشہ ان حقیر افواہوں اور باتوں کے بیہودہ رازوں کو قطعی طور پر ماند کر دیتی۔ وہ اپنے متعلق سوچنے لگی اور اس کا دل بیٹھنے لگا۔ وہ کیا کچھ نہیں کر سکتی تھی لیکن گورا نے اس کو آزمایا کیوں نہیں؟ گورا نے مجھ کو کوئی مشکل خدمت اس کے سپرد کیوں نہیں کی؟ ـــــ کیا اس کی پارٹی

میں کوئی ایک آدمی بھی ایسا تھا جو سچاریتا کی طرح اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لئے دل وجان سے تیار تھا! کیا قربانیاں دینے اور اپنا ضمیر مطمئن کرنے کی یہ شدید خواہش گورا کو دکھائی نہیں دے سکتی تھی؟ اُسے جو اس طرح لوگوں کی رایوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا تھا، تو کیا اس سے ملک اور قوم کا کچھ بھی نقصان نہیں تھا؟ سچاریتا کا دل یہ ماننے سے انکار کرتا تھا کہ اس کے ساتھ بے پروائی برتی جا رہی ہے، اپنے آپ سے بار بار کہتی تھی "ایسا نہیں ہو سکتا ——— وہ مجھے اس طرح چھوڑ کر نہیں جا سکتے انھیں میرے پاس واپس آنا ہی پڑے گا، انھیں مجھ کو ڈھونڈھنا ہی پڑے گا، انھیں اپنی جھینپ اپنی ہچکچاہٹ چھوڑنی ہی پڑے گی، وہ ہوں گے بڑے آدمی، عظیم آدمی، زبردست آدمی، مگر ان کو ضرورت میری یقیناً ہے ——— آخر ایک بار اپنے منھ سے اس حقیقت کو قبول ہی چکے ہیں ——— پھر اِدھر اُدھر کی بکواس کی وجہ سے اتنی بڑی بات بھول تو نہیں سکتے"———

ستیش دوڑا ہوا اندر آیا اور اس کے قریب کھڑے ہو کے بولا "دیدی"

"کیا ہے۔ ننھے کنزکنز میاں" ——— سچاریتا نے پیار سے کہا اور اُس کے گلے میں باہیں ڈال دیں!

"دیکھئے ——— سوموار کو لولتا دیدی کی شادی ہے نہ ——— تو اس کے بعد چند دنوں کے لئے میں بنوتے بابو کے گھر جا کر رہنے والا ہوں۔ انھوں نے مجھے دعوت دی ہے کہ اُن کے ساتھ رہوں"۔

"خالہ سے بھی پوچھا ہے" سچاریتا نے سوال کیا۔

"ہاں خالہ سے کہا تھا ——— وہ تو خفا ہونے لگیں، بولیں میں کچھ نہیں جانتی اور یہ کہ میں آپ سے پوچھوں اور آپ کا جو جی چاہے وہ آپ کریں۔ بھئی دیدی آپ منع مت کیجئے گا" ——— میری پڑھائی کا کچھ حرج نہیں ہوگا، روز پڑھتا رہوں گا، بنوتے

بابو نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ مجھ کو پڑھائیں گے۔"

"پر وہ لوگ اس گھر میں ابھی سب تیاری وغیرہ کر رہے ہیں، ٹھیک ٹھاک کر رہے ہیں۔ تم بیچ میں سب گڑبڑ کر دو گے" ——— سچریتا نے اعتراض کیا۔

"نہیں بھئی دیدی" ستیش چیخنے لگا "آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ ذرہ برابر گڑبڑ نہیں کروں گا۔"

"اپنے کتے کھوڑو کو ساتھ لے جانے کی ضد سوچ رہے ہو گے تم" سچریتا نے پوچھا۔

"وہ کیا، وہ تو ضرور چلے گا کیونکہ بنوئے بابو نے مجھ سے کہا تھا کہ کھوڑو کا تو بلاوا ہے۔ اس کے نام تو خود دعوت نامہ آیا ہے، الگ سے، لال کاغذ پر لکھا ہوا اور اس میں لکھا ہے کہ کھانے پر مع خاندان کے تشریف لا کر ممنون فرمائیے۔"

سچریتا ہنس پڑی "اچھا ——— تو اس کا خاندان کہاں ہے؟"

"واہ بھئی آپ تو سمجھتی نہیں ہیں ——— خاندان ہے کیوں نہیں، بنوئے بابو کہتے ہیں بس میں ہی اس کا خاندان ہوں ——— اور دیدی انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اپنا ارگن بھی آئے، سو وہ نکال دیجئے گا۔ آپ سے سچ کہتا ہوں توڑوں گا نہیں۔"

"نہیں نہیں ——— کبھی نہیں" سچریتا نے جھٹ سے صاف انکار کر دیا۔

"اب یہ معلوم ہوا کہ اتنے دن سے وہ کیوں تمھیں اپنا دوست بنائے ہوئے تھے کیونکہ تمھاری خوشامد میں لگے رہتے تھے ——— تمھارے آرگن پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ شادی میں بینڈ منگوانے کے خرچ سے بچ جائیں ——— یہ چال تھی ان کی! اچھا اب سمجھ میں آیا!"

"نہیں بھئی دیدی، اب بالکل نہیں ہے" ستیش پھر چیخنے لگا "وہ دیدی بنوئے بابو نے کہا ہے کہ وہ مجھے اپنا شہ بالا بنانا چاہتے ہیں ——— شہبالے کو کیا کرنا ہوتا ہے

دیدی . ؟"

"کچھ نہیں بس دن بھر روزہ رکھنا پڑتا ہے۔"

"ہوں" ــــ ستیش نے کہا ــــ اس کو ہرگز یقین نہیں آرہا تھا ــــ پھر سجاریتا نے اس کو گلے لگا لیا اور بولیں "اچھا میاں کنز کنز ــــ یہ بتاؤ کہ تم بڑے ہو کر کیا ہو گے ؟"

ستیش کے پاس جواب تیار تھا۔ اس کا استاد ایک لائق آدمی تھا اور بے پناہ اچھا ہنس رکھتا تھا۔ اس لئے ستیش بھی ابھی سے یہ طے کئے بیٹھا تھا کہ بڑا ہو کر اسکول ٹیچر بنے گا۔ سجاریتا کو اس کی اس خواہش کا حال معلوم ہوا تو وہ کہنے لگیں "ستیش ــــ ہم لوگوں کو ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ ہم دونوں مل کر کام کریں گے ــــ کیوں اپنے ملک کی عزت اور عظمت بڑھانے کے لئے ہم کو جٹ کر کام کرنا ہوگا ــــ لیکن اس کو عظیم بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے بھلا ہمارے ملک سے زیادہ شاندار کون ملک ہوگا ؟ اصل میں تو ہمیں اپنی زندگیوں کو عظیم بنانا ہوگا۔ جانتے ہو نا ؟ کچھ سمجھ میں آرہا ہے۔ ؟

ستیش ایسا آدمی نہ تھا جو ظاہر کر دیتا کہ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے۔ اسلئے اس نے زوروں سے کہا "ہاں ــــ ہاں"

"تمھیں معلوم ہے کہ ہمارا ملک اور ہماری قوم کتنی عظیم ہے ؟ ــــ اب میں تمھیں کیسے سمجھاؤں ــــ یہ کیسا عظیم الشان، کیسا جلال دجلال والا ملک ہے، ہزاروں سال تک خدا نے اپنی عنایت خاص اس ملک کو دوسرے ملکوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ عظمت بخشی ہے کتنی کتنی دور سے باہر کے لوگوں نے آکر اس عظمت کو بڑھایا ہمارے ملک میں کتنے مہان لوگوں نے جنم لیا، کتنی بڑی بڑی جنگوں کا یہ میدان بنا ، یہاں سے کیسی کیسی سچائیاں ابھریں کہ تمام دنیا پر چھا گئیں، کس قدر

قناعت و فقر اور مذہب کا بہ نقطۂ نظر سے مطالعہ اور عرفان حاصل کیا گیا۔ زندگی کے راز کے کتنے حل دریافت کئے گئے —— یہ سب ہے ہمارا ہندوستان! تمھیں اس کی عظمت کو سمجھنا چاہیے میرے ننھے بھیا۔ اور اسے نہ کبھی بھولنا چاہیے نہ کبھی حقارت کی نظر سے دیکھنا چاہیے۔ میں تمھیں آج جو کچھ بتا رہی ہوں یہ سب تم کو ایک نہ ایک دن پورا کرنا ہے۔ —— میں سچ مچ یہ مانتی ہوں کہ جو کچھ تم سے کہہ رہی ہوں، اس کا کچھ حصہ تو تم ضرور سمجھتے ہو گے۔ —— لیکن تم اگر صرف اتنا یاد رکھو تو بہت کافی ہے کہ تم ایک عظیم ملک میں پیدا ہوئے ہو اور دل اور جگر سے اس کی خدمت کرنا تمھارا فرض ہے۔"

ستیش ایک منٹ چپ رہا، پھر بولا "اور آپ کیا کریں گی دیدی؟"

"میں بھی اسی کام میں حصہ لوں گی —— تم میری مدد کرو گے نا؟"

"ہاں ضرور کروں گا" ستیش نے سینہ تان کے کہا۔

گھر میں ایسا کوئی نہیں تھا جس سے تارا وہ سب کچھ کہہ سکتی جو اس کے دل میں لاوے کی طرح پک رہا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے ننھے بھائی کے ساتھ سب کہہ ڈالی جس زبان میں وہ بات کر رہی تھی وہ ستیش سے کم عمر بچے کے لئے بالکل ناموزوں تھی لیکن تارا اس بات سے کب رک سکتی تھی۔ اس نے جو نئے معلومات حاصل کئے تھے ان سے اس کو اندازہ ہو گیا تھا کہ پوری طرح ان کی تشریح کئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی، اور یہ چاہتی تھی کہ چھوٹے سے لے کر بڑے تک سب اس کو اسی طرح محسوس کریں جیسے وہ خود کر رہی تھی —— اگر اس ڈر سے کسی بات کو نہ کہا جائے کہ کوئی سمجھے گا یا نہیں تو وہ یہ تو گویا سچائی کو چھپانا ٹھہرا!

ستیش کا تخیل بھی جاگ اٹھا، بولا "جب میں بڑا ہو جاؤں گا اور جب میرے پاس بہت سے پیسے ہو جائیں گے ......"

"نہیں، نہیں، نہیں، پیسوں کی بات مت کرو۔ ہم دونوں میں سے کسی کو دولت کی ضرورت نہیں ہے میاں کنور! اس کام کو تو ہماری لگن اور ہماری زندگیوں کی حاجت ہے۔ اور کچھ نہیں۔"

اسی وقت آنند موئی کمرے میں داخل ہوئیں ——— اُن کو دیکھ کر سچاریتا کا ذہن تیزی سے گردش کرنے لگا، ——— وہ اُن کے سامنے جھک گئی۔ ستیش نے بھی ایسا ہی کرنا چاہا لیکن وہ ذرا کچھ بڑھ کے جھکا۔ بات یہ ہے کہ اُسے تسلیمات کرنے یا پرنام کرنے سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی اس لئے اُس سے یہ باتیں بنتی نہیں تھیں۔

آنند موئی نے ستیش کو گلے لگایا، اس کے سر کو بوسہ دیا اور سچاریتا کی طرف مڑ کر بولیں "میں تم سے کچھ صلاح مشورہ کرنے آئی ہوں ماں، اور کس کے پاس جاؤں! بنوئے کا اصرار تھا کہ اُس کی شادی میرے گھر سے ہو، پر میں نے کہا کہ وہ ایسا اب کب سے ہو گیا ہے کہ دُلہن اس کے اپنے گھر نہ اُترے تو اُسے اطمینان ہی نہ ہو ——— اس لئے میں نے ایک مکان کرایہ کا تجویز کیا ہے، یہاں تمہارے گھر سے زیادہ دور بھی نہیں ہے۔ میں ابھی وہیں سے چلی آ رہی ہوں ——— مہربانی کر کے تم ذرا پریش بابو سے بات کر کے ان کی رضامندی بھی لے لیتیں۔"

"بابو جی تو ضرور رضامند ہو جائیں گے۔"

"اس کے بعد پھر تم بھی وہاں آجاؤ" ——— آنند موئی نے بات کو اور آگے بڑھایا "سوموار کی شادی ہے۔ ان تاریخوں میں گھر کو بھی ٹھیک ٹھاک کرنا ہے، وقت کہاں ہے؟ میں اگر کوشش کروں تو تم ہٹ کر اکیلی بھی کر سکتی ہوں، مگر تجھے معلوم ہے، اگرچہ گورا نے کوئی حصہ نہیں لیا تو اُسے بہت رنج ہوگا۔ وہ خود تو تم سے کیا کہے گا، بلکہ اس نے تو مجھ سے تمہارا نام تک نہیں لیا۔ اور اسی سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ اس کے دل پر اس معاملے میں کچھ چوٹ ہے، ——— تم تو الگ مت رہنا

ہری موہنی نے سُن لیا تھا کہ آنند موئی آئی ہوئی ہیں لیکن انھوں نے خوب دیر لگا کر اپنا سب کام ختم کیا تب آئیں،——

"کہیے دیدی —— بہت دنوں سے نہ آپ سے ملاقات ہوئی نہ آپ کی کچھ خیر خبر سُنی"

"میں آپ کی بھانجی کو لے جانے کے لئے آئی ہوں" آنند موئی نے کہا۔ انھوں نے ہری موہنی کی شکایت کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ بلکہ یہ بتانے لگیں کہ شادی وغیرہ کے متعلق اُن کا کیا ارادہ تھا۔

کچھ دیر چُپ رہنے کے بعد ہری موہنی آخر کار بُرا سا مُنھ بنا کر بولیں۔ "میں تو بھائی اس معاملے میں کوئی حصّہ نہیں لینا چاہتی"

"نہیں نہیں —— میں نے آپ سے آنے کو کب کہا ہے —— اور سچاریتا کے متعلق آپ فکر نہ کیجئے گا، اُسے تو میں ہر وقت اپنے ہی ساتھ رکھوں گی"

"تو پھر میری بات سُن لیجئے" ہری موہنی نے کہا "رادھا رانی ہمیشہ یہ کہتی ہے کہ میں ہندو ہوں، اور وہ تو بھی یہ ہے کہ اس وقت اس کا رجحان اسی طرف ہے، لیکن اگر اس کو ہندو فرقے میں داخل ہونا ہے تو ذرا سنبھل کر چلنا، ویسے بھی اس کے متعلق بہت کچھ کہا جائے گا، حالانکہ میں کسی نہ کسی طرح بات کو دبا ہی لوں گی —— لیکن اب سے ذرا اس کو احتیاط برتنا ہوگی —— سب سے پہلی بات تو لوگ یہی پوچھیں گے کہ اتنی عمر تک یہ کنواری کیسے رہ گئی —— اس سوال کو تو ہم کسی نہ کسی طرح گول کر دیں گے —— ایسا تو نہیں ہے کہ کوشش کی جائے تو اس کو کوئی اچھا شوہر نہیں ملے گا لیکن اگر یہ پھر سے ایک بار پُرانی طرز پر چلنے لگے تو پھر آپ ہی بتائیے اسکو کہاں روکیں گے ہم لوگ ؟ اگر آپ کی اپنی کوئی بیٹی ہوتی تو کیا آپ اس کو اس شادی میں شریک ہونے بھیج دیتیں۔ کیا آپ کو یہ خیال نہ آتا کہ اس کی بھی شادی ہونی ہے ؟

حاصل کرنے کی بیقراری اس تیزی سے بڑھی کہ جب وہ دُنیا دار تھیں اس وقت سے بھی زیادہ فکروں نے اُن کو گھیرا۔

آنند موئی حیران تھیں! چند ہی دنوں میں ہری موہنی کی آنکھوں میں، چہرے میں، حرکات و سکنات میں، الفاظ اور عادات میں کتنی تبدیلی آگئی تھی! آنند موئی کا محبت بھرا نرم اور گداز دل سچاریتا کی حالت کا خیال کر کے کڑھ رہا تھا۔ اگر انھیں ذرا سا بھی پتہ ہوتا کہ یہاں یہ خطرہ پہنچا ہے تو وہ سچاریتا کو شادی میں بلانے کبھی نہ آتیں —— اور اب تو یہ سوال تھا کہ اس کو اس پریشانی سے کیوں کر بچایا جائے...!

جب ہری موہنی نے در پردہ گورا پر بھی ایک حملہ کیا تو سچاریتا ایک لفظ کہے بغیر اُٹھ کھڑی ہوئی اور سر جھکائے کمرے سے باہر نکل گئی۔

"آپ گھبرائیے نہیں بہن" آنند موئی نے کہا "مجھے پہلے سے یہ سب معلوم نہیں تھا لیکن میں سچاریتا سے اصرار نہیں کروں گی —— آپ بھی اس سے کچھ نہ کہیئے گا۔ اس کی پرورش ایک خاص طریقے سے ہوئی ہے اور اگر آپ یک دم سے اُسے بہت ستانے لگیں گی تو وہ برداشت نہیں کر سکے گی۔"

"آپ کیا سمجھتی ہیں کہ میری اتنی عمر ہونے کو آئی اور میں یہ بات بھی نہیں سمجھ سکتی" ہری موہنی نے شکایت کے لہجے میں کہا: "وہ آپ کے سامنے کہے کہ میں نے کبھی اُس سے شکایت کا موقع دیا ہو اور جو چاہتی ہے کرتی ہے، میں نے تو ایک لفظ بھی کبھی نہیں کہا —— میری تو بس یہی دعا ہے کہ بھگوان بس اُسے جیتا رکھیں تو بس میرے لئے بہت ہے۔ ہائے میری بدنصیبی! مجھے تو یہ سوچ سوچ کر راتوں نیند نہیں آتی کہ دیکھو کسی دن کیا ہوتا ہے۔"

آنند موئی جا رہی تھیں کہ سچاریتا نے اپنے کمرے سے نکل کر اُن کو پرنام کیا

انھوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولیں "بلیٹی" میں برابر آتی رہوں گی تاکہ تمھیں سب خبر ملتی رہے۔ تم پریشان نہ ہونا۔ بھگوان چاہے گا تو سب کام بخیر و خوبی ہو جائیں گے۔"

سجاریتا نے سر جھکائے رکھا، کچھ نہیں بولی۔

دوسرے دن صبح ہی آنند موئی نے اپنی ملازمہ لچھمیا کو ساتھ لیا اور صفائی وغیرہ کروانے نئے مکان میں پہونچ گئیں۔ جیسے ہی انھوں نے کمرے میں پانی بہانا شروع کیا ویسے ہی سجاریتا پہنچی۔ اس کو دیکھتے ہی آنند موئی نے جھاڑو پھینک دی اور دوڑ کر اسے گلے سے لگا لیا۔ پھر سب نے مل کر بڑے جوش سے دھلائی، رگڑائی، بچھائی شروع کر دی۔!

پاریش بابو نے سجاریتا کو سب اخراجات کے لئے کافی روپے دے دئے تھے اس لئے اور کاموں سے فارغ ہو کر دونوں نے اس روپے کو خزانہ قرار دے کر حسابات درج کرنے شروع کئے۔

تھوڑی دیر بعد پاریش بابو بھی ولتا کو لے کر آ پہونچے۔ اب ولتا کے لئے اپنے گھر میں رہنا ناقابل برداشت ہو چکا تھا۔ کیونکہ کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اس سے بات بھی کر لیتا۔ اور اس رویہ سے اس کو ہر ہر قدم پر چوٹ لگتی تھی۔ پھر اوپر سے جب بردا دیوی کے دوست احباب جوق در جوق اُن سے ہمدردی کرنے کے لئے جمع ہونے لگے تو پاریش بابو نے سوچا کہ اب ولتا کو وہاں سے نکال ہٹا دینا ہی ٹھیک ہے۔!

روانہ ہوتے وقت ولتا اپنی ماں کے پیر چھونے گئی۔ اور جب وہ کمرے سے باہر نکلی تب تک بردا دیوی اسی طرح آنکھوں میں آنسو بھرے، اس کی طرف سے منھ پھیرے بیٹھی رہیں ——— بونیہ در لیلے کے دل میں تو ولتا کی شادی میں شرکت کا بڑا شوق تھا، اگر ذرا بھی موقعہ ملتا تو کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ضرور پہونچتی لیکن ولتا جب اُن سے رخصت ہونے لگی تو انھیں برہمو سماج کی طرف اپنی شدید فرض کا خیال آیا اور دونوں لمبے منھ

بنا کر بیٹھ گئیں۔

دروازے پر لوتا کو سدھیر کا ہلکا سا سایہ دکھائی دیا لیکن اس کے پیچھے ہی کچھ بڑے بوڑھے بھی تھے۔ اس لئے وہ اس سے بات نہ کر سکی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے دیکھا کہ کاغذ میں لپٹی ہوئی کوئی چیز سیٹ کے ایک کونے میں رکھی ہے۔ کھول کر دیکھا تو جرمن سلور کا ایک پھول دان تھا۔ اس پر کھدا ہوا تھا "اس شادماں جوڑے پر خدا کی برکت ہو"——ساتھ ہی کارڈ لگا تھا جس میں سدھیر کے نام کا پہلا حرف لکھا تھا۔

اُس دن لوتا نے پکا ارادہ کیا تھا کہ روئے گی نہیں لیکن اپنے باپ کا گھر چھوڑتے وقت محبت کا یہ واحد تحفہ جو اس کو بچپن کے رفیق اور دوست کی طرف سے ملا تو وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکی۔ بے اختیار بہنے لگے۔ پارتیش بابو نے بھی سیٹ کے دوسرے کونے میں بیٹھے بیٹھے خاموشی سے اپنی آنکھیں پونچھیں۔

"آؤ بیٹی —— آؤ میری بچی —— اندر آجاؤ" آنندموئی اُسے دیکھ کر بڑے شوق کے ساتھ بڑھیں اور لوتا کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اُسے اندر کمرے میں لے گئیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ مدتوں سے اس کی منتظر تھیں۔!

پارتیش بابو نے سچاریتا کو بلایا اور بولے "بیٹی —— لوتا نے ہمارا گھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا" —— بولتے وقت اُن کی آواز کانپ رہی تھی۔! سچاریتا نے اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور جواب دیا "بابو جی۔ اس گھر میں بھی اُنس و محبت کی کوئی کمی نہ ہوگی۔"

جب پارتیش بابو چلنے لگے تو آنندموئی سر ڈھکے ہوئے اُن کے سامنے آئیں اور جھکیں۔ پارتیش بابو بھی کسی قدر گھبرا کر جھک گئے۔!

آنندموئی نے اُن کو تسلی دیتے ہوئے کہا "لوتا کے متعلق آپ ذرا بھی فکر نہ کیجئے گا بھائی —— آپ جس کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ دے رہے ہیں وہ کبھی اس کو کوئی دکھ

نہیں پہنچائے گا' ——— مجھے جس چیز کی اتنی مدتوں سے ضرورت تھی وہ، آخر کار خدا نے مجھ کو بخش دی۔ میری کوئی بیٹی نہیں تھی سو مل گئی۔ میں نے بہت دنوں تک اسی اُمید کو دل میں پالا ہے کہ بہو ہی میرے گھر میں بیٹی کی کمی کو پورا کرے گی۔ اور آخر کار خدا نے میری آرزو کو اس حیرت ناک طریقے سے پورا کیا۔ اور لڑکی بھی مجھے ایسی ملی کہ میں تو خواب میں بھی اپنے کو اتنا خوش قسمت نہیں سمجھتی تھی۔!'

اس وقت پہلی بار پاریش بابو کو سچ مچ تسلی ہوئی: لِتا کی شادی کی یہ گڑبڑ جس دن سے شروع ہوئی تھی اس دن سے لے کر آج تک ——— آخر دنیا میں کوئی ایک جگہ ایسی تھی جس کے متعلق ان کا دل مطمئن ہو سکتا تھا، جہاں سے ان کے پریشان ذہن کو سکون حاصل ہوا۔!

———

سترواں باب

جب سے گورا جیل سے چھوٹ کر آیا تھا، اتنے ملاقاتی روز اس کے گھر آنے لگے
کہ اُن سے بحث و مباحثہ کرتے وہ سانس لینے کی مہلت نہیں پاتا تھا۔ رفتہ رفتہ گھر میں رہنا
اُس کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا۔ اس لیے اس نے پہلے کی طرح دیہات میں جانا
شروع کر دیا

روز صبح ہی، کچھ تھوڑا بہت کھا پی کے وہ گھر سے نکل جاتا اور رات گئے لوٹتا۔ کلکتے
سے ریل میں بیٹھ کر وہ قریب ہی کے کسی اسٹیشن پر اُتر جاتا اور دیہات میں اِدھر اُدھر گھومتا۔
وہاں وہ کمہاروں، تیلیوں، اور دوسری نیچ ذات قوموں کا مہمان رہتا۔ ان دیہاتیوں کے
کچھ سمجھ میں نہ آتا کہ یہ لمبا چوڑا، گورا چٹا، نوجوان برہمن اُن سے کیوں ملتا ہے۔ ان کی
خوشیوں اور دکھوں کے متعلق پوچھ گچھ کیوں کرتا ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اکثر اِن لوگوں
کو گورا کی نیت پر طرح طرح کے شک و شبہے ہونے لگتے تھے لیکن گورا اُن کے ان
شکوک کی کچھ پروا نہ کرتا۔ وہ مزے سے ان کے درمیان ٹہلا کرتا۔ کبھی کبھار اُن کے
سست سخت فقرے اس کے کانوں تک بھی پڑ جاتے پر وہ ایک نہ سنتا۔

گورا جتنا ہی زیادہ ان لوگوں کی زندگیوں کو قریب سے دیکھتا اتنا ہی ایک خیال
بار بار اس کے دماغ میں آتا ——— وہ دیکھتا تھا کہ تعلیم یافتہ طبقے کے مقابلے میں ———
ان دیہاتیوں کو سماجی پابندیوں نے زیادہ شدت کے ساتھ جکڑ رکھا ہے۔ رات دن
سسک سسک کے جیسے چھوٹے چھوٹے، ریت رسموں میں ——— غرضیکہ ہر گھر کے
قدم قدم پر سو سو تنگی کی کڑیاں نظر پڑتی تھیں۔ ہر شخص نہایت سادگی کے ساتھ سماجی رواجوں کو

مانتا تھا۔ یہ تو کبھی ان کو خیال ہی نہیں آتا تھا کہ ان معاملات کے متعلق کبھی سوچیں سمجھیں
پوچھیں یا بحث کریں۔ لیکن سماج کے رواجوں اور روایتوں پر یہ کورانہ عقیدہ اُن کی
روزآنہ زندگی کی مشکلوں یا مسئلوں کو حل کرنے کے لئے اُن کو کچھ قوت بھی عطا کرے
ایسا بالکل نہیں تھا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ ان لوگوں کو دیکھ کر یہ خیال آتا تھا کہ دُنیا کے
پردے پر اس قسم کے بے حس جانور شاید ہی کہیں پائے جاتے ہوں جو، اتنے مجبور، اتنے
کمزور اور اپنے اچھے بُرے کو سمجھنے سے اس بری طرح قاصر ہوں! وہ بس رسموں اور
روایتوں کو مانتے چلے جا رہے تھے اور اس کے علاوہ وہ اس بات سے بالکل بے نیاز
تھے کہ اُن کی بہتری کی کیا صورتیں ہو سکتی ہیں۔ وہ یہ صورتیں اگر ان کو سمجھائی جاتی تھیں تو
سمجھنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ اُن کے نزدیک سماجی روک ٹوک، سزا اور ڈنڈے کی دھمکیاں
اور ذات برادری سے نکال دیے جانے کے تصورات ہی دنیا میں سب سے اہم چیز تھے
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی طبیعتیں سر سے پاؤں تک مختلف قسم کے زندہ بھتنے کے جال
میں پھنس گئی ہیں —— اور یہ ڈنڈے وہ ہیں جو سماجی قانون کو نہ ماننے سے بھگتنے پڑتے
ہیں —— اور یہ قانون وہ ہیں جو قدم قدم پر اُن سے کہتے ہیں کہ یہ نہ کرو۔ یہ جال
جو بادشاہ کے لگان کی طرح نہیں بلکہ ظالم سود خوار کے قرضے کی طرح اُنکے چاروں
طرف لپٹا ہوا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ امیر ہو یا غریب وہ ان رواجوں کے زیرِ اثر تھے اور
ہیں لیکن کوئی یہ دیکھے بغیر کیسے رہ سکتا تھا کہ رواج اور رسم کے اس ہتھیار کے ذریعہ
انسان انسان کا خون بھی چوس رہا ہے اور غریب کو نہایت ظالمانہ طریقے پر ادھ مُوا
بناتے ہوئے رہا ہے!

کتنی ہی بار اس کو یہ دکھائی دیا کہ کسی تقریب کے موقعہ پر کوئی کسی کو نہیں بخشتا۔
ایک غریب انسان تھا جس کا باپ بہت دنوں سے بیمار تھا۔ اُس کا تقریباً سارا روپیہ
باپ کے علاج دوا دارو اور پرہیزی کھانے میں صرف ہو چکا تھا۔ کسی نے اسکو ذرہ برابر

مدد تو دی نہیں بلکہ گاؤں کے لوگ اِس پر اصرار کر رہے تھے کہ باپ کی بیماری ضرور کسی انجانے باپ کی بھگتان ہے۔ لہٰذا وہ پرائشچت کی رسم ادا کرے اور اس پر اور زیادہ پیسے خرچ ہوں! اس بدبخت انسان کی مفلسی اور مجبوری کوئی چھپی بات نہ تھی لیکن اس پر رحم کسی نے نہ کھایا! تقریباً ہر سماجی رسم کے موقع پر یہی ہوتا تھا جس طرح کسی گاؤں میں ڈاکہ پڑ جائے تو ڈاکہ سے زیادہ پریشانی پولیس کی تفتیش سے ہوتی ہے۔ اسی طرح ماں باپ کے مرنے پر کریا کرم کے سلسلے میں جو مصیبت اٹھانی پڑتی ہے وہ ماں باپ کی موت سے بھی زیادہ شدید ہے۔ کسی قسم کی مجبوری یا غریبی کا عذر کوئی ہرگز نہیں مانتا۔ ایک ایک جھنجی کوڑی اٹھ جانے پر سوسائٹی کا جو روایتی حق ہے وہ ضرور ادا ہونا چاہیے۔ شادی ہو تو دولھا والے ہر ممکن کوشش کریں گے کہ دولہن والوں سے جتنا بنے اینٹھ لیں۔ اس بدبخت آدمی کے لئے ہمدردی کا شائبہ بھی کسی کے دل میں پیدا نہ ہوگا۔

گورا کو یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ ضرورت کے وقت سوسائٹی کسی کی کوئی مدد نہیں کرتی، کوئی مصیبت آ جائے تو اس کے دل کو تسلی یا بڑھاوا نہیں دیتی۔ صرف سزا کو سزائیں دیتی ہے، قدم قدم پر اس سے جواب طلب کرتی ہے اور اسے خاک میں ملا ڈالتی ہے۔

وہ جس تعلیم یافتہ طبقے میں رہنے جینے کا عادی تھا اس میں رہ کر وہ یہ تمام حقیقتیں بھول گیا تھا کیونکہ اس سوسائٹی میں عام مفاد کے لئے، تو پیدا کرنے کی قوت، باہم سے بھی کوئی جا سکتی تھی۔ اس سوسائٹی میں، مدد کے مختلف راستے آزمائے جا سکتے تھے، اختیار کئے جا سکتے تھے ــــــ اور اس صرف اس بات کا خطرہ تھا کہ یہ ساری کوششیں کہیں دوسروں کی تقلید کی شکل اختیار نہ کر جائیں اور اس طرح بیکار نہ ہو جائیں۔

لیکن گورا کو دیہات کی اس بے حس زندگی کے آئینہ میں اپنے ملک کی ننگی اور برہنہ تصویر دکھائی دیتی تھی، یہاں باہر سے جو حملے کئے جاتے وہ بھی کارگر نہ ہو سکتے تھے؛

کسی جگہ اس کو اس دھرم کی پرچھائیں بھی نہیں دکھائی دیتی تھی جو شرافت، محبت، رواداری، خودداری اور انسانوں کے لیے احترام کے جذبات سے تکمیل پا کر سب کو جولانیِ زندگی اور مسرت بخشتا ہے! ایسی روایات جو محض انسان کو مختلف فرقوں میں تقسیم کریں، جو محبت کو بھی دور ہٹا دیں وہ انسان کے عقل و خرد کے کارواں کو کیا آگے بڑھا سکتی تھیں، وہ تو صرف انسان کی رفتار میں روڑے ہی اٹکا سکتی تھیں۔

ان دیہات میں اس اندھی عقیدت مندی کے ایسے ذلیل اور ظالمانہ نتائج گورا نے دیکھے کہ اب اس کے لیے اپنی ذہن سے تخلیق کی ہوئی خوش فہمیوں کے جال میں پھنسا رہنا ناممکن ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ کس طرح یہ چیزیں انسان کی محنت اور کام عقل اور محبت اور سچے مذہبی اصولوں کو طرح طرح سے چوٹ پہنچاتی ہیں۔

سب سے پہلے اس نے یہ غور کیا کہ دیہات کے نیچ ذاتوں میں عورتوں کی تعداد کم ہونے کی بنا پر یا اور وجہوں کی بنا پر بیوی جب ہی حاصل کی جا سکتی تھی جب کافی روپیہ دیا جائے۔ بہت سے مرد زندگی بھر کنوارے بیٹھے رہ جاتے تھے بعض کافی پختہ عمر میں جا کر شادی کر پاتے تھے دوسری طرف بیواؤں کی شادی پر بڑی سختی سے پابندی تھی۔ اس وجہ سے برادری کے بہت سے گھروں میں مصیبتیں خراب تھیں۔ خفیہ بُرے تھے اور سب ہی کو پریشانی ہوتی تھی۔ اس بدبختی کا بھگتان سب کو بھگتنا پڑتا۔ لیکن کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کا علاج کیا ہے۔ وہی گورا جو تعلیم یافتہ لوگوں سے جھگڑتا تھا اور روایتوں کو ذرہ برابر چھوڑنے پر تیار نہ ہوتا تھا۔ اس نے یہاں دیہات میں رسموں پر ایک زبردست چوٹ کی۔ پنڈتوں سے بات چیت کر کے ان کو تو اس نے راضی کر لیا۔ لیکن خود عوام کو جو مصیبت میں تھے منا لینا اتنا آسان نہ تھا۔ الٹے وہ اس پر بگڑنے لگے اور چیخ چیخ کر بولے
"ہاں ہاں ——— یہ تو سب بہت ٹھیک ہے، پر تم برہمن لوگ پہلے اپنے یہاں

بیواؤں کی شادی کا رواج کیوں نہیں چلاتے ——— تم پہلے کرو تو ہم تمہارے پیچھے چلیں"۔ ———

اصل وجہ اُن کے غصّے کی اور یہ تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ چونکہ وہ نیچ ذات تھے اسلئے گورا کی اُن سے یہ کہنے کی ہمت ہوئی ——— برہمن تھا نہ، اُن کو ذلیل سمجھتا تھا۔ اس لئے یہ تصوّر کر سکتا تھا کہ وہ اخلاقی معیار سے گر سکتے ہیں۔!

دیہات میں اس طرح گھومتے ہوئے گورا نے ایک بات یہ بھی دیکھی کہ مسلمانوں میں کوئی بات ایسی تھی جو اُن کو متحد کر سکتی تھی۔ اس نے غور کر کے دیکھا تھا کہ گاؤں پر اگر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو جتنے مسلمان ہیں وہ ایک دوسرے سے اس طرح کاندھا ملا کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ہندو جیسا کبھی نہیں کرتے، اور وہ اکثر یہ سوچ کر تعجب کرتا کہ یہ دو قومیں ایک دوسرے سے اتنا قریب رہتی ہیں اور پھر بھی ان کی طبیعتوں میں یہ بنیادی فرق بڑا عجیب ہے۔

اس کی عقل اس سوال کا ایک جواب دیتی تھی۔ اس جواب کو وہ سچ نہیں ماننا چاہتا تھا لیکن اُسے بڑے دُکھ کے ساتھ یہ تسلیم کرنا پڑتا تھا کہ مسلمان صرف رسموں اور روایتوں کے ذریعے متحد نہیں تھے ——— یہ اُن کا مذہب تھا جو اُن میں ایسی یگانگت پیدا کرتا تھا۔ اُن کی رسمیں بھی ایسی تھیں کہ جو اُنکی تقریبوں کو محض فضول اور نقصان دہ نہیں بناتی تھی، اور پھر مذہب کا رشتہ تو سب کو ایک کئے ہی تھا۔ اس طرح متحد ہو کر انھوں نے گویا کچھ مثبت قدروں کو اپنا لیا تھا جو منفی عناصر کو پسپا کرتی رہتی تھیں؛ اس طرح ان کی کیفیت صرف قرضداروں کی نہیں بلکہ مالداروں کی تھی۔ اُن کے پاس کچھ ایسے ذرائع تھے کچھ ایسے تصوّرات تھے جن کی مدد سے انسان پل بھر کے اندر اُٹھ کھڑا ہو سکتا تھا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنی جان قربان کر دینے کی توفیق اپنے آپ میں پیدا کر سکتا تھا۔

اپنے تعلیم یافتہ فرقے کے لئے جب گور امضامین لکھتا تھا، یا بحث کرتا تھا، یا لیکچر دیتا تھا تو اس کا مقصد دوسروں پر اثر ڈالنا ہوتا تھا۔ لہٰذا فطری طور پر وہ اپنے تخیل کا زور اس میں شامل کر کے اپنے الفاظ سے رنگین مرقع تیار کرتا تھا، تاکہ اور لوگ بھی کھنچ کر اسی راہ پر آ سکیں! سیدھی سادی باتوں کو بھی وہ اس کی تشریحیں، اشارے اور کنائے نہ دیتی تھیں اور اپنے جذبات کی چاندنی سے وہ کھنڈروں کی بھی جو تصویر کشی کرتا تھا وہ نہایت دلکش ہوتی تھی۔ چونکہ ملک میں ایک ایسی قوم حکومت کر رہی تھی جو ملک کی دشمن تھی اور یہاں کی ہر چیز کو بُرا ثابت کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے اپنے وطن کی محبت میں سرشار ہو کر گورا رات دن اس کوشش میں لگا رہتا تھا کہ اپنے تا حد جذبات کی آڑ میں وہ سب کچھ چھپا لیا جائے جو اس کے محبوب وطن کی ذلت و خواری کا ذرہ برابر بھی سبب بن پا سکے۔

ایسا نہیں کہ وہ کسی وکیل کی طرح قدم قدم پر بے گناہی کا ثبوت دینا چاہتا رہا ہو، یا کوئی ایسی بات کہنا چاہتا ہو جو ایک نقطۂ نظر سے خوبی اور دوسرے سے خرابی ثابت ہو سکے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہتا تھا اس میں واقعی یقین اور ایمان رکھتا تھا۔ مشکل سے مشکل موقعوں پر بھی وہ اپنی جگہ تنا کھڑا رہتا اور اپنے اس عقیدے کو فخر سے بیان کرتا۔ ــــــ جیسے شدید دشمن کے مقابلے میں بھی کوئی فتح کا جھنڈا گاڑے رہے! اس کا دائمی مقولہ یہ تھا کہ سب سے پہلے ملک کے عوام میں حُب الوطن کا جذبہ بیدار ہونا چاہئے تب ہی کوئی دوسرا کام اُٹھایا جا سکتا ہے۔

لیکن دیہات میں جب وہ پہنچے تو اسے سامعین اور حریف نہیں ملے، وہاں اُسے بھلا کیا ثابت کرنا تھا۔ بحث و مباحثہ کر کے مخالف کو خاک میں ملانے، اُسے حقیر و ذلیل ثابت کرنے کا موقعہ کیا تھا۔! ــــــ اس لئے اب حقیقت کو دیکھنے

یہ سمجھنے یا پیش کرنے کے لیے تخیل یا رنگینی، یا اشاروں کنایوں، یا منطق اور دلیلوں کی کیا ضرورت تھی۔ ا

اس نے حقیقت دیکھی ——— سادی اور صاف حقیقت ——— اور اس کے دل میں اپنے وطن کی جو محبت تھی اس نے اس حقیقت کو اور بھی گہرائی اور بھی شدت کے ساتھ محسوس کروایا۔

———:(۱):———

اکہتّرواں باب

کمر میں شال لپیٹے، ٹسر ریشم کا کوٹ پہنے، ہاتھ میں کنوس کا تھیلا سنبھالے اس طرح کیلاش بابو ہری موہنی کے سامنے حاضر ہوتے، اور جھک کر اُن کو پرنام کیا۔ ان کی عمر کوئی پینتیس سال کی ہوگی۔ ناٹا قد، بھاری چہرہ، تنی ہوئی جلد ــــ ڈاڑھی کئی دن سے بڑھی ہوئی تھی، جیسے فصل کٹا کھیت۔!

ہری موہنی اتنے دنوں بعد اپنے سسرال کے ایک عزیز کو دیکھ کر پھولی نہیں سمائیں، خوش ہو کر بولیں "ارے، ارے ــــ یہ تو میرا لقا کوا آیو ہے۔ بیٹھو بیٹھو" ــــ جلدی سے انھوں نے چٹائی بچھائی، پانی کو پوچھا۔

"نہیں ــــ پانی نہیں پیوں گا" کیلاش نے جواب دیا، پھر بولے "آپ تو اچھی تندرست نظر آرہی ہیں"

"ارے ہاں" ہری موہنی نے ذرا بُرا مان کے جواب دیا۔ اُن کے خیال میں یہ زبردستی تھی کہ اُن کو تندرست کہا جاتے "یہ تم کیا کہتے ہو؟" ــــ پھر انھوں نے اپنی متعدد اور مختلف بیماریوں کی فہرست گنوانی شروع کی اور پھر بولیں "کاش کہ مجھے موت آجاتے تو اس کمبخت جسم سے میرا پیچھا چھوٹ جاتے"!

کیلاش بابو نے زندگی کی طرف اس نفرت کے رویہ پر اعتراض کیا۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ اگرچہ ان کے بھائی یعنی ہری موہنی کے شوہر زندہ نہیں تھے، مگر سب خاندان والوں کی خواہش تھی کہ کم از کم وہ ہی کافی عرصے تک سلامت رہیں ــــ لہٰذا وہ بولے "آپ کو ایسا نہیں کہنا چاہیے ــــ واہ ــــ اگر

آپ زندہ نہ ہوتیں تو میں اس وقت کلکتہ کیوں آتا؟ یہاں آپ کے گھر میں میرے لئے سر چھپانے کی تو جگہ ہے "______ گاؤں کے تمام پڑوسیوں اور رشتہ داروں اور اپنے گھر کی سب خیر خبر شروع سے آخر تک سنانے کے بعد کیلاش بابو نے یکایک چاروں طرف دیکھا "تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہے وہ گھر"

"ہاں" ہری موہنی نے جواب دیا۔

"مجھے تو یہ پکا گھر نظر آتا ہے"

"ارے پکا سا پکا! ایک ایک ذرہ اس کا پکا ہے" ہری موہنی نے زور زور سے کہا ______ وہ کیلاش کے شوق کو اور اکسانا چاہتی تھیں ______

کیلاش نے مخصوص طور پر یہ دیکھا کہ شہتیریں اصل سال کی لکڑی کی تھیں۔ اور دروازے کھڑکیاں بھی آم کے نہیں بلکہ کسی قیمتی لکڑی کے معلوم ہوتے تھے یہ بھی اُن کی نظر سے چھپا نہ رہ سکا کہ دوہری اینٹوں کی دیوار ہے یا ڈیوڑھی کی یہ بھی پوچھا کہ کوٹھے پر کتنے کمرے ہیں اور نیچے کتنے؛ ______ اور مجموعی طور پر وہ اپنے اس معائنہ سے بہت مطمئن ہو گئے۔ یہ تو اُن کے لئے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس طرح کے مکان بنانے میں کتنا روپیہ خرچ ہوا ہو گا کیونکہ اینٹ گارے اور اُن کی قیمت کے ماہر تو تھے نہیں، پھر بھی بیٹھے بیٹھے پیر کے انگوٹھے ہلا ہلا کے جو انھوں نے دل ہی دل میں حساب کتاب کیا تو اسی نتیجے پر پہونچے کہ پندرہ بیس ہزار کا ہو گا۔ مگر انھوں نے اس خیال کا اظہار نہیں کیا بلکہ کہنے لگے "کیوں بھائی آپ کا کیا خیال ہے، یہ مکان کوئی سات آٹھ ہزار کی مالیت کا تو ہو گا"

"ارے کیا کہتے ہو" ہری موہنی ان کی جہالت پر حیران رہ گئیں۔

صرف سات آٹھ ہزار! ارے ______ بیس ہزار سے ایک کوڑی کم نہیں لگی ہو گی اس میں"

کیلاش بابو نے پھر ہر چیز پر غور کی نظریں ڈالنی شروع کیں، ان کو اس بات سے بے حد اطمینان ہو رہا تھا کہ وہ بس سر ہلا کر "ہاں" کہیں گے۔ اور اس شاندار مکان کے 'مالک' جھپکنے میں ایک بن جائیں گے۔ کیا عمدہ مکان، ساگوان کی شہتیریں، ساکھو کے دروازے اور کھڑکیاں! ذرا دیر بعد "اچھا، یہ سب تو ٹھیک ہے ——— اور لڑکی۔؟"

"بھئی ——— اس کو یکایک، اس کی پھوپی کے یہاں سے بلاوا آ گیا سو دو چار دن کے لئے وہاں گئی ہے" ——— ہیری موہنی جلدی سے بولیں۔

"تو پھر میں اسے کیسے دیکھوں گا" کیلاش نے شکایت کے لہجے میں کہا "دو تین دن میں میرا ایک مقدمہ ہونے والا ہے۔ کل میرا روانہ ہونا ناضروری ہے۔"

"رہنے بھی دو، بھی نہ مقدمہ وقدمہ ——— تم یہاں سے اس کام کو جلد کئے بغیر نہیں جا سکتے۔"

کیلاش نے دل میں سوچا کہ اچھا اگر مقدمے کو جانے بھی دوں تو کیا ہو گا۔ زیادہ سے زیادہ یہی نہ کہ مجھ پر ڈگری ہو جائے گی ——— تو پھر کیا؟ ذرا یہاں اچھی طرح دیکھ بھال لوں تو ہو سکتا ہے تلافی کی صورت نکل ہی آئے۔

پھر یکایک ان کی نگاہیں ہیری موہنی کے کمرے کی طرف گئیں جہاں وہ پوجا کیا کرتی تھیں۔ وہاں ان کو ایک کونے میں تھوڑا سا پانی دکھائی دیا اس کمرے میں پانی کی نکاسی کے لئے کوئی موری وغیرہ نہیں تھی لیکن پھر بھی ہیری موہنی روز کمرے کے فرش کو پانی سے دھوتی تھیں جس کی وجہ سے کونے میں ہمیشہ تھوڑا سا پانی اکٹھا ہو جایا کرتا تھا۔ کیلاش بابو کافی پریشان ہو کر بولے "یہ تو ٹھیک نہیں ہے بھابی۔"

"کیوں؟ کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟"

"ارے یہ پانی جو اس کونے میں ہے۔ اس طرح پانی کا اکٹھا رہنا تو ٹھیک نہیں ہے"

"پھر میں کیا کر سکتی ہوں"

"نہیں نہیں، ایسا بالکل نہیں ہونا چاہئے۔ اس طرح تو فرش سڑ جائے گا۔ نہیں بھو جی، میں جو آپ سے کہتی ہوں اس کمرے میں پانی بالکل مت ڈالا کیجئے ــــ

ہری موہنی چپ ہو گئیں۔ پھر کیلاش بابو ان سے سجاریتا کی صورت شکل کے متعلق پوچھنے لگے۔

"اب تم دیکھو گے تو تمہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا" ہری موہنی نے جواب دیا۔ "میں تو بس اتنا ہی کہہ سکتی ہوں کہ ویسی صورت کی کوئی دلہن اب تک تمہارے خاندان میں تو آئی نہیں ہے۔"

"ارے یہ آپ کیا کہتی ہیں۔ ہمارے منجھلے بھیا کی بیوی ــ"

"اُوفوہ ــــ" ہری موہنی نے بیچ ہی میں سے بات کاٹ دی" اس کا اور ہماری سچاریتا کا کیا مقابلہ ــــ تم کچھ بھی کہو، پر منجھلے کی بیوی سے تو سنجھلے کی بیوی ہی اچھی ہے ــــ"

یہاں پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ منجھلے کی بیوی اور ہری موہنی سے کبھی نہیں پٹتی تھی اور ہری موہنی کو اس لئے نفرت تھی۔!

منجھلے اور سنجھلے بھائیوں کی بیویوں کے حسن کے موازنہ وغیرہ سے کیلاش کو کوئی خاص خوشی نہیں ہوئی ــــ لیکن انھوں نے اپنے تخیل میں ایک خاص شکل بنا لی ــــ بادام کی سی آنکھیں، ستواں ناک، ترچھی بھویں، کمر تک بال وغیرہ۔

ہری موہنی اپنی جگہ پر سوچ کر خوش ہو رہی تھیں کہ ہماری طرف سے سب معاملہ ٹھیک ہو گیا ہے۔ جو کچھ ذات پات، برادری، سماج وغیرہ کے جھگڑے پار کا ڈھیر تھیں ــــ حسن کا رسمی سے تعلق تھا ــــ وہ اب اتنی اہمیت حاصل نہیں کر سکتی تھیں۔!

بہترواں باب

ببوئے کو معلوم تھا کہ آج کل گورا بہت سویرے گھر سے نکل جاتا ہے۔ اس لئے سوموار کو پو پھٹنے سے بھی پہلے گورا کے گھر گیا اور سیدھا کوٹھے پر اس کی خواب گاہ میں پہنچا جب گورا وہاں نہیں ملا تو اس نے نوکر سے پوچھا اور اُسے بتایا گیا کہ پوجا کے کمرے میں پوجا کر رہا ہے۔ ببوئے کو یہ سُن کر ذرا تعجب ہوا۔ لیکن اس کمرے تک گیا تو گورا کو واقعی پوجا میں مصروف پایا ——— وہ ریشمی دھوتی باندھے تھا، ریشمی ہی چادر، لیکن اس کا بھاری جسم زیادہ تر ننگا تھا اور گوری جلد چمک رہی تھی، ——— ببوئے کو یہ دیکھ کر اور تعجب ہوا کہ واقعی گورا پوجا کر رہا تھا۔!

قدموں کی آہٹ سن کر گورا نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور ببوئے پر نظر پڑتے ہی پریشان سا ہو کر بولا "اس کمرے میں نہ آنا۔"

"ارے مت گھبراؤ بھائی ——— میں تو خود ہی نہیں آرہا ہوں ——— مگر ملنے تم ہی سے آیا ہوں۔"!

تب گورا باہر آمد ہوا، کپڑے بدلے، اور ببوئے کو ساتھ لے کر کوٹھے پر گیا۔ جب دونوں بیٹھ گئے تو ببوئے نے کہا "بھائی گورا ——— تمھیں معلوم ہے آج سوموار ہے۔"!

"ہاں ہاں آج سوموار تو ہے ہی" گورا ہنسنے لگا "کیلنڈر تو کوئی غلطی کرنے سے رہا۔ اور جہاں تک تمھارا سوال ہے تم تو آج کے دن کے متعلق کوئی غلط اندازہ کر ہی نہیں سکتے ہو ——— بہرحال آج منگل تو ہے نہیں، اس کا تو یقین ہے۔"!

اب بنوئے نے بھکنے لہجے میں کہنا شروع کیا "میں جانتا ہوں کہ تم غالباً آؤ گے نہیں لیکن تم کو کم از کم ایک بار بھوت دیئے بغیر، تم سے کہے بغیر میں یہ قدم نہیں اٹھا سکتا یہی وجہ ہے کہ آج اتنی صبح تمھارے یہاں آیا ہوں" ——

گورا نے کوئی جواب نہیں دیا —— خاموش بیٹھا رہا۔

بنوئے نے پھر پوچھا "تو یہ بات بالکل طے ہے کہ تم میری شادی میں شریک نہیں ہو سکو گے۔؟"

"نہیں —— بنوئے —— میں نہیں آسکوں گا۔"

بنوئے چپ ہو گیا۔ اور گورا نے دل کے درد کو چھپا کے ایک قہقہہ لگایا "بھئی میرے جانے یا نہ جانے سے ایسا کیا فرق پڑتا ہے۔ آخر کامیاب اور فتحمند تو تمہیں رہے، جو ماں کو وہاں گھسیٹ لے گئے۔ میں نے تو اپنے امکان میں پوری کوشش کی کہ وہ وہاں نہ جائیں، پر میں انھیں روک نہیں سکا۔ اس لئے اپنی خود کی ماں کے معاملے میں مجھے تمھارے ہاتھوں شکست کھانی پڑی۔ نقشے پر جتنے ملک ہیں رفتہ رفتہ سُرخ رنگ میں رنگتے جا رہے ہیں بنوئے —— اب وہ دن دُور نہیں کہ اپنے نقشے پر میں بالکل اکیلا رہ جاؤں گا۔"

"نہیں بھائی، مجھ پر خواہ مخواہ الزام نہ لگاؤ —— میں نے تو ماں سے بار بار کہا کہ میری شادی میں ان کے آنے کی ضرورت نہیں ہے، پر وہ کہنے لگیں کہ دیکھ بنوئے جو تیری شادی میں نہیں آئیں گے وہ تو بلاوا دینے پر بھی نہیں آئیں گے۔ اور جو آنے والے ہیں وہ بغیر بلائے بھی پہونچ جائیں گے، اس لئے تو چپ چاپ رہ —— تم کہتے ہو کہ تمھیں میرے ہاتھوں شکست ہوئی ہے۔ گورا سچ پوچھو تو ایک نہیں ہزار بار اگر تم کو واقعی کسی کے ہاتھوں شکست ہوئی ہے تو وہ تمھاری ماں ہیں —— آہ! بھلا ایسی ماں کسے کہاں مل سکتی ہے۔"

اگرچہ گورا نے بہت کوشش کی کہ آنند موئی بنوئے کی شادی میں نہ جائیں۔ لیکن سچ بات تو یہ ہے کہ جب آنند موئی نے گورا کے غصّے یا ناراضگی کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کی اور چلی گئیں تو گورا کو ایک گونہ خوشی ہوئی! گورا کو یقین تھا کہ اس کے اور بنوئے کے درمیان خلیج کتنی ہی چوڑی ہو جائے لیکن بنوئے اس کی ماں کی بے حساب اور آبِ حیات سی محبت سے کبھی محروم نہ تھا! چاہے جس طرح اور جس قدر وہ بنوئے سے الگ ہو جائے مگر ماں کے اس امرت پیار کا ناتہ اتنا مضبوط تھا کہ یہ زندگی بھر کے دونوں ساتھی ہمیشہ ایک دوسرے سے بندھے رہیں گے۔!

"اچھا تو میں چلوں بھائی ——" بنوئے اٹھ کھڑا ہوا "اگر تمھارے لئے آنا اتنا ہی ناممکن ہے تو پھر میں امید نہیں لگاتا کہ تم آؤ گے لیکن دیکھو اپنے دل میں میری طرف سے رنج نہ اٹھانا، ناراض نہ ہونا —— اگر تم سمجھ سکتے کہ اس شادی سے میری زندگی کا کتنا بڑا مقصد پورا ہوا ہے تو تم اس شادی کو ہماری دوستی ٹوٹنے کا سبب نہ جانتے۔ یہ میں تمھیں یقین سے بتا سکتا ہوں —— اور وہ چلنے کو مڑا ——

گورا نے اصرار کرنا شروع کیا" ارے بیٹھو بھئی —— بیٹھو نہ بنوئے —— آخر وہ مبارک گھڑی تو رات کو آئے گی —— اتنی جلدی تم کو کہاں جانے کی پڑی ہے؟"

چپ چاپ بیٹھ گیا۔ اس غیر متوقع، اور محبت سے بھری درخواست پر بنوئے کا دل بھر آیا۔

آج پھر بہت دنوں بعد، دونوں گذرے زمانے کی طرح، گھل مل کر بات کرنے لگے، گورا نے وہی سُریلا اور میٹھا راگ چھیڑ دیا جو بنوئے کے سازِ دل سے گونج رہا تھا اور بنوئے مسلسل باتیں کرنے لگا۔ کتنے ہی معمولی معمولی اور چھوٹے چھوٹے واقعات اس نے بیان کئے۔ اگر ان ہی واقعات کو سیاہی اور قلم سے الفاظ میں لکھ جاتا تو کیسے بیکار سے لگتے بلکہ بعض بعض تو مضحکہ خیز بھی معلوم ہوتے۔ لیکن اس کے بیان سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے

بار بار سنی ہوئی کوئی عظیم نظم موسیقی کے ساتھ پھر سے سنائی جارہی ہے اور اُس کی مٹھاس رگ وپے میں سمائی جارہی ہے۔ ننو سے کے دل میں جو حیرتناک اور حسین ناٹک کھیلا جارہا تھا۔ اس کو وہ اتنی خوبصورت اور کامیاب زبان میں بیان کررہا تھا کہ اثر کی گہرائی اور بھرپور حسن نے اس کو بے انتہا لطیف بنادیا تھا۔! کیا تھا اس کی زندگی کا یہ مثال تجربہ؟ یہ ناقابل بیان جذبات واحساسات جو اس کے دل پر چھا گئے تھے۔ کیا سب کو یوں ہی محسوس ہوتا ہوگا؟ کیا ہر شخص اس کی گہرائیوں، اس کی پہنائیوں کا اندازہ کرسکتا تھا؟ خود ننو سے کو جو یقین تھا کہ دنیا کی معمولی سوسائٹی میں، عورت مرد کے معمولی رشتے میں، نا ممکن تھا کہ اس نغمۂ بلند کا آہنگ پیدا ہوسکے۔ ــــــ اس بات میں بھی شبہ تھا کہ جو کچھ اس پر گزر رہی تھی وہ اس سے پہلے بھی کسی پر گزری ہوگی؟ اگر ایسے تجربات دنیا میں عام ہو جاتے تو پھر پورا انسانی سماج، نئی زندگی کی حرارت اور حرکت سے بیقرار ہو اٹھتا۔ جیسے بہار کے جھونکوں سے سب دشت ودمن میں پات ہرے ہو جاتے ہیں، سب کلیاں شگفتہ ہوتی ہیں، سب پھول ہنسنے لگتے ہیں! پھر لوگوں کی زندگیاں محض کھانے پینے اور سونے سے اُکتا دینے والے پروگراموں میں اُلجھ کر کتنی ٹھٹھری رہ جاتیں۔ تب تو جو کچھ حسن ورعنائی اس عالم موجودات میں ہے وہ سب کی سب بے نقاب ہو جاتی، اور چاروں طرف حسن ورنگ بکھر جاتا۔ یہی تو وہ جادو کی چھڑی تھی جس کے اثر سے کوئی بے نیاز یا بے حس نہیں رہ سکتا تھا۔ اسی کے زور سے تو معمولی انسان بھی غیر معمولی بن سکتے تھے۔ اور ایک بار جس نے اس شاذونادر حاصل ہونے والے تجربے کا مزہ چکھا تو سمجھئے کہ اس نے زندگی کی صداقت کا واقعی عرفان حاصل کرلیا۔

ننو سے ایک دیوانگی کے عالم میں کہے جارہا تھا "گورا ــــــ میں تمہیں یقین دلا سکتا ہوں کہ ایک پل کے اندر انسان کی تمام فطرت کو جگا دینے کا واحد ذریعہ یہی محبت ہے!۔ اس کا سبب کیا ہے۔ یہ کوئی اہم بات نہیں۔ اس میں بھی شک نہیں کہ ہم اس محبت کے اظہار میں

بھی بہت ہی کمزور واقع ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم سب اپنے آپ کو پہچاننے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ——— ہم جانتے ہی نہیں کہ ہم میں کیسے احساسات چھپے ہوئے ہیں، دل میں جو کچھ خزانہ ہے اس کو لوٹنا ہمیں نہیں آتا۔ ——— یہی وجہ ہے کہ ہماری دنیا میں مسرت کی اتنی کمی ہے، ہمارا ماحول اسقدر روکھا اور اتنا بے جان ہے! ——— یہ اصل بات ہے۔ اب تمہارے ایسے دو چار آدمی ہوں گے مگر زیادہ تر لوگ یہ نہیں جانتے کہ ہم میں کتنی عظیم قوت چھپی ہوتی ہے جسے روح کہتے ہیں، معمولی سمجھ کے لوگ تو اس حقیقت کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں گورا۔۔۔۔۔"

بنوئے کے جوش کا یہ دھارا نہ جانے کب تک چلتا لیکن قریب ہی سے موہم دادا کے زور سے جمائی لینے کی آواز آئی ——— اور وہ دھارا رک گیا! موہم دادا چارپائی سے اٹھ کر منہ دھونے چلے گئے ——— بنوئے اٹھا اور گورا کو خدا حافظ کہہ کر رخصت ہو گیا۔

گورا نے ایک گہری سانس بھری اور چھت کے کنارے جا کے کھڑا ہو گیا ——— صبح کی نئی نئی کرنیں آسمان کو چاروں طرف سے گلابی کئے دے رہی تھیں۔ بڑی دیر تک وہ چھت پر ادھر ادھر ٹہلتا رہا، اور آج وہ معمول کے خلاف دیہات بھی نہیں گیا۔

اس روز گورا کو اپنے دل پر ایک ایسا بوجھ اور ساتھ ہی دل میں ایک ایسا خلا محسوس ہو رہا تھا جو کسی طرح کے کام سے نہیں بھر سکتا تھا۔ اُسے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ صرف اس کا اپنا وجود ہی نہیں بلکہ اس کی منزل، اس کی محنت، اس کی لگن ——— سب اس کے سامنے بھیک کا ہاتھ پھیلائے ہیں ——— روشنی لاؤ ——— نور لاؤ ——— تابناک اور حسین روشنی کہیں سے لاؤ ——— لاؤ ——— ایسا لگتا تھا کہ سب سامان تیار ہے، اب ہیروں موتیوں کی بھی کوئی قیمت نہیں، لوہا اور سیسہ بھی ہاتھ آ چکے ہیں۔ بس ایک کمی ہے۔ صبح کی وہ نرم اور دلکش روشنی کہاں ہے؟ وہ اُمید دلانے والا، وہ تسلی دینے والا نور کدھر ہے؟ ——— کدھر ہے! ——— جو کچھ ہمارے پاس ہوتا ہے اس کی مقدار

بڑھانے میں تو کوئی ایسی محنت نہیں ہوتی البتہ اس کی روشنی اور اس کی تابناکی اور اس کی جلد پوری
طرح سے ہو جائے یہ سوال ہوتا ہے۔!

جب ہنوئے نے کہا تھا بعض مبارک لمحے انسان کی زندگی میں ایسے بھی آتے ہیں جب
محبت کی چھاؤں میں پناہ لینی پڑتی ہے اور ایک غیر معمولی اور ناقابلِ بیان تجربہ ہماری زندگیوں
پر نور کی بارش کرتا ہے ــــــ تو گورا پہلے کی طرح ہنس کر اس بات کو ٹال نہیں سکا! اسے
یہ تسلیم کرنا پڑا کہ یہ دو روحوں کا معمولی ملاپ نہیں یہ تو مقصدِ حیات ہے ــــــ ایک ایسا
رشتہ ہے جس سے بھرپور ہو کر ہر چیز کی وقعت بڑھتی ہے، خیالات صورت پذیر ہوتے ہیں
جسم میں نئی زندگی سما جاتی ہے، صرف یہی نہیں کہ یہ جسم و ذہن کی قوت کو دونا کرتی ہے اور تسلسل
کو قائم رکھتی ہے بلکہ یہ زندگی کو وہ رنگینی عطا کرتی ہے کہ جس کے بغیر حیات پھیکی ہے۔!

آج ہنوئے اپنے آپ کو سماج سے کاٹ کر الگ کر رہا تھا لیکن یہ کیسی عجیب بات
تھی کہ آج اس کی باتوں سے گورا کے دل میں بھی جیسے موسیقی کے سب بے داغ سُر جاگ پڑیں!

ہنوئے خود تو چلا گیا پر جوں جوں دن چڑھتا گیا گورا کے ذہن پر یہ موسیقی تیز تر اثر
کرتی گئی جس طرح دو دریا ایک ہی سمندر میں گرنے کے لئے رواں ہوں اور رستے میں ایک
دوسرے سے مل جائیں اسی طرح ہنوئے اور گورا کی محبتوں کے دھارے آج پھر مل گئے تھے
لہر پر لہر گورا کے دل میں اٹھتی بھی اور گرتی بھی!۔ گورا نے اپنی سی تو بہت کوشش کی تھی کہ
وہ اس تند دھارے کو اپنے آپ سے بھی چھپائے؛ طرح طرح کی ترکیبیں کیں کہ کمزور پڑ جائے
رک جائے، دب جائے، کم از کم نظروں سے اوجھل ہی ہو جائے؛ پر آج وہ دریا کنارے توڑ کر
اُمڈ پڑا تھا ــــــ اب وہ صاف نظر آ رہا تھا! ہاں وہی تھا! غلطی کا کوئی امکان نہیں!
آج گورا کی مجال نہ تھی کہ وہ اُسے برا بھلا کہہ سکتا، بیجا کہہ سکتا، اُسے حقارت کی نظر سے
دیکھ سکتا۔!

سارا دن انھیں خیالات کے پیچ و تاب میں گزرا۔ آخر جب شام کی جلی روشنی بھی جھٹپٹے کے

دُھندلکے کو جگہ دینے لگی تو گورا نے کھونٹی پر سے شال کھینچ کر اُتاری اور اسے کندھوں پر لپیٹے ہوئے باہر نکل آیا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ جو میرا ہے میں اس پر اپنا حق جتا کر رہوں گا۔ ورنہ دُنیا میں میرا وجود بیکار ہے!

گورا کے ذہن میں ذرا بھی شک نہیں تھا کہ دُنیا بھر میں سچاریتا ایک واحد ہستی جو اس کی صدا کے انتظار میں ہے۔ اور اس نے اس شام فیصلہ کیا کہ وہ اس صدا کو مکمل کر دے گا —— انتہا تک پہونچا دے گا!

گورا کلکتہ کی شور و غل بھری ہوئی گلیوں سے گذر رہا تھا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ نہ اُسے کسی چیز نے چھوا نہ کسی انسان نے؛ اس کا ذہن اس درجہ ایک ہی خیال میں کھویا ہوا تھا کہ جسم سے بالکل الگ ہو چکا تھا، دور کہیں پہونچ چکا تھا۔ آخر جب سچاریتا کا گھر آ گیا تو گورا کو یکایک ہوش آیا۔ اب تک کبھی اس گھر کا دروازہ اُسے بند نہیں ملا تھا مگر آج نہ صرف یہ کہ وہ بند تھا بلکہ اُس نے ہلکے سے دھکیلا تو پتہ چلا کہ اندر سے چٹخنی بھی لگی ہوئی ہے۔ کچھ دیر وہ پس و پیش میں کھڑا رہا۔ پھر ایک دو بار اس نے زور سے دستک دی —— دو تین بار کے بعد ایک نوکر نکلا اور ڈھلتی ہوئی روشنی میں گورا کو غور کر کے پہچاننے کے بعد بغیر پوچھے بولا "سچاریتا بی بی تو گھر پر نہیں ہیں!"

"کہاں گئی ہیں" —— گورا نے پوچھا۔

اس کو بتایا گیا کہ وہ للتا کی شادی کی تیاری کے سلسلے میں دو تین دن سے کہیں گئی ہیں؛ ایک پل کے لئے تو گورا نے یہ بالکل فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ بھی بنوئے کی شادی میں چلا جائے لیکن ابھی وہ ہچکچا ہی رہا تھا کہ ایک اجنبی دروازہ بجانے والا اندر سے نکلے اور پوچھنے لگے "کہئے جناب کیا بات ہے؟ کیا چاہئے؟"

گورا نے اُن کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور بولا "کچھ نہیں —— شکریہ۔"

"تو اندر تو آئیے۔ کچھ دیر بیٹھئے تو حقہ تو پیتے جائیے" کیلاش بابو نے اصرار کیا۔

بات یہ تھی کہ کیلاش بابو یہاں کسی دوست کی کمی کو بیحد محسوس کر رہے تھے، کوئی اتنا بھی نہیں تھا جس سے ذرا دیر بات چیت کرتے، ورنہ انھیں ایسا لگ رہا تھا کہ اگر کوئی آجاتا، کچھ بات چیت کرتا تو جی ذرا ہلکا ہو جاتا۔ دن تو انھوں نے کسی نہ کسی طرح گذار لیا تھا، حقہ ہاتھ میں لے کر گلی کے نکڑ پر جا کھڑے ہوتے تھے اور بڑی سڑک پر آنے جانے والوں کو دیکھتے رہتے تھے لیکن شام کو جب گھر واپس آنا پڑا تو مارے بوریت کے وہ مر گئے! ہری موہنی سے تو جو باتیں ہونی تھیں وہ سب ہو چکی تھیں، اس کے علاوہ ہری موہنی کے بات چیت کے موضوعات نہایت محدود تھے۔ اس لئے کیلاش بابو نے دروازے کے پاس والے کمرے میں اپنا پلنگ بچھا لیا تھا اور حقہ ہاتھ میں لئے، وقت گذاری کے لئے، نوکر سے بات چیت کرتے رہے۔ "جی شکریہ ——— اب میں نہیں ٹھہر سکتا" گورا نے کہا اور کیلاش بابو مزید اصرار کرنے ہی والے تھے کہ وہ گلی کے نکڑ تک پہونچ گیا۔

گورا کو پختہ یقین تھا کہ اس کی زندگی میں ہونے والے زیادہ تر واقعات محض اتفاقات نہیں ہیں، اور نہ اس کی اپنی خواہش کے نتائج ہیں بلکہ اس کے مالک تقدیر کے مقرر ہوئے کسی خاص مطلب اور مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ اس لئے اپنی زندگی کے معمولی واقعات جو اس کے لئے خاص اہمیت رکھتے تھے۔ اور آج جب اپنے آپ میں اتنی شدید خواہش ہوتے ہوئے بھی اس نے سچریتا کا دروازہ اپنے واسطے بند پایا، اور یہ سنا کہ سچاریتا گھر میں موجود نہیں ہے، تو وہ پوری طرح قائل ہو گیا کہ اس کی امیدوں میں جو یہ اڑچن پیدا ہوئی اس کی کوئی خاص داخلی اور گہری وجہ تھی۔ اس کا خدا جو اس کے ہر قدم کا رہبر تھا ——— گورا پر اپنی ناپسندیدگی اس طرح ظاہر کر رہا تھا۔ اب صاف ظاہر تھا کہ زندگی میں یہ دروازہ اس کے لئے بند ہو چکا تھا۔ سچاریتا اس کو نہیں مل سکتی تھی! پھر گورا جیسے انسان کے لئے، ہی آرزوؤں کے خون ہو جانے سے رک جانے کا کوئی سوال ہی نہیں

تہتروّاں باب

سجاریتا نے اتنے دن ہری موہنی کا جبر برداشت کیا تھا کہ چند روز آنند موئی کے ساتھ رہ کر اس کا دل بالکل ہلکا ہوگیا۔ اُسے اپنی پوری زندگی میں ایسا تجربہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ آنند موئی نے اتنے فطری طریقے پر سچاریتا کو اپنی طرف کھینچا کہ سچ ریتا کو یہ محسوس کرنے میں ذرا بھی مشکل نہیں ہوئی کہ جیسے وہ ہمیشہ سے اس کو جانتی تھی، جیسے اس میں اور اُن میں کبھی کوئی دوری تھی ہی نہیں۔ نہ جانے کیسے آنند موئی اس کے دل کی ہر بات جان جاتی تھیں اور بات کئے بغیر ہی اس کو اطمینان اور سکون بخش دیا کرتی تھیں۔ اس سے پہلے کبھی سچاریتا نے اتنے دل سے لفظ "ماں" نہیں کہا تھا ———— اب تو وہ بات بات پر ماں کہتی، جہاں ضرورت بھی نہ ہوتی وہاں بھی اس عذر نکال کر کہتی ————

جب لولتا کی شادی کا سب کام پورا ہوچکا اور وہ تھکی ہاری پلنگ پر لیٹی تو صرف ایک ہی خیال بار بار اس کے ذہن میں چکر لگاتا تھا کہ وہ آنند موئی سے کس طرح الگ ہوگی یہاں تک کہ وہ اپنے آپ بڑبڑانے لگی "ماں ———— ماں ———— ماں" اور کہتے وقت اس کا دل اتنا بھر آیا کہ آنسو بے اختیار بہنے لگے ———— اور پھر اس نے دیکھا کہ آنند موئی خود اس کے پاس کھڑی ہیں، ———— انھوں نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور بولیں "بیٹی، کیا تم نے مجھے آواز دی؟"

تب سچاریتا پر حقیقت کھلی کہ وہ کتنی زور سے "ماں، ماں" کہہ رہی تھی، ———— وہ آنند موئی کے سوال کا جواب نہ دے سکی بلکہ اُن کی گود میں اپنا منھ چھپا کے پھوٹ پھوٹ رونے لگی ———— آنند موئی صرف اس کا سر سہلا کر اس کو تسکین دینے کی کوشش کرتی رہیں۔

منھ سے ایک لفظ نہیں کہا۔

بس مان آنند موئی نے سچاریتا کو اپنے ہی بستر پر، اپنے پاس سُلایا؛

بنوئے کی شادی کے فوراً ہی بعد آنند موئی جانا نہیں چاہتی تھیں۔ کہنے لگیں "ابھی یہ دونوں بالکل نرسیکھے، اناڑی ہیں! ذرا ان کی گرہستی ٹھیک سے چلنے لگے تب تو میں جاؤں ورنہ کیسے جاؤں؟"

"تو ماں ـــــ میں بھی تمھارے ساتھ یہاں کچھ دن اور رہ جاؤں گی" سچاریتا نے کہا۔

"ہاں ماں ـــــ سوچی دیدی ہم لوگوں کے ساتھ کچھ دن اور رہیں" لولتا نے بڑے شوق سے کہا۔

ستیش اس تجویز کو سُن کر ناچنے لگا اور سچاریتا کے گلے میں باہیں ڈال کر بولا "ہاں دیدی، پھر میں بھی رہ جاؤں گا"

"پر تمھیں تو اپنی پڑھائی کرنی ہے میاں گُنر گُنر" سچاریتا نے اعتراض کیا۔

"لیکن بنوئے بابو یہاں مجھ کو پڑھا دیں گے" ستیش نے احتجاج کیا۔

"بنوئے بابو تمھیں یہاں نہیں پڑھا سکتے" سچاریتا نے کہا۔

"پڑھا سکتا ہوں" بنوئے نے دوسرے کمرے سے چیخ کر کہا۔

"اب ایک دن میں، ایسا تو نہیں کھو جاؤں گا کہ اتنے سالوں، راتوں رات بیٹھ کر جو لکھا پڑھا ہے وہ سب بھول جاؤں؟"

"پر تمھاری خالہ اجازت دیں گی؟" آنند موئی نے پوچھا۔

"میں انھیں پرچہ بھیج دوں گی" سچاریتا نے جواب دیا۔

"نہیں تم نہ لکھنا ـــــ میں لکھوں گی" ـــــ آنند موئی نے تجویز کی۔

آنند موئی دیکھ رہی تھیں کہ اگر سچاریتا خود اپنی خالہ کو لکھے گی کہ اور ٹھہرنا چاہتی ہے تو ضرور

ان کو بُرا لگے گا۔ لیکن اگر وہ لکھیں گی تو سارا غصّہ ان پر اُترے گا۔ سچاریتا بچ جائے گی۔!

چنانچہ انھوں نے ہری موہنی کو خط لکھا کہ گھر گرہستی کو جمانے کے لئے انھیں چند دن اور یہاں رہنا ہوگا اور اگر وہ سچاریتا کو بھی ٹھہرنے کی اجازت دے دیں تو بہت بڑی مدد ہو جائے۔!

ہری موہنی کو یہ خط ملا تو غصّہ تو ان کو آیا ہی مگر ساتھ ہی ان کو کچھ اور شکوک بھی ہونے لگے۔ انھوں نے سوچا کہ گورا کا آنا جانا بند کر دیا گیا تو اب اس کی ماں سچاریتا کو پھنسانے کے لئے یہ جال پھیلا رہی ہیں ـــــ ہری موہنی کو صاف دکھائی دے رہا تھا کہ ماں بیٹے مل کر سازش کر رہے ہیں۔ اور انھیں خیال آیا کہ آنند موئی تو شروع دن ہی سے ان کو بُری لگی تھیں اور وہ سمجھ گئیں کہ کیسی چال باز عورت ہیں۔!

کاش کہ وہ بحفاظت سچاریتا کو رائے خاندان میں بیاہ دیں تو ایک بڑا بوجھ سر سے اتر جاتا بھلا کیلاش یا اس جیسا اور کوئی آدمی کہاں تک منتظر رکھے جا سکتے تھا ـــــ بیچارہ رات دن حقّے کا دھواں نکال نکال زندگی کالی کر رہا تھا۔!

جس دن یہ خط ملا۔ اس کی صبح ہی کو ہری موہنی پالکی میں بیٹھ ایک نوکر کو ساتھ لے کر بنوئے کے گھر پہونچیں ـــــ وہاں دیکھ کہ نیچے والے کمرے میں سچاریتا، لولتا اور آنند موئی مل کر کھانا پکانے کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ اوپر کی منزل سے ستیش کی زور دار آواز آ رہی تھی۔ وہ انگریزی کے الفاظ کے ہجے کر کر کے اُن کے بنگالی معنی اس طرح دُہرا رہا تھا کہ اڑوس پڑوس سب گونج رہا تھا۔ گھر پہ جب وہ پڑھتا تھا تو اس کی آواز اتنی اونچی نہیں ہوتی تھی لیکن یہاں تو اُسے یہ ثابت کرنا تھا کہ اس کے سبق ٹھیک چل رہے ہیں اور وہ اپنی پڑھائی سے لاپرواہی نہیں برت رہا ہے۔ اس لئے اگر آواز ضرورت سے زیادہ بلند نہ کرتا تو یہ ثابت کیسے ہوتا۔

آنند موئی نے بڑے شوق سے ہری موہنی کو اُتارا لیکن ہری موہنی نے اپنی اخلاق کی

طرف ہرگز کوئی دھیان نہ دیا، اور بغیر کسی تمہید کے سچاریتا سے مخاطب ہوگئیں "میں ماں دھارانی کو لینے آئی ہوں"

"اچھی بات ہے، لے جائیے گا، پر ذرا دیر بیٹھئے تو سہی" آنند موئی نے کہا۔

"جی نہیں بس شکریہ! ابھی مجھے اپنی ساری پوجا کرنی پڑی ہے، سویرے کی پوجا بھی پوری نہیں ہوئی، مجھے فوراً ہی گھر لوٹنا ہے"

سچاریتا کدو کاٹ رہی تھی ــــــ اس کو ایک طرف رکھ کر بولی "ادھر آئیے خالہ" پالکی کی طرف جاتے ہوئے وہ اپنی خالہ کا ہاتھ پکڑ کر پاس کے کمرے میں لے گئی اور بولی "دیکھئے چونکہ آپ خود مجھے لینے آئی ہیں۔ اس لئے اب سب کے سامنے میں آپ کو خالی ہاتھ تو لوٹاؤں گی نہیں۔ میں گھر چل رہی ہوں۔ مگر آج ہی دوپہر کو یہاں پھر واپس آجاؤں گی"

"لو اور سنو" ہری موہنی عاجز آکر چیخیں "پھر یہ کیوں نہیں کہتی ہو کہ ہمیشہ کے لئے یہاں آگئی ہو"

"یہی تو ساری مشکل ہے کہ میں ہمیشہ کے لئے یہاں نہیں رہ سکتی۔ اس لئے جب تک میں ان کے ساتھ رہ سکوں۔ اس وقت تک ضرور رہنا چاہتی ہوں"

اس بات پر ہری موہنی کو طیش تو بہت آیا لیکن جواب کے لئے موقعہ مناسب نہ سمجھ کر خون کا گھونٹ پی کر رہ گئیں۔

سچاریتا باہر آتے ہوئے آنند موئی سے مسکرا کر بولیں "اچھا تو ماں، میں ذرا ایک گھنٹے کے لئے باہر جا رہی ہوں ــــــ ابھی آجاؤں گی"

"اچھا بیٹی" آنند موئی نے جواب دیا۔ اس کے آگے کچھ نہیں پوچھا۔

سچاریتا نے جھک کر پھر لولتا کے کان میں کھسر پھسر کی "دوپہر تک آجاؤں گی"

"ستیش؟" سچاریتا نے پالکی کے پاس کھڑے ہوکر سوالیہ انداز میں ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔

"نہیں ــــــ ستیش کو رہنے دو" ہری موہنی نے کہا۔ وہ جانتی تھیں کہ ستیش گھر پہنچ کر ضرور

بچھ گڑبڑ کرے گا اس سے تو وہ دور ہی رہے تو اچھا ہے۔

جب دونوں خالہ بھانجیاں بحفاظت تمام پالکی کے اندر بیٹھ گئیں تو ہری موہنی نے اپنا موضوع خاص چھیڑنے کی کوشش شروع کی۔ "گہری سانس لے کر بولیں "چلو لولتا کی تو شادی ہو ہی گئی پاریش بابو بچارے اب اپنی بیک لڑکی کی فکر سے تو بچے"۔۔۔۔۔۔ اور ان الفاظ کو تمہید بنا کر وہ تفصیل سے بتانے لگیں کہ گھر میں کنواری لڑکی کا بیٹھ رہنا کس قدر بوجھ ہوتا ہے اور وہ اپنے سرپرستوں کے لئے کس قدر پریشانی کا باعث ہوتی ہے وغیرہ"۔

"اب میں کیا تم سے کہوں بیٹی مجھے تو اللہ کوئی فکر نہیں سوائے اس کے' بھگوان کا نام لیتے وقت بھی خیال میرے دماغ پر چھایا رہتا ہے۔ میں تم سے سچ کہتی ہوں کہ پہلے کی سی یکسوئی کے ساتھ میں پوجا بھی نہیں کر سکتی۔ بس یہی کہتی رہتی ہوں کہ بھگوان تو نے مجھ سے سب کچھ لے لیا تو پھر اب مجھے پھنسانے کے لئے یہ نت نیا جنجال تو نے کیوں پھیلایا ہے"۔

وہ ایسا کام کر رہی تھیں کہ سچاریتا کی فکر نہ صرف ان کی ایک بہت بڑی دنیوی پریشانی تھی۔ بلکہ یہ چیز ان کی نجات کے واسطے راستے میں بھی خلل انداز ہو رہی تھی۔ لیکن اتنی بڑی مصیبت سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ آخر سچاریتا کا اصل خیال کیا تھا لیکن "الخاموشی نیم رضا" کی کہاوت کو سوچ کر انھوں نے یہ معنی نکالے کہ ان کی بات کامیاب ہو رہی تھی اور ان کا شکار کچھ کچھ تو پھنستا ہی جا رہا ہے۔!

اب ہری موہنی نے اشارۃً یہ کہنا شروع کیا کہ انھوں نے ہندو سوسائٹی کے ایک بڑے خاندان کے دروازے کس آسانی کے ساتھ سچاریتا جیسی لڑکی کے لئے کھول دیئے تھے اور اس خوش اسلوبی کے ساتھ سارا معاملہ ٹھیک ٹھاک کیا تھا کہ اگر ان برہمنوں کے یہاں بھی کھانا ہو تو سچاریتا سب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا سکتی ہے اور مجال ہے کسی کی جو دوا نگلی بھی اٹھا جائے۔!

بات چیت یہاں تک پہونچی تھی کہ پالکی گھر کے دروازے پر پہونچ گئی۔ دونوں اُتر

کو ٹھے پر جا ہی رہی تھیں کہ سچاریتا کی نظر ڈیوڑھی کے پاس والے کمرے پر گئی' ـــــ جہاں نوکر کسی اجنبی صاحب کے جسم پر تیل مل رہا تھا جو نہانے سے پہلے ملا جاتا ہے۔ اُن صاحب نے سچاریتا کو دیکھا مگر ذرا بھی نہ شرمائے بلکہ عجیب طرح سے اس کو گھور گھور کر تکنے لگے۔! اوپر پہونچ کر ہری موہنی نے بتایا کہ اُن کے دیور آئے ہوئے ہیں اور جو کچھ باتیں ہو چکی تھیں، اُن کے پس منظر میں سچاریتا فوراً سمجھ گئی کہ معاملہ کیا ہے۔! ہری موہنی نے اس خیال کا اظہار کیا کہ چونکہ گھر میں ایک مہمان آئے ہوئے ہیں اس لئے سچاریتا کا دوپہر کو ہی چلا جانا نہایت نامناسب ہو گا لیکن سچاریتا نے زور سے سر کو جھٹکا دیا اور انکار کرتے ہوئے تیز آواز میں بولی "نہیں خالہ' مجھے تو جانا ہی ہے"۔

"اچھی بات ہے تو آج کم از کم رُک جاؤ ـــــ کل چلی جانا"۔

"میں نہا دھو کر بابو جی کے یہاں جاؤں گی۔ اُن ہی کے ساتھ کھانا کھاؤں گی' اور وہیں سے لولتا کے گھر چلی جاؤں گی"۔ ہری موہنی کو صاف بات کہنی ہی پڑی۔

"مجھے دیکھ کر وہ کیا کریں گے'" ـــــ "بیکلہ بالکل" سچاریتا نے کسی قدر شرما کے کہا۔

"لو اور سنو" ہری موہنی چیخنے لگیں "آج کل دیکھے بغیر کون رشتہ ناتہ کرتا ہے؟ ہمارے زمانے میں بات الگ تھی' تمھارے خالو نے تو مجھ کو سہاگ رات میں پہلی بار دیکھا تھا" ـــــ اور اس طرح اشاروں، اشاروں میں اصل موضوع چھیڑنے کے بعد وہ اپنی شادی کی تفصیلیں بیان کرنے لگیں ـــــ کس طرح نسبت کا ذکر کرتے ہی رائے کے خاندان کے دو بہت بڑے لوگ نئی پگڑی باندھے' ڈنڈے سنبھالے' لڑکی دیکھنے آتے تھے' پھر بتانے لگیں کہ اُن کے ماں باپ کتنے خوش ہوتے تھے اور رائے خاندان کے اِن دو نمائندوں کے استقبال کے لئے گھر میں کیا کیا

تیاریاں کی گئی تھیں پھر، ایک لمبی، ٹھنڈی سانس لے کر بولیں "آج کل تو ہر بات ہی نرالی ہے۔"

"پھر ذرا دیر رُک کر انھوں نے ایک اشارہ چھوڑا۔ تمھیں زیادہ پریشانی کی تھوڑا ہی ضرورت ہے۔ پانچ منٹ اُن سے مل لو اور بس۔"

"جی نہیں" سچاریتا نے سختی سے انکار کر دیا۔

ہری موہنی اس "نہیں" کے زور پر حیران رہ گئیں۔ بولیں "اچھا خیر اگر نہ بھی اپنے کو دکھاؤ تو کوئی حرج نہیں ہے، ——— آخر تم دونوں کے ملنے کی ایسی کوئی خاص ضرورت ہے بھی نہیں۔ پھر بھی کیلاش آج کل کا پڑھا لکھا نوجوان ہے، نہ اس لئے اس نے کہا تھا کہ میں دلہن کو اپنی آنکھ سے دیکھنا چاہتا ہوں ——— اور تم چونکہ باہر نکلتی ہی ہو سب سے ملتی جلتی ہی ہو، تو میں نے سوچا کہ کوئی مشکل نہیں ہوگی اور میں تم دونوں کی کسی دن ملاقات کرا دوں گی لیکن اگر تم شرماتی ہو تو جانے دو۔ اگر وہ نہیں بھی تم کو دیکھے گا تو کیا ہے۔"

پھر وہ بیان کرنے لگیں کیلاش کی تعلیم کس قدر عمدہ ہوئی ہے، ایک بار قلم ہلا کر اُس نے پوسٹ ماسٹر کو پھنسا مارا تھا۔ آس پاس کے گاؤں میں بھی لوگوں کا معاملہ مقدمہ ہوتا تھا کوئی درخواست لکھوانی ہوتی تھی، تو پہلے کیلاش سے صلاح لئے بغیر لوگ ایک قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ اور اس کے کیرکٹر اور عادت طبیعت وغیرہ کی تو بات کرنا بالکل ہی غیر ضروری تھی، بیچارہ اپنی پہلی بیوی کے مرنے کے بعد شادی ہی نہیں کر رہا تھا، دوستوں رشتہ داروں کے کہنے کے باوجود وہ اپنے گرووؤں کی بات پر قائم تھا۔ ہری موہنی نے کتنی کتنی کوشش کی تب تو وہ اس رشتہ کی بات بھی سننے پر تیار ہوا، ورنہ بھلا وہ کیا خاطر میں لاتا۔ اتنا اونچا خاندان ہے، سوسائٹی میں اتنی عزت ہے وغیرہ۔

بہر حال سچاریتا کو مطلق یہ شوق نہ تھا کہ اس کی وجہ سے کیلاش بابو اپنی اونچائی گھٹائیں، آخر وہ اتنی خود غرض تو تھی نہیں! واقعہ تو یہ تھا کہ اگر ہندو سوسائٹی میں اس کے لئے کوئی جگہ

نہیں نکل سکتی تھی تو اس کو کوئی خواہش نہیں تھی کہ خواہ مخواہ وہ ہندو سوسائٹی میں گڑبڑ پیدا کرے۔ اس بیوقوف لڑکی کے یہ سمجھ ہی میں نہیں آرہا تھا کہ کیلاش کو شادی پر راضی کر لینا نہایت فخر کی بات تھی! اور وہ تھی کہ اسے اپنی ہتک سمجھ رہی تھی! آج کل کے زمانے کے یہ انقلابات! اوہ! ہری موہنی کو ان باتوں پر طیش آرہا تھا۔

اسی کھسیاہٹ میں وہ گورا کے متعلق طرح طرح کے طعنے تشنے بکنے لگیں۔ "اتنا اپنے آپ کو بنا تا ہے، پر سوسائٹی میں اس کی وقعت کیا ہے۔ بڑا ہندو بنا پھرتا ہے۔ میں پوچھتی ہوں اس کی عزت کون کرتا ہے؟ ابھی لالچ میں آ کر کسی مالدار برہمو لڑکی سے شادی رچالے تب میں دیکھوں گی۔ برادری کی لعن طعن سے کون اس کو بچاتا ہے؟ سارا دبدبہ تو لوگوں کے منہ بند کرنے ہی میں اڑ جاتے گا! ہونہہ —— وغیرہ وغیرہ

"آپ ایسی باتیں تو بیکار ہی کے لئے کر رہی ہیں خالہ" سچاریتا نے بہت ضبط سے کام لے کر سنجیدگی سے کہا۔ "آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ آپ جو کچھ کہہ رہی ہیں وہ بالکل بے بنیاد ہے۔"

اب اس عمر میں کوئی مجھ کو بیوقوف بنالے یہ تو نہیں ہو سکتا" ہری موہنی نے پھنکار کر جواب دیا۔

"میں اپنے آنکھ کان کھلے رکھتی ہوں —— غیرت کے مارے کچھ نہ بولوں وہ دوسری بات ہے۔"

پھر انھوں نے اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ گورا اپنی ماں کے ساتھ مل کر سازش کر رہا ہے کہ سچاریتا سے شادی کرے اور اس شادی میں نیت بھی اس کی صاف نہیں ہے اور یہ کہ اگر انھوں نے بروقت سچاریتا کی شادی راتے خاندان میں کر کے اس کو بچایا نہیں تو یقیناً گورا کی سازش کامیاب ہو جاتے گی۔

اب یہ بات سچاریتا کی برداشت سے بھی باہر ہو گئی۔ اس طرح صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا

چیخ کر بولی "آپ جن لوگوں کی بات کر رہی ہیں اُن کی میں عزت کرتی ہوں، اور چونکہ آپ اُن لوگوں کے اور میرے رشتے کو بالکل سمجھنے کے لائق نہیں ہیں اس لئے میرے واسطے ایک ہی راستہ اب رہ گیا ہے کہ میں یہاں سے بالکل دفان ہو جاؤں۔ جب آپ کو ذرا سمجھ آجائے گی اور میں آپ کے ساتھ اکیلی رہ سکوں گی، تب ہی میں واپس آؤں گی" ہری موہنی اپنی جگہ اڑی رہیں۔ لیکن اگر تمھاری کوئی رجحان گورموہن کی طرف نہیں ہے تم اس سے شادی بھی نہیں کرو گی تو اس شوہر میں تمھیں کیا خرابی نظر آتی ہے۔ زندگی بھر کنواری تو رہو گی نہیں؟ ——

"کیوں نہیں رہوں گی؟ —— میں کبھی شادی نہیں کروں گی۔"

ہری موہنی کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں! "تو کیا بڑھاپے تک یوں ہی......"

"ہاں ہاں —— مرنے تک یوں ہی رہوں گی۔"

——————

چوہتّرواں باب

گورا اس دن بڑے شوق اور اضطراب کے عالم میں سچاریتا سے ملنے گیا تھا اور اُس وقت وہ گھر پر نہیں تھی۔ اس بات سے گورا کے ذہن میں ایک تبدیلی آنی شروع ہوئی۔ اُس نے سوچا کہ اس کے دل و دماغ پر جو سچاریتا کا اتنا اثر بڑھتا جا رہا تھا، اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ ان لوگوں سے بہت گھلتا ملتا جا رہا تھا اور اسی طرح بغیر جانے بوجھے ایک الجھن کی کیفیت میں وہ پھنس گیا۔ وہ اپنے آپ میں اتنا کھو گیا کہ اپنی حدیں بھی بھول گیا، بیشک اس نے وہ تمام روک ٹوک توڑ دیے جو ملک کے رسم و رواج نے قائم کیے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اگر لوگ اپنی جائزہ میں نہ رہیں تو خود اپنے آپ کو بھی نقصان پہنچا جاتے ہیں چاہے جان بوجھ کر اور چاہے انجان بنے میں اور پھر دوسروں کے لئے پُرخلوص طور پر فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتے۔ بہت سے طرح طرح کے لوگوں سے یہی انجام ہو سکتا ہے کہ کس قسم کے جذبات اور احساسات اتنے بڑھ جاتے ہیں، اور اتنے مضبوط ہوتے جاتے ہیں کہ ہماری عقل و ایمان کی قوتیں گھلنے لگتی ہیں۔

صرف برہمو سماج کی لڑکیوں سے ملنے کے بعد ہی گورا کو یہ احساس نہیں ہوا تھا بلکہ اُسے یہ محسوس ہوتا تھا کہ عوام سے ملنے کے بعد بھی اس کو یوں ہی معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی زنجیر میں پھنس گیا ہے۔ ہر ہر قدم پر اُس کے دل میں ایک خدشہ سا اٹھتا تھا کہ یہ بات بُری ہے اور وہ بات بُری ہے، یہ خرابی ہے اور یہ کمی ہے اور ایسے دُور ہو جانے چاہئے وغیرہ۔ لیکن کیا یہ واقعہ نہیں تھا کہ اس طرح کے احساس نے اس کی عقل پر اثر کیا تھا، بُرے اور بھلے کی تمیز کو گڑبڑا دیا تھا؟ جتنا ہی زیادہ

ہمارے دل میں درد اٹھتا ہے اتنا ہی ہم حقیقت کو اس کے اصل رُوپ میں دیکھنے کی صلاحیت کھوتے جاتے ہیں۔ جس طرح دھوئیں کی آڑ میں جلتی ہوئی آگ تک چھپ جاتی ہے۔ اس لئے ہی تو ہمارے مُلک میں ہمیشہ سے یہ دستور رہا کہ جو سب کے خیر خواہ تھے، وہ ہر ایک سے دامن بچائے رہتے تھے۔ یہ خیال بالکل بے بُنیاد ہے کہ راجہ اگر پرجا سے گھُل مِل جائے تو وہ ان کے لئے نہایت مفید ہو سکتا ہے۔ وہ عقل سے کام لینے والا حاکم جو اپنی رعایا سے ایک خاص قسم کے تعلقات رکھتا ہے، اُن سے گھُلنے ملنے کے بعد اپنی خاص جگہ کھو بیٹھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پرجا بھی اپنے محبُوب رجاؤں کو ہمیشہ اپنے سے تھوڑی دُور پر رکھتی ہے اور یہی دُوری اس کا ہال کئے رہتی ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر بادشاہ سے یارانہ ہو جائے تو پھر اُس کے وجود کا اصلی سبب ہی ختم ہو جاتے ہیں۔"

برہمن کو بھی یہ دُوری، یہ علیحدگی قائم رکھنی چاہیئے ——— وہ برہمن جو عام لوگوں کے چکر میں پھنس جاتا ہے اور لین دین کی گندگی میں اُلجھ جاتا ہے جو رُوپے کے لالچ میں شودروں کی رسّی کا پھندا گلے میں ڈال لیتا ہے۔ اور نگا کے مر جاتا ہے۔ اس کے تصوّر سے گورا کو نفرت تھی، وہ اُسے زندہ نہیں بلکہ ایک مُردہ چیز جانتا تھا۔ شودروں سے بھی بدتر، کیونکہ وہ کم از کم اپنی ذات برادری کے اصولوں سے تو وفاداری برتتے تھے۔ لیکن ایسے تو برہمنیت ہی کو بار چکی تھی پھر اس سے زیادہ گندہ کون ہو سکتا تھا۔!

آج پھر گورا اُن منتروں کی طرف دل و جان سے متوجہ ہونا چاہتا تھا جو برہمنوں کے اصول تھے اور زندگی بخش تھے ——— اس نے اپنے آپ سے کہا میں یوسریٹا کی سطح پر کبھی نہیں اتروں گا۔ میرے لئے رفاقت کی ضرورت کیا! میرا شمار اُن لوگوں میں نہیں جو عورت کے پیار کو مٹھائی سمجھ کر چکھتے ہیں۔ میرے لئے اِن معمولی لوگوں

سے رشتہ ایک قابلِ حقارت چیز ہے، جس طرح پیاسی زمین آسمان کی طرف اُمید کی نظر لگائے رہتی ہے اسی طرح لوگ برہمن کی طرف اُمید کی نظر اٹھائے رہتے ہیں۔ اگر میں اُن سے بالکل نزدیک ہو جاؤں تو پھر انھیں زندگی کون بخشے، آبِ رحمت کون برسائے "

اَب سے پہلے گورا نے کبھی دیوتاؤں کی پُوجا کی طرف کوئی خاص دھیان نہیں دیا تھا، لیکن اب اس پریشانی اور اضطراب کے عالم میں اُس سے رہا نہیں گیا کام اب اس کو کھوکھلا لگتا تھا، زندگی آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی معلوم ہوتی ہے اس لئے وہ پُوجا کو بھی آزما دیکھنا چاہتا تھا، وہ چُپ چاپ مورتی کے سامنے بیٹھے گا، اور اپنے ذہن کو صرف اسی پر مرکوز کر دینے کی کوشش کرے گا؟ لیکن اس کوشش کے باوجود بھی دل میں اصل خضوع وخشوع کے ذرہ برابر آثار پیدا نہیں ہوئے۔!

وہ بحث و مباحثہ کر کے خدا کے وجود کو ثابت کر سکتا تھا لیکن کسی اشتعارے کے بغیر اور کسی تشبیہہ کے بغیر وہ اس کے خیال کو واقعی کوئی صُورت نہیں دے سکتا تھا اور تشبیہوں اور استعاروں سے بھلا خضوع وخشوع کب ہاتھ آسکتا تھا۔ منطق سے اور عبادت سے بھلا کیا تعلق! اب گورا کو یہ پتہ چلا کہ بحث کرتے وقت اس کے دماغ میں زیادہ جوش اور زیادہ رُوحانی قوت ہوتی تھی لیکن مندر میں پُوجا کرتے وقت وہ بات نہیں ہوتی تھی؛ پھر بھی اس نے ہمّت نہیں ہاری۔ وہ روزہ شاستروں کے مطابق پُوجا کرتا اور اپنے دل کو تسلّی دیتا کہ اگر انسان جذبات اور احساسات میں اور دل سے متحد نہیں ہو سکتا تو کم از کم ان قاعدوں اور رسموں کے ذریعہ تو ہو ہی سکتا ہے!۔

جب وہ کسی گاؤں میں پہونچتا تو سب سے پہلے وہاں کے مندر میں جاتا،

وہاں دھیان لگا کے بیٹھتا اور سوچتا کہ اس کا اصلی مقام یہی ہے ——— ایک طرف بھگوان، ایک طرف اس کا بھگت اور ان دونوں کے درمیان برہمیت کی روح! رفتہ رفتہ گوتم پر یہ حقیقت کھلی کہ برہمن کے لئے اس طرح عقیدت مندی کی کوئی حاجت نہیں یہ عقیدت تو عام لوگوں کے لئے ہیں، اصل میں بھگت کو جو چیز اس کے دھرم سے متحد کرتی ہے۔ وہ علم و عرفان ہے۔ یہی ان کو آپس میں متحد بھی کرتی ہے اور ایک دوسرے کے درمیان فیصلہ بھی قائم رکھتی ہے! اگر بھگت اور بھگوان میں علم و عرفان کا یہ فیصلہ نہ ہو تو سب نظامِ کائنات درہم برہم ہو جائیں۔ بس یہ عقیدت کی چیزیں خود برہمن کے لئے کوئی پُر لطف بات نہیں ہو سکتی لہٰذا اس کو تو عقل کی میراث پر بیٹھنا چاہیے۔ سب سے الگ تھلگ ——— اپنا در حقیقت کے رازوں کو دریافت کرنا چاہیے اور پھر اس حاصل کی ہوئی عقل و علم سے عوام کو فیضیاب کرنا چاہیے۔!

جس طرح دنیا میں رہ کر برہمن کو کبھی چین نصیب نہیں ہو سکتا اسی طرح پوجا وغیرہ کی عیاشی بھی برہمن کا حصہ نہیں بن سکتی ——— یہی اس کی عظمت ہے۔ دنیا میں رہ کر اصولوں اور قاعدوں کی پابندی یہ برہمن کی تقدیر ہے۔ اور مذہب کا جہاں تک سوال ہے کشف کی تلاش، عرفان کی تفتیش یہ اس کی منزل ہے۔!

چونکہ گوتم کا دل اس پر پسیج پاتا چلا جا رہا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے دل کو یہ سزا دی کہ سب چیزوں سے تعلق توڑ کے منہ کر دیا۔ خواہش کو مار دے دیا۔ یہ سب نکلا دے کہیں مجرم سیدھے ہوتے ہیں! ایسا کون سپاہی ملے گا جو فرض کی ادائگی اس طرح کر سکے۔!

پچھتّرواں باب

گورا کی پرائشچت کی رسم کی تیاری گنگا کے کنارے ایک باغ میں ہو رہی تھی۔ ابھناش کو اس بات کا افسوس تھا کہ جگہ جو انتخاب کی گئی تھی وہ شہر سے کافی دور تھی۔ اس لئے لوگ بڑی تعداد میں وہاں پہونچ نہیں سکیں گے۔ وہ جانتا تھا کہ خود گورا کو پرائشچت کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی —— ضرورت تو تھی اس کے ملک کو اور ہموطنوں کو، تاکہ اُن پر اخلاقی اثر پڑ سکے، اس لئے اس کا خیال تھا کہ ایک ہجوم کے سامنے رسم ادا ہونی چاہیے۔ گورا اس کی اجازت ہی نہیں دیتا تھا کیونکہ منتر پڑھنے کے لئے وہ جتنا بڑا ہون کرنا چاہتا تھا اتنی بڑی آگ بیچ کلکتے میں جلائی جانی بڑی مشکل تھی۔ اس کے لئے تو جنگل کا ہی پڑوس ٹھیک تھا گنگا کے سنسان کناروں کے پاس ہون کے سامنے۔ ویدک منتروں کو پڑھتے ہوئے گورا قدیم بھارت ماتا کی رُوح کو بیدار کرے گا —— قدیم بھارت ماتا ہندوستان جس نے دنیا بھر کو تعلیم دی تھی —— اور پھر گورا نہا دھوکر، پاک صاف ہوکر بھارت ماتا سے دُعا کرے گا کہ وہ اس کو ایک نئی زندگی میں قدم رکھنے کی توفیق عطا کرے! —— اس کو اس سے کیا لینا تھا کہ لوگوں کے اخلاق پر اثر پڑتا ہے کہ نہیں پڑتا۔!

لیکن ابھناش کی ڈھنڈورچی طبیعت کو بھلا کیسے چین پڑتا، —— اس نے پریس کا سہارا لیا اور گورا کو بتائے بغیر اس نے اس ہونے والی رسم کی خبر تمام اخباروں کو بھیج دی۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس نے بڑے بڑے آرٹیکل بھی

لکھ مارے جن میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ گورا کا سا پاک و پاکیزہ اور بہ خصوص جوشیلا برہمن کسی طرح کی گندگی سے آلودہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ مگر پھر بھی اس نے بچے گرے ہوئے ہندوستان کے گناہوں کی تلافی کرنے کے لئے، پورے ملک کی طرف سے پرائشچت کی یہ رسم ادا کرنا منظور کیا تھا۔ ابھناش نے لکھا "ہمارا ملک اپنے گناہوں کے بدلے میں آج بدیسی حکومت کی زنجیروں کو بھگت رہا ہے۔ اسی وجہ سے گورموہن بابو کو بھی اس زندگی میں قید ہونا پڑا۔ اور وہاں کی بیڑیاں ہتکڑیاں سہنی پڑیں۔ اور جس طرح سے وہ اپنے ملک کے غم میں شریک ہیں اور اپنے ملک والوں کے گناہوں کے بدلے پرائشچت کر رہے ہیں۔ اسی طرح بنگالی بھائیو! ہندوستان کے لاکھوں سپوتو! تم کو بھی کرنا چاہیئے وغیرہ وغیرہ۔

گورا نے یہ سب پڑھا تو بے حد ناراض ہوا، مگر ابھناش کو کسی طرح نہیں روکا جا سکتا تھا! یہاں تک کہ گورا نے اس کو برا بھلا کہا۔ تب بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ وہ تو اور خوش ہوا۔۔۔۔ اس کا خیال تھا کہ اس کا گرو ہمیشہ ایک عظیم سطح سے بات کو سوچتا ہے، ظاہر ہے وہ ان دنیاوی باتوں میں کیوں الجھنا پسند کرے گا، لہٰذا یہ سب اس کو برا تو لگے ہی گا!۔۔۔۔ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ سورگ میں رہنے والے نارد نے اپنے وینا کے سحر انگیز نغموں سے وشنو کو ایسا پگھلایا کہ وہ گنگا کو تخلیق کرنے پر تیار ہو گئے لیکن زمین کے انسانوں کی اس دنیا میں گنگا کو بہانے والا تو، جہنو بھگیرت ہی تھا! سورگ کے رہنے والوں کا یہ کام تھوڑا ہی ہے! یہ دو کام بالکل الگ الگ ہیں!۔۔۔۔ اس لئے جب کبھی گورا ابھناش کے اس ڈھول پیٹنے پر بگڑتا تو ابھناش ہنس ہنس کر چپ رہ جاتا اور پہلے سے بھی زیادہ گورا کو ماننے لگتا۔ دل میں کہتا جیسے ہمارے گرو کی صورت شیو سے ملتی ہے، اسی طرح خیالات میں بھی

زور سے بولے۔

جب انھیں یہ پتہ چلا کہ وہ پوجا کر رہا ہے تب تو وہ اور بھی چونکتے ہوئے اور سیدھے مندر کے دروازے پر جا کھڑے ہو گئے۔

وہاں انھوں نے دیکھا کہ گورا واقعی پوجا کر رہا ہے؛ باہر ہی سے انھوں نے آواز دی۔

"گورا"

گورا باپ کو دیکھ کر حیران ہو کے اٹھ کھڑا ہوا۔

کرشن دیال نے اپنے کمرے میں اپنے پوجا کی خاص مورتی رکھی تھی۔ [illegible] کا خاندان ویشنیوں کا تھا لیکن وہ شکتی کی پوجا کرنے لگے تھے۔ اس لیے بہت دنوں سے گھر والوں کے ساتھ وہ پوجا میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ انھوں نے [illegible] گورا کو [illegible] "تم [illegible] وہاں سے نکلو" اور جب گورا باہر نکل آیا تو بولے "آخر اس کا مطلب کیا ہے؟ تم یہاں اندر کیا کر رہے ہو؟"

گورا نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ شکایت کے لہجے میں کہنے لگے "پوجا برہمنوں کا کام ہے، وہی روزانہ کی سب رسمیں ادا کرتے ہیں، پورے خاندان کی طرف سے وہ پوجا کرتے ہیں! تمھیں ان سب باتوں سے کیا مطلب"

"لیکن اس میں حرج کیا ہے؟" گورا نے کہا۔

"حرج! ----- ایسا ویسا حرج! کیا مطلب ہے تمھارا! ----- حرج ہے! بالکل ہے! جن لوگوں کو یہ سب کچھ کرنے کا حق نہیں وہ [illegible] اڑاتے ہیں۔ میں تم سے کہتا ہوں یہ جرم ہے، اپرادھ ہے ----- [illegible] کے ہی لیے نہیں، سارے خاندان کے لیے برا ہے یہ -----"

"اگر آپ اس نقطۂ نظر سے کہہ رہے ہیں کہ صرف ایمان اور اعتقاد والے

ہی پوجا کریں تب تو بہت ہی کم لوگوں کو پوجا کرنے کا حق ہے۔ لیکن کیا آپ مجھ سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے پنڈت رام ہری جو کر سکتے ہیں وہ کرنے کا مجھے حق نہیں ہے؟" گورا نے جواب دیا۔

کرشن دیال جی یہ یک لاجواب ہو گئے۔ ذرا دیر چپ رہے پھر بولے "دیکھو رام ہری کی ذات کا تو پیشہ ہی پوجا کرنا ہے۔ ان کے پیشے کو دیکھتے دیوتا ان کے نزدیک یہ سب کوئی پاپ نہیں۔ کیونکہ اگر اس پر اعتراض کیا جانے لگے تو یہ پیشہ ہی ختم ہو جائے۔ اور سماج کا کام پھر کیسے چلے؟ لیکن تمہارے پاس کیا عذر ہے؟ تم نے اس گھر میں کیوں قدم رکھا؟"

کرشن دیال جی کہنا چاہتے تھے کہ گورا جیسے براہمن کے لئے پوجا کے کمرے میں جانا غلطی تھی ...... وہ تو اسی طرح کی باتیں کرتے ہی رہتے تھے سبب وہ منطق اور دلیلیں۔ سب ان کے ساتھ چل نہیں سکتی تھیں! گورا چپ رہا۔ کرشن دیال نے پھر کہنا شروع کیا "اور میں نے ایک اور بات بھی سنی ہے گورا؟ — کیا یہ صحیح ہے کہ تم نے پرائشچت کی رسم میں بہت سے پنڈتوں کو شریک ہونے کے لئے دعوت دی ہے۔

"جی ہاں" گورا نے اقرار کیا۔

"جب تک میں زندہ ہوں کبھی اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا!"
کرشن دیال نہ جانے کیوں جوش میں بھر کر چیخنے لگے۔

"کیوں"؟ گورا نے پوچھا

"کیوں؟ پھر وہی کیوں؟ ارے میں نے اس دن تم سے نہیں کہا تھا کہ ہم پرائشچت کی رسم ادا نہیں کر سکتے؟"

"جی ہاں آپ نے کہا تو ضرور تھا مگر کوئی وجہ تو آپ نے نہیں بتائی تھی؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وجہ بتانے کی ضرورت کیا ہے۔ ! ہم تمھارے بزرگ ہیں، ہم نے تمھیں پڑھایا لکھایا ہے، ہماری بات کا تو کچھ خیال ہو ——— یہ مانی بات ہے یا نہیں کہ ہماری اجازت کے بغیر تم کسی مذہبی رسم میں حصّہ نہیں لے سکتے۔ شاید تمھیں وہ رسمیں یاد ہوں جو بزرگوں کے لئے ادا کی جاتی ہیں"۔

"مگر میرے لئے اُن کو ادا کرنے میں کیا رکاوٹ ہے" گورا نے حیران ہو کر پوچھا
کرشن دیال غصیلی آواز میں بولے "تمھارے لئے بالکل ناممکن ہے، میں ہرگز تمھیں اجازت نہیں دے سکتا کہ تم اُن رسموں کو پورا کرو"۔

گورا کے دل کو چوٹ تو بہت سخت لگی مگر بڑے تحمّل سے کام لے کر سنجیدگی سے بولا "دیکھئے ——— یہ میرا اپنا معاملہ ہے، یہ پرائشچت میں، اپنے آپ کو پوتر کرنے کے لئے کر رہا ہوں، آپ بیکار اس کے متعلق کیوں بحث کر رہے ہیں، کیوں اپنے آپ کو پریشان کر رہے ہیں ———"

"دیکھو گورا۔ بات کو مانا کرو۔ ہر موقعے پر بحث و مباحثہ صحیح نہیں ہوا کرتا۔ اس بات میں منطق دلیل اور حجت کا کوئی دخل نہیں ہے، بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو ابھی تمھاری سمجھ میں نہیں آ سکتیں۔ میں ایک بار پھر تم سے کہتا ہوں کہ تم جو یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ تم ہندو مذہب میں شامل ہو گئے ہو یہ تمھاری بھول ہے ——— بالکل غلطی پر ہو تم ——— کیونکہ یہ تمھارے بس سے باہر کی بات ہے، تمھاری رگوں میں خون کا ہر قطرہ، سر سے پاؤں تک تمھارا پورا وجود اس کے متضاد ہے۔ تم یکایک ہندو نہیں بن سکتے۔ چاہے جو بھی کرو۔ یہ تمھارے لئے ممکن نہیں ہے۔ یہ تو جنم کا معاملہ ہے"۔

"گورا کا چہرہ لال ہو گیا، رُک رُک کر بولا "میں ہر ایک جنم کو تو نہیں جان سکتا، مگر آپ کے خاندان میں پیدا ہونے کے ناطے سے مجھے جو حق حاصل ہوا ہے کیا میں اس کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتا؟"

"پھر وہی بحث!" کرشن دیال چیخنے لگے "تمھیں میرے منھ پر جواب دیتے شرم نہیں آتی۔ اپنے کو ہندو کہتے ہو، پر کب تم یہ اپنا بدیشی طنطنہ چھوڑو گے؟ تمھیں میرا حکم ماننا ہی ہوگا، یہ سب کچھ فوراً بند ہونا چاہیے۔"

گورا نے سر جھکا لیا، ایک پل چپ رہا اور پھر بولا "لیکن اگر میں یہ پراشچت نہیں کروں گا تو ششی مکھی (شاشی) کے بیاہ میں بیٹھ نہیں سکوں گا۔"

کرشن دیال خوش ہو کے بولے "وہ سب تو ٹھیک ہو جائے گا۔ نہیں بیٹھ سکو گے تو کیا حرج ہے؟ تمھارے لئے الگ آسن بچھا دیا جائے گا۔"

"برادری سے بھی مجھے الگ رہنا ہوگا" گورا نے پھر کہا۔

"ٹھیک ہوگا" کرشن دیال نے کہا۔ پھر انھوں نے غور کیا کہ گورا ان کی خوشی پر حیران ہو کر ان کا منھ تک رہا ہے ــــــ سنبھل کر بولے "اب مجھ ہی کو دیکھو کوئی مجھے جاتا بھی ہے تو میں کسی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتا۔ آخر برادری سے مجھے لینا ہی کیا ہے؟ اگر تم چاہتے ہو کہ تمھاری زندگی بھی ایسی ہی صاف ستھری اور پاکیزہ ہو تو تم بھی اسی رستے پر چلو ــــــ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اسی میں تمھاری بھلائی ہے۔"

دوپہر کے کھانے پر کرشن دیال نے ابیناش کو بلوایا اور اس سے کہا "بھئی یہ تم سب مل کر گورا کو کیا نگمی کا ناچ نچا رہے ہو؟"

"لیجیے ــــــ کیا مطلب ہے آپ کا؟ یوں کہیے کہ وہ ہم لوگوں کو نچا رہے ہیں ــــــ وہ تو سب سے کم ناچتے ہیں!"

"لیکن میں تمھیں یہ بتائے دیتا ہوں کہ یہ پراشچت وغیرہ کا ڈھول میں بالکل نہیں چلے گا، میں کبھی اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ آپ لوگ ابھی سب قصہ پاک کیجیے۔ سمجھے!"

بھنائی نے دل میں تو سوچا کہ یہ بڈھا بڑا ضدی معلوم ہوتا ہے، تاریخ میں اُس نے بہت سے ایسے بڑے آدمیوں کے باتوں کا حال پڑھتا تھا جنھیں اپنے بیٹوں کی بڑائی کو سمجھنے کی کبھی توفیق نہیں ہوئی ——— اور وہ یہی مانتا تھا کہ کرشن دیال بھی اسی قسم کے باپوں میں سے ہیں۔ اگر کرشن دیال جی ان ڈھونگے باز سنیاسیوں کے ساتھ رات دن وقت ضائع کرنے کی جگہ اپنے لڑکے سے کچھ سیکھتے تو ان کو زیادہ فائدہ ہوتا۔!

لیکن ابھناش کافی ہوشیار آدمی تھا۔ جہاں وہ دیکھتا کہ دلیل اور حجت بیکار ہے اور "اخلاقی اثر" ڈالنے سے کام نہیں چلے گا تو وہ بحث سے کنّی کاٹ جاتا تھا۔ لہٰذا ہاں میں ہاں ملاتا ہوا بولا "بہت اچھا جناب، اگر آپ کی اجازت نہ ہوگی تو ظاہر ہے کہ یہ سب نہیں ہو سکتا ——— لیکن مشکل یہ ہے کہ انتظامات تو سب ہو چکے ہیں، دعوت نامے بھیجے جا چکے ہیں اب تو ملتوی کرنے کا کوئی وقت اور موقعہ بھی نہیں۔ اس لئے ہم لوگ ایسا کر سکتے ہیں کہ گورا اس میں نہ آئیں اور ہم لوگ پرائشچت کی ریت پوری کر دیں کیونکہ باپ کی تو اس دیس میں کوئی کمی ہے نہیں۔"

اور اس طرح اس نے کرشن دیال جی کو فی الحال ٹالا۔ گورا پہلے بھی کرشن دیال کی بات کا کوئی خاص احترام نہیں کرتا تھا جتنا کہ آج بھی اس کا حکم ماننے کو اس کا جی نہیں چاہتا تھا۔ جس موضوع سے متعلق ہو کر وہ پرائشچت کر رہا تھا وہ میدان ایسا تھا کہ جہاں وہ سوسائٹی یا ماں باپ کی ریت نہ چلنے دیتا! پھر بھی اب کی بار کرشن دیال کی باتیں کچھ ایسی پُراسرار سی تھیں کہ وہ دن بھر پریشان رہا۔ اس کے دل میں ایک وہم سا خیال آیا کہ کرشن دیال نے جو کچھ کہا ہے اس کے پیچھے کوئی ایسی بات ہے جو اس کو معلوم نہیں، کوئی ایسی حقیقت

ہے جو وہ ظاہر نہیں کر رہے ہیں! اُسے بار بار ایسا لگتا تھا کہ کوئی اسے ہر طرف
سے دھکیل رہا ہے، جیسے آج وہ بالکل اکیلا ہے اور یہ تنہائی چاروں طرف سے
اس کو لپیٹی ہوئی ہے، سامنے ایک بڑا میدان ہے جسے اس کو پار کرنا ہے محنت
اور کام کا ایک وسیع و عریض ... لیکن خود وہ بالکل اکیلا ہے! کوئی اس کے پہلو میں
نہیں جسے وہ، پیار سے رفیق کہہ سکے!

چھیترواں باب

طے یہ ہوا تھا کہ چونکہ کل ہی پرائشچت ہونے والی ہے، اس لئے گورا
آج ہی رات اس خانہ باغ میں منتقل ہو جائے لیکن جیسے ہی گورا وہاں جانے
کے لئے تیار ہوا کہ ہری موہنی پہونچی۔ اُن کو دیکھ کر وہ خوش تو کسی طرح
نہیں ہوا لیکن سنجیدگی سے بولا "اچھا آپ آئی ہیں — مجھے
تو ابھی فوراً ہی باہر جانا ہے — آج کل ماں بھی یہاں نہیں ہیں،
اگر آپ ان سے ملنا چاہتی ہیں تو......."

"نہیں نہیں شکریہ!" ہری موہنی نے جواب دیا۔ "میں تو آپ سے
ملنے آئی ہوں۔ آپ ذرا سا ایک منٹ بیٹھ جائیں، میں آپ کو زیادہ دیر نہ روکوں گی"
گورا بیٹھ گیا۔!

ہری موہنی نے فوراً سُچاریتا کا موضوع چھیڑ دیا۔ انھوں نے بتایا کہ کس
طرح سُچاریتا کو گورا اعلیٰ تربیت و ہدایات سے بیحد فائدہ پہونچا ہے۔ یہاں تک
کہ اب تو وہ ہر کسی کے ہاتھ کا چھُوا ہوا پانی بھی نہیں پیتی ہے اور ہر ایک سے ادب
قاعدے کے ساتھ پیش آتی ہے۔ پھر ذرا جوش میں آکر بولی "افوہ —
آپ کو کیا خبر ہے کہ مجھے اس کی کتنی فکر ہے۔ اگر آپ اس کو صحیح راستے پر لگا دیں
تو میں زندگی بھر آپ کی احسان مند رہوں گی — بھگوان آپ کو کسی سلطنت
کا بادشاہ بنا دے۔ بھگوان کرے کہ آپ کا بیاہ کسی اچھے خاندان کی لڑکی سے
ہو، جو آپ کے شایانِ شان ہو۔ بھگوان کرے آپ کا گھرانا پھلے پھُولے۔ آپ

شاد آباد رہیں۔ دولت اور اولاد سے آپ کی قسمت کھل جائے۔"

پھر بولیں کہ سچاریتا اس وقت بھی کافی سیانی ہے اور اب تو اس کی شادی میں ایک دن کی دیر ہونی بھی مناسب نہیں۔ انھوں نے یہ یقین ظاہر کیا کہ گورا بھی اس معاملے میں اُن سے اتفاق کرتا ہوگا کہ شادی میں اب جلدی ہونی چاہیے۔ پھر بڑی دیر تک سچاریتا کی شادی کے مسئلے کو حل کرنے پر روشنی ڈالنے کے بعد انھوں نے بتایا کہ کن مشکلوں سے انھوں نے اپنے دیور کیلاش کو کلکتے بلایا تھا۔ بھگوان کی دیا سے جو کچھ بھی اڑچنیں تھیں وہ تو کسی نہ کسی طرح دور ہو گئیں تھیں، تمام باتیں دور ہو گئیں تھیں، نہ دولہن سے کوئی جہیز مانگا جائے گا نہ اُس کی پچھلی زندگی کے متعلق کوئی سوال جواب کیا جائے گا ـــــ وہ سب تو ہوں نے اپنی دانشمندی اور ہوشیاری سے طے کر لیا تھا ـــــ اور اب حیرت ہے کہ سچاریتا نے انکار کر دیا اور اپنی ضد پر اڑی ہے! ہری موہنی یہ سمجھنے سے قاصر تھیں کہ آخر وہ سوچ کیا رہی ہے، بھگوان ہی جانے کسی نے اُسے بھڑکا دیا کہ اُسے کسی اور سے کچھ لگاؤ ہے یا کیا ہے۔!

"لیکن میں آپ کو سچ بتاتی ہوں کہ آپ کے لائق وہ لڑکی نہیں ہے" انھوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اگر کسی گاؤں میں شادی کر کے بس جائیگی تو ظاہر ہے کہ اس کے ماضی کا پتہ کسی کو نہیں چل سکتا، اس لئے سب ٹھیک ہو جائے گا، لیکن آپ شہر میں رہتے ہیں۔ آپ نے اگر اس سے شادی کی تو پھر آپ سماج میں منھ کیسے دکھائیں گے۔"

گورا کو ایک دم غصہ آ گیا "یہ سب آپ کیا بک رہی ہیں، کس نے آپ سے کہا کہ میں سچاریتا سے شادی کرنے والا ہوں۔"

ہری موہنی جھینپ کر خوشامد کے لہجے میں بولی "اب میں کیا کہوں بیٹا، میں نے

وجب سُنا کہ اخباروں میں بھی یہ بات چھپ گئی ہے تو میں تو شرم کے مارے مرگئی۔"

یہ سُن کر گورا تاڑ گیا کہ ہرن بابو یا اُن کے گروہ میں سے کسی نے اخبار میں لکھا ہوگا، مٹھی بھینچ کر چیخا "یہ جھوٹ ہے۔"

گورا کی گرجدار آواز سے ہری موہنی چونک پڑیں، بھگیا کے زور سے بولیں "وہ ...... وہ ...... تو میں جانتی ہوں؛ اس وقت تو میں آپ سے ایک درخواست کرنے آئی ہوں ــــــ جسے آپ کو ماننا ہی پڑے گا۔ آپ ذرا چل کر رادھا رانی سے مل لیں۔"

"کیوں؟" گورا نے پوچھا

"آپ اُسے ذرا سمجھا دیں" ہری موہنی نے کہا۔

اس تجویز سے گورا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ فوراً وہ سچاریتا کے یہاں چلنے کو تیار ہو گیا، دل نے کہا "چل ــــــ آج اس سے آخری بار مل لے کل سے بڑی پرائشچت ہے، پھر تو سنیاسی ہو جائے گا ــــــ آج ــــــ اس رات کا یہ قلیل حصّہ تجھے ملا ہے، ایک نظر اس کو دیکھ لے۔ آخر یہ کوئی جرم نہیں ــــــ اور اگر ہے بھی تو کل تو تیرے سارے ہی جرائم راکھ ہو جائیں گے! ہون کے شعلے اُن کو کھا لیں گے، چاٹ لیں گے۔"

"پر آپ بتائیے تو، کہ سمجھانا کیا ہے!" گورا نے ذرا دیر۔

"بس اس سے زیادہ اور کچھ سمجھانا نہیں ہے کہ ہندو روایت کے مطابق سچاریتا جتنی عمر کی لڑکیاں کنواری نہ رہنی چاہئیں اور جلد از جلد ان کی شادی ہو جانی چاہیے۔" اور یہ کہ جس طرح کے اس کے حالات ہیں اُن میں کیلاش ایسے لڑکے کا مل جانا اس کے لئے خوبی قسمت ہے۔"

یہ باتیں گورا کے دل میں تیر کی طرح لگیں۔ پھر جب اُسے وہ آدمی یاد آیا

جس سے اس کی ملاقات سچاریتا کے دروازے پر ہوئی تھی تو اس کے بچھو سے کاٹنے لگے! اس کے لئے تو ایک منٹ یہ سوچنا بھی مشکل تھا کہ ایسا آدمی اور سچاریتا کا شوہر بنے! اس کے ذہن نے اندر سے بغاوت کی، دل نے کہا "نہیں ——— ایسا کبھی نہیں ہونا چاہیے"؛ "ایسا کبھی نہیں ہو سکتا!"

کتنی ناممکن بات تھی کہ سچاریتا یہ رشتہ کسی غیر سے رکھے۔ اس کا خاموش مگر حساس دل جو بلند خیالات اور جذبات سے لبالب تھا وہ اس طرح یوں مکمل طور پر کسی کے سامنے کھلا ہو گا نہ کھلے گا! آہ! وہ بھی کیا شاندار زمانہ تھا! کیا عجیب دغریب وقت تھا! وہ پُر اسرار ماحول اور اس میں سچاریتا کے ناقابلِ بیان حسین وجود کا کلی سے پھول بن جانا! اپنے دل کی سب باتیں اُسے بتانا، اپنے ذہن کی گہرائیوں تک اُسے لے جانا! کتنے مرد اتنے خوش نصیب ہوتے ہیں، زندگی میں کتنے ہیں جن کو یہ تجربہ ہاتھ آتا! یقیناً ——— دنیا مانے یا نہ مانے ——— قسمت نے جس مرد کو سچاریتا کی طبیعت میں اتنا دخل، اس کا اتنا سچا عرفان بخشا تھا، جس کے سارے وجود نے ایک ایک رونگٹے نے، سچاریتا کی ہستی کو محسوس کیا تھا۔ بے شک وہی، صرف وہی سچاریتا کو حاصل کرنے کا حق رکھتا تھا ——— پھر وہ کسی اور کی کیسے ہو سکتی تھی۔!

"تو کیا رادھا رانی ساری زندگی یوں ہی کنواری بیٹھی رہے گی ——— اس کا مقدر ایسا ہو؛ کیا یہ ممکن ہے؟" ———

یہ بات بھی سچ تھی! کل تو گورا کی پرائشچت تھی ——— اس کے بعد وہ بالکل پاک وصاف برہمن ہو جائے گا ——— تو پھر کیا سچاریتا ساری زندگی کنواری بیٹھی رہے گی۔ اس کے علاوہ کسی کو کیا حق تھا کہ اس قسم کی

زندگی زبردستی اس پر لادے! عورت ایسا بھاری بوجھ اٹھا سکے کیا ہو سکتا تھا؟
ہری موہنی بڑبڑ، بڑبڑ کرتی رہیں لیکن گورا کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا
کہ وہ کہہ کیا رہی ہیں! وہ سوچ رہا تھا "باوجی نے مجھ کو کتنی سختی کے ساتھ
منع کیا ہے کہ یہ پرائشچت نہ کرو۔ کیا اُن کا یہ روکنا میرے لئے کوئی معنی
نہیں رکھتا؟ کیا ایسا تو نہیں ہے کہ میں اپنی زندگی کو جس راہ پر لے جاتا ہوں
وہ میرا خیال ہی ہو، میری طبیعت کو اس سے کوئی مناسبت نہ ہو — اگر
یہ جھوٹا بار میں نے اپنے کندھوں پر اٹھایا، تو کیا میں زندگی بھر کے لئے
مفلوج نہیں ہو جاؤں گا اور اس کے مسلسل دباؤ کی وجہ سے زندگی میں جو
حاصل کرنا چاہتا ہوں وہ نہیں کر سکوں گا۔ اب تو مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ
میرا دل نفسانی خواہشات کو چھوڑ نہیں سکتا۔ پھر سینے پر رکھی ہوئی اس سِل
کو کیوں کر کھسکاؤں۔ یقیناً کسی نہ کسی طرح باوجی کو یہ پتہ چل گیا ہے کہ
میں دل سے برہمن ہونے کی توفیق نہیں رکھتا۔ سنیاسی نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے
وہ مجھ کو روک رہے ہیں۔"

گورا نے فیصلہ کیا کہ اسی رات وہ کرشن دیال کے پاس جائے گا اور پوچھے گا
کہ انھوں نے کیا ایسی بات دیکھی جو وہ اُسے سنیاس کا راستہ اختیار کرنے
سے روک رہے ہیں۔ کاش کہ وہ انھیں راضی کر سکے کہ وہ سمجھا دیں تو پھر وہ فرار
کی ایک راہ پا جائے۔!

فرار!!

"آپ ذرا سا ٹھہریں۔ میں ابھی آتا ہوں" — گورا نے ہری موہنی سے
کہا اور جلدی جلدی کرشن دیال کے کمرے کی طرف گیا — اُسے یہ محسوس
ہو رہا تھا کہ کرشن دیال کو کوئی بات ایسی ضرور معلوم ہے جو اُسے فوراً اس کشمکش سے

نجات بخش دے گی۔!

لیکن کرشن دیال کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اور دو تین بار دستک دینے کے بعد بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ صرف صندل چندن اور مشک جلنے کی تیز خوشبوئیں آرہی تھیں کیونکہ آج کرشن دیال جی اپنے کسی سنیاسی گرو کے ساتھ، کوئی شدید قسم کا یوگ کرنے میں مصروف تھے اور ایسے موقعوں پر وہ ہمیشہ دروازے چاروں طرف سے بند کر لیا کرتے تھے کہ باہر سے کوئی مداخلت نہ کرنے پائے۔ اس رات چاہے جو ہو جائے، کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں مل سکتی تھی۔!

سترواں باب

گورا کے دل نے کہا "نہیں ـــــ نہیں ـــــ کل میری پرائشچت نہیں ہے ـــــ وہ آج ہی سے شروع ہے۔ ابھی سے! کل جتنا بڑا ہون جلے گا۔ اس سے بڑی آگ آج میرے وجود میں بھڑک اٹھی ہے۔ میں ایک نیا جنم لینے والا ہوں، اسی لئے بھگوان نے آج میرے دل میں یہ زبردست خواہش پیدا کر دی ہے کہ وہ مجھ سے ایک بہت بڑی قربانی کی آزمائش لینا چاہتا ہے ـــــ ورنہ یہ رشتہ یاد رمان کیوں پھر سے جاگ اٹھا! دنیاوی اعتبار سے بھی میرا ان لوگوں سے رشتہ نہیں ہو سکتا تھا، فطری طور پر بھی اور متضاد طبیعتیں متحد نہیں ہو سکتیں، پھر مجھ جیسے بے نیاز آدمی کے دل میں ایسا طوفان اٹھے گا۔ یہ کون سوچ سکتا تھا۔ اب تک میں نے جو کچھ اپنے ملک کے لئے کیا وہ تو اپنی ان آسانی کے ساتھ ہی ساتھ، اب تک کوئی بڑی قربانی تو میں نے پیش نہیں کی ـــــ اب سے پہلے میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ لوگ اپنے وطن کے لئے قربانیاں کیوں نہیں دے سکتے۔ اب پتہ چلتا ہے کہ اس راستے پر معمولی قربانی کوئی حقیقت بھی نہیں رکھتی، ـــــ اپنے کو مٹا ڈالنے کے لئے سب سے پہلے توفیقِ غم پیدا کرنا ضروری ہے۔ اور میرا جنم اسی وقت ہوگا جب میرا دل خون ہو جائے گا۔ کل صبح اپنی برادری کے سامنے، اپنے عوام کے

سامنے میں وہ پرائشچت کروں گا جو ظاہری ہوگی، رسمی ہوگی لیکن آج ـــــ اس رات کو ـــــ میری زندگی کے بنانے والے نے کچھ مجھ سے مانگنے کے لئے میرے دل کے دروازے پر دستک دی ہے! اگر آج روح کی گہرائیوں سے میں ایک پرائشچت نہیں کرتا تو زندگی اس کے کیا معنی ہوں گے! ایک بار اگر میں وہ چیز نذر کردوں جو قربان کرنا سب سے زیادہ مشکل ہے ـــــ بالکل نذر کردوں، مکمل طور پر قربان کردوں تو واقعی میں فقیر ہو جاؤں گا۔ پھر میں پاک ہو جاؤں گا ـــــ بے شک تب ہی میں برہمن کہلا سکوں گا"

گورا پھر اپنے کمرے میں آیا تو ہری موہنی بولیں "بیٹا، تم مہربانی کر کے بس اس دفعہ ایک بار میرے ساتھ چلو ـــــ اگر تم چل کے ایک لفظ اس سے کہہ دو گے تو سب ٹھیک ہو جائے گا"

"پھر میں کیوں جاؤں، میرا ان کا کیا رشتہ؟ کچھ نہیں ـــــ کچھ بھی تو نہیں" ـــــ

"کیوں ـــــ وہ تو تمھیں دیوتا کی طرح پوجتی ہے، گرو کی طرح تمھارا احترام کرتی ہے" ہری موہنی نے کہا۔

ان الفاظ کو سن کر گورا کو اپنے سارے جسم میں ایک کپکپی سی محسوس ہوئی! لیکن ہمت کر کے پھر احتجاج کیا "لیکن میں اپنے جانے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اب تو میری اس کی ملاقات ہو اس کا کوئی امکان نہیں"

ہری موہنی دل میں بہت خوش ہوئیں! مسکرا کر بولیں "ہاں وہ تو ٹھیک ہے ـــــ سنیاسی لڑکی سے بار بار ملنے کو کیوں آئے ـــــ لیکن جب تک میرا کام نہیں ہو جائے گا۔ میں آپ کو چھوڑنے والی نہیں ہوں۔ چاہے جو بھی ہو ـــــ اگر آئندہ کبھی آپ سے

چلنے کو کہوں تو بیشک انکار کر دیجئے گا۔"

لیکن گورا نے بار بار سر ہلایا! "نہیں، اب نہیں، کبھی نہیں، ـــــ اب تو سب کچھ ختم ہو چکا ـــــ وہ اپنے دیوتاؤں کے سامنے اپنے دل کی پرچھائیں تک نہیں برداشت کرے گا ـــــ نہیں وہ سچاریتا سے ملنے نہیں جاتے گا۔

جب ہری موہنی نے دیکھا کہ وہ کسی طرح گورا کو راضی نہیں کر سکیں گی تو انھوں نے درخواست کی "اچھا اگر آپ کے لئے چلنا بالکل ناممکن ہے تو کم از کم اتنا کیجئے کہ مہربانی کر کے اس کو ایک خط ہی لکھ دیجئے۔"

گورا نے سر ہلا کر انکار کیا ـــــ ناممکن ـــــ وہ اسے خط کیسے لکھ سکتا تھا۔

"اچھی بات ہے۔ تو پھر مجھے ہی سطر ہی لکھ دیجئے۔ آپ تو شاستروں کو خوب پڑھے پڑھے ہوتے ہیں اسی لئے تو میں آپ سے فتویٰ لینے آئی ہوں۔"

"فتویٰ کیسا؟" گورا نے پوچھا

"کیا یہ سیانی ہندو لڑکی کا دھرم نہیں ہے کہ وہ شادی کرے اور گھر گرہستی کا کام سنبھالے" ہری موہنی نے وضاحت کی۔

گورا ایک پل چپ رہا ـــــ پھر بولا "دیکھئے ـــــ مجھے اس سب قصے میں بیکار نہ پھنسائیے ـــــ میں کوئی پنڈت نہیں ہوں جو آپ کو فتویٰ دوں۔"

ہری موہنی مایوس ہو کر بگڑنے لگیں "آپ مجھ سے صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ آپ کے دل میں کیا ہے۔ شروع میں تو آپ ہی نے پھندا ڈالا اور اب جو کھولنے کا وقت آیا تو آپ کہتے ہیں کہ مجھے نہ پھنسائیے۔ اس کا آخر مطلب کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ آپ یہ چاہتے ہی نہیں کہ اس کا ذہن صاف ہو۔"

اور کوئی وقت ہوتا تو اس بات کو سن کر گورا بپھر پڑتا اور اس الزام پر ہرگز تحمل نہ دکھا سکتا لیکن آج پرائشچت کی شروعات ہو چکی تھی اور وہ غصہ نہیں کر سکتا تھا! پھر اس کا دل اندر سے

گواہی بھی دے رہا تھا کہ جو کچھ ہری موہنی کہہ رہی ہیں وہ ٹھیک ہے۔ اس نے اپنے جی کو مار کے سچاریتا سے ہر ایک ناتہ توڑ لیا تھا ـــــ ایک تسمہ لگا تھا! اور اس تسمے کو کاٹنے کی نہ اس میں ہمت تھی نہ واقعی اس کا جی چاہتا تھا۔

لیکن اُسے یہ کرنا ہی ہوگا' ـــــ یہ تو کسی طرح اس کے شایانِ شان نہ تھا کہ ایک ہاتھ سے کچھ بخشے اور دوسری مٹھی میں کچھ دبا کر پیچھے چھپا لے!

اس نے ایک کاغذ نکالا اور پختہ خط میں بڑے بڑے حرفوں سے لکھا "عورت کے لئے زندگی کے صحیح معنی پا لینے کا رستہ دوسروں کی خدمت میں پوشیدہ ہے ـــــ دنیا میں اس کے لئے غم ہو یا خوشی پاکباز عصمت مآب عورت ہر حالت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتی ہے اور اس کا سب سے بڑا دھرم یہ ہے کہ گھر کی چہار دیواری کے اندر دھرم کا نمونہ بنے۔"

"اگر آپ ہمارے کیدش کی سفارش میں ایک دو لفظ لکھ دیں تو بڑا اچھا ہوتا ـــــ ہری موہنی نے تجویز پیش کی

"جی نہیں" گورا نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا "میں ان کو بالکل جانتا نہیں۔ اُن کے متعلق میں کچھ نہیں لکھ سکتا۔"

ہری موہنی نے کاغذ کو بڑی احتیاط سے تہہ کیا اور ساڑھی کے پلّو میں باندھ کر اپنے گھر کی طرف کھسک لیں۔!

سچاریتا ابھی تک لوتا کے یہاں آنند موئی کے ساتھ تھی' اور ہری موہنی نے سوچا کہ وہاں یہ کاغذ لے جا کر بات چیت کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ کہیں لولتا اور آنند موئی نے کچھ خلاف جڑ دیا تو وہ ضرور سیتھے پر سے اکھڑ جائے گی۔ لہٰذا انھوں نے سچاریتا کو ایک پرچہ بھیجا کہ اگلے دن دوپہر کو کھانا کھانے آجائیے' ایک ضروری بات میں اس کی صلاح و مشورہ درکار ہے!

اگلے دن صبح ہی سچاریتا پہونچی۔ اس نے اچھی طرح طے کر لیا تھا کہ

ڈٹ کر مقابلہ کرے گی۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ اس کی خالہ صاحبہ پھر شادی کا مسئلہ چھیڑیں گی —— آج تو وہ بالکل اور قطعی انکار کر کے ہمیشہ کے لیے اس قصّے کو پاک ہی کر دے گی۔!

کھانا ہو چکا تو ہری موہنی نے بات شروع کی "کل رات میں تمھارے گرو سے ملنے گئی تھی۔"

سچاریتا چونک پڑی، کیا اس کی خالہ نے اس لئے بلایا ہے کہ پھر گورا کی کچھ ہتک کریں؟

"گھبراؤ نہیں" ہری موہنی نے اطمینان دلایا "میں کچھ اُن سے لڑنے بھڑنے نہیں گئی تھی، —— یہاں اکیلی تھی تو سوچا کہ اُن سے مل آؤں اُن کے بلند خیالات سے میں بھی کچھ فائدہ اٹھاؤں، بات ہی بات میں تمھارا ذکر نکل آیا اور مجھے فوراً پتہ چل گیا کہ اُن کے خیالات مجھ سے ملتے جلتے ہیں۔ وہ اس بات سے اتفاق نہیں کرتے کہ لڑکیوں کا بڑی عمر تک کنواری رہنا کوئی اچھی بات ہے، —— بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ شاستروں کے حساب سے یہ گناہ ہے۔ یوروپین گھرانوں کے لئے ایسی باتیں ٹھیک ہوں گی لیکن ہندوؤں کے یہاں نہیں —— میں نے کافی صاف طور سے کیلاش کے رشتے کی بھی بات کی، اور مجھے اندازہ ہوا کہ انھوں نے صورت حال کا نہایت معقول جائزہ لیا"

ہری موہنی کہتی جا رہی تھیں اور سچاریتا کا جی چاہتا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ وہ بالکل چپ تھی۔!

ہری موہنی نے آگے کہنا شروع کیا "میں نے اُن سے کہا "مہربانی کر کے آپ چلئے اور اس سے خود بات کیجئے کیونکہ میرا کہنا وہ تو سنتی ہی نہیں، لیکن انھوں نے جواب دیا نہیں۔ ہم ہندوؤں کی سوسائٹی اس بات کو اچھا نہیں سمجھتی، پھر میں نے

کہا کہ اب کیا کیا جائے۔ آخر کار انھوں نے اپنے ہاتھ سے ایک پرچے پر کچھ لکھ دیا ہے کہ تم کو دے دیا جائے ـــــــ دیکھو یہ ہے " ـــــــ اور انھوں نے ساڑھی کے پلّو میں بندھا ہوا پرچہ کھول کر سچاریتا کے سامنے پھیلا دیا۔!"

سچاریتا اُسے پڑھتی جاتی تھی اور اسے ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی اُس کا گلا گھونٹے ڈال رہا ہے ـــــــ وہ پتھر کی طرح ساکت ہو گئی تھی، لکڑی کی طرح بے حس و حرکت۔!

پرچے میں کوئی ایسی بات نہیں لکھی تھی جو نئی ہو یا واہیی، اور معقول نہ ہو۔ ایسا نہیں تھا۔ سچاریتا کو اُن خیالات سے اختلاف تھا جن کا اس میں اظہار کیا گیا تھا۔ تکلیف اس بات کی تھی کہ خاص اس کے لئے ہری موہنی کے ہاتھ یہ پرچہ بھیجا گیا اور اس لئے اس کے اندر کچھ ایسے معنی پنہاں تھے جو طرح طرح سے دکھ پہونچا رہے تھے! آج ہی کیوں گورا نے یہ حکم بھیجا! یقیناً سچاریتا کی زندگی میں بھی وہ دن کبھی نہ کبھی آئے گا۔ جب وہ شادی کرنے پر مجبور ہوگی، پر گورا کو اس کی کیا جلدی تھی؟ کیا گورا کو اب اس کے متعلق کچھ نہیں سوچنا تھا، اس کے لئے کچھ نہیں کرنا تھا۔؟ کیا گورا کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں اس کی ہستی کوئی رکاوٹ محسوس ہو رہی تھی، یا کسی طرح حارج تھی؟ کیا اب گورا اُسے کچھ نہ دے گا نہ اس سے کوئی اُمید لگائے گا؟ کم از کم وہ تو ایسا نہیں سوچتی تھی، کم از کم وہ تو ابھی تک اسی راہ پر نظر لگائے تھی!
سچاریتا دل میں اُٹھتے ہوئے درد کا مقابلہ کرنے کی شدید کوشش کر رہی تھی، پر کسی طرح ذرا بھی قرار، ذرا بھی اطمینان نہیں محسوس ہوتا تھا۔ کسی کل چین نہیں پڑ رہا تھا۔!

ہری موہنی نے سچاریتا کو سوچنے کے لئے کافی مہلت دی! اطمینان سے

جا کر جیسے روز دو پہر میں سوتی تھیں، اسی طرح سوئیں، ـــــ پھر اٹھیں اور اسی کمرے میں آئیں جہاں سچاریتا کو چھوڑ گئی تھیں تو دیکھا کہ وہ اسی طرح بت بنی خاموش بیٹھی ہے!

"رادھو، تم اتنی کیوں پریشان ہو بیٹی، ـــــ ایسا کیا معاملہ ہے جو اتنی گہری سوچ میں کھوئی ہوئی ہو ـــــ کیا گورموہن بابو نے کوئی غلط بات لکھی؟"

"جی نہیں" ـــــ سچاریتا نے دھیمے سے کہا "جو کچھ انھوں نے لکھا ہے وہ سب کچھ صحیح ہے۔"

ہری موہنی پھولی نہیں سمائیں "تو میری بچی، اب دیر کرنے سے کیا فائدہ؟"

"نہیں میں خود دیر کرنا نہیں چاہتی" سچاریتا نے کہا "ذرا بابوجی کے پاس جانا چاہتی ہوں۔"

"دیکھو رادھو" ـــــ ہری موہنی نے اعتراض کیا "تمھارے بابوجی تو یہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ تمھاری شادی ہندوؤں میں ہو ـــــ مگر تمھارے گرو جو ہیں تو ـــــ"

سچاریتا عاجز آ کے بولی "خالہ ـــــ آپ خواہ مخواہ کے لئے بس ایسی ہی باتیں کرتی رہتی ہیں، میں کوئی اپنی شادی پر گفتگو کرنے بابوجی کے پاس نہیں جا رہی ہوں ـــــ ملنے کو جی چاہتا ہے، بس۔"

اب صرف پاریش بابو کی رفاقت اور شفقت ہی سچاریتا کے دکھے دل پر مرہم رکھ سکتی تھی!

وہاں پہونچی تو دیکھا کہ وہ ایک ٹرنک میں اپنے کپڑے رکھ رہے ہیں! "یہ کیا ہو رہا ہے بابوجی" سچاریتا نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میں ذرا تبدیلیٔ آب و ہوا کے لئے شملہ جا رہا ہوں بیٹی، کل صبح کے میل سے

روانہ ہو جاؤں گا"۔ ــــــ پاریش بابو نے ہنس کر کہا۔

پاریش بابو کی اس ہلکی سی ہنسی کے پیچھے اس زبردست جدّوجہد کی تاریخ تھی جو پاریش بابو کو پچھلے دنوں کرنی پڑی تھی، اس ہنسی کی تہہ میں چھپا ہوا دکھ سچاریتا کی نگاہوں سے چھپا نہ رہ سکا۔ اپنے ہی گھر میں آج پاریش بابو کو سکون نہیں مل رہا تھا۔ اندر بیوی، لڑکیاں، اور باہر دوست احباب ایک منٹ اُن کو چین نہیں لینے دے رہے تھے، ــــــ اگر وہ کچھ دن کے لئے اس ماحول سے نکل کر کہیں دور نہ چلے جائیں تو کیا کریں! پاگل ہو جائیں؟ سچاریتا کو یہ دیکھ کر سخت صدمہ ہوا کہ انھیں کل ہی سفر پر جانا ہے، اور آج وہ اپنا بکس خود ہی اکیلے پیک کر رہے ہیں! یہ سوچنا کس قدر مشکل تھا کہ خاندان میں اتنے لوگ تھے پر آج اُن کا ہاتھ بٹانے والا کوئی نہ تھا! ــــــ اس نے زبردستی ان کو الگ ہٹایا، بکس میں سے سارے کپڑے وغیرہ باہر نکالے اور پھر ہر کپڑے کی قاعدے سے تہہ کی اور احتیاط سے سب چیزوں کو جما جما کر رکھا اُن کی خاص خاص کتابیں الگ قاعدے سے رکھیں کہ خراب نہ ہوں۔ یہ سب کام کرتے کرتے اس نے آہستہ سے پوچھا "بابوجی ــــــ آپ کیا اکیلے جا رہے ہیں؟"

پاریش بابو نے اندازہ لگا لیا کہ اس کے لہجے میں کتنا غم تھا، جلدی سے بولے "ارے نہیں رادھا، مجھے کوئی تکلیف تھوڑا ہی ہوگی"۔

"نہیں بابوجی ــــــ میں نے اس لئے پوچھا کہ .... کہ میں آپ کے ساتھ چلوں گی"۔

پاریش بابو نے حیران ہو کر اس کا منھ دیکھا۔ وہ پھر بولی "بابوجی ــــــ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں، میری وجہ سے آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی"۔

"یہ کیا بات کہتی ہو بیٹی، تمھاری وجہ سے کب مجھے پریشانی ہوتی جو اب ہوگی"۔

سچاریتا نے بات آگے بڑھائی "جب تک میں آپ کے ساتھ نہیں ہوتی ہوں بابوجی، تب تک کوئی بات بنتی نہیں ہے۔ بہت سی چیزیں ابھی میری سمجھ میں نہیں آتیں، جب تک آپ مجھے سہارا نہیں دیں گے میری نیّا پار نہیں لگ سکتی، بابوجی آپ تو مجھ سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اپنی سمجھ پر بھروسہ کرو، لیکن مجھے وہ سمجھ ہو تب نہ، میرے دماغ میں اب بالکل بوتا نہیں ہے، مجھے اپنے ساتھ لے چل" میرے باپ۔" یہ کہہ کر اس نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ ٹرنک پر جھک گئی اور آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے گر کر ٹرنک پر ٹپکنے لگے۔ !

اٹھتّرواں باب

جب گورا نے ہری موہنی کو کاغذ دیا تو وہ سمجھا کہ اب اس کے اور سچاریتا کے تعلقات بالکل منسوخ ہو چکے ——— گویا ہو گئی، سند ہو گئی ——— لیکن تحریر یا سند صرف لکھ جانے سے پوری نہیں ہوا کرتی! دل تھا کہ کسی طرح رضامند نہ ہوتا تھا ——— قوتِ ارادی سے کام لے کر گورا نے تو اس پر اپنے دستخط کر دیے مگر اس کے دل نے دستخط گوارا کرنے سے صاف انکار کر دیا وہ اسی طرح اڑا رہا۔ ضدی بچّے کی طرح، اڑیل گھوڑے کی طرح! اس قدر اس بے کہے نے عاجز کیا کہ اسی رات گورا نے سوچا کہ بھاگ کر سچاریتا کے یہاں پہونچے ——— لیکن روانہ ہو ہی رہا تھا کہ پڑوس کے گھڑیال نے دس بجائے اور گورا پر یکایک یہ حقیقت کھلی کہ رات کے دس بجے تو کوئی شریف آدمی کسی شریف آدمی کے یہاں نہیں جاتا۔ پھر وہ ظالم گھنٹہ، ہر گھنٹے پر بجتا رہا اور گورا آنکھیں کھولے، بستر پر پڑا ہر گھنٹے کو گنتا رہا ——— کیونکہ بالآخر بہت کوشش کے باوجود بھی، وہ اس رات خانہ باغ میں نہ جا سکا۔ کسی کے ہاتھ کہلا دیا تھا کہ صبح آؤں گا۔!

اگلی صبح وہ دریا کے کنارے پہونچ تو گیا مگر جیسے سب کچھ کھو آیا ہو! دل دماغ کی وہ جولانی، وہ ولولے کہاں تھے جن کو لے کر وہ آج پرائشچت کرنے والا تھا۔؟

بہت سے پنڈت آچکے تھے اور اور آتے جا رہے تھے۔ گورا سب کا

استقبال گرمجوشی کے ساتھ کرتا اور لوگ باری باری سے گورا کی تعریفیں کرتے کہ اس نے کس استقلال کے ساتھ مذہب کی خدمت میں زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا اور اُس پر قائم رہا۔!

رفتہ رفتہ باغ میں بہت بھیڑ ہو گئی ——— گورا ہر ایک انتظام کی دیکھ بھال کرتا پھر رہا تھا لیکن کام کی ہڑبڑاہٹ اور شور و شر میں بھی ایک خیال اس کے دل کی گہرائیوں سے اٹھ اٹھ کر اس کے دماغ پر چوٹ لگا رہا تھا، جیسے کوئی بار بار اس سے کہتا ہو "تو نے بُرا کیا ——— تو نے بُرا کیا" اس کو اتنی فرصت تو نہ تھی جو ٹھہر کر سوچتا کہ کیا بُرا کیا۔ لیکن اپنے دل کی اس آواز کو دبا بھی نہیں سکتا تھا۔ ایک طرف تو پرائشچت کی یہ شاندار تیاریاں تھیں اور دوسری طرف نہ جانے کون اس کا دشمن تھا جو اس کے ہی دل میں گھسا بیٹھا تھا اور اُسے چین نہیں لینے دے رہا تھا۔!

بس دوہرائے جاتا تھا "تو نے بُرا کیا ——— تو نے بُرا کیا" ——— اُس نے کوئی قاعدہ قانون نہیں توڑا تھا، شاستروں کے خلاف اس نے کچھ نہیں کیا تھا، دھرم کی اس نے کوئی مخالفت نہیں کی تھی ——— مگر اُس نے بُرا کیا تھا ——— اس نے اپنی فطرت کو دھوکا دیا تھا! ——— اور یہی وجہ تھی کہ گورا کا سارا وجود اس پورے ہنگامے کو قبول کرنے سے انکار کر رہا تھا۔!

پرائشچت شروع ہونے کا وقت نزدیک ہوتا جا رہا تھا۔ ہون کے لئے شامیانہ تیار تھا لیکن جیسے ہی گورا نے گنگا اشنان کرنے کے بعد کپڑے بدلنے شروع کئے تو حاضرین میں کچھ گڑبڑ ہونے لگی۔ چاروں طرف جیسے ایک حیرانی سی پھیل گئی ہو ——— آخر کار اَبناش لمبا سا منہ بنائے گورا کے پاس آیا اور

بولا "آپ کے گھر سے خبر آئی ہے کہ کرشن دیال بابو کی طبیعت یکایک بہت خراب ہو گئی ہے، انھوں نے گاڑی بھیجی ہے کہ آپ گھر واپس چلیں۔"

گورا فوراً چل پڑا لیکن جب بھناش بھی ساتھ آنے لگا تو اس کو یہ کہہ کر روک دیا کہ تم ٹھہرو۔ مہمانوں کی دیکھ بھال اور خاطر کرو۔ میں تو جا ہی رہا ہوں، اب تم بھی چلے جاؤ گے تو یہاں کون رہے گا۔"

کرشن دیال جی کے کمرے میں داخل ہو کر گورا نے دیکھا کہ وہ پلنگ پر بیٹھے ہیں۔ آنند موئی آہستہ آہستہ اُن کے پاؤں سہلا رہی ہیں ـــــ اس نے پریشان ہو کر دونوں کے منھ باری باری سے دیکھا۔ پھر کرشن دیال نے اُسے اشارے سے ایک کرسی پر بیٹھنے کو کہا جو اُسی کے لئے لاکر رکھی گئی تھی،

گورا نے بیٹھتے ہوئے ماں سے مخاطب ہو کر پوچھا "کیسے ہیں؟"

"اب تو ذرا ٹھیک ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو بلایا گیا ہے۔"

شاشی اور ایک نوکر بھی کمرے میں تھے۔ کرشن دیال نے اشارے سے اُن کو باہر جانے کو کہا جب انھوں نے دیکھ لیا کہ اب کمرے میں کوئی نہیں ہے تو ایک خاموش نظر آنند موئی پر ڈالی اور گورا سے مخاطب ہو کر کمزور آواز میں بولے اب میرا وقت آگیا ہے میں نے اب تک تم سے جو بات چھپا رکھی ہے وہ مرنے سے پہلے تم سے کہہ دینا چاہتا ہوں ورنہ میری آتما کو شانتی نہیں ملے گی۔"

گورا مبہوت ہو گیا ـــــ بے حس و حرکت خاموش بیٹھا رہا! دیر تک سب چپ رہے، کسی کی زبان سے کوئی لفظ نہ نکلا، ـــــ کرشن دیال پھر بولے "گورا ـــــ اس زمانے میں مجھے اپنے سماج کی کوئی قدر نہ تھی اس لئے مجھ سے اتنی بڑی غلطی ہوئی اور ایک بار جب وہ غلطی ہو گئی تو اس کا کوئی ازالہ نہ تھا" ـــــ وہ پھر چپ ہو گئے! ـــــ گورا بھی چپ تھا ـــــ اُس نے کوئی سوال نہیں کیا۔!

"میں سمجھتا تھا کہ تم کو بتانا بھی ایسا کیا ضروری ہے، جیسے ہمیشہ کام چلتا ہے ویسے چلتا رہے گا۔ لیکن اب تو مجھے کام چلنا ناممکن نظر آتا ہے کیونکہ میرے مرنے کے بعد تم میرا کریا کرم کیسے کر سکتے ہو؟"

ظاہر تھا کہ اس مشکل کے خیال سے ہی کرشن دیال جی ہچکچا رہے تھے۔ اب گورا کو بے چینی ہونی شروع ہوئی کہ اصل بات کیا ہے۔ آنند موئی کی طرف مڑ کر سوالیہ نظر سے دیکھا اور بولا "ماں ــــ مجھے بتایئے نہ ــــ اس سب کا مطلب کیا ہے۔ کیا مجھے باپوجی کے کریا کرم میں شامل ہونے کا حق نہیں ہے؟"

آنند موئی اب تک پتھر کی طرح ساکت، سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ لیکن گورا کے اس سوال پر انھوں نے سر اٹھایا۔ نگاہ بھر کر گورا کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں "نہیں میرے بچے ــــ تمھیں یہ حق نہیں ہے۔"

"تو کیا میں ان کا بیٹا نہیں ہوں" گورا حیران ہو کر اچھل پڑا۔

"نہیں" آنند موئی نے کہا

گرج کے گورا نے دوسرا سوال کیا جیسے جوالا مکھی پھٹ پڑا ہو "ماں کیا آپ میری اصل ماں نہیں ہیں؟"

آنند موئی کا کلیجہ منھ کو آ رہا تھا۔ خشک، پھنسی پھنسی آواز میں بولیں "گورا میرا بچہ صرف تو ہی میرا بیٹا ہے، میں تو ایک بانجھ عورت ہوں لیکن اگر کسی عورت کے کوکھ سے کوئی بچہ ہو اور وہ اس کا بیٹا کہلاتے اس سے بھی زیادہ تو صرف تو ــــ میرا بیٹا ہے۔"

"تو پھر آپ لوگوں نے مجھے کہاں سے پایا؟" گورا نے کرشن دیال سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"غدر میں ــــ اس وقت ہم لوگ اٹاوہ میں تھے، تمھاری ماں نے ایک رات

باغیوں کے ڈر سے ہمارے گھر میں گھس کر پناہ لی، اس سے ایک دن پہلے تمھارے باپ لڑتے ہوئے مارے گئے تھے، اُن کا نام تھا......."

"کوئی ضرورت نہیں اُن کا نام لینے کی ——— میں ان کا نام نہیں جاننا چاہتا" گورا چیخا۔

گورا کی یہ پریشان حالت دیکھ کر کرشن دیال رک گئے اور بس اتنا ہی بولے "وہ آئرلینڈ کے رہنے والے تھے ——— اسی رات تم پیدا ہوئے اور تمھاری پیدائش میں تمھاری ماں کا انتقال ہو گیا۔ اس دن سے ہمارے گھر میں تم نے پرورش پائی"۔

ایک ہی لمحے میں گورا کو اپنی زندگی ایک بھیانک، ایک غیر معمولی خواب معلوم ہونے لگی ——— وہ ساری بنیادیں جن پر بچپن سے اس کی زندگی تعمیر ہوئی وہ سب کی سب ریت کی طرح بیٹھ گئیں ——— اب اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں ہے! جسے وہ اپنا ماضی سمجھتا تھا وہ بھی جھوٹ تھا، مستقبل جس کی اُس نے اتنی مدت تک اس شوق سے تابناک تصویریں بنائی تھیں وہ بھی غائب تھا! اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی ہستی کنول کے پتّے پر پڑے ہوئے شبنم کے قطرے کی سی تھی جو صرف چند لمحوں کے لئے وجود میں آتا ہے اور پھر اڑ جاتا ہے! اس کے نہ ماں تھی، نہ باپ، نہ ملک نہ قومیت، نہ پُرکھے نہ خاندان ——— نہ خدا! اب اس کے پاس سوائے ایک وسیع "نہیں" کے اور کچھ نہ تھا! یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں، ادھر بھی نہیں، اُدھر بھی نہیں، کہیں نہیں اور کچھ نہیں! اب وہ کس کا سہارا ڈھونڈے؟ کیا کام کرے؟ کہاں سے اپنی زندگی کو پھر سے شروع کرے، کس طرف نظر اُٹھائے، کس طرف آس لگائے؟ آج اس کے لئے تمام راستے کھو گئے تھے، تمام راہیں غلط ہو گئی تھیں وہ خاموش اس عجیب و غریب خلا میں بیٹھا تھا اور اس کے چہرے پر کچھ ایسی کیفیت طاری تھی کہ کوئی ایک لفظ اُس سے کہہ بھی نہیں سکتا تھا!

اتنے میں بنگالی ڈاکٹر کے ساتھ ایک انگریز ڈاکٹر بھی آیا ـــــ انگریز ڈاکٹر نے جتنی توجہ کے ساتھ مریض کا معائنہ کیا، تقریباً اتنی ہی توجہ اور دلچسپی سے، اُس نے گورا کو بھی دیکھا۔ وہ دل میں حیران ہو رہا تھا کہ یہ عجیب و غریب نوجوان کون ہے۔ کیونکہ گورا کے ماتھے پر ابھی تک گنگا کی پوتر مٹی کا قشقہ کھنچا ہوا تھا اور گنگا اشنان کے بعد اس نے جو ریشمی گیروا لباس پہنا تھا وہ ابھی تک اس کے جسم پر لپٹا ہوا تھا۔ وہ قمیض تو پہنے ہی نہیں تھا اس لئے باریک ریشمی چادر میں سے اس کا بڑا سا بھاری بھر کم جسم جھلکتا دکھائی دے رہا تھا۔

اب سے پہلے کوئی بھی موقعہ ہوتا تو کسی یورپین کو دیکھ کر گورا کے دل میں نفرت پیدا ہوتی لیکن آج جب ڈاکٹر مریض کو دیکھ رہا تھا تو گورا بڑے شوق سے اُسے دیکھ رہا تھا اور اپنے آپ سے پوچھ رہا تھا کہ "یہاں یہ شخص میرا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہے! کیا جتنے لوگ یہاں موجود ہیں، ان سب میں میرا کوئی قریبی ناتہ کسی شخص سے ہے؟"

مریض کو دیکھنے اور اس سے حال پوچھنے کے بعد ڈاکٹر نے کہا "دیکھئے مجھے تو زیادہ خطرناک آثار نظر نہیں آتا ـــــ نبض کے متعلق بھی گھبرانے کی کوئی بات نہیں اور کسی عضو میں کوئی خاص خرابی نہیں معلوم ہوتی ـــــ اگر احتیاط کیجئے تو کوئی وجہ نہیں کہ پھر ایسی علامات پیدا ہوں۔"

جب ڈاکٹر چلا گیا تو گورا اٹھا اور ایک لفظ کہے بغیر جانے لگا لیکن آنند موئی دوسرے کمرے سے دوڑ کر آئیں۔ ڈاکٹر کے آنے کی وجہ سے وہ اس کمرے میں چلی گئی تھیں، دوڑ کر انھوں نے گورا کا ہاتھ پکڑا، اور زور سے بولیں "گورا ـــــ میرے بچے مجھ سے خفا نہ ہونا ورنہ میرا دل ٹوٹ جائے گا، میرا کلیجہ پھٹ جائیگا میرے لال!"

"آپ نے اتنے دن مجھ سے یہ بات چھپائی کیوں ماں؟ اگر آپ ہی مجھ سے

کہہ دیں تو کیا نقصان تھا؟"——

آنند موئی نے سارا الزام اپنے سر لیتے ہوئے کہا "میں نے یہ گناہ اس لئے کیا بیٹا کہ میں ڈرتی تھی کہیں تو مجھ سے چھن نہ جائے۔ آج بھی اگر ایسا ہی ہو، تو مجھے چھوڑ کر چلا جائے تو میں اپنے سوا کسی کو الزام نہیں دے سکتی —— مگر ایسا نہ کرنا گورا —— ایسا نہ کرنا —— میں مر جاؤں گی، مر جاؤں گی۔

"ماں" گورا کے منھ سے بس ایک ہی لفظ نکل سکا لیکن اس لفظ کو سن کر آنند موئی کے آنسوؤں کا رکا ہوا دھارا پھوٹ پڑا۔

"ماں —— اب مجھے پاریش بابو کے یہاں جانا چاہیے" گورا نے کہا۔

"اچھا میرے لال —— جاؤ —— ضرور جاؤ۔" آنند موئی کو ایسا محسوس ہوا کہ ان کے سینے پر سے ایک بڑا بوجھ سرک گیا۔

کرشن دیال نے پریشانی کے مارے گورا کو بتا کر اسے رنج تو نہ دیا تھا۔ حالانکہ ان کے جلدی مر جانے کا کوئی ایسا زیادہ خطرہ نہیں تھا —— گورا باہر جانے کو اٹھا ہی تھا کہ وہ بولے "دیکھو گورا —— میں نہیں سمجھتا کہ مرنے سے پہلے یہ بات کسی کو بتانا ضروری ہے۔ بس ذرا سنبھل کے قدم اٹھانا اور کم و بیش ویسا ہی رویہ رکھو جو پہلے تھا اور تم سے زیادہ عقلمند پھر کوئی نہ ہوگا۔"

گورا اس کا جواب دیے بغیر باہر چلا گیا۔ اسے صرف ایک ہی خوشی ہوئی تھی کہ کرشن دیال سے اب اس کا کوئی رشتہ نہ تھا۔

موہم داد کو اطلاع دیے بغیر آفس سے چھٹی نہیں مل سکتی تھی اس لئے وہ ڈاکٹر وغیرہ کا بندوبست کرنے کے بعد آفس چلے گئے تھے کہ درخواست دے کر مزید چھٹی لے سکیں۔ وہ واپس آ رہے تھے جو گورا انہیں گھر سے نکلتا ہوا ملا

"کہاں جا رہے ہو؟" موہم نے کہا

"اچھی خبر ہے۔ سب خیریت ہے،" ڈاکٹر نے کہا "خطرے کی کوئی بات نہیں۔"

"اوہ ــــ شکر ہے" سوہم نے جواب دیا۔ "پرسوں شانتی کا بیاہ ہے۔ گورا ذرا تم
بھی تو تیاری میں کچھ مدد دیتے بھائی! اور دیکھو ذرا بنوئے سے پہلے سے کہہ دینا
وہ اس دن نہ ٹپک پڑے! ابھناش بڑا سخت ہندو ہے، اس نے خاص طور پر یہ
بات کہی تھی کہ اس قسم کے لوگ شادی میں نہ آویں! اور ایک بات میں اور کہنا چاہتا
ہوں گورا ــــ میں نے دفتر کے بڑے صاحب کو بھی بلایا ہے اگر اتنے تم کہیں اس
سے گمک بازی کر کے اُسے بھگا نہ دینا۔ آخر تمھیں ایسا کرنا ہی کیا ہوگا۔ ذرا سر ہلا کے
کہہ دینا "گڈ ایوننگ سر" ــــ آخر ادب آداب کے خلاف تو تمھارے دھرم
میں کچھ لکھا نہیں ہے۔ اگر تمھارا جی چاہے تو ہیل پنڈتوں سے خاص فتویٰ دلا دیتا
ہوں۔ تمھیں یہ سمجھنا چاہیے دہاں بڑے ــــ کہ وہ حاکم قوم ہے۔ ان کے سامنے
ذرا سا جھکنے سے کونسا ہماری آبرو کو بٹہ لگتا ہے۔"

سوہم کی باتوں کا کوئی جواب دیے بغیر گورا آگے بڑھ گیا۔

اُناسیواں باب

جیسے ہی سچاریتا نے منہ اِدھر، اُدھر پھیرا اور ٹرنک پر جُھک گئی کہ اس کے آنسو کسی کو نظر نہ آئیں۔ ویسے ہی ملازم نے آگے اطلاع دی کہ گور موہن بابو آئے ہیں! سچاریتا نے جلدی سے آنسو پونچھے اور سامان باندھنا چھوڑ کر چیزیں سمیٹنے لگی۔ اتنے میں گورا اندر داخل ہوا۔

اس کے ماتھے پر ابھی تک گنگا کی مٹی کا قشقہ تھا۔ جسم پر ابھی تک گیروا ریشمی لباس لپٹا ہوا تھا۔ اس نے یہ سوچا ہی نہیں کہ وہ کیسا لگ رہا ہے۔ ایسے کپڑے پہنے تھا جیسے پہن کر کوئی کسی سے ملنے نہیں جایا کرتا، سچاریتا کو وہ لباس یاد آیا جو گورا پہلے دن پہنے تھا۔ جب وہ اُن لوگوں کے گھر آیا تھا اُسے معلوم تھا کہ اُس دن اس نے جنگ کا لباس سجایا تھا اور وہ تعجب کے ساتھ سوچنے لگی کہ کیا آج بھی اس نے لڑنے ہی کے لئے یہ دھج بنائی ہے۔

گورا نے اندر آتے ہی پاریش بابو کے سامنے گھٹنے ٹیکے اور جُھک گیا اور اُن کے پاؤں کی دُھول لی! پاریش بابو گھبرا کے الگ ہٹ گئے اور اُسے اُٹھاتے ہوئے بولے

"ارے ارے ــــ بیٹا ــــ رہنے دو، رہنے دو ــــ آؤ ــــ بیٹھو۔"

گورا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا "پاریش بابو ــــ اب میرا کسی سے کوئی رشتہ نہیں۔"

"کیسا رشتہ؟" پاریش بابو نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میں ہندو نہیں ہوں" گورا نے وضاحت کی۔

"ہائیں ــــ ہندو نہیں ہو!" پاریش بابو نے زور سے کہا

"جی ہاں ــــ میں ہندو نہیں ہوں ــــ آج مجھے بتایا گیا ہے کہ میں تو غدر میں پایا ہوا ایک بچہ تھا۔ میرا باپ تو ایک آئرش سپاہی تھا! ــــ ہندوستان کے اس سرے سے اُس سرے تک، آج تمام مندروں کے دروازے مجھ پر بند ہو چکے ہیں۔ ــــ آج اس پورے ملک میں کسی ہندو کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کا حق مجھے نہیں"۔

پاریش بابو، اور سچاریتا کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ دونوں کے ہونٹوں پر ایسی مُہر لگ گئی کہ ایک لفظ کوئی نہ بولا ــــ

"آج میں آزاد ہوں پاریش بابو" گورا ایک دیوانگی کے عالم میں بولا۔ "اب مجھے کسی کی چھُوت سے کچھ نہیں ہو سکتا، نہ میں گندہ ہو سکتا ہوں۔ نہ برادری سے نکالا جا سکتا ہوں، ــــ اب مجھے اپنی پاکیزگی قائم رکھنے کے لئے ایک ایک قدم پھُونک پھُونک کر زمین پر رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے!"

سچاریتا نے ایک نگاہ گورا کے چہرے پر ڈالی۔ اس کے گال جوش سے تمتا رہے تھے اور وہ کہتا جا رہا تھا "پاریش بابو ــــ اب تک میں یہ کوشش کرتا کہ اپنی پوری زندگی قربان کر کے بھارت ماتا کو حاصل کر سکوں، سمجھ سکوں، لیکن ہر ہر قدم ہر طرح طرح کی رُکاوٹوں سے میرا سابقہ پڑا ــــ اور میں ان ہی رکاوٹوں کی پوجا کرتا رہا ــــ اور اسی پُوجا پاٹ میں اُلجھ کر، ان ہی بُنیادوں کو مضبوط بنانے کی کوشش میں، میں اپنا اصلی کام نہ کر سکا ــــ وہی نہ کر سکا جو مجھے کرنا چاہئے تھا، جو میرا واحد مقصد، میری حقیقی منزل تھی! یہی وجہ تھی کہ جہاں اور جب بھی اصلی اور حقیقی ہندوستان سے میرا سامنا ہوا میں گھبرا کے پیچھے ہٹ گیا! میں نے کبھی

خود تنقیدی سے کام نہیں لیا، کبھی اپنے آپ کو بدلا نہیں، اور ذہن ہی ذہن میں ہندوستان کی ایک تصویر بنالی، ایک قلعہ سا کھڑا کر لیا۔ اسی لئے اپنے چاروں طرف ہر چیز سے میرا تصادم ہوتا رہا کیونکہ میں جسے بزعم خود اپنا ایمان سمجھتا تھا اس کو صحیح اور سالم رکھنے کے لئے میں نے اپنے آپ محصور کر لیا تھا۔ آج —— ایک پل کے اندر اندر میری بنائی ہوئی وہ تمام فصلیں خواب کی طرح ختم ہو گئیں —— آج میں مکمل طور پر آزاد ہوں تو اپنے آپ کو ایسی صداقتوں سے گھرا ہوا پاتا ہوں جن کی وسعت لامحدود ہے۔ ہندوستان کا وہ سب کچھ جو اچھا بھی ہے اور برا بھی مجھے نظر آسکتا ہے اس کی خوشحالی اس کے غم، عقلمندیاں اور غلطیاں آج پوری طرح مجھے بالکل اپنے دل کے نزدیک دکھائی دے رہی ہیں۔ اب مجھے سچ مچ یہ حق پہونچتا ہے کہ وطن کی خدمت کروں کیونکہ خدمت کا میدان وسیع اور لا انتہا آج ہی میرے سامنے کھلا ہے —— یہ وہ میدان ہے جو میرے تخیل سے نہیں بلکہ حقیقتوں سے پیدا ہوا ہے۔ ہندوستان کی تیس کروڑ اولاد کی بہتری اور بہبودی کا میدان۔!

گورا کے اس انوکھے تجربے نے کچھ ایسا جوش بھر دیا تھا کہ پارش بابو بھی کافی جوش میں آگئے اور بیٹھ نہ سکے وہ کرسی سے اٹھے اور گورا کے برابر میں کھڑے ہو گئے گورا کہتا جا رہا تھا: آپ سمجھ رہے ہیں نہ، میں کیا عرض کرنا چاہتا ہوں، جو کچھ ملنے کی دعائیں میں رات دن مانگا کرتا تھا وہ آج میں یکایک بن گیا —— آج میں واقعی ہندوستانی ہوں! میں اب ہندو، مسلمان، عیسائی کسی میں کوئی فرق نہیں کر سکتا —— آج ہندوستان کا ہر مذہب میرا مذہب ہے، ہر فرقہ میرا فرقہ ہے سب کا کھانا میرا کھانا ہے —— دیکھئے میں بنگال کے بہت سے حصوں میں گھوما ہوں اور دیہات کے، شہر والوں کے، نیچ سے نیچ ذات اور غریب سے غریب گھر میری

ہوئی ہوئی ــــــ یہ نہ سمجھئے گا صرف لیکن سچ پوچھئے تو میں ہی لیکچر دیتا رہا۔ میں کسی کے ساتھ برابری کے احساس سے بیٹھ نہیں سکا ــــــ اب تک میرے اور میری جنتا کے درمیان ایک خلیج حائل تھی جو میں کسی طرح نہیں پاٹ سکتا تھا، جو بری طرح مجھ کو چبھتی ہوئی تھی! یہی وجہ تھی کہ شروع سے ہی میرے ذہن میں ایک خلا تھا جسے میں طرح طرح کی ترکیبیں کر کے نظر انداز کر جانا چاہتا تھا! اس خلا کو زیادہ خوبصورت بنانے کے لئے ہی میں نے اس کو طرح طرح کے مصنوعی رنگوں سے سجایا، چونکہ میں ہندوستان کو جان سے زیادہ پیار کرتا تھا۔ اس لئے اس کے جس پہلو کو میں جانتا تھا اس پر ذرا سی بھی تنقید برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اب جبکہ مجھے ان مصنوعی سجاوٹوں کو ایجاد کرنے کی ضرورت نہیں رہی تو ان بیکار کی کوششوں سے بھی مجھ کو نجات مل گئی ہے! ــــــ اور اب مجھے محسوس ہوتا ہے، بارِیش بابو ــــــ کہ اب مجھے زندگی ملی، اب میں واقعی زندہ ہوں، ــــــ

بارِیش بابو آہستہ سے بولے "جب انسان صداقت کو پا لیتا ہے تو اس کی رُوح اپنی کمیوں کے باوجود، نامکمل ہوتے ہوئے بھی اطمینان اور سکون محسوس کرتی ہے! ــــــ پھر خواہش باقی نہیں رہتی کہ اُسے جھُوٹی چمک دمک والے لباس پہنائے جائیں۔"

"آپ کو معلوم ہے بارِیش بابو" گورا نے کہا "کل رات میں نے خدا سے دُعا مانگی تھی کہ آج وہ مجھے ایک نئی زندگی عطا کرے، میں نے چاہا تھا کہ بچپن سے لے کر اب تک میری زندگی میں جو کچھ جھوٹ ہو، جو کچھ گندگی ہو وہ بالکل دھل جائے، مٹ جائے اور میں ایک نیا جنم لوں، ــــــ خدا نے میری دُعا اس طرح تو قبول نہیں کی جس طرح میں نے سوچا تھا ــــــ لیکن یکایک اس نے اپنی صداقت کا ثبوت جس طرح مجھے دے دیا ہے اس سے میں بالکل بھونچکا رہ گیا! میں نے

خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ میری تمام آسودگی کو اس عجیب و غریب طریقے سے مکمل طور پر صاف کر دے گا! آج میں اتنا پاکیزہ ہوں کہ نیچ سے نیچ ذات کے گھر بھی چلا جاؤں تو قطعی آلودہ نہیں ہو سکتا! ـــــ پاریش بابو، آج صبح میں اپنا دل بالکل کھو کر اپنے ہندوستان کے سامنے سجدہ کرتا ہوں! آج مجھے اتنے عرصے بعد مکمل تجربہ ہوا ہے کہ ماں کی گود کے کیا معنی ہیں۔"

"گورا" پاریش بابو نے سنجیدگی سے کہا "ہم لوگوں کو بھی اپنے ساتھ لے لو تاکہ ہم بھی اس حق سے فیض حاصل کریں اور تمھاری ماں کی گود میں ہمیں بھی سکون نصیب ہو کہ ہماری بھی وہ ماں ہے۔"

"آپ جانتے ہیں کہ آج یہ آزادی حاصل کرنے کے بعد میں نے پہلا کام یہ کیوں کیا، کہ آپ کے پاس حاضر ہوا؟"

"کیوں؟" پاریش بابو نے تعجب سے پوچھا۔

"اس لئے کہ اس آزادی کا منتر آپ کے پاس ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج اتنی بڑی سوسائٹی میں آپ کے لئے کوئی جگہ نہیں! مجھے بھی اپنا مرید بنا لیجئے پاریش بابو آج مجھے اس پرماتما کی پوجا سکھائیے جس کے لئے ہندو مسلمان، عیسائی اور برہمو سب ایک ہیں، ـــــ جس کے مندر کے دروازے کسی انسان پر بند نہیں ہونے چاہئیں۔ اس کی ذات کچھ ہی ہو۔ جو صرف ہندوؤں کا خدا نہیں ہے بلکہ خود ہندوستان کا بھی خدا ہے۔ پورے ملک کا، پورے وطن کا، پوری انسانیت کا۔"

پاریش بابو کا چہرہ نیرِ ایمانی کی تابانی اور نرمی سے دہکنے لگا۔ انھوں نے نظریں جھکالیں اور خاموش کھڑے رہے۔!

پھر گورا سچاریتا سے مخاطب ہوا ـــــ جو بے حس و حرکت خاموش کرسی پر بیٹھی تھی ـــــ "سچاریتا" اس نے مسکرا کر کہا "میں اب تمھارا گرو نہیں ـــــ میں

تم سے اپنی ایک التجا پوری کرنے کی درخواست کرتا ہوں ——— میرا ہاتھ پکڑلو اور مجھے اپنے اس گرو کے قدموں تک پہونچاؤ"۔

اور اس نے اپنا کانپتا ہوا داہنا ہاتھ سچاریتا کی طرف بڑھایا۔

سچاریتا کرسی سے اٹھی اور اس کا ہاتھ تھام لیا، پھر گورا پاریش بابو کی طرف مڑا ——— اور دونوں اُن کے قدموں پر جھک گئے۔

اُس رات گورا گھر واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کے کمرے کے سامنے برآمدے میں آنند موئی چپ چاپ بیٹھی ہیں۔!

وہ اُن کے نزدیک گیا۔ اُن کے سامنے جھکا، یہاں تک کہ اس کی پیشانی ان کے قدموں سے چھو گئی۔ آنند موئی نے پیار سے اپنے دونوں ہاتھوں میں اُس کا سر پکڑ لیا اور اُسے چوما۔!

"ماں" گورا نے جوشیلے جذباتی لہجے میں کہا "میں جس ماں کی تلاش میں اِدھر اُدھر ٹھوکریں کھاتا پھرتا تھا وہ تو سارے وقت میرے گھر ہی میں بیٹھی تھی! ماں! آپ کی کوئی ذات نہیں، آپ کو کسی سے نفرت نہیں —— آپ کوئی فرق انسان میں نہیں کرتیں۔ ہماری بہبودی، ہماری بہتری، ہماری ترقی کا سب سے بلند نشان ہیں آپ —— آپ ہی بھارت ماتا ہیں —— ماں —— میری ماں۔"

پھر ذرا سا رُک کے بولا "ماں —— لچھیا کو ذرا بلا دیجئے گا، میرے لئے ایک گلاس پانی لا دیجئے۔"

آنند موئی نے بھرّائی ہوئی دھیمی آواز میں جواب دیا "گورا —— بیٹے کو ذرا بلا لوں۔"

——— (۵) ———

رابندر ناتھ کے صد سالہ جشن کے موقع پر ساہتیہ اکاڈمی نے رابندر ناتھ ٹیگور کی منتخب تصنیفات کا اردو ترجمہ شائع کرنے کا انتظام کیا ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل تصنیفات شائع ہوں گی۔

۱۔ ایک سو ایک نظمیں ۲۔ اکیس کہانیاں ۳۔ رابندر ناتھ کے تین ناٹک (راجہ، ڈاک گھر اور رکت کربی) ۴۔ گورا (ناول) ۵۔ کرکری (ناول چوکھیر بالی) ۶۔ سجوگ (یوگا یوگ ناول) ۷۔ رابندر ناتھ کے مضامین دو حصوں میں (پہلے حصہ میں ۔ فلسفیانہ، مذہبی، سماجی، سیاسی اور اس عہد کے دوسرے موضوعات پر مضامین ہوں گے۔ دوسرے حصہ میں ادبی موضوعات پر مضامین، یادداشت وتاثرات، سفرنامہ اور خطوط) ۸۔ رابندر ناتھ کا بچوں کا ادب۔

گورودیو کی تصنیفات کے مستند ترجمہ کے اہم کام میں اکادمی کو اردو کے بہترین ادیبوں کا تعاون ملا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اکادمی کی یہ کوشش پڑھنے والوں کو گورودیو کی تصنیفات سے محظوظ اور مستفید ہونے میں مدد دے گی۔ اکادمی کی طرف سے ان تمام تصنیفات کو دیوناگری رسم الخط میں بھی شائع کیا جا رہا ہے۔ ان کے علاوہ اکادمی کی طرف سے بچوں کے لئے رابندر ناتھ کی ایک مختصر سوانح عمری شائع کی جا رہی ہے۔ ہمارا شاعر نام کے اس کتابچہ کی خاص مصنفہ شریمتی لیلا مجمدار ہیں۔